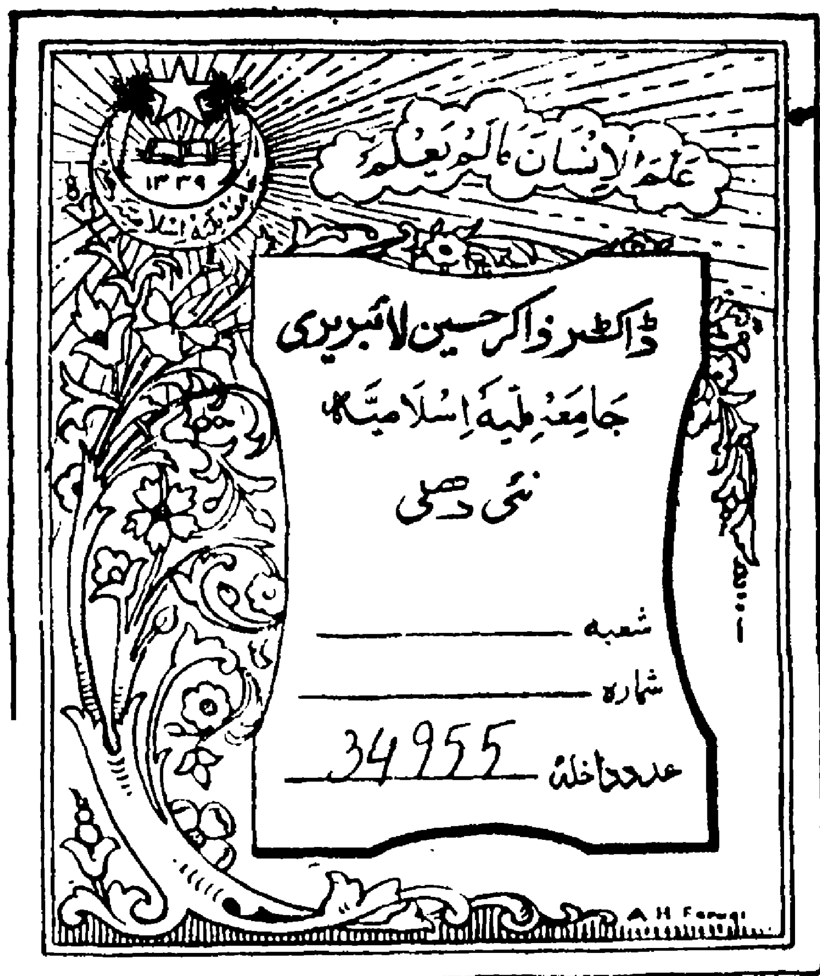






ایڈیٹر عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

Price. As. 12

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمارہ نمبر

جلد نمبر

ماہنامہ تجلّی دیوبند

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین مطابق ماہ فروری و مارچ ۱۹۵۹ء

تحت قواعد رجسٹریشن آف نیوز پیپرس

نام رسالہ	تجلّی
مقام اشاعت	دفتر تجلّی دیوبند
اشاعت کی نوعیت	ماہانہ
پرنٹر پبلشر	عامر عثمانی
وطنیت	ہندوستان
پتہ	محلّہ ابوالمعالی دیوبند
ایڈیٹر کا نام	عامر عثمانی
وطنیت	ہندوستان
پتہ	محلّہ ابوالمعالی دیوبند

(موجودہ ایڈیٹر صرف عامر عثمانی ہے)

ملکیت	عامر عثمانی

میں عامر عثمانی

اس کا اعلان کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے بہترین علم و اعتقاد کی رو سے صحیح ہیں

دستخط پبلشر

عامر عثمانی

۱۹ / فروری ۵۹ء

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ سکتے ہیں۔

پاکستانی حضرات

ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلّی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر

عامر عثمانی

پاکستان کا پتہ:- جناب شیخ سلیم اللہ صاحب

۴۷ بی - ۵ / ۲۰ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

اس پرچہ کی قیمت ۱۲/

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلّی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

لیجیے - ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد پھر آپ کا تجلی حاضرِ خدمت ہے۔ اگر اتفاق سے آپ تجلی کے محبت کرنے والوں میں نہیں ہیں ــــ کیونکہ اسے بعض وہ حضرات بھی پڑھتے ہیں جو اسے متعدد وجوہ سے گردن زدنی سمجھتے ہیں ــــ تو "محبوب" کا لفظ کالعدم "مبغوض" لکھ لیجئے۔ بہرحال یہ آپہنچا ہے اور پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ ہمنے غیر حاضری کی تلافی کر دی ہے یا نہیں۔ ہم ان لوگوں سے شرمندہ ہیں جو جھنجلا جھنجلا کر لکھا کرتے ہیں کہ یہ کیا آئے دن ایک مہینہ کا غچہ دیا کرتے ہو۔ واقعی خطوط سے اندازہ ہوا کہ تجلی کے شائقین پر یہ ناغہ بڑا گراں گذرتا ہے لیکن ہم اپنی اُن معذوریوں کو کیا کریں جو گاہ گاہ ہمارے گلے کا طوق بن جاتی ہیں۔ اب اسی بار دیکھیے کہ چھوٹی بہن صاحبہ بہنوں سے رام پور بلا رہی تھیں۔ والدین چونکہ مدت ہوئی کراچی جا چکے ہیں اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک بہن اپنے بڑے بھائی ہی کو عارضی طور پر والدین کا نعم البدل سمجھ لے۔ خود بھائی بھی ایسی حالت میں اپنی شفقتوں کا دامن نہیں سمیٹ سکتا۔ دوسری طرف بریلی سے ایک کرم فرما سال بھر سے دعوت دیئے جا رہے تھے۔ دعوت تو خیر رد کی جا سکتی ہے مگر جس دعوت میں بے پایاں خلوص و محبت کے علاوہ بعض مقدس احساسات کی بھی پاسداری ہو اسے رد کرنا خلافِ انسانیت محسوس ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ میرے والد مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب کافی عرصہ بریلی میں رہے ہیں۔ وہاں اپنے رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین کے ذریعہ انھوں نے ردِ بدعت اور ترویج سنت کا عظیم کام کیا ہے۔ اگر باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت رد کئے جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں خاصی تفصیل سے ان کے فیضانِ عام اور خدمتِ حق کا حال سُناتا لیکن بحالتِ موجودہ اس تذکرے کو مبہم ہی رکھتے۔ کہہ یہ رہا تھا کہ ان سے گہری محبت کرنے والی بعض ہستیاں اب بھی بریلی میں موجود ہیں اور انھی میں سے ایک صاحب شدت سے متمنّی تھے کہ باپ نہیں ہیں تو بیٹا ہی آجائے۔ صرف ملاقات تو یوں بھی ہو سکتی تھی کہ وہ خود ہی دیوبند تشریف لے آتے۔ اور وہ آئے بھی ہیں، لیکن ان کی تمنا کا ایک گوشہ یہ بھی تھا کہ جس طرح والد صاحب ان کے گھر جا کر ٹھیرا کرتے تھے اسی طرح میں بھی ٹھیروں۔ اس گوشہ کی معنویت کو عقل و درایت کی کسوٹی پر نہ پرکھئے، جذباتی نزاکتیں بسا اوقات عجیب ہوا کرتی ہیں۔ میں نے انھیں متعدد بار محسوس کرانا چاہا کہ محترمی! جو عقیدت آپ کو والد صاحب سے ہے خاکسار اس کے کسی بھی حصے کا مستحق نہیں ہے ــــ وہ۔ اللہ تعالیٰ انھیں زندہ رکھے صاحب باطن تھے، رہبر و ہادی تھے، لائقِ عقیدت تھے، یہ بے بضاعت، کور باطن ہے، بے توفیق ہے۔ زیادہ سے زیادہ سلام دعا کے لائق ہے۔ بس۔ اور یہ بھی انھیں معلوم تھا کہ "پیرزادگی" اور "اہلبیتیت" کی پیدائشی عظمتوں کو میں ایک ہوائی مفروضے اور دل بہلاوے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا، لیکن وہ اپنی پیہم دعوت سے باز نہ آئے اور میں نے بھی سوچا کہ بریلی اور رام پور کی لائن تو ایک ہی ہے۔ گھر سے نکلوں گا تو دونوں ہی جگہ ہو آؤں گا۔ کیا حرج ہے اگر میری ذات سے کسی پُر خلوص قلب کو تھوڑی سی تسکین و تشفی مل جائے۔ وعدہ کر لیا کہ آؤں گا۔ خیال تھا کہ کسی ماہ تجلی تیار کرنے کے فوراً بعد پانچ چار دن نذرِ سفر کر دوں گا۔ مگر بار بار ایسے موانعات پیش آتے رہے کہ وعدہ معلّق ہی رہا۔ ادھر دونوں جگہوں کا اصرار روز افزوں تھا آخر مجبور ہو کے ایک ماہ کی چھٹی کی اور تہیّہ کر لیا کہ جنوری ۵۹ء کا پرچہ سپردِ ڈاک ہوتے ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن حرفِ استثنا شاید میرا مقدر بن چکا ہے ایسی الجھنیں پیش آئیں کہ ۳۰ جنوری سے پہلے روانہ نہ ہو سکا۔ پھر واپسی میں بھی اگر مگر ہی رہی۔ بہن کو تو خیر بہلا پھسلا کے چپ کر دیتا، مگر بریلی کے کرم فرما قوی ثابت ہوتے

ہفتے بھر سے پہلے تو وہ ایسی کا نام تک سننے کو تیار نہ تھے۔ ان کے علاوہ بھی وہاں کتنے ہی مہربانوں نے دعوتوں کی دیوار کھڑی کرکے راستہ روکا، جن میں سے بعض پہلے سے شناسا تھے اور بعض تجلی کے ذریعہ غائبانہ واقفیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ عقیدت بھی عجیب طرفہ تماشا ہے۔ بعض دفعہ تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ عقیدت کوئی احسانِ عظیم ہے جس سے عقیدت کیش احباب مجھے نوازرہے ہیں اور سخت ناشکری ہوگی اگر میں نے ان کی ضیافتوں میں "مردہ بدست زندہ" کی پوزیشن اختیار نہ کی۔ شاید خطا ان کی نہیں اُس عام تجربہ کی ہے جو ان بیچاروں کو یہ تأثر دیتا ہے کہ مولوی ہونا اور دعوتیں اُڑانا لازم و ملزوم ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ تو پیٹ ہی کے طول وعرض سے مولویت کا حدودِ اربعہ ناپتے ہیں۔ یہ تأثر ہم مولویوں کے لئے بڑا شرمناک ہے مگر شرم وغیرت کو عمدہ تاویلوں کے نقاب میں چھپالینا بھی ـــ ہم مولویوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ ایک صاحب قدرتاً زود آمیز تھے۔ میں بھی زود آمیز ہی ہوں۔ دُو روٹی کے خاتمے پر میرا ہاتھ رُکتے دیکھ کر بولے وہ بات تو ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایڈیٹر تجلی اپنے کو "فاضل دیوبند" غلط لکھتے ہیں! ـــ میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ مگر ایک صاحب نے چونک کے پوچھا کیا بات ہے؟ ـــ وہ شاید میری طرف سے لڑ پڑنے کو تیار تھے۔ اوّل الذکر نے فرمایا۔ خوش خوراکی ہی سے تو مولویت کا ثبوت ملتا ہے ورنہ سند کون کس کی دیکھتا ہے! ـــ مؤخر الذکر نے اب بھی بات کی تہہ نہ پائی۔ تلخ لہجے میں کچھ کہنے لگے۔ میں نے روکا کہ بھائی لڑنے کی بات نہیں ہے یہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ زبان سے ہم مولویت کی شان میں چاہے کتنے ہی قصیدے پڑھیں اور مولویانِ سلف کی مثالیں دیں۔ یا آج ہی کل کے بعض مستثناء علماء کی نظیر لائیں لیکن عوامی تأثر تعامل اور نظائر کی کثرت سے بنتا ہے۔ عوام جب اکثر و بیشتر مولویانِ کرام کو مفصل خورونوش میں طاق دیکھتے ہیں اور ان کی ننگی صلاحیتوں کے اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں تو غیر شعوری طور پر یقین کرلیتے ہیں کہ خاص انداز کی وضع قطع کی طرح پُرخوری اور خوش خوراکی بھی مولویت کے قدرتی ہی لوازمات میں شامل ہے اور جتنا بڑا مولوی ہوگا اتنا ہی زیادہ اور عمدہ کھائے گا!

بہرحال متعدد عبرتناک اور فرحت ناک مراحل سے گذر کر ۷ر فروری کو دیوبند لوٹ ہی آیا۔ [illegible] خطوط اور اخبارات و رسائل کا انبار تو سیر و سیاحت کی سزا دینے کے لئے موجود تھا ہی، اس سے بڑی سزا یہ تھی کہ ۱۸ فروری تک دو ماہ کا تجلی تیار کروں تاکہ آٹھ دن میں تیار ہو کر دہلی سے دیوبند آسکے اور یکم مارچ کو شائع ہو۔ گویا صرف گیارہ دن کی مہلت تھی خیریت اسی میں دیکھی کہ ڈاک کا پلندہ تو جوں کا توں ایک طرف رکھدوں بلکہ کسی صندوق میں چھپا دوں تاکہ اس کا نظارہ سہماتا نہ رہے اور تجلی میں لگ جاؤں۔ شکر ہے ۱۶ر فروری کو یہ سطور لکھتے وقت تجلی کی تسوید سے فارغ ہو چکا ہوں، کتابت بھی انشاء اللہ دو چار روز میں مکمل ہو جائے گی۔ اس دوران میں رات کا وقت نکال کر کچھ خطوط کے بھی جوابات دیتے ہیں۔ تاہم جن دوستوں کو جواب کے انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑی ہے ان سے معافی کا خواستگار ہوں اور جن دوستوں نے غیر ضروری طور پر لمبے لمبے خط لکھ کر ازراہِ عقیدت ستایا ہے اُنھیں مجھ سے معافی مانگنی چاہئے۔ بعض لوگ جوابی خط لکھ کر سمجھتے ہیں کہ اب مدیر تجلی کے پاس فوری اور مفصل جواب نہ دینے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ ایسے خوش فہم دوستوں سے عرض ہے کہ عزیزو! جوابی خط نہ تو وقت میں برکت دیتا ہے نہ قلم کی رفتار بڑھاتا ہے، نوع بہ نوع خط بھیجنے والوں اور قسم قسم کے موضوعات پر تجلی میں سیر حاصل بحثوں کا مطالبہ کرنے والوں اور رنگ برنگے پمفلٹ، پوسٹر اور کتابچے برائے تنقید ارسال فرمانے والوں سے مجھے شکوہ تو نہیں ہے، بلکہ اس اعتبار سے ممنون ہی ہوں کہ وہ مجھے کسی لائق سمجھتے ہیں، لیکن انھیں یہ تو خیال کرنا چاہئے کہ میں کوئی جادوگر ہوں جو آن کی آن میں ہر طالب کی فرمائش پوری کرسکتا ہے۔ عالم الغیب جانتا ہے کہ خط لکھنے والوں کی دلداری اور پاسِ خاطر میں میں ذرا بھی متساہل نہیں ہوں اور بسا اوقات تو اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ، جس شخص نے جواب طلب اُمور کے لئے جوابی خط نہیں بھیجا اسے کیوں جواب دوں۔ مگر اس کے باوجود اگر بعض دستوں کو گلہ ہے انتظار کی کوفت اُٹھانی پڑتی ہے تو انھیں میرے سکوت سے بدگمان

اور ناراض نہیں ہو جانا چاہئے۔ کبھی کبھی تو جی چاہتا ہے کہ تجلی سے وہ تمام مستقل عنوانات نکال کر جنھیں میں ہی پُر کرتا ہوں، بس مختصر سا شذرہ لکھ دیا کروں اور باقی پرچہ عام رسائل کی طرح دوسروں کے مضامین سے تکمیل پاجایا کرے۔ اس طرح خطوط کے لئے بہت فالتو وقت مل جایا کرے گا۔ کاروباری تگ ودو کے لئے بھی موقع ہاتھ آئے گا اور نقد و نظر کے نتیجے میں آئے دن حصہ میں آنے والی خفگیوں سے بھی نجات مل جائے گی لیکن پھر کوئی خفیہ طاقت اس خواہش کو دبا کر حسبِ معمول کام کرتے رہنے پر اکساتی ہے اور صبر و شکر کے ساتھ میں اپنی ڈگر پر قائم رہتا ہوں۔

اس بار جس موضوع پر "آغازِ سخن" لکھنا تھا اسے پھر یہ اٹھا رکھا ہے۔ کیونکہ وقت کی تنگی سے ذہن کا شیرازہ منتشر ہے اور طبیعت پھر وہ نشاط نہیں ہے جو اہم موضوعات پر قلم اٹھانے کیلئے ضروری ہوا کرتا ہے۔ زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ گفتگو ہوگی۔

ایک عظیم فتنہ اس شمارے میں عزیزی شمس نوید عثمانی کا تنقیدی مقالہ "وحدتِ ادیان" کافی اہمیت کا حامل ہے۔ میں قلتِ وقت کے باعث اس پر تعارفی نوٹ نہیں لکھ سکا حالانکہ ہمارے دیس میں اسلام کو مکمل طور پر پسپا کرنے کی جو نوع بہ نوع ترکیبیں ہو رہی ہیں اس کے پیشِ نظر میرا تفصیلی نوٹ ضروری تھا۔ غیروں کا تو گلہ نہیں کہ انھیں تو قدرتاً دست درازی میں کوئی کسر چھوڑنی ہی نہیں چاہئے، مگر اسلام بیچارہ تو وہ مظلوم ہے جسے خود اس کے نام لیوا اور خادم ہی زندہ درگور کرنے میں بڑے فخر کے ساتھ مدد دے رہے ہیں۔ ابھی ہمارے وزیرِ تہذیب و ثقافت جناب ہمایوں کبیر ہی نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایسا فنکارانہ خطبہ دیا ہے کہ اسلام کی چشمِ عبرت لہو لہو ہو کر رہ گئی۔ (یہ خطبہ اور اس پر مولانا حامد علی صاحب کا ایمان افروز تبصرہ جنوری و فروری ۵۹ء کے "زندگی" (رام پور) میں چھپ چکا ہے) مولانا آزاد پر اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائے، اپنی تفسیر القرآن کی صورت میں جہاں وہ ملت کو علمی لعل و جواہر کا ایک خزینہ دے گئے ہیں وہیں "وحدتِ ادیان" کے ہولناک فلسفہ کی بنیاد بھی عطا فرما گئے ہیں۔ یہ فلسفہ —— جو دراصل کوئی فلسفہ نہیں بلکہ فکری بے راہ روی کی ایک نظر فریب لغزش ہے —— اپنی ظاہری کشش و رعنائی کے لحاظ سے طائرِ ایمان و اسلام کیلئے سب سے زیادہ خطرناک جال ہے۔ اس جال میں پھنس کر آدمی کو پوری تاریخ اسلامی میں بس چند ہی ہیرو نظر آتے ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، فیضی، ابوالفضل اور ان جیسے چند اور بے دین۔ یا پھر وہ اُن صوفیا کو لائقِ ستائش سمجھتا ہے جنھوں نے سادگی یا کم فہمی میں غیر اسلامی افکار و تصورات، اعمال و عقائد اور رسوم و رواج کو اسلام کے حدود میں در آنے کی اجازت دی۔ نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی اپنے افعال و اشغال میں انھیں قابلِ لحاظ حد تک سمو لیا۔ باقی تمام مشاہیرِ اسلام، تمام مجددین، تمام مصلحین و ائمہ اس کی نظر میں تنگدل، کم سمجھ، متشدد، بے شعور اور حقیقتِ اسلام سے ناآشنا ٹھیرتے ہیں۔ کیا تماشا ہے وہ شخص مسلمان ہونے کا بھی دعویٰ کرتا ہے جو کھلے بندوں بلا تکلف یہ کہتا ہے کہ سب مذاہب حق ہیں۔ ہر ایک نجات کے لئے کافی ہوگا۔ مسلمانوں کو عقائد و اصول میں بھی غیر اسلامی افکار و عقائد کو شیر و شکر کی طرح گڈمڈ کر کے رواداری، انسان دوستی، قومی اتحاد اور یک جہتی کا ثبوت دینا چاہئے۔ یاللعجب اس منطق سے تو وہ شخص بھی لائقِ تقلید ہونا چاہئے جو یوں کہے کہ "بھائیو! سونا، لوہا، تانبا، پیتل سب ایک ہیں۔ کیونکہ سب زمین ہی کے بطن سے نکلتے ہیں اور انھیں الگ الگ قدر و قیمت دینا زمین کے ساتھ ناانصافی ہے، دھاتوں کے ساتھ بے رحمی ہے اور اُن لوگوں پر ظلم ہے جو سونے سے محروم ہیں مگر تانبا پیتل رکھتے ہیں!

ایک خوشنما بات بارہا یہ کہی گئی ہے —— اور تازہ دس سالوں میں اسے بعض بڑی بڑی ہستیوں نے دُہرایا ہے کہ مختلف مذاہب کی مثال اُن راستوں کی سی ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود آخر کار منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر مذہب منزلِ نجات کے لئے راستے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا لغو ہے کہ بس اسلام ہی واحد ذریعۂ نجات ہے۔ تمام مذاہب اپنے اپنے طور پر خدا ہی کو پوجتے ہیں اور طرقِ پرستش کے اختلاف سے نفسِ بندگی میں کیوں فرق آنے لگا۔ وغیرہ۔

یہ درست ہے کہ ایک منزل کے لئے مختلف راستے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ کوئی بھی آدمی دنیا کے کسی بھی راستے پر چل دے اور گھر پہنچ جائے۔ سہارنپور سے دہلی جانے والا اگر لاہور کی سمت منھ اٹھا کے چل دے گا تو

اسے دہلی پہنچنے کی کتنی ہی مخلصانہ تمنا اس کے دل میں ہو، مگر زندگی بھر
ہلی نہ پہنچ سکے گا۔ منزل تک پہنچنے کے لئے دس راستے بھی ہو سکتے
یں، مگر ان میں سے ہر راستے کے بارے میں ٹھیک طور پر معلوم ہونا
ہئے کہ واقعی یہ منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ تو نہیں کہ آپ دہلی کی
یک گلی میں مڑ جائیں اور مذکورہ دلیل کی بنیاد پر کہیں کہ یہ ضرور
نکال پہنچا دے گا۔ علاوہ ازیں ہر منزل و مقام کے بارے میں یہ
عوی صحیح بھی نہیں ہے کہ اس تک پہنچنے کے لئے متعدد راستے
ہوتے ہیں۔ آپ اپنے ہی شہر میں کئی مکان اور مقامات ایسے
یکھ سکتے ہیں جن تک پہنچنے کے لئے کسی ایک — صرف ایک گلی
یا روڈ کو طے کرنا ضروری ہوگا۔ اسے طے کئے بغیر آپ ہرگز وہاں تک
پہنچ سکیں گے۔ الّا یہ کہ سیڑھی لگا کر پشت سے چڑھ جائیں۔

پھر دنیاوی منازل اور منزلِ نجات میں فرق ہے۔ عظیم
فرق بے اندازا اور لامحدود — دنیا میں تو آپ ایک منزل کے
لئے سَو راستے بھی بنا سکتے ہیں۔ منزل نظر کے سامنے ہے اور مادی
وسائل آپ کے ہاتھ میں لیکن نجات کی منزل نہ صرف بہت
دور ہے بلکہ انسانی حواس کی دسترس سے ماورا، بیکنار فاصلوں
پر، نامعلوم حجابوں میں نہاں، تعین کی گرفت سے بالاتر ہے۔ اس کا
تعلق ایک ایسی بے مثال ذات سے ہے جسے نہ کوئی دیکھ سکتا ہے
نہ چھو سکتا ہے، نہ عالم کی کسی شے پر اس کا قیاس کر سکتا ہے۔ وہی
ہے جس کے ہاتھ میں نجات اور جزا و سزا کا مکمل اقتدار ہے۔
اسی کی پرستش ہم بھی کرتے ہیں اور دیگر مذاہب والے بھی۔
نجات اسی وقت ممکن ہے جب ہم اسے خوش کر سکیں، اس کی بات
مان سکیں اور اس کے احکامات پر چل سکیں۔ یہاں نہ تو اس کا موقع
ہے کہ آپ اینٹیں اور مسالہ جمع کر کے بہت سی سڑکیں منزلِ نجات
تک بنوا دیں۔ نہ اس کا محل ہے کہ انسانی مزاج پر قیاس کر کے
برتر و بالا معبود کو خوش اور راضی کرنے والے طریقے ایجاد کر لیں۔
آدمی معذور سمجھا جاتا اگر اس معبود نے اپنے احکام و مرضیات کو
اس تک خود ہی نہ پہنچا دیا ہوتا۔ تب واقعی یہ بات ٹھیک بھی
کہ نیک نیتی سے جو بھی کوئی طریق عبادت اختیار کر لے اس سے
نجات پانے کی امید کی جا سکے اور اس وقت واقعی یہ کہنا درست
ہوتا کہ بھائی خدا کو نہ ہم نے دیکھا نہ تم نے۔ خدا کی پسند ناپسند کا

یقینی علم نہ ہمیں ہے نہ تمھیں۔ وہ کن افعال و عقائد کا ہم سے طالب
ہے یہ کسی کو نہیں معلوم، پس ہر شخص کو اپنے خیال و رائے، اجتہاد و
قیاس اور علم و عقل کے ذریعہ طریقِ بندگی اور عقیدہ و عمل کے
خاکے مرتب کرنے کا مساوی حق ہے — لیکن جس صورت میں کہ
معبود نے اپنے احکام قطعی و یقینی ذریعے سے بندوں تک پہنچا دیئے
اپنی پسند و ناپسند کا اعلان فرما دیا، خیر و شر کی تمیز دیدی، احکام و
اُصول کے خطوط متعین فرما دیئے۔ منزلِ نجات تک پہنچنے کا واضح
راستہ دکھلا دیا اور صریح لفظوں میں اعلان کر دیا کہ کفر و شرک
کی راہوں سے منزلِ نجات تک ہرگز کوئی نہ پہنچ سکے گا تو پھر
اِس خوش فہمی کے لئے کہاں سے جواز حاصل ہو سکتا ہے کہ ہر مذہب
حق ہے اور ہر راستہ منزل ہی کا راستہ ہے! دیگر مذاہب اگر
اِس رواداری پر خوش ہوں کہ سب مذہب حق ہیں یکساں ہیں
اور مفید نجات ہیں تو انھیں خوش ہونا ہی چاہئے کہ ان کا پیتل
سونا مان لیا گیا ہے۔ ان کے پاس کوئی صحیفہ ایسا ہے ہی نہیں،
جس کی بنیاد پر وہ دعویٰ کر سکیں کہ نجات کی غیر مشتبہ راہ انھیں
مل گئی ہے۔ وہ علم و عقل کی عدالت میں کبھی ثابت نہیں کر سکتے
کہ خدا کی مرضیات کی قطعی اور جامع و مانع اطلاعات دینے والی
کوئی کتاب، کوئی دستاویز، کوئی ماخذ ان کے پاس ہے، انکے
صحیفے مسلّم و معلوم طور پر ناقابلِ اطمینان، ان کی مذہبی روایات
کھلے طور پر غیر محفوظ، ان کے معتقدات بداہتہً غیر مدلّل اور من گھڑت
تب انھیں خوش ہونا ہی چاہئے کہ جملہ مذاہب کی یکسانی کے تحت
انھیں بھی صفِ اولیٰ میں جگہ مل گئی ہے، لیکن جس مذہب کے
پاس صراطِ مستقیم کا غیر مشتبہ علم ہو، حذف و اضافے سے مبرّا آسمانی
کتاب ہو، برحق ہونے کے تمام ممکنہ عقلی و نقلی شواہد ہوں جو علم و
سائنس اور عقل و منطق کا ہر چیلنج بہ اطمینان قبول کر سکتا ہو، جو زمانے
کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے ذرا بھی نہ جھجکے، جسے جانچ پرکھ
کے مراحل میں کسی طرح کا خوف نہ ہو، جو سورج کی طرح روشن ازلی
و ابدی صداقتیں رکھتا ہو اور جس کی بنیادیں فولاد کی طرح مضبوط
ہوں وہ کیسے اس ستم ظریفی پر خوش ہو سکتا ہے کہ اسے مشرکانہ
مذاہب کی صف میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ آسمان سے زمین پر
پٹخ دیا گیا ہے۔

مولانا آزاد کے بارے میں یہ کہنا تو حماقت ہی ہو گا کہ وہ "وحدتِ ادیان" کی ہلاکت سامانیوں کا پورا شعور نہیں رکھتے تھے اور یہ سمجھنا بھی زیادتی ہی ہو گا کہ اس باب میں ان کے اور دوسرے کم مغز بازوں کے خیال و رائے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اتنے فہیم و ذکی تھے کہ ہم سے کہیں زیادہ تمیز و شعور رکھتے تھے اور اتنے اونچے تھے کہ سطحی نعرہ بازوں کی طرح جملہ مذاہب کی یکسانی کا کھلا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ وہ ہمایوں کبیر کی طرح بے دلیل باتیں کہنے میں جلد بازی کر سکتے تھے۔ وہ گہرے تھے، محتاط تھے، صاحبِ فہم و فراست تھے۔ ابنائے وطن کے مضبوط اتحاد کی بے پناہ خواہش نے ان کے فکر و نظر پر جو عظیم بار ڈالا اور اجتماعی و سیاسی مصالح نے ان کے دل و دماغ پر جو یورش کی وہ اگر چہ انھیں رواداری، مفاہمت و مصالحت اور رعایت کی خطرناک حدوں تک لے گئی، لیکن بہر حال وہ ایک عظیم خطیب و ادیب تھے جو پُر شکوہ تحریر کے ذریعہ خوشنما دلائل کے انبار لگانا خوب جانتے تھے، جو حسین و دلکش الفاظ کے سہارے ابرق کو چاندی اور سراب کو پانی ثابت کر سکتا ہے، جس کے ترکش میں ہر طرح کے تیر ہیں، جس کی آواز عقیدت سے سنی جاتی ہے، جو مقبولِ عام و خاص ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ انھوں نے "وحدتِ ادیان" کے باب میں بھی اپنی معروف خصوصیتوں کو قائم رکھا۔ اپنی عالمانہ آن بان کو نبھایا اور بات اتنی بنا سنوار کے کہی کہ سماعتیں صوتِ الفاظ ہی کے جمال و رعنائی میں گم ہو کے رہ گئیں۔ سجے بنے اسلوبِ بیان کا رس دماغوں پر اس طرح ٹپکا کہ معانی پر توجہ کرنے کا ہوش ہی گم ہو گیا۔ کچھ ہی قوی الاعصاب ایسے تھے جنھوں نے برقتِ معانی پر توجہ دی تھی مگر ان کا احتجاج مولانا آزاد کی مقبولیت و عظمت کا حریف نہ بن سکا اور آج پھر شمس نوید ایک نحیف سی آواز اُٹھا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی آواز بھی نقار خانے میں طوطی ہی کی صدا ٹھیرے گی، مگر ماضی اور حال میں یہ فرق ضرور ہے کہ پہلے تو امتِ مسلمہ نقاروں کی صوتِ بلند کو ایک حسین مستقبل کا پیغامبر اور ایک صبحِ جمال آرا کا نقیب سمجھ کر بہت شوق سے سُن رہی تھی لیکن واقعات کی ٹھوکروں نے اس کے حسین خوابوں کا آبگینہ چُور چُور کر دیا ہے، اسکی خیالی جنت ہوا میں تحلیل ہو گئی ہے، اسے محسوس ہو گیا ہے کہ نقاروں کی خوش آہنگ تھاپ سماعتوں کو ماؤف کر دینے والے شور و غل کے سوا کچھ نہ تھی۔ لہٰذا آج وہ بیزار ہے، بد دل ہے، نئے آہنگ کی متلاشی ہے اور طوطی کی صدا پر کان دھر سکتی ہے۔

ہم ناظرینِ تجلی سے درخواست کریں گے کہ وہ شمس نوید کی تشحات کو بہت غور سے سمجھ سمجھ کر پڑھیں۔

تجلی کی ڈاک

دسمبر ۵۷ء میں ہم نے قارئین سے جو مشورہ طلب کیا تھا اس کے جواب میں غالب اکثریت نے یہی تجویز پسند کی ہے کہ وقتاً فوقتاً ایک ہی موضوع پر مشتمل نمبر نکالے جایا کریں۔ ہم دیگر موضوعات کے بارے میں تو وعدہ نہیں کر سکتے، مگر "تجلی کی ڈاک" نمبر ان شاء اللہ ضرور نکالیں گے۔ ہم جو محنت سوالات کے مفصّل جوابات میں کرتے رہے ہیں خدا کا شکر ہے وہ اکارت نہیں گئی ہے اور قارئین اس سے بڑی گہری دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ فی الوقت "سوالات" کا بہت بڑا انبار جمع ہے اس کے باوجود ہم نے اس شمارے میں صرف ایک ہی بحث میں مضمون ختم کر دیا ہے تو اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ ڈاک نمبر نکال کر ہم اس کی تلافی کر سکیں گے دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی بات بہت مشہور تھی، عوام کیا بہت سے خواص بھی اس باب میں تفصیلی معلومات نہ رکھتے تھے۔ ہم نے سوچا کہ ایک ہی دفعہ میں اتنا کچھ لکھ دیں کہ پھر لکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ ان شاء اللہ قارئین ہماری محنت کو لاحاصل نہیں پائیں گے۔

جوڑے کی لعنت

حیدر آباد دکن میں رائج "جوڑے" کی ملعون رسم پر ان شاء اللہ اگلے شمارے میں ہم اداریہ لکھ رہے ہیں۔ جو افراد یا گروہ اس بدترین رسم کو مٹانے کی جد و جہد کر رہے ہیں وہ اگلا شمارہ ضرور حاصل کریں۔ اب تک ہم خاموش کیوں تھے اور اب کیوں لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اسکی تفصیل بھی تب ہی دیکھئے گا۔ ہم خدا نے چاہا تو قرآن و سنّت، اسوۂ صحابہؓ اور اقوالِ ائمہ کے پیمانے سے ناپیں گے کہ اس رسم ذلیل کی طرف داری کرنے والے نام نہاد علماء کتنے پانی میں ہیں۔ وما التوفیق الّا باللہ۔

(عامر عثمانی)

تاج کمپنی پاکستان کے چند تحفے

قرآن ۶۱ دو ترجمے والا۔ پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ۔ دوسرا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
بڑی تقطیع ضخامت ۶۹۶ صفحے۔ کاغذ بڑھیا سفید، چھپائی دو رنگی عکسی۔ زمین سبز بہت حسین چیز ہے۔ ہدیہ مجلد عمدہ ۲۸ روپے۔

حمائل ۲ مترجم ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علیؒ۔ زمین سبز بہت ہی خوبصورت اور روشن لکھائی چھپائی۔ ہدیہ نو روپے۔

حمائل ۲/۲ مترجم یہی نمبر ۲ پلاسٹک کے حسین کور والی ہدیہ دس روپے چار آنے۔

حمائل ۱/۱۲ مترجم ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ تقریباً جیبی سائز۔ ضخامت کافی سبز زمین، حسین بیلدار حاشیہ بہت صاف اور خوبصورت۔ عمدہ چھپائی۔ ہدیہ نو روپے۔

حمائل ۱۴ بلا ترجمہ جیبی سائز۔ ضخامت کافی سُرخ بیل کا حاشیہ۔ ہدیہ پانچ روپے۔

حمائل ۲۴ بلا ترجمہ جیبی سائز اور اتنی پتلی کہ جیب میں آسانی سے آجائے۔ لکھائی چھپائی روشن۔ ہدیہ تین روپے۔

حمائل ۲/۲۶ بلا ترجمہ جلد خوشنما پلاسٹک کور۔ جیبی سے کچھ بڑی (ناول سائز) بہت ہی نفیس اور روشن لکھائی۔ ہدیہ پانچ روپے۔

مجموعہ وظائف ۱۳۴ بلا ترجمہ بڑھیا کاغذ، سہ رنگی چھپائی
ہدیہ تین روپے (یہی چیز قدرے ہلکے کاغذ میں ڈھائی روپے)

سورۂ یوسف مترجم آرٹ پیپر پر دو رنگی چھپائی سے نفیس بیل کا حاشیہ۔ ناول سائز
ہدیہ ایک روپیہ

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

مفید اور قابل اعتماد دوائیں

نشاط زندگی یہ اعضاء رئیسہ کو قوت پہونچا کر تمام جسمانی کمزوری کو دور کرتا ہے۔ ضعف مایوسی اور سستی کو دور کر کے قوت شباب کو بیدار کرتا ہے۔ ذہن اور حافظہ کا مقوی اور محافظ ہے چہرہ کی زردی کو سرخی میں تبدیل کر کے نئی زندگی بخشتا ہے قیمت پندرہ روز چھ روپیہ۔ مکمل کورس دس روپے

رفیقی جریان کثرت احتلام اور سرعت کے لئے بے نظیر دوا ہے۔ قیمت پانچ روپے۔

محبوبی قوت مردانگی کے لئے خاص دوا ہے۔ قیمت ننو گولیاں چھ روپے چار آنے۔

معجون سیلان رحم (لیکوریا) رحم سے سفید رطوبت کے دفعیہ کیلئے بے حد مفید ہے۔
قیمت پندرہ روز چھ روپے مکمل کورس دس روپے۔
ان دواؤں کے علاوہ ہر مرض کا علاج یہاں خاص طور سے ہوتا ہے
پتہ:- حکیم ابوسعید عبیداللہ درسگاہ جماعت اسلامی اسلام نگر۔ ڈاکخانہ دربھنگہ۔ ضلع دربھنگہ۔

مفت لیجئے

دلی کے بڑے بڑے تجربہ کار قابل حکیموں کا ایک بورڈ ہے۔ اگر آپ بیمار ہیں تو اپنا پورا حال لکھ کر ان سب حکیموں کے مشورے سے تجویز کیا ہوا نسخہ مفت لیجئے۔

خط پوشیدہ رہے گا۔

پتہ

سکریٹری طبی بورڈ۔ نور گنج دلی ۶

مکتبہ تجلی سے کتابیں خریدنے والوں کے لئے

اعلانِ رعایت

رمضان المبارک کی تقریب میں طے کیا گیا ہے کہ یکم مارچ ۵۹ء سے ۱۵؍اپریل ۵۹ء تک کتابوں کا جو آرڈر بھی موصول ہوگا اس پر دو آنے فی روپیہ رعایت دی جائے گی بشرطیکہ وہ پندرہ روپے سے زائد کا ہو:-

● "تفہیم القرآن" اس سے مستثناء ہے۔ اس پر ایک آنہ فی روپیہ ملے گا۔ باقی قرآنوں اور حمائلوں پر وہی دو آنے۔

شائقین جلد فائدہ اٹھائیں

منیجر مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)



تجلی کی ڈاک

رسول اللہؐ کا سایہ نہیں تھا!

دار العلوم دیوبند کے موجودہ صدر مفتی مولانا مہدی حسن صاحب مدظلہٗ کا افسوسناک فتویٰ

بہت سی غلط باتوں کی طرح ایک یہ بات بھی عوام میں شہرہ پاگئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ بعض سادہ فطرت اور جذباتی اسلاف نے تو اس بے اصل خیال کا چرچا کیا ہی تھا لیکن ہندوستان میں اسے پھیلانے کی بڑی ذمہ داری قبر پرستوں پر عموماً اور مولانا احمد رضا خاں صاحب پر خصوصاً ہے۔ انھوں نے "انارۃ الغبیّ" نام سے ایک کتابچہ لکھا تھا جس میں اپنے معروف علم الکلام کے ذریعہ اس بے اساس عقیدے کو حقیقتِ ثابتہ منوانے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے ان کے معتقدین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بات پھیل گئی۔ ملتقیم سے بھی عرصہ ہوا کسی نے اس کے متعلق سوال کیا تھا اور ہم نے غالباً تجلی ہی میں اس کا مختصر سا جواب دے دیا تھا۔ مختصر اس لئے کہ اس طرح کی غیر اہم باتیں زیادہ توجہ کی مستحق نہیں ہوتیں، لیکن آج ہم مجبور ہوتے ہیں کہ اس موضوع پر مفصل کلام کریں اور اتمامِ حجت میں کسر نہ چھوڑیں۔ مجبور اس لئے کہ ایک طرف تو متعدد خطوط سے معلوم ہوا ہے کہ بعض نام نہاد علماء پھر اپنے مناظرانہ انداز میں اس قصّہ کو ہوا دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ابھی کچھ دن ہوئے آندرو سے ایک کرم فرما ماسٹر محمد یونس صاحب نے جوابی خط کے ذریعہ ہم سے اسی موضوع پر سوال کیا تھا اور ساتھ ہی ان کی تحریر سے یہ بھی واضح ہوا تھا کہ رضاخانی عقائد کے بعض پیشہ ور مولویوں — یا نیم مولویوں کے علاوہ بعض دیوبندی علماء بھی اُسی سایہ نہ ہونے کے عقیدے پر زور دے رہے ہیں جیسے

خط کی گنجائش کے بقدر مع دلائل اس عقیدے کا رد کیا تھا اور پوچھا تھا کہ وہ کونسے علماءِ دیوبند ہیں جن کا آپ ذکر کرتے ہیں۔ اس پر انھوں نے دو صفحے کا مفصّل خط لکھا اور دار العلوم دیوبند کے موجودہ صدر مفتی مولانا مہدی حسن صاحب کا ایک تازہ فتویٰ بھی ارسال فرمایا جو نہ صرف ان کے اور نائب مفتی کے دستخطوں سے مزیّن ہے۔ بلکہ صدر مفتی صاحب کے اپنے ہی قلم کا تحریر فرمودہ ہے۔ دار الافتاء کی مُہر اور فتوے کے دفتری نمبر ($\frac{۳۹۵۶}{۲۸۱۸ھ}$) سے بھی آراستہ ہے۔ گویا باضابطہ اور مصدقہ ہے۔ مفتی مہدی حسن صاحب اگر دار العلوم کے اعلیٰ منصبِ افتاء پر فائز نہ ہوتے تو ہماری نظر میں اس فتوے کی کوئی اہمیت نہ ہوتی۔ ہم سمجھ لیتے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرح یہ بھی ایک ایسے ہی بزرگ ہیں جو ہتھیلی پر سرسوں جما سکتے ہیں اور جن سے نمٹنا ہم جیسے لکھنوی زبان والوں کے بس کا روگ نہیں ہے، لیکن بحالتِ موجودہ یہ فتویٰ شخصی نہیں ہے بلکہ علمائے دیوبند کے مصدقہ مسلک کا ترجمان ہے اور مفتی صاحب نے الفاظ بھی کچھ ایسے ہی لکھے ہیں کہ ناواقف عوام اسے علمائے دیوبند کا متفقہ ہی فتویٰ سمجھیں گے۔ لفظ بہ لفظ نقل ملاحظہ ہو۔

الجواب

الخصائص الکبریٰ ص$\frac{۶۸}{ج ۱}$ میں حافظ سیوطی نے مستقل ایک باب باندھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور آپؐ کے جسمِ اطہر کا سایہ نہ تھا۔ پوری عبارت کتاب کی ذیل میں درج ہے جو استدلال کے لئے کافی ووافی ہے۔

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نوراً فکان اذا مشی فی الشمس

[illegible]

او القمر لا ینظر له ظل قال بعضهم ویشهد له حدیث قوله صلی الله علیه وسلم فی دعائه واجعلنی نورا انتهی بلفظه۔

اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور اسی کے ہم معتقد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند ۲۷ ۱۲/۷۷ھ

الجواب صحیح

محمد جمیل الرحمٰن غفرلہ نائب المفتی بدار العلوم الدیوبندیہ

اس فتوے کو پڑھ کر راقم الحروف کو اس لئے تو تکلیف ہوئی ہی تھی کہ مفتی مہدی حسن صاحب جیسا عالم ایسی غیر علمی اور سطحی بات کہہ رہا ہے، لیکن زیادہ اذیت اس وجہ سے ہوئی کہ یہ بات انھوں نے اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ دار العلوم کے صدر مفتی کی حیثیت میں کہی ہے اور مزید ظلم یہ الفاظ لکھکر ڈھایا ہے کہ:۔

"اور اسی کے ہم معتقد ہیں"

کون نہیں جانتا کہ ایسے مواقع پر "ہم" کا دائرہ کتنا وسیع ہوتا ہے گویا سایہ نہ ہونے کے عقیدے کی جو نسبت مجرد اسی بات سے تمام علمائے دیوبند کی طرف ہو جاتی تھی کہ دار العلوم کا صدر مفتی قطعیت کے ساتھ اس کی اطلاع دے رہا ہے اسکی مزید توثیق و تکمیل لفظ "ہم" سے کر دی گئی۔ اب اس پر ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ قبلہ مفتی صاحب نے اپنے بعض پچھلے فتاویٰ کی طرح اس فتوے میں بھی ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا ہے، بلکہ نہ جانے کس وارفتگی کے عالم میں خود اپنے عقیدے کو علمائے دیوبند کے ذمے لگا دیا ہے۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ جن رفیع الشان علماء کو دیوبندی مکتبۂ فکر کا مستند نمائندہ کہا جا سکتا ہے اور جن کے اقوال و افعال سے "دیوبندی مسلک" کی ترجمانی ہوتی ہے وہ لئے سہل انگار اور غیر محتاط کبھی نہیں رہے کہ الخصائص الکبریٰ کے مبینہ "باب" سے متأثر ہو کر دیگر اقوی روایات اور عقل و درایت سے ہاتھ اُٹھا لیں۔ اگر ہمارا دعویٰ غلط ہے تو مفتی صاحب شہادت پیش فرمائیں۔ ہم جانتے ہیں وہ قیامت تک ایسا نہ کر سکیں گے۔ خود ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں چند شواہد پیش کرتے ہیں جو ناقابلِ بطلان ہیں:۔

(۱) دیوبندی مکتبۂ فکر کو اگر ایک عمارت سمجھ لیا جائے تو کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ایک عظیم ستون رہے ہیں ان کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی) میں عنوان ہے:۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑنے کی حدیث کا موضوع ہونا"

اس کے تحت ایک سائل کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں سائل نے یہی روایت ذکر کیا تھا جو الخصائص الکبریٰ کے واسطہ سے مفتی صاحب کا مستدل ہے:۔

"یہ روایت کتب صحاح میں نہیں اور نوادر کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے۔ نوادر الاصول حکیم ترمذی کی ہے نہ ابو عیسیٰ ترمذی کی"

مولانا نے اگرچہ روایت کی تکذیب نہیں کی ہے لیکن اتنا تو بہرحال ان کے فقروں سے ظاہر ہوا کہ وہ سایہ نہ ہونیکا عقیدہ نہیں رکھتے اور ایک بلند پایہ عالم اور شیخ ہونے کے باوجود سایہ نہ ہونے کا اثبات کرنے والی روایت کو اتنا بھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے کہ اسکے بارے میں تحقیق کر کے وقت ضائع کریں۔ پھر یہ تشریح بھی کہ یہ روایت جس کتاب نادر الاصول میں آئی ہے اس کے مصنف ابو عیسیٰ ترمذی نہیں ہیں حکیم ترمذی ہیں صاف بتاتی ہے کہ مولانا اس روایت پر اعتماد کرنے کو پسند نہیں فرماتے کیونکہ حکیم ترمذی کو اگر کوئی ابو عیسیٰ ترمذی سمجھ لے کہ جو "صحیح ترمذی" کے جامع ہیں تو خواہ مخواہ اس روایت سے حسن ظن قائم کرنا پڑے گا۔

(۲) دوسری شہادت اس مطبوعہ "فتاویٰ دار العلوم" سے لیجئے جو سابق مفتیانِ دار العلوم کے عقائد و آراء معلوم کرنے کے لئے ایک دستاویزی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جلد ہفتم (شائع کردہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند) صفحہ ۱۴۲ پر دار العلوم کے شہرۂ آفاق مفتی، علامہ شبیر احمد عثمانی کے بڑے بھائی، شیخ وقت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا یہ فتویٰ موجود ہے:۔

"سایہ نہ ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ایک نہایت ضعیف روایت ہے جو ذکر بہا السیوطی فی الخصائص اور تفصیل اسکی

مختصر کے رسالے ماحول القبول فی ظل الرسول
میں مذکور ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ دارالعلوم جلد اول میں
طبع ہوا ہے ضرورت ہو تو اس کو دیکھ لیا جائے۔۔۔"

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا کیا
خیال ہے۔ کوئی شاید یہ کہے کہ اُس روایت کا جو سیوطی نے الخصائص
الکبریٰ میں لی ہے اور جسے مفتی مہدی حسن صاحب نے "کافی وافی"
سمجھا ہے حدیث ہونا تو انھوں نے بھی مان ہی لیا خواہ نہایت
ضعیف ہی سہی تو اس روایت کی پوست کندہ حقیقت تو ہم آگے
تفصیلاً بیان کریں گے تاہم "ماحول القبول" میں ہی مفتی عزیز الرحمٰنؒ
کے الفاظ دیکھیے۔

"الحاصل اوّل تو ایک ایسے عامۃ الورود واقعہ میں
تمام صحابہؓ کا سکوت اور صرف ایک حدیث مرسل
کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ روایت کے
غیر ثابت وغیر معتبر ہونے کی ہے۔ ثانیاً یہ روایت
مرسل ہے۔ ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب واضع
حدیث ہے جس سے اگر حدیث کو موضوع کہہ دیا
جائے تو بعید نہیں" (ص۱۴۳)

واضح رہے کہ "ماحول القبول" ایک ڈھائی صفحے کا رسالہ
ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم کے جتنے ایڈیشنوں کی جلد اول میں یہ نہیں
ملتا جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ نئے ناشروں نے صوری و معنوی
نقائص کا پورا حق ادا کر دیا ہے تاہم دارالاشاعت دیوبند کی
شائع کردہ جلد اول میں یہ موجود ہے۔ اسے پڑھ کر کسی دیوانے تک
کو اس میں شک نہیں رہتا کہ "علمائے دیوبند" سایہ نہ ہونے کی بات
کو ہوائی اور بے اصل سمجھتے ہیں ہم آگے بھی حسب ضرورت ماحول القبول
کے فقرے نقل کریں گے۔

(۳) تیسری شہادت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے عربی
قصیدے لامیۃ المعجزات سے ملتی ہے جو تقریباً ڈھائی سو
اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں انھوں نے سو معجزے جمع کئے ہیں۔
موصوف موجودہ مہتمم سے قبل دارالعلوم کے مہتمم تھے اور باخبر حضرات
جانتے ہیں کہ "علمائے دیوبند" میں ان کا خاصا بلند مقام تھا۔ انھوں نے
اگرچہ بعض ایسے معجزات بھی ذکر فرما دیے ہیں جن کا اشارہ تک صحاح ستہ
میں نہیں ہے، بلکہ جن کی اطلاع دیگر کتب کی بعض غیر قوی روایات سے
ملتی ہے تاہم یہ "سایہ نہ ہونے" کا معجزہ وہ بھی پیش نہ کر سکے۔ لطف یہ
ہے کہ پورے قصیدے کا قافیہ یَصِلِ اور ھَطِلِ وغیرہ ہے جس کے ساتھ
یوں بھی مولانا کو آمادگی ہو سکتی تھی کہ ظِلِّ کا بنا بنایا قافیہ استعمال
فرمالیں۔ لیکن کیسے فرماتے۔ بات ضعیف درجے میں بھی قابل قبول
نہ ہو تو سنجیدہ لوگوں کا محض زینت سخن کے لئے اسے قبول کر لینا مشکل
ہی ہے۔

یہ تین شہادتیں ہمارے اس دعوے کے اثبات میں بالکل
کافی ہیں کہ مفتی مہدی حسن صاحب نے اپنے عقیدے کو علماء نے
دیوبند کا عقیدہ ظاہر کرنے کی کوشش خلاف واقعہ طور پر کی ہے۔
یا تو انھوں نے جذباتی مغلوبیت کے عالم میں مولانا احمد رضا خاں
صاحب اور دیگر بریلوی علماء کو بھولے سے "علمائے دیوبند" خیال
کر لیا ہے یا وہ تقدس مجذوبیت کے اُس بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں،
جہاں آدمی کو مکمل اطمینان ہو جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں
کوئی بھی اس کی تقریر و تحریر کا محاسبہ کرنے والا نہیں ہے۔

اب آئیے ہم نفس موضوع پر علمی و عقلی گفتگو کریں۔

پہلے عقلی پہلو کو لیتے ہیں۔ لیکن پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے
کہ ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جو کسی شے کے عقل سے بالاتر
ہونے ہی کو "خلافِ عقل" قرار دیتے ہوں۔ خوب جان لیجئے
کہ عقل کے خلاف ہونا اور بات ہے اور عقل کی گرفت سے باہر
ہونا بالکل اور۔ اگر سایہ نہ ہونے کی بات اطمینان بخش روایات
سے معلوم ہو گئی ہوتی تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تسلیم
میں تامل نہ ہوتا، کیونکہ یہ فی حد ذاتہ اسی طرح خلاف عقل نہیں ہے
جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات۔ جو خدائے
ذوالجلال اپنے محبوب بندے کو اُن کی آن میں افلاک کی سیر کرا سکتا
ہے، جو ایسے متعدد معجزے اپنے برگزیدہ بندوں کو دے سکتا ہے
جن کے مادی اسباب و علل انسانی علم و عقل کی دسترس سے
باہر ہیں اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ ایک ٹھوس جسم میں سے چاند
سورج کی شعاعیں صاف گذر جائیں اور سائے کا شائبہ تک نہ
آئے۔ مگر جب ایک بھی قابل اطمینان روایت موجود نہیں ہے۔

قابلِ اطمینان کیا ایسی بھی کوئی روایت نہیں ملتی جسے سنجیدگی کے ساتھ بجائے نام ہی "حدیث" کہا جاسکے اور عقل وقیاس بھی عقیدۂ مذکورہ کی کھلی تردید کرتے ہیں تو کیونکر اپنے قلب وضمیر کو دھوکا دیا جائے۔

اولاً غور کیجئے۔ کتنے بے شمار صحابہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ اور چاندنی میں سیکڑوں بار چلتے پھرتے دیکھا ہوگا۔ خود امہات المومنین اور خلفائے راشدین اور کثیر الصحبت مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم تو ہر روز ہی یہ نظارہ فرماتے رہے ہوں گے۔ تب اگر واقعی یہ عجیب و غریب اور غیر معمولی بات ہوتی کہ حضور کا سایہ نہ پڑا کرتا تو کیا عقل مان سکتی ہے کہ کبھی کسی ایک صحابی کی زبان پر بھی اسکا ذکر تک نہ آتا حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور کے معمولی سے معمولی حالات وکوائف، شمائل، خصائص اور ہر اس چیز کا ذکر کیا ہے جو حضور کی ذات بابرکات سے ادنیٰ سا بھی تعلق رکھتی تھی حتیٰ کہ آپ کے جسدِ مقدس کا ایک ایک خط، روئے مبارک کی ایک ایک تفصیل تک ہمارے سامنے ہے اور وہ تک باتیں روایت ہوگئی ہیں جنھیں بالکل نجی اور ذاتی کہا جاسکتا ہے۔ عقل وقیاس کہتے ہیں کہ اگر سچ مچ حضور میں سایہ نہ پڑنے کی حیرتناک خصوصیت ہوتی تو اس کی روایتیں تو چرچے اور تواتر کی حد کو پہونچنی چاہئیں تھیں۔ صرف صحابہ ہی نہیں کافروں تک کی زبان پر اس کا ذکر آنا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دورِ مبارک کی کسی ایک ــــ ہاں کسی بھی ایک فرد سے اس کا ذکر تک سننے میں نہیں آیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک افسانہ ہے جو بعد میں گھڑ لیا گیا ہے۔ خود وہ روایت بھی مرسل ہی ہے (یعنی صحابی تک اسکا سلسلہ نہیں پہنچتا) جو سایہ نہ ماننے والوں کی کل کائنات ہے۔ حالانکہ مرسل روایتوں کی ایک فوج بھی اس طرح کی مخصوص معاملہ میں اثباتِ مدعا کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً سوچئے قرآن بار بار اعلان کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، بشر ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر توضیح وتقیید کے لئے اللہ تعالیٰ حصر کے ساتھ فرماتے ہیں قل انما انا بشر مثلکم (کہدے جزئیت میں تو بشر ہوں تمھارے ہی جیسا) مثلکم نے مزید توثیق کردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں "بشر" کسی غیر معروف معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ وہی معلوم معنی ہیں جو دوسرے انسانوں کے حق میں لئے جاتے ہیں۔ گویا رسول اللہ جسمانی ساخت اور نوع تخلیق کے لحاظ سے ہمارے ہی طرح ایک ذی جسم انسان ہیں جنھیں تمام طبعی ضروریات لاحق ہیں، جو سردی گرمی سے متاثر ہوتے ہیں، جنھیں بھوک لگتی ہے، جو تھکتے بھی ہیں، سوتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں وغیرہ۔ بس فرق یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات کی تبلیغ کے لئے چن لیا ہے، وحی نازل فرماتا ہے اور کیفیاتِ ایمانیہ میں آپ دنیا جہان سے بڑھ کر ہیں۔ اب اگر سایہ نہ پڑنے کی فریدووحید خصوصیت ان میں ہوتی تو حدیث تو بعد کی بات ہے اور صحابہ کا قول تو ایک طرف رہا خود قرآن ہی میں اس کا لازماً کچھ نہ کچھ ذکر آتا کیونکہ یہ تو کھلے طور پر معلوم و مشاہد بشریت اور طبعی ومادی مظاہر فطرت کے خلاف ہے۔ یہ تو نعوذ باللہ ایک زندہ تردید ہے بشر مثلکم کی۔ بشر کو مثلکم کے ذریعہ مؤکد ومشرح دیکھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ باور کرسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں فرمایا ہے جب کہ حضور کا سایہ نہ ہونے کے باعث ہر شخص انھیں مافوق البشر سمجھنے پر مجبور تھا تو اسے غور کرنا چاہئے کہ ان الفاظ کے متصل بعد نزولِ وحی کی خصوصیت کے ساتھ اس خصوصیت کا بھی کیوں ذکر نہیں آیا۔ کیوں اللہ کی بے نہایت بلاغت نے اس صاف سی بات کو نظر انداز فرمادیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کی زبان سے انما انا بشر مثلکم کا واشگاف اعلان کراتے ہوئے اُس تضاد کو بھی دُور کرنے کیلئے کوئی استثنائی توجیہ پیش فرمادیں جو سایہ نہ ہونے کی وجہ سے مستقلاً موجود ہے۔ اللہ نے اپنے کسی دعوے، کسی پیغام کو دلیل سے تشنہ نہیں چھوڑا، جس صورت میں کہ سایہ نہ ہونے کی وجہ سے تمام ہی لوگوں کے لئے حضور کو مافوق البشر یا کم سے کم جملہ انسانوں سے علیحدہ قسم کا بشر سمجھنے کا معقول سبب موجود تھا تو کیسے اُمید کی جاسکتی ہے کہ بشر مثلکم کا چونکا دینے والا اعلان خود نبی کی زبان سے کرانے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس معقول سبب پر کوئی توجہ نہ دیتا، اشارۃً بھی اس سے تعرض نہ کرتا "نزولِ وحی" جیسی خصوصیت کو تو اس نے متصل بعد بیان کردیا جسے کوئی بھی اہلِ کتاب خلافِ بشریت نہیں سمجھ سکتا تھا کہ تمام ہی

ہی انبیاء ان کے محبط رہے تھے اور سب سے زیادہ متعارض خصوصیت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اب یا تو یوں کہئے کہ نعوذ باللہ خدا سے چوک ہو گئی یا پھر سعادت مندی کے ساتھ یہ مان لیجئے کہ مذکورہ خصوصیت موجود ہی نہیں تھی۔ ہم پہلی بات کو کبھی نہیں مان سکتے۔ دوسری ہی پر ہمارا اذعان ہے۔ اللہ جل شانہ نے رسول اللہؐ کی بشریت کو غیر مشتبہ اور بے غبار رکھنے میں جس قدر احتیاط فرمائی ہے اس کا اندازہ ایک ہی آیت سے کافی وافی ہو جاتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (بنی اسرائیل)

پاکیزہ تر ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجد اقصےٰ تک، جسکو ہماری برکت نے گھیر رکھا ہے تاکہ دکھلائیں اسے اپنی قدرت کے کچھ نمونے۔

یہ کسی "بشر" کی مقدرت سے باہر تھا کہ راتوں رات مذکورہ فاصلہ طے کر آئے اور جیسا کہ تقریباً تیس۳۰ مختلف صحابہؓ سے منقول ہے حضورؐ سدرۃ المنتہی تک بھی گئے ہیں (جس کی توثیق سورۃ النجم سے ہوتی ہے) اس کا بیان اللہ نے جس انداز میں فرمایا وہ آپ کے سامنے ہے۔ تمام افعال کی نسبت اپنی ہی طرف کی تاکہ یہ شائبہ تک نہ رہے کہ یہ حیرتناک سفر حضورؐ کی کسی اپنی استعداد و قوت کا ثمرہ تھا۔ اگر ایسا ہو تو آپؐ کی بشریت کا کیا تصور باقی رہ سکتا تھا۔ پھر کسی معزز نام مثلاً رسول اللہ وغیرہ کی بجائے "عبد" کا لفظ اختیار فرمایا جو محکومیت، ضعف اور عجز و درماندگی کا مظہر ہے۔ اسی لئے ناکہ اس معجزے کے ظہور میں حضورؐ کے ذاتی فضل و اقتدار کا کوئی واہمہ تک پیدا نہ ہو اور "بشریت" اپنی تمام تر ناطاقتی کے ساتھ محفوظ رہے!

پھر غور کیجئے، اللہ نے بے شک انبیاء کو معجزے دیئے اور ہمارے حضورؐ کو سب سے زیادہ نوازا، لیکن کیا ایسا بھی کوئی معجزہ کسی نبی کو دیا جو ہمہ وقت بالکل غیر منقطع اور لاینفک طور پر اس التزام کے ساتھ نبی کے ساتھ ملحق رہا ہو کہ تماشائی اسے جب چاہے بلاتکلف دیکھ سکے؟ ہم سمجھتے ہیں ایسا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا اور اس لئے نہیں دیا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی معروف سنت کے خلاف ہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ انسان کی آزمائش کیلئے ہر مرحلے میں

کوئی نہ کوئی ایسا دروازہ ضرور کھلا رکھا جائے جو آدمی کو گمراہی کی وادی میں پہنچانے والا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اللہ نے انسان کو ایمان لانے پر بالکلیہ مجبور نہیں کیا، بلکہ ہر منزل میں عقل فتنہ پرداز اور نفس امارہ کے لئے انکار و جحود کی گنجائشیں چھوڑ دی ہیں اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ظاہر ہے ایمان لانا کوئی قابل اجر و انعام فعل نہ ہوتا کہ اجر و انعام تو اسی لئے ہے کہ غلط راہ پر جانے کے طبعی امکان اور اجازت کے باوجود ایک شخص اپنے ارادے اور صوابدید سے سیدھی راہ پر آجائے۔ ایسے معجزات عطا کر دیئے جاتے جن کی موجودگی میں عقل و طبیعت کے لئے تاویل و فرار کی گنجائش ہی نہ رہتی تو ایمان لانے کی کیا اہمیت ہوتی۔ اندازہ کیجئے، سرکار کا ہر معجزہ ایسا ہے کہ دورِ مبارک کے ہر کافر کے لئے طرح طرح کی تاویلات کر کے اس سے انکار کرنے یا اسے وقتی فریب نظر قرار دینے کی گنجائش موجود تھی۔ لیکن اگر سایہ نہ ہوتا تو یہ ایسا دوامی، لاینفک اور تاویل سے بالاتر معجزہ ہوتا کہ عقل اور طبیعت درماندہ و مجبور ہو کر رہ جاتی اور ہر دیکھنے والا قدرتی و طبعی طور پر حضورؐ کو تمام نوعِ انسانی سے برتر سمجھ کر سرِ نیاز جھکا دیتا۔ یہ بات بالیقین سنت اللہ کے خلاف ہوتی جسے قرآن میں بایں طور واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ اگر چاہتا تو جملہ انسان مومن ہی ہوتے ایک بھی شخص کفر نہ کر سکتا لیکن اللہ تو آزمانا چاہتا ہے اور آزمائش جبھی ہوتی ہے جب دو راستے، دو امکان موجود ہوں۔

لیجئے۔ دارالعلوم کے سابق مفتی مولانا عزیز الرحمٰن رحؒ کے بھی الفاظ دیکھ لیجئے۔ زیر بحث روایت کے نامعتبر ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> "دھوپ اور چاندنی میں چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے واقعات جو سفر و حضر میں مجامع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے تمام عمرِ نبوی میں پیش آئے ہیں ظاہر ہے کہ غیر محصور اور نہایت کثیر التعداد ہیں۔ پھر دیکھنے والے صحابہ کرام ہزاراں ہزار ہیں۔ پھر صحابہ کرام کی عادت یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا ذرا سی بات اور فعل و حرکت اور آثار و حالات کے بیان کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے۔ ان امور کا مقتضےٰ یقینی طور پر

ہے کہ اگر یہ واقعہ معجزہ ثابت ہوتا تو اس کی روایات صحابۂ کرام کے ایک جم غفیر سے منقول ہوتیں اور یقیناً حدِ تواتر کو پہنچتیں، لیکن جب ذخیرۂ حدیث پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بارے میں صرف ایک حدیث اور وہ بھی مرسل، اور وہ بھی سنداً بالکل ضعیف و واہی نکلتی ہے جو قرینۂ قویہ اس امر کا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔" (ص۳۳)

لفظ "واہی" پر توجہ کیجئے، جو لوگ مولانا موصوف کے زہد و تقویٰ، وسعتِ علم اور ادب و احتیاط سے واقف ہیں۔ اور اربابِ دارالعلوم خوب واقف ہیں کیا وہ وہم بھی کر سکتے ہیں کہ جس روایت کے "حدیث" ہونے کا ادنیٰ سا بھی امکان موجود ہو اسے مولانا "واہی" کہنے کی جسارت فرما سکتے ہیں[1]۔

غالباً عقل و درایت کے پہلو سے تو مسطورہ دلائل کافی شافی ہیں۔ اب آیئے فنِ روایت کی بھی تہا زرا اُٹھالیں۔ نقد کی کسوٹی پر گھس کر دیکھیں کہ مفتی مہدی حسن صاحب نے سیوطی کی جس عبارت کو حقیقتاً اپنے ذاتی — اور تلبیساً علمائے دیوبند کے عقیدے کی بنیاد بنایا ہے وہ پیتل ہے یا سونا۔ فتویٰ دینے کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے ہمیں تو اس پر بھی اعتراض ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ عوام کی عربی ناشناسی اور کم علمی کا علم ہوتے ہوئے بھی عربی کی ایک غیر متداول کتاب سے چند لائنیں بلا ترجمہ و تفسیر نقل کر دی جائیں۔ اگر سائل کی زبان میں مدلل تفہیم کی فرصت نہیں ہے تو عقائد کے معاملہ میں یا تو کسی ایسی کتاب کا مختصر حوالہ دیدیا جائے جسے عقائد کے باب میں عموماً مستند سمجھا جاتا ہو، یا چند نام ان علمائے کرام کے لکھ دیئے جائیں جن پر سائل کے اعتماد کی اُمید کی جا سکتی ہو۔ آپ نے الخصائص الکبریٰ کا اقتباس پیش فرما دیا ہے جس کے عوام کے فرشتے بھی اس کے نام تک سے واقف نہ ہوں اور حافظ سیوطیؒ کا نام لے دیا جن کا عقائد کے معاملہ میں مستند ہونا عوام تو کیا خواص تک نہیں جانتے۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ نقل کردہ عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ موجود ہیں۔ انھیں دیکھ کر عربی ناشناس عوام یہی سمجھیں گے کہ

اب تو خود رسول اللہ کا حوالہ آگیا پھر مجالِ انکار کہاں۔ رہی سہی کسر الحکیم الترمذی کے الفاظ نے پوری کر دی۔ قدرتاً ان کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ ترمذی شریف کی حدیث ہے اور ترمذی کے بارے میں وہ جانتے ہی ہیں کہ حدیث کی معتبر کتاب ہے۔ فتویٰ دینے کا ایسا طریقہ جہاں اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے مفتی صاحب فتویٰ نویسی کی حقیقی اسپرٹ کے ساتھ نہیں بے دلی کے ساتھ ضابطہ کی خانہ پُری کر رہے ہیں، وہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ شاید بہ تقاضائے عمر بہت تھک گئے ہیں، اور مسئولیت کے احساس پر سہولت پسندی غالب آگئی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ فتوے کی پیشانی پر پوری بسم اللہ تو کجا "۷۸۶" تک لکھنا چھوٹ گیا ہے۔ فیا حسرتا!

خیر ان کی نقل کردہ عبارت کو دیکھتے ہیں۔ یہ دراصل تین اجزاء پر مشتمل ہے (۱) حکیم ترمذی کی بیان کردہ روایت۔ (۲) کسی ابن سبع کا قول اور (۳) کچھ نامعلوم لوگوں کا ایک اور حدیث سے استشہاد۔ ہر ایک کو بالترتیب الگ الگ لیتے ہیں اور ترجمہ بھی ساتھ ہی دیتے ہیں۔

(۱) اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر۔	حکیم ترمذی نے ذکوان سے تخریج کی ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

+ + +

+ + +

سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ حکیم ترمذی وہ نہیں ہیں جو "صحیح ترمذی شریف" کے جامع ہیں، بلکہ وہ ترمذی ہیں جن کا نام محمد بن علی تھا اور جو "نوادر الاصول" جیسی غیر معتبر کتاب کے جامع ہیں۔ پہلے تو اس کتاب ہی کی حیثیت دیکھ لیجئے جس میں ان صاحب نے یہ روایت بیان فرمائی ہے شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں رائے ظاہر فرمائی ہے کہ

"نوادر الاصول اکثر احادیث غیر معتبر دارد۔"

پھر اس کے مصنف حکیم ترمذی صاحب کے بارے میں فرمایا ہے:۔

"جاننا چاہئے کہ ان کی تصانیف میں غیر معتبر

---

[1] ...کے یہ کہدیتے ہیں کہ ترمذی میں اس طرح ہے ۱۲

گھڑی ہوئی حدیثیں بہت مندرج ہیں اور اس حادثے کی وجہ انھوں نے خود ہی بیان کی ہے کہ میں نے اس تصنیف میں قطعاً فکر و تدبر سے کام نہیں لیا نہ میری غرض یہ ہے کہ کوئی ان مؤلفات کو میری طرف منسوب کرے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جب کوئی کام کاج نہ ہونے کی بناء پر میرا دل گھبراتا تھا تو طبیعت بہلانے کے لئے تصنیف کا شغل کر لیتا تھا اور جو جی میں آیا لکھ ڈالتا تھا"۔۔۔

مشہور صوفی اور شیخِ طریقت استاد قشیریؒ نے بھی رسالۂ "قشیریہ" میں حکیم ترمذی صاحب کا یہ فرمودہ نقل کیا ہے۔

ماصنفت حرفاً عن تدبیر ولا ینسب الیَّ شیئٌ منہ ولکن کان اذا اشتد علیَّ وقتی اتسلی بہ۔	میں نے کوئی حرف بھی سنجیدہ فکر سے نہیں لکھا اور میری تصنیف میں سے کسی بھی چیز کی نسبت میری طرف نہ کی جائے دراصل جب خالی وقت مجھ سے کاٹے نہ کٹتا تھا تو شغلِ تصنیف سے دل بہلا لیتا تھا۔

+ + + +

کمال ہے جس تصنیف کا حال یہ ہو اور اس کا مصنف صاف لفظوں میں اس کے ساقط الاعتبار ہونے کا اعلان بہ اعلان کر رہا ہو اسی کی ایک روایت پر بعض اہلِ علم اعتقاد کی عمارت اٹھالیں

ع۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

خیر یہ تو اُس کتاب کا حال ہوا جس سے حافظ سیوطیؒ نے روایت اخذ کی ہے۔ اب خود روایت کا حال دیکھئے۔ اسکی سند یہ ہے عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید عن ذکوان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سب سے پہلے ہی راوی عبدالرحمن بن قیس[۵۷] کو صاحب المیزان کی تصریح کے مطابق ابن مہدیؒ اور ابو زرعہؒ نے جھوٹا بتایا ہے امام بخاری نے فرمایا ہے کہ اس کی روایتیں لینے کے قابل نہیں ہیں۔ امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ وہ لاشئی کے درجہ میں ناقابلِ التفات ہے۔ حاکمؒ نے اگرچہ اس کی ایک منکر[۵۸] روایت کی تصحیح کر دی ہے لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح بعض مرتبہ کس قدر نادرست ہوتی ہے اور پھر انھوں ہی نے ایک جگہ اس کی روایتوں کو ساقط الاعتبار کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ابن مہدی کی تکذیب اور امام احمد کی تضعیف کی توثیق کی ہے اور ان کے قول میں "متروک[۵۹] الحدیث" کے الفاظ بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ امام نسائیؒ نے بھی اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ صالح بن محمدؒ نے فرمایا کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور ابن عدیؒ نے فرمایا کہ اس نے کم و بیش جتنی روایتیں کی ہیں کوئی بھی ثقہ آدمی ان کی پیروی نہیں کرتا۔ ابو نعیم اصفہانی نے فرمایا کہ وہ لاشئی کے درجے میں ہے۔ حد یہ ہے کہ خود اُن علامہ سیوطیؒ نے جو الخصائص الکبریٰ میں اس کی روایت کو مستدل بنا رہے ہیں اسی روایت کے تحت اپنی کتاب مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن قیس راوی ہے جو گھڑنت کرنے والا بہت جھوٹا آدمی ہے (ص۷)۔

یہ ہے راوئ اول کا حال۔ راوئ ثانی عبدالملک بن عبداللہ بن ولید خدا جانے کون ہے۔ اس کا کوئی حال کتبِ رجال میں نہیں ملتا۔ فرمایئے کیا اس کے بعد بھی کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟

کون نہیں جانتا کہ حدیثِ مرفوع تک میں اگر کوئی ایک بھی راوی ساقط الاعتبار ٹھیر جائے تو روایت بیکار ہو جاتی ہے۔ زیر بحث روایت تو خود ہی مرسل ہے اور مرسل بھی کسی صحابی کی نہیں تابعی کی۔ ذکوان صحابی ہرگز نہیں ہیں۔ محترم مفتی صاحب ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ جس مرسل کے راویوں میں سب ثقہ ہوں، ایک بھی متروک و مجروح نہ ہو اسے بھی احتجاج کے قابل نہ ماننے والوں میں بڑے بڑے علماء مثلاً امام شافعیؒ، سعید بن المسیب، ابن سیرین اور زہری وغیرہم شامل ہیں[۶۰]۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب نے بھی بایں الفاظ مجملاً اس کا ذکر کیا ہے:۔

"یہ حدیث مرسل ہے اور محدثین کی ایک عظیم الشان جماعت مرسل کو حجت نہیں سمجھتی" (ص۳۴)

علامہ امیر عبدالقادر الجزائریؒ فرماتے ہیں۔

والحدیث المرسل ضعیف	اور حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے

---

۵۸ جسکا راوی ضعیف ہو اور کسی قوی راوی کی روایت کے خلاف روایت بیان کر رہا ہو۔ ۵۹ محدثین نے جسکی روایتیں یعنی چھوڑ دی ہوں ۶۰ فتح الملہم ۱۲ ۵۷ پورا نام یوں ہے عبدالرحمن

ویحتج به عند جمهور المحدثین وکثیر من الفقهاء واصحاب الاصول والنظر (فتح الملہم)	جمہور محدثین، بہت سے فقہاء اور اربابِ اصول ونظر کے نزدیک اس سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

+ + + + +

امام اعظمؒ اور بعض اور علماء احتجاج کو جائز سمجھتے ہیں مگر متعدد سخت قیود کے ساتھ۔ مثلاً عقل ودرایت کے خلاف نہ ہو، دوسری روایات سے اسے قوت حاصل ہو جائے اور کسی اپنے سے قوی روایت کے خلاف نہ ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ شرط لگاتے ہیں (جسے امام ابن الہمامؒ حنفی نے تحریر الاصول میں بیان کیا ہے) کہ اس روایت کا مرسِل[1] معتمد شخص ہو، عادل ہو مسلمانوں کو اسکی ثقاہت میں کلام نہ ہو، اُن لوگوں میں سے نہ ہو جو ہر سنی سنائی بات نقل کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں، راوی کے سچ جھوٹ کی تمیز کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو، اس میں جرح وتعدیل کی اہلیت ہو، وہ محذوف راوی کے بارے میں اس کے ہم عصر مشاہیر کی منتخب آراء سے واقف ہو، تب کہیں جاکر اس کی مرسل روایت کو قبول کرنے کی ہمت کی جا سکتی ہے۔ آخری شرط بہت اہم ہے کیونکہ جیساکہ ابن حزمؒ نے فرمایا ہے حضورؐ کے زمانے میں منافقین ومرتدین بھی تھے جو آپؐ کی زندگی ہی میں جھوٹ گھڑ لیتے تھے تو بعد میں کیوں کسر چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ جس محذوف راوی کو مرسل نے صحابی سمجھا ہو وہ مشاہیر صحابہ کے نزدیک منافق ومرتد ہو۔

پھر مفتی صاحب اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ اہلِ فن حدیثِ مرسل کو خبرِ مردود ہی کے ذیل میں بیان کرتے ہیں نہ کہ خبرِ مقبول کے۔

تاہم یہاں ان بحثوں کی ضرورت ہی نہیں۔ عبدالرحمٰن زعفرانی جیسے مجروح ومتروک اور عبدالملک جیسے مجہول راویوں کی شریکِ سند ہونے کے بعد دنیا کے کسی بھی بالغ نظر امام ومحدث سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سند سے آئی ہوئی روایت کو ذرہ برابر وقعت دے گا اور جب یہ روایت فہم ودرایت کے بھی خلاف ہو جیساکہ گذر چکا اور احادیث قویہ کے بھی خلاف ہو جیساکہ آرہا ہے تو کیا امکان رہ جاتا ہے کہ اس سے دلیل پکڑی جائے۔

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے جو روایت ہجرت کے بارے میں مروی ہے اس میں صریح الفاظ ہیں:۔

حتیٰ اصابت الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابوبکر حتیٰ ظلل علیہ بردائہ۔	یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ لگنے لگی تو ابوبکرؓ آگے بڑھے اور اپنی چادر سے حضورؐ پر سایہ کیا۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضورؐ کے لئے سائے کا انتظام کرنے کا ذکر اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ اس سے اگرچہ براہِ راست صرف اس دلیل کا رد ہوتا ہے جو بطور تاویل سایہ نہ پڑنے کے لئے دی جاتی ہے کہ حضورؐ پر ملائکہ اور بادل سایہ کئے رہتے تھے اس لئے دھوپ اور چاندنی جسم اطہر تک نہیں پہنچتی تھی اور سایہ نہیں پڑتا تھا۔ ظاہر ہے یہ مطلقاً درست ہوتا تو کپڑے سے سایہ کرنے کی ضرورت ہی کبھی پیش نہ آتی۔ لیکن بالواسطہ اس سے سایہ نہ پڑنے کے امکان کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو جسم دھوپ کی تپش وحدت سے متأثر ہونے کی اہلیت رکھتا ہو وہ یقیناً اپنی عنصری ہی حالت وکیفیت میں قائم ہے (نہ کہ اُس بسیط نورانی حالت میں جس کا گمان بعض لفظ پرست حضرات کرتے ہیں) اور اس حالت میں سایہ پڑنا بداہتہً واجب ولازم ہے۔

ایک حدیث مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ ہی سے منقول ہے۔ اس میں ایک گھریلو شکر رنجی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اُم المومنین فرماتی ہیں:۔

فبینما انا یوماً بنصف النھار اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبل۔	پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعتاً رسول اللہؐ تشریف لے آئے اور میں نے پہلے ان کا سایہ ہی دیکھا۔

ایک حدیث حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب حادی الارواح الیٰ بلاد الافراح میں بیان کی ہے اس میں حضورؐ ہی کی زبانِ مبارک سے ظلّی وظلکم (میرا اور تمہارا سایہ) کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔

یہ روایات نہ مرسل ہیں نہ ان کا کوئی راوی ساقط الاعتبار ہے پھر بتایئے ان کے مقابلہ میں مفتی صاحب کی نقل فرمودہ مرسل روایت کی کیا حیثیت رہجاتی ہے۔ دراصل حدیثوں میں تو سائے کا بے شمار ذکر مل جاتا مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کو کیا معلوم تھا کہ کچھ دنوں بعد ایسے ایسے کاریگر پیدا ہو جائیں گے جو رسول اللہؐ کے

[1] وہ آخری شخص جو صحابی کا ذکر کئے بغیر حضورؐ کا قول یا حال نقل کر رہا ہے۔

سائے تک کو معدوم کردیں گے۔ اسی لئے انھیں سایہ ثابت کرنے کا تصور تک نہ آیا اور ہمیں مشکل پڑی کہ دیدہ ریزی کریں۔ "ویسے کاریگر" سے ہمارا اشارہ خدانخواستہ مفتی صاحب یا حافظ سیوطیؒ کی طرف نہیں ہے، بلکہ اس شخص کی طرف ہے جس نے یہ روایت گھڑی۔

اب حافظ سیوطیؒ کی عبارت کا دوسرا جز لیجئے:۔

(۲) قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نوراً فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر لہ الظل

ابن سبع نے کہا کہ حضورؐ کی خصوصیات میں سے ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور وہ نور تھے پس جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو سایہ دیکھنے میں نہیں

امت تو ایسے کسی ابنِ سبع کو نہیں جانتی جس کا مجرد قول دین میں حجت بن جائے۔ مفتی صاحب ہی بتائیں کہ یہ کون بزرگوار ہیں؟ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الردّ علی البکری" میں ابن سبع وغیرہ کا ذکر کرکے فرمایا ہے:۔

وامثال ھؤلاء ممن فی کتابہ من الکذب مالا یحصیہ الا اللہ۔۔۔۔ فھم لا یعرفون الصحیح من السقیم۔

یہ اُن مصنفین میں سے ہیں جنکی کتابوں میں اتنا جھوٹ ملا ہوا ہے کہ اس کا شمار و وزن بس اللہ ہی کرسکتا ہے۔۔۔ ۔۔۔ یہ لوگ صحیح اور ناقص روایات کا فرق کرنے کی تمیز نہیں رکھتے۔

ممکن ہے جناب مفتی صاحب ابن تیمیہ کی بات کو بے وزن قرار دیدیں۔ کیونکہ سایہ نہ ہونے کا عقیدہ جن حلقوں میں زور شور سے پایا جاتا ہے ان میں ابن تیمیہ کو خبیث و مردود تک کہہ گذرنا عام ہے۔ ممکن ہے موصوف بھی انھیں گمراہ اور لائق نفرت ہی سمجھتے ہوں، لیکن جس دیوبندی مکتبۂ فکر کی وہ نمائندگی فرما رہے ہیں اس میں بہرحال ابن تیمیہ شیخ الاسلام اور علامہ و امام ہی مانے جاتے ہیں۔

خیر۔ ابن تیمیہ کو چھوڑیئے۔ مفتی صاحب خود ہی واضح فرمادیں کہ فلاں فلاں تاریخی و تحقیقی شہادت سے ابن سبع ایک ایسے بزرگ ثابت ہوتے ہیں کہ جن کے ہر بے دلیل دعوے کو بھی حجت بنالینا علمائے دیوبند پر واجب ہے۔ بے دلیل اس لئے کہ ابن سبع نے کوئی روایت یا عقلی ثبوت تو فراہم کیا ہی نہیں بس دعوہ اُچھال دیا۔ ہو نہ ہو وہ بھی حکیم ترمذی ہی کی روایت سے متأثر ہوگئے ہوں گے۔

چلئے تیسرے جز کو بھی دیکھیں:۔

(۳) قال بعضھم ویشھد لہ حدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نوراً۔

بعض لوگوں نے کہا کہ سایہ نہ ہونے کی شہادت رسول اللہ کی ایک دعا کے اِس فقرے میں موجود ہے واجعلنی نوراً (اے اللہ مجھے نور بنادے)

یہ استشہاد اگرچہ ایسا ہے کہ اس کو استشہاد کہنا یا تو علم و منطق کے ساتھ مذاق ہے یا پھر پرلے سرے کا بھولا پن۔ اسی لئے اسکا رد کرتے ہوئے کوفت ہوتی ہے۔ تاہم تکمیلِ نقد کیلئے اس لغو الفضولی کو بھی گوارا ہی کرنا ہوگا۔

یہ جس دعا کا ذکر ہے وہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور کئی کتبِ حدیث میں ملتی ہے۔ حضورؐ جب نماز کے لئے مسجد چلتے تو اسے پڑھا کرتے۔ پہلی بات تو یہ قابلِ توجہ ہے کہ بخاری و مسلم ابن ماجہ اور ابوداؤد میں جو متن وارد ہے اسمیں یہ واجعلنی نوراً والے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ بس نسائی اور مستدرک میں ملتے ہیں۔ درآنحالیکہ حدیث سبھی کتابوں میں حضرت ابن عباسؓ ہی سے منقول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دعا میں لفظ "نور" کو بار بار جس مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے وہ بجائے خود یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی دلیل بنانے کے لئے لفظ نور کو جس سائنسی مفہوم میں لینے کی عجیب و غریب اُپج بعض حضرات کررہے ہیں وہ قطعاً ناقابلِ قیاس ہے۔ قائلین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حضورؐ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے نور بنادے اس لئے آپ کی دعا تو لازماً مقبول ہوتی ہی اور اس کے نتیجے میں آپ نور بنتے ہی لہذا سایہ کیسے پڑتا کہ سایہ تو کثیف اشیاء کا پڑتا ہے اور نور لطیف و غیر مرئی ہوتا ہے! ملاحظہ فرمائیے کیسی لاجواب منطق ہے۔ چلئے ہم اس منطق کو ایک منٹ کے لئے تسلیم ہی کئے لیتے ہیں، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کا جسدِ مبارک صحابۂ کرامؓ اور امہات المومنین کے چھونے میں کیسے آتا تھا۔ ایسا

ہونا چاہئے تھا کہ صحابی نے مصافحہ کے لئے حضورؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ
میں لینا چاہا تو بس اپنے ہی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ملکر رہ گئیں
حضورؐ کا ہاتھ بسبب نور بسیط ہونے کے گرفت میں نہ آیا۔ ایسا کیوں
ہوتا تھا کہ حضورؐ اسی طرح زخمی ہوجاتے تھے جس طرح دوسرے اجسام
تیغ و سناں سے زخمی ہوجاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ دعا کی قبولیت
اور تجسیم نور بن جانا واقعۂ جراحت کے بعد ہوا ہے تو چلئے کتنا ہی
بعد ہوا ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وصالِ مبارک کے بعد بھی جسم اطہر
کی تکفین و تدفین اور غسل وغیرہ اسی طرح ہوا ہے جس طرح دوسرے اجسام
کا ہوتا ہے ایسا نہیں ہوا کہ ماءِ غسل بہاکر ہاتھ پھیرا گیا ہو تو بس ہوا
میں جھول کے رہ گیا ہو اور کفن پہنانے لگے ہوں تو کوئی مادی شے
ملفوف نہ ہوسکی ہو۔

ہم سمجھتے ہیں حادرجہ مغلوبیت اور جذباتی گم گشتگی کے عالم
ہی میں بعض اسلاف واجعلنی نوراً سے سایہ نہ ہونے پر استدلال
کرگئے ہیں ورنہ ہوش و حواس کی معتدل حالت میں تو کسی سی توقع
نہیں کی جاسکتی کہ اس لطیفہ نما استدلال کی بے حیثیتی اور مضحکہ خیزی سے
بے خبر رہے۔ لفظ "نور" قرآن میں کم سے کم تینتیس چالیس بار تو
استعمال ہوا ہی ہے، اُن مقامات کے سوا جہاں اللہ جل شانہٗ
نے خود اپنی ذات واجب الوجود کا ذکر فرمایا ہو کسی بھی مقام پر وہ
مفہوم لینا ممکن نہیں ہے جو مذکورہ قائلین لینے پر مصر ہیں۔ سورۂ مائدہ
ہی کھول لیجئے چار مرتبہ لفظ "نور" آیا ہے کہیں بھی کوئی ایسی چیز مراد
نہیں ہے جو اور ہر لحاظ سے ٹھوس اور محسوس ہو بس سایہ ہی
نہ دے سکتی ہو۔ قرآن اور زبور وغیرہ کتب آسمانی کو بھی "نور" فرمایا
گیا ہے۔ کیا ان کا بھی سایہ نہیں پڑتا؟

مزے کی بات یہ ہے کہ زیر تذکرہ دعا امت کو بھی تلقین
کی گئی اور بڑے بڑے اولیاء اللہ اسے پڑھتے رہے لیکن شاید کسی کی
بھی قبول نہیں ہوئی ورنہ "نور" بن جاتے اور سایہ غائب ہوجاتا۔
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تو بس اتنی ہی منفعت اسکی
بتاتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو اس دعا کی پابندی کرتے دیکھا اسے
برکت اور نورانیت میں گھرا ہوا پایا۔ (عوارف المعارف)

اگر مفتی صاحب بات کی پچ نہ کریں تو وہ ہم سے زیادہ
اس بات کو جانتے ہیں کہ حدیث و قرآن میں نور بالعموم ایک ۔ ایسی
کیفیت کے لئے بولا جاتا ہے جو خیر و برکت سے معمور ہو جس سے
کہ احکام و مرضیات کی معرفت حاصل ہو، جو نفس کو گناہ، غش
کینہ و حسد، جمود و جحود اور اسی طرح کی دیگر صفاتِ رذیلہ سے بیزار کر
کردے اور "نور" ہی کا مختصر لیکن جامع نام "ایمان" بھی ہے۔
قرآن میں فرمایا گیا:۔

یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (بقرہ و مائدہ)
لتخرج الناس من الظلمات الی النور (ابراہیم) اور یخرجکم
من الظلمات الی النور (احزاب وحدید) اور یخرجونہم
من النور الی الظلمات وغیرہا۔ ضرورت ہو تو لفظ نور پر مشتمل
ہی آیات کو ایک ایک کرکے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا
جاسکتا ہے کہ حدیث کے لفظ نور سے جو خیالی نکتہ پیدا کیا گیا ہے
کسی التفات کا مستحق نہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ جتنا کچھ عرض کر
گیا وہی ہر آئینہ کافی ہے۔ بشرطیکہ کوئی ضد بندی پر نہ اتر آئے
واللہ المستعان۔

اس نکتہ کے بارے میں مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کا بھی
خیال ملاحظہ کر لیجئے:۔

"اور بعض حضرات نے جو سایہ نہ ہونے پر اس سے استدلال
کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے
قرآن میں خود نور فرمایا ہے یا آپ اپنی دعاؤں میں اجعلنی
نوراً فرمایا کرتے تھے سو یہ استدلال بالکل ناقابل التفات
ہے ظاہر ہے کہ آیت میں نیز حدیث دعا میں نور ہونے سے
یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کی کیفیات و آثار
آپ میں نہ تھے یا آپ کی دعا و خواہش یہ تھی کہ عالم عناصر
کے آثار بخصوصہ سے علیحدہ ہوکر معاذ اللہ ہوا کی طرح
غیر مرئی ہوجائیں، بلکہ باتفاق عقلاء و علماء مراد یہ ہے کہ
جس طرح نور ذریعۂ ہدایت و بصیرت ہے اسی طرح نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم ذریعۂ ہدایت ہیں اور چونکہ نبی کا انتہائی
کمال اسی میں ہے کہ شانِ نبوت و ہدایت درجۂ کمال
میں ہو اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں اسکا
کمال طلب فرماتے تھے اور اسی معنی کی بنا پر قرآن
کو اور توراۃ کو بنص قرآن نور کہا گیا ہے، اسی معنی سے

صحابۂ کرام رضؓ کو نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے۔" (ماموں القبول)

جواب تو ختم ہوگیا۔ تنبیہاً ایک بات عرض کردیں کہ زرقانی نے جو شرح مواھب میں یہ لکھڈالا ہے کہ ابن المبارک اور ابن الجوزی نے عبد اللہ ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں تھا تو اس سے کسی کا حجت پکڑنا بے کار ہے۔ زرقانی ہوں یا کوئی اور بلا ثبوت کسی کا بھی دعویٰ نہیں مانا جائے گا۔ جبتک مستند طریقے پر یہ نہ معلوم ہو کہ زرقانی کو کس ذریعہ سے یہ علم ہوا اور ابن المبارک و ابن الجوزی سے لے کر حضرت ابن عباس رضؓ تک کا درمیانی سلسلۂ سند کیا ہے اُس وقت تک بات بالکل بے وزن ہے۔ ایسا کیا غضب آجائے گا کہ ان دونوں جلیل القدر محدثین کو جو متصل روایت معلوم ہو اس کا پورا ذکر کسی بھی مستند کتاب میں نہ آئے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خود زرقانی یا لبعض اور لوگ معصومیت کا شکار ہوگئے ہیں۔ رہا مولانا احمد رضا خاں صاحب کا یہ دعویٰ کہ سایہ ہونے کے ثبوت میں کوئی حدیث لائے دکھاؤ تو اوّل تو او پر حدیثیں بھی پیش کردی گئیں دوسرے ثبوت تو مدعی ہی کے ذمے ہوتا ہے فرض کیجئے آپ کل کو کہنے لگیں کہ چونکہ متعدد بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پس پشت کے احوال سے باخبر ہوتے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ چہرے ہی کی طرح آپؐ کی پشت پر بھی دو آنکھیں تھیں۔ اس کے بعد ہمیں للکاریں کہ انکار کرتے ہو تو پشت پر آنکھیں نہ ہونے کی حدیث لاؤ ——— تو ظاہر ہے کہ ہم زندگی بھر جھک مارنے پر بھی حدیث نہ لاسکیں گے۔

کھلا خط

مولانا ابومسعود قمر بنارسی جنرل سکریٹری صوبائی اہلحدیث کانفرنس یوپی کے نام

ہماری تمنا تھی اور ہے کہ مسلمانوں کے اُن تمام گروہوں میں جن کا موقف بنیادی اعتبار سے قرآن و سنت کے موافق ہو ایک اس طرح کی دوستانہ مفاہمت اور مصالحت ہو جائے کہ اپنے فروعی اختلافات میں وسعت دگریباں نہ ہوں اور اپنے اپنے موقف و مسلک پر قائم رہتے ہوئے اُن باطل قوتوں کے خلاف متحدہ محاذ بنالیں جو کھلے کفر، یا منافقت، یا بدعت و ضلالت کی اشکالِ مختلفہ میں دین اور ملت کی حریف بنی ہوئی ہیں۔
لیکن افسوس کہ اس تمنا کو کسی نہ کسی گروہ کی طرف سے آئے دن ڈائنامیٹ کیا جاتا رہتا ہے اور ہماری قسمت کے اندھیرے کی گہرائی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تنہا اہلِ حدیث ہی کو تو الزام نہیں دیتے کہ مقلدین بھی چھوٹے باپ کے بیٹے نہیں ہیں اور اپنے موقف کی تائید کے لئے جذباتی دیوانگی کا ذخیرہ ان کے پاس بھی کم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ جن سو سوا سو اخبارات و رسائل پر ہر ماہ ہماری نظر پڑتی ہے انھیں ان دنوں اہلِ حدیث ہی کی جارحیت اور شدت مقلدین کی جارحیت و شدت پر غالب نظر آرہی ہے۔ وہ پینترے بدل بدل کر اس طرح کے داؤ پیچ دکھا رہے ہیں کہ مقلدین اگر ان کا توڑ کرنے پر اُتر آئیں تو اکھاڑے کا وہی رنگ جم جائے جو قرونِ وسطیٰ کے مناظراتی اکھاڑوں کا ہوا کرتا تھا۔ ہیہات ثم ہیہات۔ تقلید ائمہ کی تضحیک و مخالفت میں جس طرح کے ظاہر فریب اور تلبیس آمیز دلائل تحریر فرمائے جاتے ہیں اُن پر دل فرطِ غم سے پارہ پارہ ہونے لگتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ایک بار علماء، عقلاء، اور اہلِ تدبر کی کوئی عدالت قائم کر کے اس بحث کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کرلیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے ان جذباتی امنگوں کے لئے عمل کا میدان کہاں۔

اب یہی صوبائی اہلِ حدیث کے سکریٹری صاحب کا کارنامہ دیکھئے۔ انھیں اور ہر شخص کو بیشک اس کا حق حاصل ہے کہ اپنے موقف و مسلک کی اشاعت کرے اور اپنی حقانیت کے دلائل دے لیکن جو شخص اُس مسلکِ تقلید کی تردید و تخفیف کرنے چلا ہو جسے امتِ مسلمہ کی غالب ترین اکثریت نے عرصۂ دراز سے سینے سے لگا رکھا ہے اور جس کے علمبرداروں میں بڑے بڑے اساطین، بڑے بڑے فضلاء و عقلاء، اور بڑے بڑے اولیاء و اتقیاء رہے ہوں تو ایسے مہتم بالشان اور انقلاب انگیز کام کے لئے اسے کم سے کم اتنا تو جائزہ لے ہی لینا چاہیئے کہ مجھ میں اس طرح کی کوئی اہلیت ہے بھی جو اس کام کی دلیلِ جواز بن سکتی ہو۔ میں بات کا سلیقہ اور وکالت کی صلاحیت بھی رکھتا ہوں۔ یا محض اپنے منہ میاں مٹھو بننے اور بچوں کا تماشہ کرنے چلا ہوں۔ ہمیں انتہائی رنج ہے کہ سکریٹری صاحب نے نہ تو اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لیا، نہ اپنے قلم کی طفلانہ نومشقیوں اور

زبان کی بچکانہ لکنتوں پر نظر کی، نہ اُس کام کی عظمت و اہمیت کو پہچانا جسے وہ کرنے چلے تھے۔ تقلیدِ ائمہ کے رد میں وہ اُس ابتدائی استدلال سے ذرا آگے نہ بڑھ سکے جسکے بخیئے بارہا ادھیڑے جا چکے ہیں اور جس سے الجھنا اب سوائے مبتدیوں کے کسی کا کام نہیں رہ گیا ہے۔ اور "جماعتِ اسلامی" کے تذکرۂ جمیل میں وہ اُس مکروہ بازاری سطح پر پہنچ گئے جہاں چھجو اور نتھو کے سوا کوئی ان کے مقابلہ کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ہمارے نزدیک ان کے زریں فرمودات کی حیثیت اُن سماعت خراش آوازوں سے زیادہ کچھ نہیں تھی جو جاڑوں میں رات کو بستر پر لیٹ جانے کے بعد کانوں میں آیا کرتی ہیں لیکن ہمارے دوست جناب . . . . صاحب نے انھیں شاید اپنی نزاکتِ مزاج کے باعث اہمیت دیدی ہے۔ واقعی ہم نے ایسے شستہ مزاج لوگ اور بھی دیکھے ہیں جو کریہہ آوازوں کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتے یا کہ . . . . .

مگر چھوڑیئے!

یہ خط نما مضمون نہ تو زبان و بیان کے اعتبار سے بہت پختہ ہے نہ علم و استدلال ہی کے لحاظ سے زیادہ آراستہ ہے لیکن جن سکریٹری صاحب کے عامیانہ فرمودات پر اسمیں تنقید ہے اُن کی سطح سے بہر حال فروتر نہیں ہے اور یہ فرق تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ایک بھونڈے پن سے کئے ہوئے حملے کے مقابلہ میں مضمون نگار نے مدافعت کا نسبتاً سلیقہ مندانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ پڑھئے اور فیصلہ کیجئے۔ (عامر عثمانی)

محترمنا و مولانا! ــــ سلام و راحت!

ابھی حال ہی میں اپنے ایک دوست کے توسط سے اخبار "اہلحدیث" دہلی نظر سے گذرا جسکی ۱۵ ستمبر ۵۸ء اور یکم اکتوبر ۵۸ء کی اشاعتوں میں جناب نے دو اقساط میں بیس سوالات کے جوابات دیئے ہیں جس میں جناب نے بزعم خود یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صرف آپ کی اہلحدیث جماعت ہی حق پر ہے باقی چاروں اماموں کے فرقے اور دیگر جماعتیں سراسر باطل ہیں جناب کا یہ ارشاد کہاں تک صحیح ہے اس کا جواب علیحدہ تفصیل کا محتاج ہے فی الحال میں دیگر اٹھارہ جوابوں کی غیر معقولیت اور غیر منصفانہ طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف دو سوالات کے جوابات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ ہیں سوال نمبر (۱۱) اور سوال و جواب نمبر (۲۰)

سب سے پہلے سوال جواب نمبر (۱۱) کو لیجئے جو اخبار "اہلحدیث" مورخہ ۱۵ ستمبر ۵۸ء میں صفحہ ۱ پر شائع ہوا ہے۔ مناسب ہوگا کہ جناب اشاعت ہذا کو پیش نظر رکھیں جناب لکھتے ہیں۔

"حنفی حضرات کا عقیدہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرنا ہے گو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کا حکم نہیں دیا اور نہ اپنے نام کا کوئی فرقہ جاری کیا بلکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہی فرمان ہے کہ جو مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو وہی میرا مذہب ہے مگر افسوس کہ اس پر کسی حنفی کا عمل نہیں بلکہ ان کا عمل فقہ حنفیہ پر ہے"۔

جب آپ ہی یہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے کہ جو مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو وہی میرا مذہب ہے تو پھر اس سے خود بخود یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امامؒ نے حتی الامکان تمام مسائل کو حدیث صحیح کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ جن مسائل میں احادیث خاموش ہوں وہاں اجتہاد کر کے مسائل کا استنباط کیا ہوگا تو یہ تو کوئی خلاف حق بات نظر نہیں آتی۔ آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پورے کا پورا فقہ حنفی محض قیاس پر مبنی ہے باطل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ کے اجتہاد میں امامؒ سے غلطی ہو گئی ہو۔ کیوں کہ یہ تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا کہ انسان غلطیوں کا مرکب ہوتا ہے صرف انبیاء ہی اس سے الگ ہیں کہ وہ معلوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ تو پھر چند ایک غلطیوں کے باعث پورے کے پورے ذخیرہ کو غلط کہہ دینا کیا یہ آپ کے حق کی نشانی ہے۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ کے جناب ثناء اللہ صاحب

امر تسری نے کبھی غلطی نہیں کی کیا وہ بھی انبیاء کی طرح معصوم عن الخطا تھے۔ اگر نہیں اور واقعی نہیں تھے تو پھر جو آپ اماموں کے مخالف ہیں انھیں اپنا امام "ہادی" مرشد کیوں تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے آپ لوگوں کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا کہ میری ہی پیروی کرو اور "اہلحدیث" نامی جماعت اہلحدیث کے خصوصی آرگن کی پیشانی پر پہلے میرا نام لکھو پھر نحمدہٗ ونصلی وعلی رسولہ الکریم" لکھو۔ تو پھر کیوں نہ آپ ہی کی اس دلیل سے آپ کی جماعت کو "حق باہر" ثابت کیا جائے۔ آگے آپ لکھتے ہیں:-

"ان کا (حنفیوں کا) اصول یہ ہے کہ اگر ایک طرف حدیث ہو اور دوسری طرف ان کے امام کا قول، تو امام کے قول پر عمل کیا جائے گا اور صحیح حدیث چھوڑ دی جائے گی۔"

افسوس۔ آپ کے ذہن کی پستی اور جماعتی عصبیت پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اپنے مسلک کی تائید میں ایک معمولی شخص تو دوسرے مسلک کے خلاف الزام لگا سکتا ہے اور بہتان تراش سکتا ہے لیکن آپ جیسا عالم اور اہلحدیث بزرگ اسقدر نیچے گرسکتا ہے یہ نہایت رنجدہ ہے۔ آپ نے یہ تو لکھدیا کہ حنفی صحیح حدیث کو چھوڑ کر امام کے قول پر عمل کرتے ہیں اور دلیل سوائے ایک غلط قصے کے جو "تاریخ فرشتہ" میں درج ہے کچھ بھی نہیں دی۔ حالانکہ میں نے اسی "اہلحدیث" اخبار میں بیسوں جگہ آپ حضرات کا یہ قول دیکھا ہے کہ ہر چیز کی تائید میں قوی دلائل ہونے چاہئیں۔ اور آپ کی اس دلیل (جھوٹے قصے) کا عالم یہ ہے کہ یہ واقعہ اس دنیا میں تو واقع ہوا نہیں ہے ہاں شیطانی ذہنوں میں اس طرح کے مکالمے ہوئے ہوں تو اس کی ہمیں خبر نہیں۔ کیا میں جناب سے دریافت کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ صاحب تاریخ فرشتہ کیا کوئی محدث گذرا ہے اور کیا کتاب میں پوری کی پوری حدیثیں درج ہیں کہ ان پر آنکھ بند کرکے بغیر تحقیق کے ایمان لے آیا جائے۔ اگر نہیں تو پھر بتائیے کہ آپ نے جو اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں استدلال کے لئے ایسی کتابوں کا سہارا کیوں ڈھونڈا؟ کیوں نہ آپ نے حنفی فرقہ کے رد میں کوئی حدیث پیش کی۔ پھر بھی اگر آپ اس قصے کے جھوٹے ہونے کا مدلل ثبوت چاہتے ہیں تو ماہ جنوری ۵۶ء کا "تجلی" دیوبند جو خصوصی نمبر کی شکل میں نکلا تھا جسمیں جناب عامر عثمانی صاحب نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ یہ قصہ جھوٹا ہے۔ فی الوقت یہ پرچہ میرے یہاں نہیں ہے ورنہ آپ کی اطلاع کے لئے پورے کا پورا نقل کردیتا۔

مزید تفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ کی توجہ دوسرے مذکورہ سوال وجواب نمبر (۲۰) کی طرف مبذول کراتا ہوں جو اخبار "اہلحدیث" مورخہ یکم اکتوبر ۵۸ء میں صفحہ ۴ پر شائع ہوا ہے۔

جناب جواب نمبر (۲۲) کالم ۲ کے تحت لکھتے ہیں۔

"رہ گئے مولانا مودودی اور ان کی جماعت اسلامی۔ تو میرے نزدیک یہ جماعت علیحدہ اور سیاسی جماعت ہے جو غلط طور سے ایک مذہبی شکل میں ظاہر ہوئی ہے تاکہ تمام مسلمانوں کو پھانس سکے۔"

سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ کس قسم کی فائنل اتھارٹی (FINAL AUTHORITY) ہیں جو یہ فتویٰ صادر فرما رہے ہیں کہ "میرے نزدیک....." یہ ممکن ہے کہ آپ ایک بڑے عالم حدیث ہوں لیکن آپ کا ہر جملہ حدیث نہیں ہوسکتا۔ کسی چیز کو خلافِ حق یا غیر اسلامی ثابت کرنے کے لئے کوئی وزنی دلیل چاہیئے۔ مگر آپ کی دلیل تو آپ کی زبان معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے جو فیصلہ کرلیا ساری دنیا اُسے بلاچون وچرا تسلیم کرے۔

پھر آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سیاسی جماعت ہے جو مسلمانوں کو پھانسنا چاہتی ہے۔ آخر جماعت کی مخالفت میں یہ آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ جو جماعت سیاسی ہو اور جو سراسر غیر مذہبی ہو اور اس کے پیش نظر صرف دنیاوی مفاد ہو تو بتلائیے یہ جماعت صرف مسلمانوں ہی کو کیوں پھانسنا چاہتی ہے وہ تو تمام مذاہب کے حامیوں پر اپنے ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے گی۔ آخر مسلمانوں ہی میں وہ کونسے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ انکی تائید حاصل ہوتے ہی ساری دنیا کی حکومت اس کے قدموں میں آگرے گی۔

سیاسی جماعت آپ کمیونزم و سوشلزم وغیرہ کے علمبرداروں کی جماعت کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ بلا لحاظ مذہب و ملت اپنے ہی بنائے ہوئے اصول و قوانین کا پروپیگنڈا کرتے ہیں نہ کہ جماعت اسلامی جو صرف خدا اور اس کے رسولؐ کے دین کو شائع و زندہ و حاکم دیکھنا چاہتی ہے اور صرف چند جزوی اختلافات کے پیش نظر آپ اس کی مخالفت میں بہتان تراشی سے بھی باز نہیں آتے جیسا کہ آگے آئے گا۔

اگر آپ ہی کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر دیکھا جائے تو آپ ہی کی جماعت سیاسی کہلا سکتی ہے جیسا کہ "اہلحدیث" کے صفحہ اولیٰ پر "اغراض و مقاصد" کے تحت لکھا ہوتا ہے (۳) حکومت اور مسلمانوں کے درمیان باہمی تعلقات کی حفاظت کرنا۔" اس کی کوئی تشریح نہیں ہے کہ آیا مذکورہ حکومت اسلامی ہو یا غیر اسلامی ظاہر اتو دونوں ہی حکومتوں کا تصور ذہن میں آسکتا ہے۔ تو پھر اگر حکومت غیر اسلامی ہو تو آپ کی جماعت نہ صرف اس کی تابع رہے گی بلکہ حکومت اور مسلمانوں کے درمیان باہمی تعلقات کی حفاظت بھی کرے گی تو اب آپ ہی ٹھنڈے دل سے غور کر کے بتائیے کہ سیاسی جماعت "اہلحدیث" ہے یا جماعت اسلامی جو یہ چاہتی ہے کہ ایسے غیر اسلامی معاشرہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے ویسے یہاں پر یہ سوال اپنی جگہ اٹل ہے کہ یہ غیر اسلامی حکومت کی تقلید و اتباع کس حدیث اور قرآن کی کن آیات سے واجب اور حق ہے۔ اس سوال کو آپ سے دریافت کئے بغیر ہی آگے بڑھتا ہوں کیونکہ یہ آپ ثابت ہی نہ کر سکیں گے کہ حضورؐ نے غیر اسلامی حکومت کے اتباع و تقلید کا حکم تو دیا ہے لیکن اماموں کی تقلید سے منع فرمایا ہے آگے آپ لکھتے ہیں۔

"پاکستانی حکومت نے اس کو (یعنی جماعت اسلامی کو) سیاسی جماعت سمجھا ——————

—————— اور اسی وجہ سے مولانا مودودی اور اس کے مخصوص کارکنوں کو عرصہ تک نظر بند رکھا اور کسی خفیہ قول و قرار کے بعد رہا کیا ہے۔"

یہاں آپ کے ذہن کی گراوٹ کا مکمل ثبوت ملتا ہے۔ یہاں آپ نے اسکو تو نظر انداز کر دیا کہ پاکستان کی حکومت کس قماش کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی آپ کو تو بہانہ چاہیئے تھا سو مل گیا کہ پاکستانی حکومت نے ان کو نظر بند رکھا۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ آپ نے یہاں ہندوستان میں بیٹھے ہوئے اس خفیہ قول و قرار کو معلوم کر لیا جو مولانا مودودی اور حکومت کے مابین ہوا تھا اور جو نہ تو کسی پاکستانی اخبار یا رسالہ میں شائع ہوا اور نہ ہی دنیا کے کسی اخبار میں صرف تین ہی ہستیاں یعنی حکومت مولانا مودودی اور آپ اس خفیہ قول و قرار سے واقف معلوم ہوتی ہیں۔ ہم یہی سمجھتے تھے کہ شیطان ہم جیسے لوگوں ہی کو بہکاتا ہوگا کہ ہم نہ تو تعلیم یافتہ ہیں نہ زبردست عالم اور بڑے بڑے علماء اس کی زد سے بچ جاتے ہوں گے لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوتا ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ آپ جیسے علماء اور مسلک اہلحدیث کے حامی بھی نہ صرف اس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں بلکہ اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر یہ کس قرآن و حدیث میں آیا ہے کہ جب بھی کسی کی مخالفت کرو تو نہ صرف یہ کہ اسکے جملوں کو توڑ جوڑ کر غلط فتوے دو بلکہ اس کے خلاف انتہائی گمراہ کن پروپیگنڈہ کرو اور جھوٹے الزامات بھی عائد کر دو تاکہ جاہلوں پر اپنی علمیت کی دھاک بٹھا دی جائے۔ کیا جناب سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ آخر وہ کون سے ذرائع معلومات ہیں جن سے آپ کو اس خفیہ قول و قرار کی اطلاع ہوئی ہے۔ اگر ان کی کوئی حقیقت ہے تو اس کی اشاعت فرمائی جائے تاکہ بھولے بھالے مسلمان راہ راست پر آجائیں۔ اور شاید آنجناب کو یہ نہیں معلوم کہ پاکستانی حکومت مولانا موصوف کے لئے پھانسی کی سزا بھی تجویز کر چکی تھی ورنہ نہ معلوم آپکا قلم اور کیا کیا گل افشانیاں کرتا۔

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

"ہماری یوپی کی حکومت نے بھی اس راز کو سمجھا اور ان کے چند سربراہ کاروں کو نظر بند کیا"

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کی یوپی حکومت نے بھی اس راز کو بہت جلد سمجھ لیا اور جماعت کے چند سربراہ کاروں کو نظر بند کر دیا اور آپ بطور شکرانہ سجدے میں گر پڑے کہ آپکی امام اور سراسر مبنی برحق حکومت نے اس راز کو سمجھ لیا ورنہ

نہ معلوم کیا سے کیا ہو جاتا۔ یہاں شاید آپ یہ لکھنا بھول گئے کہ بغیر کسی خفیہ قول و قرار کے یہ لوگ چھوٹ گئے یا قول و قرار کے بعد رہا ہوئے۔ آپ کی اس ذہنیت پر مجھے افسوس ہے کہ آپ اپنی جماعتی عصبیت میں مبتلا ہو کر ایک اسلامی جماعت کو اسقدر گرا سکتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں سراسر غیر اسلامی حکومت کو آپ "ہماری" کہکر گلے لگا سکتے ہیں۔ اسی حکومت کو جس کی مسلم نوازیوں پر آلکمان قصیدہ پڑھتے پڑھتے تھک گیا ہے۔

پھر آپ لکھتے ہیں۔

"مولانا مودودی اپنی اندھی تقلید کرانا چاہتے ہیں جسکی وجہ سے ان کے بڑے بڑے ساتھی ان سے علیٰحدہ ہو گئے"

"مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ" شاید اسی کا نام ہے۔ ان "بڑے بڑے" لوگوں کے نکلنے کی وجوہات کیا تھیں کیا اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ ان کی تحقیق کئے بغیر آپ نے دن سے فتویٰ داغ دیا کہ مولانا مودودی اپنی تقلید کرانا چاہتے تھے اس لئے یہ لوگ نکل گئے۔ مولانا مودودی نے کب اور کس جگہ یہ شائع کیا تھا کہ جماعت کے تمام لوگ میری تقلید کریں۔ کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ یا پھر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ آپ کے ذہن کی پیداوار ہے یا پھر انہوں نے آپ کے دماغ میں گھس کر کہا تھا۔

پھر لکھتے ہیں۔

"دوسرے مولانا مودودی کی تفسیر و تشریح آیات قرآنی زیادہ تر تفسیر بالرائے ہے جو ہرگز قابل قبول نہیں ہے"

اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ واقعی مولانا مودودی کی تفسیر بالرائے ہے یا نہیں میں جناب سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تفسیر کس کے لئے قابل قبول نہیں ہے آپ کی جماعت اور "آپ کی حکومت" کے لئے یا تمام مسلمانوں کے لئے۔ آخر آپ نے اس کی تفسیر میں وہ کونسی غلط بات دیکھ لی ہے جسے قبول کرنا آپ کے لئے ناممکن ہے جہاں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخالفت میں دو کالم بھر دیئے اور انہی دو کالموں میں بہتان تراشی کی حد کر دی وہیں کاش وہ مقامات بھی بتا دیئے ہوتے کہ مولانا نے کہاں کہاں تفسیر میں دھوکہ کھایا ہے اور دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

محترما! کسی کی مخالفت میں الزام تراشنا اور کم علم لوگوں اور اپنے پیروؤں سے ان الزامات کو منوا لینا تو بہت آسان ہے لیکن ان الزامات کی حقیقت کو ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

آپ دین محمدیؐ کا پرچار کرنے اٹھے ہیں ضرور کیجئے۔ اپنے مسلک پر قائم رہکر ہی کیجئے۔ لیکن یہ کیا کہ غیر مسلم حکومت کی ذہنی تقلید و اتباع کو آپ سراسر حق اور جائز کہیں اور دیگر فرقوں پر طعن کریں کہ خلاف حق ہیں۔ آپ کے اغراض و مقاصد کی دوسری دفعہ "(۲) مسلمانوں کی عموماً اور جماعت اہلحدیث کی خصوصاً دینی و دنیوی خدمت کرنا" کے ڈھکوسلے کو چھوڑیئے کیا آپ کی جماعت میں سرخاب کے پر ہیں کہ آپ اس کی "خصوصاً" خدمت کریں اور دوسرے مسلمان ہی نہیں اس لئے "عموماً" خدمت کریں۔ جب آپ کے نزدیک کوئی بھی جماعت یا فرقہ دین محمدیؐ پر نہیں چل رہا ہے تو پھر مسلمان باقی ہی کہاں رہے سوائے آپ کے کہ جن کی آپ خدمت کریں۔ یہ یاد رکھئے کہ خدا نے ہر شخص کو دماغ و قلم عطا فرمایا ہے اور اپنے مقدور بھر وہ کام لے سکتا ہے۔ لیکن آپ دیکھیں گے اچھے قسم کے کردار والے لوگ تو پروپیگنڈا کرتے پھریں گے لیکن جو متین و حلیم ہوتے ہیں وہ کبھی تذکرہ تک نہیں کریں گے۔ یہی دیکھ لیجئے کہ اہلحدیث کی جولائی ۵۸ء والی اشاعت میں آخری صفحہ پر کس قدر اچھے پن سے اشتہار دیا گیا ہے ان کتابوں کا جو جماعت کے رد میں آپ نے یا آپ کے لوگوں نے ثواب حاصل کرنے اور حکومت کے سامنے سرخرو ہونے کی غرض سے لکھی ہیں۔ لیکن آپ جماعت اسلامی کے کسی بھی رسالہ یا کتاب یا فہرست کتب میں اس قسم کا اشتہار نہ بتا سکیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی ترجمان القرآن یا دیگر پرچوں میں اصلاحی اور مسکت جواب دیدیا گیا ہو۔ نہ کہ مستقل پروپیگنڈا اور ذریعہ آمدنی بنا لیا جائے۔ فقط

ایک ناچیز خادم دین۔

تفہیم الحدیث

آغاز بخاری کی تفہیم (کتاب الوحی)

قسط نمبر ۱۲

حدایث ہرقل:۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تُجَّارًا بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِيهَا أَبَا سُفْيَانَ وَكُفَّارَ قُرَيْشٍ فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيلِيَاءَ فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا تَرْجُمَانَهُ۔

ترجمہ:۔ ہم سے حدیث بیان کی ابوالیمان الحکم بن نافع نے انھوں نے کہا کہ خبر دی ہمیں شعیب نے انھوں نے روایت کی زہری سے انھوں نے کہا خبر دی مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے انھیں خبر دی عبداللہ ابن عباسؓ نے انھیں خبر دی ابوسفیان بن حرب نے کہ ہرقل (قیصر روم) نے ابوسفیان کو بلایا جب کہ وہ قریشی سواروں کے ایک قافلہ کے ساتھ تھا اور یہ سوار سوداگر تھے شام میں۔ یہ اُس دَور کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان اور کفار قریش کے درمیان صلح کی ایک مدت طے پاگئی تھی۔ یہ لوگ ہرقل کے پاس گئے اور ہرقل کے لوگ ایلیا (بیت المقدس) میں تھے ہرقل نے انھیں اپنی مجلس میں بلایا در آنحالیکہ اس کے اردگرد رؤسائے روم جمع تھے پھر انھیں اپنے قریب بلایا اور ایک ترجمان کو بھی بلایا۔

تفہیم:۔ شعیب۔ یہ ابی حمزہ کے لڑکے تھے۔ اموی تھے۔

ابوسفیان بن حرب۔ یہ معاویہؓ کے والد تھے۔ عام الفیل (جس کا ذکر الم ترَ میں ہے) سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ جنگِ بدر کے محرک و قائد یہی تھے۔ پھر جنگِ اُحد میں بھی کفّار کی کمان انھی کے ہاتھ میں تھی۔ جنگِ احد کی عارضی اور رسماً فتح پر انھوں ہی نے بہت خوش ہوکے کہا تھا کہ آج ہم نے مسلمانوں سے بدر کا بدلہ لے لیا۔ مسلمانوں سے دشمنی میں نہایت متشدد اور پیش پیش تھے۔ پھر فتح مکہ سے قبل یعنی اُس رات میں جس کی صبح کو مکہ فتح ہوا ایمان لائے اور یہ ایمان اگرچہ مہاجرین و انصار جیسا نہ تھا، لیکن ایسا گیا گذرا بھی نہ تھا جیسا بعض ناقدین ظاہر کرتے ہیں۔ واقعات شاہد ہیں کہ قبولِ اسلام کے بعد انکی سرگرمیوں کا رُخ "اسلام دوستی" کی طرف پھر گیا۔ غزوۂ طائف اور غزوۂ حُنین میں وہ مجاہدینِ اسلام کی صفوف میں موجود تھے۔ غزوۂ طائف میں ایک آنکھ پھوٹ گئی اور یرموک کی جنگ میں دوسری بھی کھو بیٹھے۔ انتقال ۸۸ سال کی عمر میں ہوا ہے۔ سن مختلف فیہ ہے ۳۱ بھی بتایا جاتا ہے اور ۳۴ بھی۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔ ہم متعدد ناقدینِ تاریخ کو دیکھتے ہیں کہ قبولِ اسلام کے بعد بھی وہ اُن سے بُری طرح بدظن ہیں، ان کا ذکر تحقیر کے انداز میں کرتے ہیں اور حد یہ ہے کہ اُن کی تحقیر کو اُنکے صاحب زادے معاویہؓ کی تخفیف کے لئے بھی استعمال کرلیتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے یہ طریقہ احتیاط کی حدوں سے متجاوز ہے۔ ابوسفیانؓ ایک فعّال قسم کے انتہاپسند آدمی تھے۔ صاف گو اور

خلوص کیش تھے۔ جس ایک روایت کو ان کے "انکارِ رسالت" کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے وہ اگر صحیح ہو تو درحقیقت اس سے ان کی صاف گوئی، نفاق بیزاری، بے ریائی، بے خوفی اور اخلاص کا نفسیاتی ثبوت ملتا ہے۔ مکمل طور پر مغلوب ہو جانے کے باوجود انھوں نے خوشامد اور چاپلوسی پسند نہیں کی دل و ضمیر کو واشگاف کر کے پیش کیا، باطن کا کوئی چور نہیں چھپایا۔ شک کا جو کانٹا باقی تھا اسے زبان سے نمایاں کر کے چھوڑا اور بالکل پروا نہیں کی فاتح فوج کا سالار اس صاف بیانی کے جواب میں کیا سلوک کرتا ہے۔ پھر وسوسۂ کفر ایمان و یقین میں بدل گیا، باطن میں سرکشی کا شائبہ بھی باقی نہ رہا تو واقعات شاہد ہیں کہ اسلام دوستی میں انھوں نے کوئی تساہل نہیں برتا۔ ہم بلا شک تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا مرتبہ مہاجرین و انصار کے برابر نہیں ہے ــــ وہ سابقون الایمان کی ہمسری نہیں کر سکتے، لیکن یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ وہ بہرحال صحابیت کے اُس شرف و سعادت سے ہمکنار ہوئے جو دنیا جہان کی نعمتوں اور عظمتوں سے بڑھ کر ہے، جسکی تحقیر و تذلیل پرلے سرے کی بدبختی ہے، اسلام و ایمان اسیطرح ان کی سابقہ بداعمالیوں کو محو کر گیا جس طرح اس نے دوسرے صحابہؓ کے کفر بداماں ماضی کی ناپاکیوں کو محو کر دیا تھا پھر۔ ان کی پہلی شدتِ کفر اور اسلام دشمنی کا سایہ سیرتِ معاویہؓ پر ڈالنا تو اور بھی افسوسناک ہے مضبوط روایات کو کھنگال کر دیکھو۔ اس کے باوجود کہ باپ ــــ ابوسفیان اسلام دشمنی میں پیش پیش ہے اور بیٹا معاویہ جوان ہے قوی درست ہے مگر کسی معرکہ میں یہ بیٹا باپ کی طرح اسلام کے خلاف صف آرا نظر نہیں آتا۔ کوئی شدت انہیں نہیں ہے۔ کوئی سرگرم تائید یہ باپ کے وطیروں کی نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کا دل پہلے ہی اسلام دشمنی پر کچھ زیادہ میلان نہیں رکھتا تھا۔ پھر جب یہ ایمان لے آیا تو نہ بھی خلفائے راشدین جیسا خوش خصال و فرخندہ صفات، لیکن بدنہاد و بد کردار بھی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسی طرح مطیع و فرمانبردار جس طرح دوسرے اصحاب تھے۔ عمدہ مشورے دینے والا۔ سر بلندیِ اسلام کی تدبیر کرنے والا۔ حوصلہ مند۔ صاحبِ عزم و ہمت۔

قارئین کہیں گے کہ تفہیم الحدیث میں بھی ہم معاویہؓ کی طرف داری کرنے بیٹھ گئے۔ ہم عرض کریں گے کہ حقیقت میں ہم ذاتِ معاویہ کی طرفداری نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ہمارے پیش نظر "نفسِ صحابیت" کی حرمت و عزت ہے۔ جب بھی ہم نے معاویہؓ کی طرف سے مدافعت کی ہے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور ہمارے قلب میں نہیں گذرا کہ ہم کسی شخصِ خاص کی طرف سے مدافعت کر رہے ہیں اور اس کو بعض دوسری شخصیتوں پر فوقیت دینا مقصود ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ ــــ جن کا نام معاویہؓ کے ساتھ ساتھ آنا ناگزیر ہے مراتب میں معاویہؓ سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ اُن کی بلندیوں تک معاویہؓ کا طرّۂ کلاہ ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتا، زہد و ورع، خشیتِ الٰہی، حبِ رسول اور کیفیتِ ایمانیہ میں اُن پر معاویہؓ کو فوقیت دینے والا جاہل اور نادان ہے لیکن ساتھ ہی ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کی توہین و تخفیف حد درجہ بدبختی ہے۔ ان کا مرتبہ بڑے سے بڑے ولی سے بڑھ کر ہے۔ ان کا سیاسی کردار ــــ خواہ وہ کیسا ہی رہا ہو ہمارے ثواب و گناہ اور حق و باطل کے فتووں کی زد سے باہر ہے۔ ہمیں بڑا دُکھ اُس طرز تحریر سے پہنچتا ہے جو اس سلسلہ میں بالعموم مؤرخین و ناقدین اختیار کرتے ہیں۔ تازہ ہی ایک تحریر ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصر کے ایک نامور ادیب و محقق ہیں، ان کی کتاب "علی صرف تاریخ کی روشنی میں" کا ترجمہ ماہنامہ "برہان" دہلی میں شائع ہو رہا ہے۔ قسط اول میں صفحہ ۲۷۵ پر فرمایا گیا ہے:-

> "یہ ابوسفیان ہی تھے جو قریش کو نبی کے مدِ مقابل بنائے رکھنے کی تدبیریں اور آنحضرت ﷺ کے خلاف مکاریاں اور چالبازیاں کرتے رہے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے دن آگئے اور اُس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا" (برہان دہلی بابت ماہ نومبر ۱۹۵۸ء)

یہ تو ابوسفیان کے متعلق ہوا۔ گویا فاضل محقق کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ ابوسفیان کا اسلام مارے باندھے کا نمائشی اسلام تھا۔ اس میں قلب کے انقیاد و تسلیم کا کوئی دخل نہ تھا۔ تکلف برطرف وہ منافق یا نیم منافق تھے۔ حالات کے جبر نے محض دکھاوے کو ان کی زبان سے کلمۂ اسلام نکلوایا تھا۔ ہم مانتے ہیں کہ ظاہری واقعات ایسے ہی ہیں کہ جن سے بآسانی فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کو

ابن الوقت، غرض پرست، مجبور اور زبردستی کا مومن ٹھیرایا جاسکتا ہے۔ لیکن کیا واقعی یہ طرزِ فکر درست ہے؟ کیا ہمیں بعض صحابہ کی نیت اور باطنی احساسات پر اسی بے رحم ظاہر پرستی کے ساتھ حملہ کر دینا چاہئے۔ کیا ابوسفیان کے اسلام کو بے چارگی و مجبوری کا اسلام جتلانے کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر کفار و مشرکین سے جبریہ اسلام قبول کرایا گیا؟ ـــ حالانکہ تاریخ اسے جھٹلاتی ہے۔ کسی بھی کافر کو "امان" دیتے ہوئے قبولِ اسلام کی شرط نہیں لگائی گئی بے شمار امان یافتہ تھے جو کافر ہی رہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ بعد میں غزوۂ حنین میں یہی کافر افواجِ مسلمین میں بھی شامل تھے اور اس غزوے کی شکست بھی بظاہر اسی لئے ہوئی کہ انھی کافروں نے کمزوری دکھائی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے بھی قدم اُکھڑ گئے۔ بخاری کتاب المغازی میں غزوۃ الفتح کے ذیل میں جو طویل حدیث آئی ہے اس میں تو صرف یہی الفاظ ہیں کہ (اسلم ابو سفیان) (ابوسفیان اسلام لائے) ایسی کوئی تفصیل مذکور نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اُن کا اسلام اس طرح کا ناقابلِ اعتبار اسلام تھا جیسا بے دلی اور مارے باندھے کا ہوتا ہے۔ البتہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابوسفیان تم کیا اب بھی خدا کی وحدانیت پر یقین نہیں لائے تو ابوسفیان نے کہا بے شک لایا۔ کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آیا ہوتا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اور کیا میرے پیغمبر ہونے میں شبہ ہے؟ ابوسفیان بولے ہاں اس میں تو کچھ شبہ ہے!

اس سے قطع نظر کہ یہ روایت مضبوط نہیں ہے اور اس سے بھی قطع نظر کہ متعدد مؤرخین نے اس ابتدائی تذبذب کے بعد ان کے پکے مسلمان ہوجانے کی تصدیق و توثیق کی ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس مکالمہ سے ابوسفیان کی سرشت کا کونسا گوشہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ آپ جانتے ہیں بزدل، نفاق پیشہ اور خوشامدی شخص کبھی صاف گو نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس نازک موقعہ پر جب کہ مسلمانوں کے خوف سے کفارِ مکہ کا زہرہ آب ہو رہا تھا۔ قلوب دہلے ہوئے تھے، شرک و کفر کی توانائی اسلام کی ٹھوکروں میں ہچکیاں لے رہی تھی، سالارِ مومنین کے پوچھنے پر کوئی بہت ہی صاف گو اور نفاق بیزار ہی ہو سکتا تھا جو اس طرح کی خطرناک صداقت بیانی کا مظاہرہ کرے، جیسی جواب ابوسفیان میں نظر آرہی ہے۔ ایک منافق بلا تأمل یہی کہتا ہے کہ نہیں حضرت اب بھلا آپؐ کے پیغمبر ہونے میں کیا شبہ ہے۔ ابوسفیان کا برملا دل کے چور کو سامنے رکھ دینا اور اس کی پرواہ نہ کرنا کہ اس جسارت پر سر بھی اُڑایا جاسکتا ہے واضح دلیل ہے اس بات کی کہ ان میں نفاق، ظاہر داری اور نمائش نہیں تھی اور بعد میں مرتے دم تک ان کا مسلمان رہنا ثبوت ہے اس بات کا کہ رسالت کے بارے میں تزلزل و تذبذب ختم ہو چکا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عثمانؓ ہرگز ان کا جنازہ نہ پڑھاتے۔ صحابہؓ اور حضورؐ ہرگز انھیں مومن نہ تسلیم کرتے۔ ایمان بالرسالت ہی مشکوک ہو تو ایمان و اسلام کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔

خیر یہ تو ابوسفیان کا معاملہ تھا جن کے بارے میں ہم بہت زیادہ خوش گمانی کا اصرار نہیں کرتے۔ آگے ہے:۔

> "لوگ معاویہ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد نبی کے مقرب بن چکے تھے ان کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے وہ مسلمان اور مخلص مسلمان تھے وہ نبی کے اور تینوں خلفاء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے ان تمام باتوں کے باوجود معاویہ بہرحال اُحد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابوسفیان کے بیٹے تھے وہ ہندہ کے لڑکے تھے جس کی حمزہؓ سے دشمنی کا یہ عالم تھا کہ قتل کے بعد ان کی لاش کی تلاش کرے ان کا پیٹ چاک کرکے ان کا کلیجہ چبائے اور نبی کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کردے ـــ مسلمان معاویہؓ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو "امان یافتہ" کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا، جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔ تم سے کوئی باز پرس نہیں۔"

دیکھ لیجئے۔ ابوسفیان اور ہندہ کی بدکرداریوں سے بیٹے معاویہؓ کی تقلیل و تخفیف کا کام لے ہی لیا گیا۔ کیا یہ اندازِ فکر اس منصفانہ اندازِ فکر سے کما حقہٗ مطابقت رکھتا ہے جو قرآن نے عطا کیا ہے؟ اگر یہی ہے تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی تحقیر کے ناوک سے کہاں بچ سکتی ہیں وہ بھی تو اسی ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو اُحد و خندق کے معرکوں میں مشرکین کا قائد رہا تھا! ـــ محض رشتۂ پدری

ہرگز ہرگز لائقِ گرفت نہیں ہے۔

آپ اگر معاویہؓ کو اس کے باوجود معاف نہیں کرتے کہ انکے باپ آخر کار ایمان لے ہی آئے تھے تو شاید اُن عکرمہ بن ابی جہل کو تو معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا جن کا باپ ابوجہل جیسا رئیس الاشرار تھا اور جو اُسد الغابہ' ابوداؤد اور دارقطنی کی روایات کے مطابق اُن چار مردوں میں سے ایک تھے جنھیں فتحِ مکہ کی فیاضانہ امان سے مستثناء کر کے حضورؐ نے واجب القتل ٹھیرا دیا تھا اور جو اسطرح ایمان لائے کہ جب ان کی کشتی طوفان کی زد میں آگئی تو انھوں نے پکارا تھا کہ اے اللہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے بچالے تو ضرور ایمان لے آؤں گا۔ پھر بچ گئے تھے تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ ظاہر ہے اس پر تو ابوسفیان سے کہیں زیادہ غرض مندانہ اسلام کا ٹھپّہ لگایا جا سکتا ہے۔ اب ذرا دیکھئے۔ وہ اسلام لاکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو حضورؐ ف. اہ امی و ابی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، معانقہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں مرحبا بالراکب المھاجر (اے مہاجر سوار تم کو مرحبا ہے)، پھر وہ حدیث بھی دیکھئے جس میں ام المومنین ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے ایک دن خواب بیان فرمایا کہ میں نے ابوجہل کا ایک خوشہ جنت میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اسلام لائے تو حضورؐ نے فرمایا اے ام سلمہ یہی اس خواب کی تعبیر ہے

یہ صرف ایک مثال ہے۔ بے شمار صحابہ نکلیں گے جن کے والدین یا صرف والد اسلام دشمنی میں پیش پیش رہے ہوں گے اور کافر ہی مرے ہوں گے تو کیا ہمیں ان تمام اصحاب کو انکے والدین کے تعلق سے مجروح کرنا چاہئے؟ ہمارے خیال میں تو یہ طریقہ محض جذباتی ہے جو اسلام کے ٹھوس طرزِ فکر کی پوری رعایت اپنے اندر نہیں رکھتا۔

رہا معاویہؓ کے ہم عصروں کا انھیں اور ان جیسے دیگر اصحاب کو "ایمان یافتہ" کے خطاب سے یاد کرنا تو اول تو اس دعویٰ کی عمومیت ہمیں تسلیم نہیں جن روایتوں سے اس دعوے کا ثبوت ملتا ہے وہ فنی نقائص سے آلودہ ہیں پھر ان میں چند اتفاقی مواقع کا ذکر ہے نہ کہ اس طعن آمیز خطاب کے تکیہ کلام بن جانے کا۔ دوسرے یہ صحیح بھی ہو تو کیا یہ انصاف ہوگا کہ بعض صحابہ دیگر صحابہ کے لئے جس قدر بے تکلف رہے ہوں اسی قدر ہم بھی بے تکلف ہو جائیں؟ کیا یہ درست ہوگا کہ ہمارے باپ یا بیٹے کا کوئی ہم رتبہ دوست یا ہم عمر ان سے جیسی کچھ بے تکلفی برتتا ہے اسی کو ہم بھی ان کے حق میں اپنے لئے نظیر بنالیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ صحابہ کے باہمی طعن کو ہم بھی طعن ہی بنا کہ استعمال کریں اور اسے تخفیف کی بنیاد بنائیں۔ صحابہ نے ایک دوسرے کو بہت کچھ کہا ہے۔ انھیں اس کا حق تھا۔ ان کے مراتب میں وہ بونِ بعید نہیں تھا جو ہمارے اور صحابہ کے مراتب میں ہے۔ ہم ان کے باہمی مشاجرات اور چشمکوں کو تاریخ کی حیثیت سے تو بیان کر سکتے ہیں لیکن نقد و جرح میں احتیاط بہر حال لازم ہے۔ "صحابیت" کی عظمت بالواسطہ رسالت کی عظمت ہے اور جو شخص کسی صحابی سے ادنے نفرت و کدورت رکھے گا توقع نہیں کہ اس کے قلب میں حبِ الٰہی اور حبِ رسول کی نسبت جڑ پکڑ سکے ـــ ذرا یاد کیجئے عکرمہ بن ابی جہل کو جب بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ دشمنِ خدا ابوجہل کا بیٹا ہے اور عکرمہ نے اس کی شکایت حضورؐ سے کی تھی تو حضورؐ نے کیا فرمایا تھا۔ اللہ اکبر۔ انھوں نے فرمایا تھا انھیں عکرمہ بن ابی جہل مت کہو اور ان کے باپ کو بھی برا مت کہو کہ مُردے کو برا کہنا زندے کو اذیت دیتا ہے! اس خُلقِ عظیم سے ہمیں کیا درس ملا؟ یہی نا کہ اگر کسی شخص کا باپ بدترین کافر بھی ہو گذرا ہو تب بھی اس کے ذکرِ قبیح سے اس شخص کو آزردہ مت کرو۔

ابوسفیان تو بہر حال اسلام لے آئے تھے اور معاویہؓ عکرمہ کی طرح بارگاہِ رسالت سے واجب القتل بھی نہیں ٹھیرے تھے اور عکرمہ سے سابق الایمان بھی تھے پھر بھی ہمارے پیارے نبی خاتم المرسلین افضل الخلائق شافعِ محشر محبوبِ داور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکریم کی، انھیں "مہاجر" کے مقدس خطاب سے نوازا، ان کے رشتۂ پدری کو فراموش کر دینے کا حکم دیا اور آج وہ ہمارے سردار ہیں لائقِ صد تکریم ہیں ممدوح ہیں رضی اللہ عنہ۔

ویسے ابوسفیان کی اسلام دشمنی اور حضورؐ کے خلاف سرگرمیوں کو نمایاں کر کے پیش کرنے والوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس طرح کے مکروہ داغ تنہا ابوسفیان ہی کے دامنِ کردار پر نہیں ہیں، بلکہ صحابہؓ میں کثیر افراد ایسے ہیں جنھوں نے قبولِ اسلام سے پہلے اسلام کی عداوت اور حضورؐ کی ایذا رسانی میں کوئی

کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اور مکہ کے جن "امان یافتوں" میں ابوسفیانؓ شامل تھے ان میں الّا ما شاء اللہ کون نہیں تھا جس نے حضورؐ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگا دیا ہو بس فرق یہ تھا کہ ' ابوسفیان ذاتی طور پر معزز اور سردار تھے اس لئے انکی سرگرمیوں کا مظاہرہ انھی کے حسب حیثیت افعال و اطوار میں ہوا اور دوسرے معاندین کی سرگرمیاں نمایاں نہ ہوسکیں، تاہم جذبے اور شعور کے اعتبار سے وہ بھی کم گھناؤنی نہ تھیں تو کیا وہ سب اسلام قبول کر لینے کے باوجود صحابیت کی کم سے کم تر عظمت تک سے محروم قرار دیئے جائیں گے؟ کوئی چاہے تو بعض اور ممتاز صحابہؓ کے ماضی کو بھی بد سے بدتر اور پُر عفونت انداز میں پیش کر سکتا ہے۔

ھِرَقْل :۔ اس نام کا تلفظ دو طرح پر ہے۔ ھِرَقْل (ہا کا زیر، را کا زبر، قاف اور لام کا سکون) اور ھِرْقِل (را کا سکون اور قاف کا زیر) یہ روم کا سلطان تھا اور سلطانِ روم ہی کو "قیصر" کہا جاتا تھا جیسے کہ فارس کے سلطان کو "کسریٰ" کہا کرتے تھے۔ اس نے ۳۱ سال سلطنت کی ہے اور حضورؐ کا وصال اسی کے دور میں ہوا۔

یہ روایت دراصل وہ قصّہ ہے جو حضرت ابن عباس بیان کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے جب مختلف سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھجوائے تو ہرقل کو بھی خط بھجوایا تھا۔

تشریحِ حدیث سے قبل اُس منظر کو سمجھ لیجئے جس کا مجمل ذکر فی المدۃ التی میں کیا گیا ہے ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً پندرہ سو صحابہؓ کی معیت میں عمرے کی نیت سے عازمِ مکہ ہوئے۔ مقام حدیبیہ میں کفار نے روک دیا کہ ہم تمھیں مکے میں نہیں داخل ہونے دیں گے۔ اس واقعہ کی تفصیل تو "کتاب المغازی" میں آئے گی۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے کہ انجام کار ایک صلحنامہ لکھا گیا جو بظاہر مسلمانوں کی مغلوبیت اور شکست پر دال تھا۔ کفار نے جو کہا مان لیا گیا اور بعض شرطیں تو ایسی تھیں کہ مسلمان بہت ہی مضطرب ہوئے۔ مثلاً یہی کہ کافروں نے کہا ہمارا جو آدمی مسلمانوں کے یہاں پہنچ جائے گا اُسے تو مسلمانوں کو واپس کرنا ہوگا لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی ہمارے یہاں پہنچا تو ہم واپس نہیں کریں گے اس پر طرہ یہ کہ اس سال تو بہرحال عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ اگلے سال آؤ اور اس طرح آؤ کہ کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور تین دن سے زیادہ ٹھیرنے کی اجازت نہیں ہے حضورؐ نے یہ سب کچھ منظور فرمایا اور صحابہؓ سے کہا کہ جس بات میں خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہ ہو اسے قبول کر لو۔

ان بظاہر ہتک آمیز شرائط پر صلح کرنے سے مکدر تو اکثر ہی صحابہؓ کی طبائع تھیں، لیکن عمر فاروقؓ بتقاضائے مزاج زیادہ برانگیختہ تھے طیش پر طیش آ رہا تھا۔ بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا ' یا رسول اللہؐ! آخر ہم اس قدر دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں؟ کیا ہم دینِ حق پر نہیں ہیں؟ جواب ملا۔ کیوں نہیں۔ عمرؓ بولے پھر آپ ہمیں قتال کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔ ہم اتنے ہیں کہ انشاء اللہ حریف کو کچل کے رکھ دیں گے۔ مگر نگاہِ رسالتؐ تو کہیں اور ہی تھی۔ پُر تمکین لہجے میں ارشاد ہوا اللہ و رسولہٗ اعلم (اللہ اور اُس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے) عشقِ اسلام کے سوز بے نہایت سے پارۂ سیماب رہنے والے عمر ابن الخطاب کو اس جواب سے اطمینان نہ ہوا اور جلدی جلدی ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے بھی یہی کہا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ کیوں آخر اس طرح دب کر صلح کی جائے؟ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔ اور انکا جواب ان کی ممتاز ترین صدیقیت کا آئینہ تھا۔ اللہ و رسولہ اعلم بعینہٖ وہی بات جو خود حضورؐ نے فرمائی تھی۔ حق یہ ہے کہ یقین و اذعان کے جس بلند مقام پر ابوبکر فائز تھے اس کی ہمسری امت میں کسی کے بس کی نہیں۔ یقین و اطمینان کا پہاڑ۔ صدیقیت کا آہنی ستون۔ مجسم نیاز و سپردگی۔ سراپا سکینت وہی تو تھے جنھوں نے یہ سُنکر کہ رسول اللہؐ آن کی آن میں آسمانوں کی سیر کر آئے ادنیٰ تأمل کے بغیر اطمینان و یقین کا اظہار کر دیا تھا۔ وہاں آئینۂ ایمان میں کوئی غبار ہی نہ تھا۔ قلب و ذہن مکمل طور پر سپردِ محبوب ہو چکے تھے۔ رضی اللہ عنہ و رضی عنہ۔

خدا کے رسول صلح کر کے لوٹ رہے تھے کہ قاصدِ الٰہی اللہ جل شانہٗ کا یہ ایمان افروز پیام لایا۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا	ہم نے تیرے لئے صریح فیصلہ کر دیا تاکہ
لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ	اللہ تیرے اُن گناہوں کو معاف کرے

مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا (سورۂ فتح)	جو پہلے صادر ہو چکے یا آئندہ صادر ہوں گے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھے سیدھی راہ اور مدد کرے اللہ تیری زبردست مدد۔

اس پیام سے حضورؐ بے حد خوش ہوئے اور عمرؓ کو بلا کر آیات کی تلاوت کی۔ عمرؓ خدا اُن پر رحمت کرے ابھی جوش اور بدمزگی ہی کے عالم میں تھے۔ آیات سُنکر تلخی ملے انداز میں کہنے لگے کیا فتح مبین یہی ہے کہ ہم اس طرح دب کر صلح کر رہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں یہی ہے! یہ واقعہ ایک عجیب شان اور درسِ حیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ ذرا سوچئے خدا کا رسول ایک فیصلہ کرتا ہے اور عمرؓ نہ صرف اسے پسند نہیں کرتے بلکہ برملا اپنے دلی اختلاف کا اظہار کر دیتے ہیں۔ کتنا بڑا ظرف تھا خاتم النبیین کا کہ ایک حرف بھی توزجر و توبیخ کا نہیں کہا۔ پھر اس سے بڑھ کر آزمائش کے اس مرحلے کو دیکھئے کہ حضورؐ اللہ کی آیات سُنا رہے ہیں جن میں واضح طور پر رسولؐ کے اقدام کو "فتح مبین" قرار دیا گیا ہے، جن میں اس اقدام کی نہ صرف صحت کی تصدیق ہے بلکہ اسے عظیم اجر و عطا کا مستحق ٹھیرایا گیا ہے۔ لیکن عمرؓ اب بھی راضی نہیں ہیں، ان کے ماتھے پر اب بھی شکن ہیں، ان کے قلب و دماغ اب بھی انقیادِ کامل میں "حرج" محسوس کر رہے ہیں، بلکہ قرآن کے الفاظ "فتح مبین" کو ایسے انداز میں حضورؐ پر لوٹا رہے ہیں جس میں طنز نما بے کیفی کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ تعالی اللہ۔ کیسا نازک لمحہ تھا۔ عمرؓ تو اسے یاد کر کے زندگی بھر نادم رہے ہی مگر اصل اہمیت عمرؓ کی ندامت کو نہیں اُس بے مثال حلم و ضبط، لاجواب شفقت و رافت، عدیم النظیر بردباری اور تعریف سے بالاتر حسنِ کرم کو ہے جس کا مظاہرہ اس ساعتِ نازک میں رحمتِ سراپا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے ہوا۔ انصاف اور نفسیاتِ بشری کے عین مطابق ہوتا اگر عمرؓ کی جذباتی مغلوبیت کو حضورؐ تادیب و سرزنش کے ذریعہ اعتدال پر لاتے۔ ڈانٹتے، ناراض ہوتے اور ایسا ہو جاتا تو غالباً حضرت عمرؓ کی بعد کی ندامت میں بھی تاسف کی وہ شدت نہ ہوتی جو تاریخ کے صفحات میں نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن خدا کے سب سے بڑے رسول نے اپنے صحابی کی بشری کمزوری کو چشمِ کرم سے نوازا اور خاموش ہو گئے۔

"صلح حدیبیہ" فتح مبین کیسے تھی اس کے اور مجولہ بالا آیات کے بارے میں ہم آگے تصریحات پیش کریں گے۔ فی الوقت اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ عبداللہ ابن عباس جو واقعہ بیان کر رہے ہیں وہ اُن دو سالوں کے دوران کا ہے جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان گذرے ہیں۔ صورت یہ تھی کہ حضورؐ نے تو زمانۂ صلح کو تبلیغ دین کے لئے پسند فرما کر تمام سلاطین کے نام خطوط لکھوائے اور قاصدوں کو روانہ کیا۔ اور کفار نے سوچا کہ اطمینان سے تجارت کریں۔ کفار کے قافلے اور رسول اللہؐ کے قاصد ملک بہ ملک پھر رہے تھے کہ اتفاق سے شام میں ابوسفیان کے قافلے اور قاصدِ نبوی حضرت دحیہ کلبیؓ کا اجتماع ہو گیا۔

ارسل الیہ فی رکب من قریش۔ یعنی جب ہرقل نے ابوسفیان کو بلایا تو حال یہ تھا کہ وہ قریشی سواروں کے ایک قافلہ کے ساتھ تھا۔ رکب اُونٹ یا گھوڑے کے سوار کو کہتے ہیں۔ اسم جمع ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی جمع اَرکُب یا رُکوب آتی ہے۔

وھم بایلیاء۔ یعنی ہرقل اور اس کے ساتھی بیت المقدس میں تھے ایل عبرانی زبان میں اللہ کو کہتے ہیں اور یاء گھر کو۔ گویا اللہ کا گھر۔

یہاں تاریخی اعتبار سے ایک پیچ ہے کہ ہرقل تو روم کا بادشاہ تھا وہ شام میں کہاں پہنچ گیا۔

اکثر متاخرین تو اس پیچ کو یہ کہہ کر دُور کرتے ہیں کہ روم سے مراد نصاریٰ ہی ہیں لہٰذا بیت المقدس کا والی بھی قیصرِ روم ہی کہلائے گا۔ لیکن یہ قول کچھ محکم نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ لغتِ قدیمہ اور اصطلاحِ عرب میں روم ایشیائے کوچک سے لے کر رومۃ الکبریٰ یعنی اٹلی کے پایۂ تخت تک تھا۔ گویا اٹلی بھی روم ہی میں داخل تھا۔ بعد میں رومیوں میں باہم اختلافات ہوئے اور ان کے نتیجے میں دو دارالسلطنت بن گئے۔ اٹلی اور قسطنطنیہ پہلے ان دونوں پر روم کا اطلاق ہوتا تھا اور ایران فارس میں تھا یا یوں کہئے دونوں ایک ہی تھے ایران کہو یا فارس۔ اسوقت دنیا میں روم اور فارس ہی دو بڑی اور ممتاز سلطنتیں تھیں۔ ان میں

باہم کشیدگی رہا کرتی تھی جو بارہا جنگ پر منتج ہوتی۔ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں جو ان کی جنگ ہوئی تو فارس روم پر غالب آگیا۔ ایسی فاش ہزیمت دی کہ صلیب تک اُٹھا کر لے گئے اور پادریوں کو خوب قتل کیا۔ یہ خبریں مکہ بھی پہنچا کرتی تھیں کیونکہ مکہ دونوں کی سرحدوں سے ملا ہوا ہی ہے۔ قریش فارس کی فتح سے بہت خوش ہوئے، کیونکہ فارس آتش پرست ہونیکی حیثیت سے مشرک تھے اور شرک خود قریش کے مرغوبِ خاطر تھا۔ اس کے برخلاف رومی اہلِ کتاب تھے اسلئے مسلمان انھیں اپنے سے اقرب سمجھتے تھے اور روم کی فتح سے خوش ہوتے تھے۔ جب ہزیمتِ روم کی اطلاع مکہ پہنچی تو کفار نے خوب بغلیں بجائیں اور مسلمانوں کو چڑانے لگے کہ جس طرح رومی اہل کتاب کو شکست ہوئی اسی طرح تمہیں بھی ہمارے ہاتھوں زک پہنچے گی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:-

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔	مغلوب ہوگئے رومی پاس والے قطعۂ زمین میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں۔ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام پہلے اور پچھلے۔ اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان۔

+ + + +

بعض علماء نے کہا کہ "پاس والے قطعۂ زمین" سے "اذرعات" اور "بُصریٰ" کے درمیان کا وہ خطہ مراد ہے جو شام کی سرحد پر حجاز سے ملا ہوا اس کے قریب واقع ہے۔ بعض نے کہا ممکن ہے فلسطین مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا۔ یا "جزیرۃ ابنِ عمر" جو فارس سے مقابلتاً قریب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ پہلے قول کی تصحیح فرماتے ہیں۔

قرآن کی یہ پیشین گوئی بظاہر حیرتناک ہی تھی۔ لفظِ "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔ کون توقع کر سکتا تھا کہ اسقدر ہولناک شکست کھانے کے بعد اتنی کم مدت کے اندر روم پھر غالب آسکے گا۔ نو سال کی مدت قوموں کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک طرف مومنین کے قلوب اس تعجب خیز پیشین گوئی سے خاصے مطمئن ہوئے۔ خصوصاً ابوبکرؓ تو اپنی مسلمہ صدیقیت کے تحت مکمل طور پر مطمئن ہوگئے۔ یہانتک کہ انھوں نے کفار سے سو سو اونٹ کی شرط بدی۔ اس وقت تک شرط بازی حرام نہیں ہوئی تھی۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے گم گشتہ اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کا عزم کیا اور مِنّت مانی کہ اگر مجھے فارس پر فتح نصیب ہوئی تو پیادہ پا بیت المقدس تک پہنچوں گا۔ خدا ہی نے اطلاع دیدی تھی تو پیشین گوئی کے پورے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا ہوتا تھا۔ ٹھیک نو سال کے اندر روم کے اہلِ کتاب نے فارس کے مجوسیوں پر غلبہ حاصل کرلیا۔ عین بدر کے دن جب مومنین غزوۂ بدر کی فتح پر خوشیاں منارہے تھے یہ خبر بھی پہنچی اور مسرتوں میں اضافہ ہوگیا۔ کفارِ مکہ کے دِل ہل گئے۔ ابوبکرؓ نے سو اونٹ بھی وصول کئے اور حضورؐ کے حکم سے صدقہ کردیئے۔ ذرا قرآنی الفاظ یومئذٍ یفرح المومنین کو دیکھئے اور اُس بے پناہ تفریح و مسرت کا اندازہ لگائیے جو بدر جیسی فیصلہ کن جنگ جیتنے سے مومنوں کو حاصل ہوئی تھی اور اس میں غلبۂ روم کی خبر نے کیا کیف و ابتہاج پیدا کردیا ہوگا۔ یہ نہ سمجھئے کہ فارس کی شکست ہرقل کی کسی غیر معمولی تیاری اور ذاتی جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ نہیں اس بیچارے کے پاس تو امید و آرزو کے سوا کچھ بھی نہ تھا مشیتِ ایزدی ہی نے یہ کرشمہ دکھلایا کہ فارس کا سپہ سالار اپنے سلطان سے بگڑ گیا اور اور اپنی عظیم الشان فوج سمیت ہرقل سے آملا جس کے بعد طوفانی حملہ کیا گیا اور ایرانی اقتدار کی چولیں ہل گئیں۔ یہ ۲ھ ہجری کا ذکر ہے۔ غالباً فتح کے باوجود کامل غلبہ نہ ہوا ہوگا۔ چھوٹی موٹی آویزشوں کا سلسلہ جاری ہوگا اور حالات ایسے نہ ہوں گے کہ ہرقل مطمئن ہوکر سفر کرسکے۔ چنانچہ بہت دنوں بعد ۷ھ ہجری میں وہ اپنی منت پوری کرنے بیت المقدس آیا۔ پہلے شام کے دار السلطنت حمص میں قیام پذیر ہوا تھا وہاں سے پیدل چل کر بیت المقدس پہنچا۔ اس طرح شام میں ہرقل، ابوسفیان اور نبی کے قاصد دحیہ کلبی جمع ہوگئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دحیہ کلبیؓ کے پاس خط تو ہرقل کے نام تھا پھر وہ شام کیوں پہنچے۔ انھیں کیا پتا تھا کہ ہرقل انہی دنوں شام آئے گا اور باریابی ہوسکے گی۔ قدرتاً سیدھے روم جانا چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ کچھ ایسا تھا کہ خطوط وغیرہ

براہ راست بادشاہوں کے پاس نہ جاسکتے تھے، بلکہ کسی بڑے عہدے دار کو ذریعہ بنانا پڑتا تھا۔ بُصریٰ شام ہی کا ایک صوبہ تھا اور قیصر ہی کے زیرنگیں تھا۔ حضورؐ نے دحیہؓ کو پہلے وہاں کے گورنر حارث کے پاس بھیجا تھا کہ اس کے واسطے سے خط قیصر کو پہنچ جائے۔ اب یہ اتفاق ہی ہے کہ قیصر خود بیت المقدس پہنچا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیصر کو پہلے ہی حضورؐ کے بارے میں کچھ خبریں مل چکی تھیں۔ حضورؐ نے ہرقل کے علاوہ اور بھی سلطنتوں کو خط بھیج رکھے تھے مثلاً فارس، مصر، حبشہ وغیرہ۔ بعض چھوٹی حکومتوں نے دعوتِ اسلام قبول کی جیسے نجاشی والیٔ حبشہ۔ بڑی سلطنتوں کو اس کی توفیق نہ ہو سکی لیکن اتنا ضرور ہوا کہ بعض بڑے سلاطین نے حضورؐ کے نامۂ گرامی کی توقیر کی تھی اور دل میں پیغامِ رسالت کو سچا جانا تھا لیکن سیاسی و ملکی مصالح کے پیشِ نظر اسلام قبول نہیں کرسکے تھے جیسے ہی ہرقل۔ اور بعض بدبختوں نے نامۂ مبارک کی تذلیل کی تھی جیسے کسریٰ کہ اس نے خط کھولا اور شروع ہی میں جو آپؐ کا اسمِ گرامی دیکھا تو پرزے پرزے کردیا۔ بعد میں حضورؐ کو قیصر کی تکریم اور کسریٰ کی تذلیل کا حال معلوم ہوا تو فرماتے تھے کہ کسریٰ نے جس طرح میرے خط کو پارہ پارہ کیا ہے اللہ اس کی سلطنت کو اسی طرح پارہ پارہ کردے گا اور روم اس بُری طرح پارہ پارہ نہ ہوگا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ فارس تو مکمل طور پر تباہ ہوا اور روم کچھ باقی رہا اور رہے گا۔

صلح حدیبیہ

سنہ ۶ ہجری کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ۱۵ سو اصحابؓ کے ساتھ عمرہ کرنے مکے کو چلے تھے۔ "تقریباً" اس لئے کہ جہاں بخاری و مسلم میں ۱۵ سو کی روایت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے وہیں ان سے ۱۴ سو کی بھی روایت ہے اور بخاری و مسلم ہی میں عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ سے تیرہ سو کی روایت ہے۔ اِس اختلافِ عدد کی بنیاد ظاہر ہے کہ اندازے کے اختلاف پر ہے راویوں نے ٹھیک ٹھیک مردم شماری تو کی ہی نہ ہوگی۔

یہ عزمِ عمرہ حضورؐ نے ایک خواب دیکھنے پر کیا تھا جو لوگ خوشی سے ساتھ چلے انھیں لے لیا۔ ہتھیاروں میں صرف تیر اور تلوار ساتھ تھے۔ مقامِ ذوالحلیفہ سے آپؐ نے ایک صاحب کو قریش کی موجودہ حالت و کیفیت معلوم کرنے بھیجا۔ مقامِ عسفان پہنچے تو یہ صاحب لوٹ کر آئے اور بتایا کہ وہ لوگ آپؐ سے آمادۂ پیکار ہیں۔ لشکر جمع کیا ہے اور تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ آپ کو بیت اللہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ حضورؐ نے عزمِ سفر ملتوی نہ کیا اور مع اصحاب حدیبیہ جاکر ٹھہرے اور حضرت عثمانؓ کو بطور قاصد قریشِ مکہ کی طرف بھیجا کہ انھیں بتاؤ کہ ہم لڑنے نہیں آئے عمرہ کرنے آئے ہیں وہ جا چکے تھے کہ حضورؐ کو کسی نے اطلاع دی کہ عثمانؓ شہید کردیئے گئے۔ اس پر حضورؐ نے قصدِ جنگ کیا اور صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لی کہ لڑائی سے کوئی شخص بھاگے گا نہیں۔ لیکن جلد ہی پتا چل گیا کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر غلط ہے۔ اس کے بعد مکہ سے کچھ ایسے لوگ حضورؐ کی خدمت میں آئے جو آپؐ سے دشمنی نہ رکھتے تھے انھوں نے بتایا کہ قریش لڑنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے کہا کہ قریش سے کہو ہم لڑنے نہیں آئے۔ اچھا ہو کہ کچھ دنوں کے لئے ہمارے مابین صلح ہو جائے۔

یہ لوگ واپس گئے اور گفت و شنید کے نتیجے میں قریش کی طرف سے ایک صاحب عروہ بن مسعود حدیبیہ پہنچے۔ یہ بہت معزز تھے بعد میں اسلام لے آئے ہیں۔ کہنے لگے:۔

"اے محمد! تم نے کیا کیا کہ اپنی قوم کو برباد کردیا۔ کیا تم سے پہلے بھی کسی نے اپنی قوم کو اس طرح تباہی کے غار میں دھکیلا ہے۔ تمھارے ارد گرد چند اوباش اور حقیر لوگ جمع ہوگئے ہیں جن میں شرفاء نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زیادہ مدت نہیں گذرے گی کہ یہ تمھیں اکیلا چھوڑ بھاگیں گے"۔

ابوبکر صدیقؓ کو یہ یاوہ گوئی سُن کر غصہ آگیا۔ تلخ لہجے میں بولے:۔

"بدبخت! بھاگ جا اور جا کے اپنے "لات" کی شرمگاہ چاٹ! تجھے کیا خبر کہ ہمیں اپنے اللہ کے رسول سے کتنی محبت ہے۔ ہم اور رسول اللہؐ کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں توبہ۔۔۔۔"

اس کے بعد کچھ اور گفتگو ہوئی۔ عروہ اس دوران میں تاڑتا رہا کہ محمدؐ کے ساتھ ان کے ساتھیوں کا کیا طرزِ عمل ہے۔ لوٹ کر اپنوں میں پہنچا تو کہنے لگا کہ اے دوستو میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو بھی دیکھ چکا

ہوں مگر قسم ہے میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا جس کی اس طرح تعظیم کی جاتی ہو جیسی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں۔ پھر اس نے تعظیم کی کچھ کیفیات بیان کیں۔

آخر کار فریقین میں دس سال کے لئے صلح ہوئی صلحنامہ لکھا جانے لگا تو حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا لکھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قریش کے نمائندے سہیل نے کہا ہرگز نہیں۔ ہمارے یہاں باسمک اللھم رائج ہے یہی لکھا جائے گا۔ حضورؐ نے مان لیا۔ پھر حضرت علیؓ نے لکھا:۔

"یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہؐ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔"

سہیل نے کہا جناب ہم محمدؐ کو اللہ کا رسول مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ یہ الفاظ نہیں چلیں گے۔ حضورؐ نے اس اعتراض کو بھی قبول کیا اور علیؓ الفاظ کو مٹانے میں متأمل ہوئے تو خود حضورؐ نے اپنے ہاتھوں سے انھیں مٹایا۔ اس طرح وہ معاہدہ ضبطِ تحریر میں آگیا۔

اب غور کیجئے یہ صلح جو اپنی ظاہری شکل میں مسلمانوں کی شکست اور زیر دستی کی ایسی علامت تھی کہ اکثر صحابہ ملول و مضطرب تھے، کیونکر "فتح مبین" ثابت ہوئی۔

پہلا قانونی نکتہ تو یہ ہے کہ اس سے قبل کفار مسلمانوں کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ آج انھوں نے انھیں باقاعدہ ایک فریق سمجھ کر ان سے معاہدہ کیا تو ثابت ہوگیا کہ یہ ڈاکو اور لٹیرے نہیں ہیں بلکہ ایک ذی قار گروہ ہیں، جن کی ایک حیثیت ہے۔ اس نکتہ کا ظہور آج کی سیاست میں دیکھئے۔ چین میں کبھی کی کیمونسٹ گورنمنٹ قائم ہو چکی، لیکن امریکہ ابھی تک اسے تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے نظر تو اسے بھی آرہا ہے کہ چین کیمونسٹوں کے زیر نگیں ہے لیکن تسلیم نہ کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ وہ گویا کیمونسٹ گورنمنٹ کو ایک قابلِ تسلیم حریف نہیں سمجھتا۔ بلکہ غاصبوں اور لٹیروں کی ایسی ٹولی سمجھتا ہے جسکی کوئی حیثیت نہیں۔ "اسرائیل" کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے بعض عرب ممالک ابھی تک اسی لئے اسے تسلیم نہیں کرتے کہ تسلیم کے بعد اسے ان کے نزدیک بھی ایک قانونی حیثیت حاصل ہو جائیگی۔

تو گویا صلح حدیبیہ کے ذریعہ حضورؐ نے حریف سے اپنی باوقار پوزیشن تو تسلیم کرا ہی لی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ عظیم قوت رکھنے کے باوجود حضورؐ کا کفار کی یک طرفہ اور خود غرضانہ شرائط تسلیم کرلینا اخلاق کا ایسا عظیم مظاہرہ تھا کہ ایک طرف کفار کے قلوب اس سے کافی متأثر ہوئے دوسری طرف اللہ کی رحمت و نصرت کی چشم توجہ کو التفاتِ خاص کی ایک بڑی اور واضح وجہ مل گئی۔ آخر کفار کے لئے یہ احساس کرنا بعید از قیاس تو نہ تھا کہ جن اولوالعزموں کی مٹھی بھر تعداد نے بدر کے میدان میں اپنے سے کئی گنی زیادہ فوج کو اُلٹ کے پھینک دیا تھا اور بعد میں بھی یہ گنے چنے مجاہدین دشمنوں کو ناک چنے چبواتے رہے تھے وہ آج تعداد میں پہلے سے بہت زیادہ ہو چکے ہیں تو کیا مشکل ہے کہ ہماری مزاحمت کو طاقت کے ذریعہ روک دیں، خون کے دریا بہا دیں لیکن انھوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا اور دشمن کی حسب دلخواہ شرائط پر صلح کرلی تو اس کا اثر قلوب پر پڑ جانا ہی تھا۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ پہلے تو مسلمانوں اور کافروں میں کشیدگی تھی، اعصابی اور حقیقی جنگ جاری تھی، ایک دوسرے سے دور ہی دور رہتے تھے، اب معاہدہ ہو گیا تو ہر طرف کے کفار نہایت اطمینان سے مدینے آنے جانے لگے۔ مسلمانوں سے ربط میل ہوا۔ اسلام کا جو پیغام پہلے ان تک دشمنوں کی چڑھائے ہوئے حاشیوں اور تحریفوں کے ساتھ پہنچا کرتا تھا اب اپنی خالص شکل میں پہنچنے لگا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مومنوں کے اخلاق و کردار کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا۔ یہ آج کے مومن وہی کل کے کافر ہی تو تھے جنکے ناگفتہ اطوار و عادات اور ناپسندیدہ وطیروں کو موجودہ کافر خوب جانتے تھے۔ اب وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام نے تو انھیں بدل ہی کے رکھدیا گویا سانچے میں ڈھال دیا۔ فضول گوئی کی جگہ پاکیزہ باتیں ہیں، خود غرضی کی جگہ فیاضی ہے۔ ظلم و جبر کی جگہ عدل کا راج ہے، فریب و دغا کے عوض ایمان و دیانت کا سکہ چل رہا ہے، رحم و شفقت ہے، دوستداری ہے، شرافت و انسانیت ہے۔ اور جو لوگ حالتِ کفر میں بھی

خوش خصال تھے، صاحبِ کردار سمجھے جاتے تھے ان کو اسلام نے اور بھی چمکا دیا ہے جیسے ناتراشیدہ ہیرے کو کوئی ماہرِ فن جوہری تراش دے، جیسے پہلی دوسری کا چاند چودھویں منزل میں آگیا ہو۔ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے تھا تو کیوں کر قلوب کی دنیا زیر و زبر نہ ہو جاتی اور کہاں تک سیاہیوں کا دامن چاک نہ ہوتا۔ پہلے قلب و ضمیر کی پتھریلی چٹانیں پگھلیں پھر اسلام کے سانچے میں ڈھلتی چلی گئیں۔ صرف دو سالوں میں اس کثرت سے اسلام قبول کیا گیا کہ اس سے پہلے نظیر نہیں ملتی۔ صلح حدیبیہ کے وقت صرف ڈیڑھ ہزار صحابہ ہمرکابِ رسول تھے، لیکن دو ہی سال بعد فتح مکہ کے وقت چشمِ فلک نے حضورؐ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر دیکھا۔ یہ سب وہ تھے جن کے جسموں کو تیر و تفنگ سے نہیں بلکہ خود ان کی روحوں اور دلوں کے ذریعہ مطیع و مغلوب کیا گیا تھا۔ صلح گویا ایک پوشیدہ جنگ تھی حق و باطل کے درمیان اور حق نے اندر ہی اندر قلوب و ارواح کو فرمانبرداری کا سبق پڑھا دیا، حریفوں نے اپنی خوشی سے ہتھیار رکھ دیئے اور "فتح مبین" مہرِ نیمروز بن کر چمکی۔ یہی عرصۂ صلح تو تھا جس میں خالد بن ولیدؓ جیسا قوی دست اور عمرو بن العاصؓ جیسا بیدار مغز اسلام کی آغوش میں آیا۔ حق یہ ہے کہ مکہ کی عظیم الشان فتح ہو یا خیبر کی ممتاز کامیابی اصل تمہید صلح حدیبیہ ہی تھی۔ آج کی زبان میں ہم اسے فتح کی طرف پہلا بنیادی اقدام اور انتہائی دانشمندانہ پیش رفت کہہ سکتے ہیں۔

ذرا اس عظیم انعام کو بھی دیکھئے جو اس موقع پر بارگاہِ ربانی سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔ مخلوقات میں کوئی بھی نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری سنا دی ہو کہ جاؤ تمہاری ہر لغزش، ہر کوتاہی، ہر معصیت اگلی پچھلی سب معاف ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں جو لوگ خدا کی حقیقی عظمتوں کو نہیں سمجھتے اور پیغمبروں کے بارے میں غلو آمیز، طلسمی اور متوہمانہ عقائد و خیالات رکھتے ہیں، انھیں تو اس انعام کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو یہ گمان کئے ہوتے ہیں کہ پیغمبر سے کوتاہی و لغزش کا صدور ہو ہی نہیں سکتا، لیکن جو صحیح الخیال اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں اور پیغمبروں کو "بشر" ہی سمجھتے ہیں وہ بے شک اس کی اہمیت محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی انعام تو ہے جس کے حوالے کا ذکر حدیث میں آیا ہے کہ جب قیامت میں مخلوق حضرت عیسیٰؑ کے پاس طلبِ مدد کے لئے جائے گی تو حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ خاتم النبیین ہیں اور ان کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ حیاتِ دنیا کی خطاؤں کی طرف اشارہ ہو یا یہ کہ اسی قیامت کے دن کی کسی خطا کا امکان پیشِ نظر ہو یعنی اگر قیامت ہی کے دن حضورؐ سے گناہگاروں کی شفاعت میں کوئی چوک، لغزش یا سہو ہو جائے تو وہ بھی آیتِ مذکورہ کے مصداق معاف ہے۔ ماشاء اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور مخلوق میں کون ہے جس کے لئے کہا گیا ہو کہ وَ یُتِمَّ نِعمَتَهُ علیك۔ جس پر اللہ تعالیٰ اتمام نعمت فرما دے اس کی بلندیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ اور جسے اللہ سیدھی راہ چلائے وہ کب ٹیڑھی راہ جا سکتا ہے اور جس کی اللہ زبردست مدد کرے اس کے سیلِ فتح و ظفر کو کون روک سکتا ہے۔

حضورؐ کا عالم یہ تھا کہ ان آیات کے نزول کے بعد عبادت میں بہت اضافہ فرما دیا۔ راتوں کی نماز میں کھڑے کھڑے پیر متورم ہو جاتے۔ صحابہؓ عرض کرتے اے خدا کے رسول! آپ کے تو تمام ہی اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما چکے پھر آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ — خدا کا رسول، سرورِ انبیاء، افضل الخلائق، ہادیِ دوراں صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتا — افلا اکون عبداً شکوراً — کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

اللہ اکبر! کیا جذبہ تھا، کیا دل تھا، کیا طرزِ فکر تھا۔ جہاں اور کوئی معمولی عبادتوں میں بھی کمی کرنا پسند کرتا کہ گناہ تو سب معاف ہی ہیں عبادتوں کا اب کیا ہوگا وہاں اللہ کا یہ سپاس گذار بندہ احساسِ ممنونیت سے سراپا عبادت بنا جا رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں حقیقی سپاس گذاری، قدرِ نعمت اور ادائے شکر۔ اس میں زندہ دلوں کے لئے بڑا درس ہے اور آیاتِ مسطورہ بالا میں ان نام نہاد عبادت کے لئے بھی بڑی عبرت ہے جو اپنی کثرتِ اعمال پر نازاں ہو بیٹھتے ہیں۔ دیکھ لیجئے، رسول اللہ جیسے انسان تک سے جب لغزش کا صدور ممکن ہے، بلکہ ممکن ہی نہیں آیات بتاتی ہیں کہ واقع بھی ہے تو کسی اور کے محفوظ عن الخطا ہونے کا کیا ذکر۔ حضورؐ کی ہر لغزش تو معاف کر دی گئی اور یہ اہتمام کیا گیا کہ ہر وقت تنبیہ سے ان ممکنہ

نقصانات کا سدِ باب کر دیا جائے جو لغزش کے نتیجہ میں برآمد ہو سکتے ہیں. چنانچہ عصمت قائم رہی اور امت بلا تامل انھیں معصوم کہہ سکتی ہے، لیکن کیا کوئی اور بھی ایسا ہے جس کی ہر لغزش معاف کی جا چکی ہو۔ کسے معلوم ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کس ایک ہی لغزش پر بڑے سے بڑے عابد کو جہنم میں ڈال دے — اس سے ڈرتے رہنا اور اپنی عبادات پر غرہ نہ کرنا ہی زہدِ حقیقی کا جوہر ہے اور جب کسی کو توقع ہو جائے کہ اس کے اعمال بخشش کے لئے کافی ہو گئے تو بطور شکر گذاری اور بھی اطاعت کیش ہو جانا چاہئے کہ توفیقِ عمل خدا ہی کا عطیہ ہے اور کچھ نہیں معلوم کہ کب کس معمولی خطا پر پکڑ ہو جائے۔ اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ۔ (باقی آئندہ)

شمس نوید عثمانی

وحدتِ ادیان

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے نظریاتِ قرآن کی روشنی میں

ی اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز حیدرآباد (انڈیا)
نے اپنی جو نئی کتاب "قرآن کے بنیادی تصورات" - BASIC CONCEPTS OF QURAN - کے نام سے انگریزی
زبان میں شائع کی ہے اس نے ایک بار پھر اسلامی حلقوں کی توجہ
مولانا آزاد کے نظریات قرآن کی روشنی میں "وحدت ادیان"
کے عجیب وغریب موضوع کی طرف مبذول کرادی ہے۔ مولانا
آزاد کی مشہور مگر نا تمام تفسیر "ترجمان القرآن" میں سورۂ فاتحہ
کی جو تفسیر کی گئی ہے مذہبی اعتبار سے اگرچہ اس کے متعلق رائے
اور تاثر میں اختلاف پایا جاتا ہے، مگر بایں ہمہ اس کی علمی اہمیت
ایک خاص شہرت حاصل کر چکی ہے۔ زیر نظر کتاب میں اسی سورۂ
فاتحہ کی تفسیر کی روشنی میں قرآن مجید کے تصوراتِ اساسی کے
متعلق مولانائے مرحوم کے نقطۂ نظر کو ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب
نے انگریزی زبان میں ملخص ترجمانی کے طور پر پیش کیا ہے۔

فاضل مترجم ومرتب کے پیش لفظ کے علاوہ یہ کتاب چھ
فصلوں پر تقسیم ہے اور آخر میں انڈکس بھی شامل ہے۔ صفحۂ انتساب
پر اس انکشاف نے کہ اس ترتیب وترجمہ کو مولانائے مرحوم اپنی
زندگی میں بچشم خود ملاحظہ فرما چکے۔ اس کتاب کی تاریخی ثقاہت
میں اضافہ کر دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب میں جو مواد پیش
کیا گیا ہے وہ اصل مصنف کے مافی الضمیر کا درجہ رکھتا ہے اور اس کے
مندرجات کے سلسلہ میں مترجم کے دماغ وقلم پر کوئی الزام نہیں لگایا
جا سکتا۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ جہاں تک اس ماخوذ اور ملخص
ترتیب وترجمانی (Resume) کا تعلق ہے ڈاکٹر
سید عبد اللطیف صاحب نے اپنی ذمہ داری کو احسن اسلوب سے
ادا کیا ہے اور اس طرح ایک عام انگریزی داں کے لئے یہ مشکل
آسان کر دی ہے کہ وہ مولانا کی تفسیر سورۂ فاتحہ میں پیش کئے ہوئے
نظریات سے براہِ راست آگاہی کا سا لطف اٹھا سکے۔

جہاں تک کتاب کے ابتدائی چار ابواب کا تعلق ہے اس میں
خدا کے تصور کو اس کی صفتِ ربوبیت اور عدل ورحمت کی صفات
کے ساتھ اتنے علمی وفکری انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ایک تعقل پسند
اور استدلال آشنا دماغ کے لئے شاید یہ ممکن ہی نہیں رہتا کہ وہ
حیات وکائنات کے درمیان مذہب کے تصورِ توحید کی جیتی
جاگتی معنویت کا شعور حاصل نہ کر سکے۔ علیحدہ علیحدہ صفتِ ربوبیت
اور صفات عدل ورحمت پر عقیدہ کی مقدس زبان میں بہت
کچھ لکھا گیا اور آئندہ لکھا جا سکتا ہے مگر خالص علمی اور "سائنٹیفک"
بصیرت کے ساتھ عدل ورحمت کی صفات میں باہمی ہم آہنگی اور ربط
ثابت کر کے حیات وکائنات میں "ربوبیتِ الٰہی" سے اس کا آخری
تعلق نمایاں کرنا ایک ایسے ہی صاحبِ علم وفراست کا حصہ تھا
جیسے کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم تھے اور ان کے نظریات کی گہرائیوں
میں اتر کر ان کے مفہوم ومعنی کو ایک دوسری زبان میں درآمد کرنے کا
کام دشوار یقیناً ڈاکٹر عبد اللطیف جیسا صاحبِ قلم ہی پایۂ تکمیل
کو پہنچا سکتا تھا۔

اسلامی حقائق کی اس بصیرت افروز ترجمانی کی کاوش
میں عقیدتِ مطالعہ جہاں جہاں تک اٹھتی ہے وہ وحدت دین اور
وحدت آدم کے نظریئے ہیں۔ ان ابواب کی سرحدوں میں داخل
ہوتے ہی رہ رہ کر یہ احساس جھنجھوڑنے لگتا ہے کہ یہاں قرآن کی
تفسیر وترجمانی ایک ایسے اجنبی تجدد وتفکر کا استعمال کر رہی ہے،

جس کا رُخ اسلام کی "مجموعی" تعلیمات کے مکمل "پس منظر اور تاریخی روایات و مسلمات سے کسی قدر مختلف سمت میں ہے ذہن کو یہاں بنی نوع انسان کے اتحاد ارضی اور نجات اخروی کے لئے اسلام کے عقیدۂ توحید و آخرت کی پُرزور سفارش تو ملتی ہے، مگر رسالت کے عقیدہ کے نتیجہ میں کردار و عمل کی تشکیل کیلئے قانونِ شریعت کی گرفت ڈھیلی ہوتی اور پھر غائب ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک مذہب جس میں عقاید توحید و آخرت کے لئے تو اسلام کا امتیاز اُبھر کے سامنے آتا ہے مگر رسالت کا "حرفِ آخر" اپنے آخری اور فیصلہ کن تشریعی امتیاز سے ہٹ کر لاکھوں رسولوں کے پس منظر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک دین جس میں عقیدۂ اساسی کی تاکید تو ہے مگر شریعت اور قانون عمل کی کوئی تحدید نہیں۔ جس میں خدا تو متعینہ طور پر ایک ہے مگر رسول کا تشخص نہیں!

یقیناً یہ اُس اوّلین اور محض "وجدانی تاثر" کی حکایت ہے جو وحدت وحی اور وحدت آدم کے بین السطور سے اُبھر کر قاری کے ذہن پر ثبت کرتا ہے۔ اس تأثر کی خطرناک نوعیت سے کم سے کم اس امر کی ایک بے پناہ تحریک کا کام لینا ہوگا کہ مولانا کے نظریاتی مواد میں عمیق نظرِ ثانی اور معتدل تحقیق و تفتیش کی نگاہ ڈالی جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ اس مخدوش تأثر کی تخلیق میں خود یہ مواد کہاں تک ذمّہ دار ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس تحقیق کے عمل کو ایک کتاب کے عام تبصرہ و تنقید کی محدود صلاحیت سے آگے قدم اُٹھانا پڑے اور تنقید کو ایک مرحوم مسلمان کے خیالات سے اس لئے بھرپور تعرض کرنا پڑے کہ اگرچہ لکھنے والا اپنے رب سے جا ملا، مگر اس کے نظریات انسانوں کے درمیان گردش کر رہے ہیں اور زندگی ان کے باب میں صحتِ ردِّ عمل کے لئے اقوام و ملل کے عظیم تر مفاد میں ایک برحق فیصلہ طلب کرتی ہے۔ پھر بھی ہماری آخری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اس بحث میں انسان اور اصول دونوں میں سے کسی پر ظلم نہ ہو۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ کسی شخصیت سے پُرخلوص وابستگی اور خیر سگال عقیدت بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ کسی "مرحوم" کے پسماندہ نظریات اور باقیات سے اگر حق و صداقت پر غلط اثر پڑ رہا ہے تو اس کا فوری سدِّ باب کر دیا جائے تاکہ زمین پر جنم لینے والا ہر تاریک ردِّ عمل دوسری دنیا میں اس مرحوم کے نامۂ اعمال پر بوجھ بڑھاتا نہ چلا جائے۔ اس کے علاوہ اگر ہم شخصیت پرست نہیں بلکہ حقیقت پسند ہیں تو ہمارے طرزِ عمل میں شخصیت پرستی کے جنوں کی جگہ تلاشِ حقیقت کی والہانہ ادائیں واضح و ممتاز طور پر نمایاں ہونی چاہئیں اور ہمارے غور و فکر کی پیشانی سے شخصیت سے مرعوبیت کی جگہ حقیقت کی ہلکی سے ہلکی آہٹ پر قلبی خیر مقدم اور انتظار جھلکنا چاہئے۔ توقع ہے کہ "دی اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز" کے بارگاہ اعتماد میں اگر ہمارے ان بنیادی حقیر جذبات کی رسائی ہو سکی تو قرآنی پیغام کی خدمت کے لئے خود اکیڈمی کا مقصدِ حیات ایک لمحۂ فکریہ سے استفادہ کر سکے گا۔ اور اگر یہ معروضات اس لمحۂ فکریہ کے کسی کام آگئیں تو یہ عین خوش قسمتی ہوگی۔

مولانا آزاد کے نظریات کا ماحصل

وحدت وحی اور وحدت آدم کے ابواب میں مولانا مرحوم کے نظریاتی موقف کا ماحصل یہی ہو سکتا ہے کہ:۔

(۱) مذہب دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ اوّل عقائد جن کی بنیاد اور ماحصل توحید و آخرت کے عقائد ہیں۔ جس کو قرآن کی اصطلاح میں "دین" کہا جائے گا۔ دوئم احکام اور ان کا لائحۂ عمل جسکو "شریعت" اور "منہاج" کے لفظ سے یاد کیا جانا چاہئے۔

(۲) شریعتیں بادی النظر میں ضرور اختلاف و نیرنگی کی آئینہ دار ہیں مگر وہ جن بنیادی عقائد کی تصویر کشی کرتی ہیں وہ وہی توحید و آخرت کے اساسی معتقدات ہیں جو تمام مذاہب میں بنیادی طور پر قدرِ مشترک کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ قدرِ مشترک ہی وحی کی ہمہ گیر وحدت متعین کرتی ہے اور یہی رسولوں کے پیغام کی آفاقی اور مشترک روح ہے۔ یہ روح اگرچہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی تاریخی روایات اور افسانوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے مگر پھر بھی موجود ضرور ہے اور ہر مذہبِ امروز میں موجود ہے اور اس کو ایک بار پھر پا لیا جائے تو وحی کی وہ بنیادی وحدت بحال ہو جائے گی اور تمام مذاہب ذریعۂ نجات کے لحاظ سے اسلام کے متوازی آجائیں گے۔ تمام رسولوں کو تسلیم کرنے کا عقیدہ بھی اس آفاقی وحدت وحی کو تسلیم کرنے کیلئے ہے۔

(۳) قرآن کے مفہوم اور پیغام میں جس طرح توحید و آخرت کی روح یعنی "دین" کسی خاص مذہب آسمانی تک محدود نہیں اسی طرح "عمل صالح" پر بھی کسی خاص شریعت کی اجارہ داری نہیں۔ بلکہ عمل صالح تو "کسی بھی میدان زندگی میں کردار و معاملات اور عقاید

توحید و آخرت کے مابین زندگی کی فعال ہم آہنگی اور مناسبت و صلاح کا نام ہے"۔ عقیدۂ توحید و آخرت روح مذہب اور اصل دین ہے جب کہ شریعت اور اس کے تحت اعمال صالح ان عقاید کا ظاہری جسم ہیں۔ لہٰذا اگر عمل صالح ان عقائد سے ہم آہنگ کر لیا جائے (خواہ کسی بھی شریعت کے تحت) تو قرآن کی زبان میں وہ فرد یا قوم نجاتِ اخروی حاصل کر لے گی۔ قرآن کو یہ پسند نہیں کہ "شریعتوں کے اختلاف کی بنیاد پر نوعِ انسانی کا شیرازہ بکھیرا جائے۔ "کسی خاص شریعت کی تحدید و تخصیص کر کے وحدت وحی اور اس کے ماتحت وحدت آدم کی بنیاد مسمار نہ کی جائے"۔ پس یہی قرآن کا پیغام اور رسالت کا مقصدِ آخر ہے۔ اور یہی اس کا واحد امتیاز ہے۔

یہ ہے مولانا آزاد کے نظریات کا نچوڑ ـــــ بظاہر فوری طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ اس نظریاتی موقف کی عمارت ٹھوس حقائق پر ٹھیری ہوئی ہے۔ الگ الگ ان نظریات کے اکثر اجزاء واقعیت سے لبریز نظر آتے ہیں۔ مگر ان اجزاء کو ملا کر وحدت وحی اور وحدت آدم کے خطوط پر "وحدت ادیان" کے رائج الوقت رجحان کا جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہاں اس نظریاتی موقف کو فی الفور تسلیم کرنا ممکن نہیں، بلکہ اس سے اتفاق رائے کی منزل تک پہنچنے کے لئے کچھ درمیانی مفروضات کے مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

مثلاً ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ آج کے تمام ہی معروف مذاہب اصلاً حق ہیں اور اپنے دورِ آغاز میں انھیں وحیِ الٰہی سے اکتسابِ ہدایت کا موقع ملتا رہا ہے۔ یہ وہ بنیادی مفروضہ ہے جس پر مولانا آزاد کے موقف کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ بات اگر صرف اُن مذاہب تک محدود ہوتی جن کی تصدیق قرآن نے کی ہے تب تو بیشک یہ مفروضہ' مفروضہ نہ کہلاتا' بلکہ ہم اسے حقیقتِ ثابتہ مان لیتے مگر گفتگو کا دائرہ اتنا محدود نہیں معلوم ہوتا' کیونکہ صفحہ ۱۱ پر "ہر مذہب امروز" کے الفاظ اسے بے کنار وسعت بخشدیتے ہیں اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کا اشارہ تمام ہی موجودہ مذاہب عالم کی طرف ہے اور وہ جملہ مذاہب اصلاً مذاہب حق ہی کی فہرست میں شامل ہیں جو اپنی جڑ بنیاد ہی میں توحید کی ضد اور سرتاسر مشرکانہ واقع ہوئے ہیں۔ جن کے بارے میں نرم سے نرم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا وجود تاریخ کا ایک لاینحل معمہ ہے نہ ان کے سابق مبلغین و بانیین کا فیصلہ کن تشخص کیا جا سکتا ہے نہ ان کی کتابوں کو کسی بھی حیثیت میں آسمانی صحائف کا درجہ دیا جا سکتا ہے ان میں سے کچھ مذاہب تو ایسے بھی ہیں جن کے بانیین و مبلغین کے بارے میں تو وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سچ مچ دنیائے آب و گل ہی کے حقیقی انسان تھے یا محض افسانوی و خیالی کردار؟ ـــــ اور کچھ صحائف ایسے بھی ہیں جن کے "مصنفین" صدیوں اور قرنوں کے اژدہام میں ہمیشہ کے لئے گم ہو چکے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس کے فیضان قلم کا نتیجہ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کے اس مجمل اعلان کا ایک خاص وزن ہے کہ ہر انسانی آبادی وحدت وحی کے سلسلہ سے اکتسابِ فیض کر چکی ہے مگر کیا اسی قرآن کا یہ بھی کچھ کم وقیع اور واضح محاکمہ نہیں کہ انسانوں کی تحریف مسلسل اور تاریخی مسخ بیہم کے دوران میں اس وحدت وحی کے سرمایہ کو اس حد تک گم کیا جاتا رہا ہے کہ اس کی "بازیافت" اور نشاندہی کے لئے باقاعدہ رسولوں کو زمین پر اُتارنا پڑا؟ ـــــ اسکا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ دین و شریعت کی گم شدہ حقیقت کا دوبارہ سراغ لگانا انسانی فہم و فراست کے بس کی بات نہ تھی؟ اس لئے کہ رسول بھی سابقہ صحائف کے تجزیہ و تحلیل اور تزکیہ و تصویب کے اس کار دشوار کو اپنی عقل و دانش کے سر نہیں لیتا۔ بلکہ پیغمبر کے ساتھ وحی کی روشنی بھی نمودار ہوتی ہے جو عقائد کی نشاندہی پر ختم نہیں ہوتی' بلکہ پیغام اور کردارِ رسول کے آئینہ میں عقیدہ کی عملی تشکیل کے خطوط بھی نمایاں کرتی ہے۔ پھر سوچئے تو سہی کہ جہاں وحدت وحی ایک بار گم ہونے کے بعد دوبارہ حاصل کرنا اس قدر دشوار ہو وہاں اس کی "بازیافت" کی توقع ایسے مجہول مذاہب سے اور وہ بھی محض فراستِ انسانی کے تجزیہ و تحلیل کے آسرے پر کس طرح وابستہ کی جا سکتی ہے جن کے متعلق یہ بھی طے نہیں کہ ان کے صحائف کوئی حقیقی (اور تخیل) نوعیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں اور ان کے مبلغین در حقیقت سلسلۂ رسالت کی کوئی کڑی تو کیا کوئی جیتے جاگتے انسان بھی تھے یا کچھ اور؟

پھر تمام مذاہب کو وحدت وحی کا بلا کم و کاست کفیل

ایک قیمتی نسخہ سے بنا ہوا لاجواب منجن

جوہرِ دنداں

صرف حالتِ مرض ہی میں نہیں صحت میں بھی روزانہ استعمال کیجئے جوہرِ دنداں دانتوں کو چمک اور نفاست عطا کرتا ہے۔

داڑھ یا دانت میں مرض ہو تو معدہ یقیناً متاثر ہو جائے گا اور معدہ مریض ہو تو صحت کی بربادی یقینی ہے

جس طرح دار الفیض رحمانی کے سرمہ دُرِ نجف نے اپنے نمایاں فائدوں کے باعث مقبولیت حاصل کی اسی طرح "جوہرِ دنداں" بھی مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ اب تک استعمال کرنیوالوں کی اکثریت کی طرف سے برابر تعریفی خطوط آ رہے ہیں۔ فوائد حسب ذیل ہیں:-

- پائیوریا کے جراثیم کو مارتا اور مرض کو جڑ سے اکھیڑتا ہے۔
- داڑھ یا دانتوں کے سخت سے سخت درد کو فوری تسکین دیکر نزلہ کا پانی نکالتا اور درد پیدا کرنے والے اسباب کو ختم کرتا ہے۔
- روزانہ اس کا استعمال اُن لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے جن کے منہ میں کوئی مرض نہیں۔ کیونکہ یہ مرض پیدا کرنے والے مادوں کو جمع ہونے سے روکتا اور مرض کے جراثیم کو ہلاک کرتا ہے۔
- دانتوں میں پاکیزہ چمک اور خوشنمائی پیدا کرتا ہے۔ اس کے استعمال کرنیوالوں کے دانتوں میں کیڑا کبھی نہیں لگتا
- منہ کی بدبو اور رہیک کو ختم کرتا ہے۔
- ٹھنڈے پانی یا گرم چیزوں کو دانتوں میں لگنے نہیں دیتا۔

چار تولہ کا خوبصورت پیکنگ قیمت صرف دس آنے ۱۰/

حالتِ مرض میں جوہرِ دنداں نمبر ۱ طلب فرمائیے اور روزانہ استعمال کیلئے نمبر ۲۔ قیمت دونوں کی یکساں ہے۔

ضروری نوٹ:- یہ بھی واضح رہے کہ ایک پیکٹ منگائیں یا تین چار، ڈاک خرچ ایک روپیہ آٹھ آنے ہی آتا ہے اور اگر سرمہ دُرِ نجف ساتھ منگائیں تب بھی اتنا ہی ڈاک خرچ رہتا ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ منجن اور سرمہ ایک ساتھ طلب کرنے میں کفایت ہے۔ دُرِ نجف ایک تولہ پانچ روپے کا اور ۶ ماشہ تین روپے کا ہے

ملنے کا پتہ

دار الفیض رحمانی دیوبند

... جامع مسجد گھنٹہ بلڈنگ میں تشریف لائیں۔ دفتر بالائی منزل پر ہے۔

ماہنامہ نئی راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد۔ علامہ رشید رضا۔ علامہ جوہری طنطاوی۔ علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرۂ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

ربیع الاول نمبر رسول اللہ کی ولادت مبارکہ پر علامہ شبلی، مولانا آزاد۔ علامہ موسیٰ جار اللہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے فاضلین کے مقالات جامعہ قیمت سوا دو روپے

اولیاء اللہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم۔ قرآن اور سائنس قرآن اور جہاد۔ قرآن میں جماعت کی اہمیت قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلس جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ۔

پیغمبر اسلام رسول اللہؐ کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ قیمت ایک روپیہ

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں صفحات ڈھائی سو سے زیادہ۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ۔

اردو کا مقدمہ اردو کے بارے میں ادیبوں۔ شاعروں سماجی کارکنوں۔ سیاسی لیڈروں اور اہل علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ۔ جو پر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

آپ حج کیسے کریں؟ (از مولانا منظور نعمانی) مجلد۔ ڈیڑھ روپیہ

تفسیر حقانی۔ پہلے پارہ سے لیکر ۸ ویں پارہ تک۔ ہر پارہ علیحدہ۔ فی پارہ۔ دو روپے

تفسیر بیان القرآن " " (۳۰) " " " " دو روپے

تفسیر ابن کثیر " " " " " " " " ڈھائی روپے

عورتوں اور بچوں کیلئے مفید اور پاکیزہ لٹریچر

سوانح حضرت ابوبکر صدیقؓ ۱۲/ - حضرت عمر فاروقؓ ۱۲/ حضرت عثمان غنیؓ ۱۲/ - حضرت علیؓ ۱۲/ - حضرت خدیجہؓ ۱۲/ - حضرت فاطمہ زہرہؓ ۱۰/ - حضرت بلالؓ ۸/ حضرت امیر معاویہؓ ۷/ - حضرت معاذ بن جبلؓ ۸/ - حضرت ابوالدرداءؓ ۸/ - حضرت سلمان فارسیؓ ۸/ - نیک بیبیاں ۸/ امام زین العابدینؒ ۸/ - حضرت ابراہیم علیہ السلام ۸/ مجدد الف ثانیؒ ۷/ - اسمٰعیل شہیدؒ ۷/ - محمد بن قاسم ۸/ اورنگ زیبؒ ۸/ - جہانگیر ۸/ - شاہ جہاں ۸/ - نادر شاہ ۸/ - رستم ۸/ - بابر ۸/ - سکندر اعظم ۸/ شیر شاہ سوری ۸/ - محمود غزنوی ۸/ - ٹیپو سلطان ۸/ شیخ سعدیؒ ۸/ - مولانا محمد علیؒ ۸/ - خواتین اسلام ۸/ سچی کہانیاں ۱۰/ - نصائح رسول کریمؐ ۶/ - والدین کے حقوق ۸/ - مسلمان بیوی مجلد ۸/ - بہترین کہانیاں ۸/ نماز سیکھنے کا آسان قاعدہ ۳/ - اردو کا آسان قاعدہ ۲/ ازواج مطہرات ۸/ - سورۂ یٰسین مترجم عکسی ۲/ - درود تاج - و درود عکسی ۲/ - نماز مکمل عکسی مترجم (تاج کمپنی) ۸/ سورۂ یوسف مترجم عکسی تاج کمپنی ۱۰/ - نماز مترجم عکسی خورد

تاج کمپنی (پاکستان)

کی نفیس حمائلیں اور قرآن

مترجم اور غیر مترجم

نیز:— دوسرے مکتبوں کی عمدہ دینی، علمی اور ادبی کتابیں ہم سے طلب فرمائیے:—

منیجر مکتبہ تجلی دیوبند۔ (یو۔پی)

مترجم و غیر مترجم قرآن اور عمدہ کتابیں

قرآن بلا ترجمہ (مولانا تھانوی اور شاہ رفیع الدین) مجلد ہدیہ نو روپے آٹھ آنے
قرآن بیک ترجمہ (مولانا تھانوی) مجلد۔ دس روپے آٹھ آنے
قرآن بغیر ترجمہ۔ جلی اور کشادہ حروف اعلیٰ قسم مجلد ساڑھے آٹھ روپے
قرآن ” رسالہ سائز کتابت طباعت کاغذ سب عمدہ مجلد پانچ روپے
تفسیر تفہیم القرآن (از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی) مجلد جلد اول ساڑھے بارہ روپے

کتاب زندگی (امام بخاری کی "الادب المفرد" کا ترجمہ) مجلد نو روپے
مسند امام اعظم (ابو حنیفہ) مترجم مع عربی اردو مجلد آٹھ روپے
معارف الحدیث (از مولانا منظور نعمانی) مکمل دو جلد مجلد دس روپے
زاد سفر (امام نووی کی ریاض الصالحین کا ترجمہ) مجلد دو جلد سات روپے
صحابیات (از نیاز فتحپوری) نیا ایڈیشن مجلد۔ چھ روپے
حیر الصحابہ (صحابۂ کرامؓ کے مستند واقعات) مجلد پانچ روپے
حدیث و قرآن (از مولانا مودودی) ” بارہ آنے
عہد نبوی کے میدان جنگ (از ڈاکٹر حمید اللہ) مجلد ڈیڑھ روپے
تاریخ اسلام (از مولانا شاہ اکبر خاں نجیب آبادی) مکمل در سہ جلد مجلد چھتیس روپے
امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی (مولانا مناظر احسن گیلانی) بارہ روپے
تجلیات عثمانی (شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی کی علمی زندگی) دس روپے
سیرت اشرف (مولانا اشرف علی تھانوی کی مکمل سوانح) بارہ روپے۔
الغزالی (از مولانا شبلی نعمانی) کاغذ سفید دو روپے
حیات اقبال (ڈاکٹر اقبال کی سوانح) مطبوعہ تاج کمپنی۔ ڈیڑھ روپے
آزاد کی کہانی خود انکی زبانی (بروایت ملیح آبادی) چھ روپے
انکار حدیث کا منظر و پس منظر در دو جلد۔ مجلد گتہ۔ ساڑھے چھ روپے
شہید اعظم (تاریخ کربلا از ابوالکلام آزاد) مجلد۔ ڈیڑھ روپیہ
عقائد الاسلام قاسمی (اسلامی عقائد کا مجموعہ) ڈھائی روپے
دعوات عبدیت۔ حصہ اول (از مولانا تھانوی) مجلد پونے دو روپے

دعوات عبدیت حصہ دوم (مولانا تھانوی) نیا ایڈیشن مجلد پونے دو روپے
رسول اللہ کی صاحبزادیاں مجلد ایک روپیہ
تدوین حدیث (از مولانا مناظر احسن گیلانی) مجلد ساڑھے چھ روپے
اسلام کیا ہے؟ (از مولانا منظور نعمانی) ” ڈھائی روپے
دین و شریعت (” ”) ” تین روپے
کریم اللغات (مشہور زمانہ لغت) غیر مجلد دو روپے
فتوح الغیب اردو (شیخ عبد القادر جیلانی کی مقالات کا مجموعہ) غیر مجلد ڈھائی
خدا کی باتیں (از مولانا احمد سعید دہلوی) مجلد ڈھائی روپے
رسول کی باتیں (” ”) ” پونے دو روپے
ایمان کی باتیں (” ”) ” پونے دو روپے
مضامین (” ”) ” دو روپے
پہلی تقریر سیرت (” ”) ” پونے دو روپے
دوسری تقریر سیرت (” ”) ” ڈھائی روپے
جنت کی کنجی (” ”) ” سوا تین روپے
دوزخ کا کھٹکا (” ”) ” سوا دو روپے
کنیز (ایک اصلاحی ناول) ” ساڑھے تین روپے
نیا گھر (” ”) ” سوا دو روپے
کلیات اقبال (اقبال کے کلام کا انتخاب) ” پانچ روپے
شعلۂ طور (جگر مراد آبادی کا مجموعۂ کلام) ” پانچ روپے
آتش گل (” ”) ” پانچ روپے
فردوس (مجموعۂ کلام ماہر القادری) ” ساڑھے تین روپے
نبض دوراں (مجموعۂ کلام انور صابری) ” ساڑھے تین روپے
اردو کے چاند تارے (مختلف شعراء کی مختصر سوانح اور کلام) مجلد ساڑھے
قوس قزح (اسلام پسند ادیبوں کی معیاری غزلیں) مجلد پونے دو روپے
دیوان غالب (اعلیٰ کاغذ روشن کتابت و طباعت) مجلد ساڑھے پانچ
شاہنامۂ اسلام جدید (از مولانا عامر عثمانی) ” تین روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

کریڈٹ دینے کا رجحان جس ملک کی آب و ہوا سے نشو ونما پا رہا ہے وہاں کا مذہبی ماحول اور مزاج اس کے لئے سازگاری سے یکسر خالی ہے۔ اس خطۂ ارض کا قدیم ترین صحیفہ "وید" اور اس کے ضمیمے جن کو انسانی فکر ونظر کے ہاتھوں نے وجود بخشا ہے وہ نہ خدا کی طرف سے براہ راست پیغام کے مدعی ہیں اور نہ ان میں اسلام کے تصور وحی کا کوئی ہلکے سے ہلکا نشان ہی ملتا ہے۔ بدھ مت وحی تو وحی، خدا ہی کے سوال پر عجیب وغریب خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے اور جین دھرم وحی کا بالکلیہ منکر ہے۔ ان مذاہب کی تاریخی ثقاہت کے سوال سے قطع نظر جہاں ان کا موجودہ مواد شریعت ومنہاج تو کیا عقائد اور وحی کے اساسیات کا شعوری افلاس رکھتا ہو وہاں ان کو خواہ وحدت وحی کا "حسن ظن" پیش کرنا اچھی خاصی "بدگمانی" ہے! تمام تر ادیان امروز کو وحدت وحی کی یہ رعایت دینے کے لئے مولانا آزاد کا نظریاتی موقف مندرجہ بالا ناگزیر مفروضہ کی ناممکنات سے متزلزل بلکہ منہدم ہی ہوجاتا ہے۔

وحدت وحی سے استفادہ میں اہل کتاب کی بیچارگی

(۲) اب ذرا ان مذاہب سابقہ کو لیجئے جن کا تعارف ہمیں قرآن کے ذریعہ حاصل ہوا ہے وہاں بھی ہمیں مولانا کے نظریات کو تسلیم کرنے کے لئے کچھ مفروضات اور ناممکن مفروضات کے بغیر مفر نہیں۔ وہاں بھی چند سوالات ابھرتے ہیں اور انکا اطمینان بخش ٹھوس جواب حاصل کئے بغیر ذہن اور دماغ اس نظریاتی موقف کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ مولانا نے مذہب کی جو تقسیم دین اور شریعت کے لحاظ سے اور جس نتیجہ کے اسلوب سے کی ہے۔

اگر اس کا جواز بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان مذاہب کی موجودہ شکل تشریعی لحاظ سے "خود مکتفی" (SELF-SUFFICIENT) ہے؟ کیا ان میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور زمانہ کے ہر ایک نشیب وفراز کے لئے احکام و فرامین کی ایک ایسی ارتقائی اساس موجود ہے جو عقائد کی روشنی میں کردار کی ابدی رہنمائی کا کام سرانجام دے سکے؟ اور اگر وہ کسی مکمل شدہ شکل میں موجود بھی ہے تو کیا وہ مجرد انسانی قوت فہم کے ذریعہ دوبارہ قابل تزکیہ اور لائق بازیافت بھی ہے؟ حقیقت رفتہ کا سراغ لگانے اور اس کو دوبارہ گرفت میں لانے کے لئے تین چار مشکل مراحل سے گذرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے تو توحید وآخرت کے صاف اور مزکی حقائق کو شرک اور کفر کے دریائے عفونت سے نتھارنا ہوگا اور جہل وتحریف سے بگڑے ہوئے دین کے مسخ شدہ خدوخال کی دین فطرت کے روپ میں تراش خراش کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ان عقائد کے لئے ان مذاہب کے معرف اور مسخ شدہ تشریعی نظام پر پوسٹ مارٹم کرکے زہریلے مواد خارج کرنے ہوں گے اور احکام وفرامین کو شرک وکفر کا پیدا کردہ زنگ کھرچ کر پھر ان کے اصلی مزاج وشکل کی طرف واپس لوٹانا ہوگا جہاں سے وہ عقائد توحید وآخرت کے مادی اور ٹھوس حصول کے لئے ان مقاصد کے فطری اور صالح ذرائع کا کام دے سکیں۔ تیسرے یہ کہ ان تشریعی احکام اور لائحہ ہائے عمل میں سے جو جو ہنگامی اور وقتی احکام ہونگے یا جن کو قرآن کے تشریعی فارمولوں نے منسوخ کر دیا ہوگا ان کا خلا پُر کرنے کے لئے اس مذہب کی شریعت میں نئے قوانین عمل اور جدید تشریعی احکام اس نزاکت کا پاس کرتے ہوئے از سر نو وضع کرنے ہوں گے کہ وہ زندگی کے کسی موڑ پر توحید وآخرت کے عقائد سے تصادم وتخالف کا شکار نہ ہونے پائیں۔ ان میں اس درجہ صحت وتوازن کا کمال موجود ہو جو خالص دین فطرت کے الوہی نظام میں صحیح طور سے پیوست ہوسکے۔ اور چوتھی بات یہ اور یہی یقیناً محال ترین کام ہوگا کہ ان مذاہب کے تشریعی اساسیات میں وحدت وحی کی ابتدائی اور درمیانی اشکال کو قرآن کی ارتقائی تشریعی اساسیات کے متوازی لایا جائے۔ تاکہ قرآنی نظام شریعت اور کتاب وسنت کے مجموعی ضوابط حیات کی طرح ان مذاہب کی جداگانہ شریعتیں ارتقائے حیات کے ہر موڑ پر اور کارجہاں کی تمام درازیوں میں اس قابل ہوسکیں کہ دینی عقائد اجتہاد واستنباط کی ابدی روشنی میں عملی راہیں تلاش کرسکیں اور حال ومستقبل کے کسی قدم پر ان شریعتوں کے دائرے میں بسنے والے توحید وآخرت کے عقائد کی عملی تصویر کشی کے لئے تشریعی راہوں میں تنہا عقائد لئے ہوئے کھڑے نہ رہ جائیں۔ اس صورت حال کی دشواریوں میں یہ دیکھکر کیا کچھ اضافہ ہوجانا چاہئے کہ یہودی مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب

سابقہ کے صحائف کے موجودہ نسخوں میں تشریعی احکام کا خلا ایک بھیانک فقدان و افلاس کی حد تک پھیلا ہوا ہے۔ انجیل بھی تو اپنی موجودہ شکل میں احکام و فرامین کا ایک اس قدر مجمل مبہم اور تشنہ و مختصر تصور رکھتی ہے کہ تمام زندگی کی مہم اس سے کردار کی رہنمائی کا کام ہی نہیں لے سکتی۔ زبور کے موجودہ صفحات پر احکام کی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔ یہی عملی زندگی میں ان مذاہب کی تشریعی تشنگی تھی جس سے یورپ کی تہذیب جدید مذہب سے علیحدگی پر مجبور ہوئی اور مسائل گیتی کے حل کے لئے ان شریعتوں سے کوئی حل اور جواب نہ پانے کے باعث دین اور دنیا کی تباہ کن تقسیم پیدا ہوئی۔ اسی ادھوری ناتمام صورت حال کے نتیجہ میں مذہب کو دنیا کی عملی زندگی کے لئے "خطرہ" اور غیر مفید مداخلت تصور کیا گیا اور اس کو وسعت حیات سے خارج کر کے معبدوں اور خانقاہوں کے گوشۂ عافیت میں بند کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ مولانا آزاد نے بلا تحدید و تخصیص تمام مذاہب امروز کو جو بشارت دی ہے کہ وہ عقائد توحید و آخرت کے لئے اپنے اپنے تشریعی نظام پر صحیح طور سے عمل پیرا ہونے کے بعد نجات اُخروی میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس موقف کو تمام مذاہب تو کجا خود قرآن کے ذریعہ متعارف سابقہ مذاہب حق کے سلسلہ میں بھی اس احیائے نو اور اس تجدید حیات کے مثبت مفروضہ کے بغیر ہرگز تسلیم و باور نہیں کیا جا سکتا اور نہ غالباً ان نظریات کا استدلال پسند مزاج اس باب میں اصرار بیجا کا کوئی حق رکھتا ہے! جہاں تک مذاہب کی تاریخ کا تعلق ہے اب تک تو دین و شریعت کی بازیافت کے کار دشوار میں مشیت نے انسانی فہم و ادراک پر اعتماد نہیں کیا اور نہ ایک رسول کے بعد دوسرے رسول کی بعثت کے بجائے کوئی بھی عبقری انسان پیدا کیا جا سکتا تھا جو یہ مرحلہ سر کر سکتا۔ اب تک تو گم شدہ عقائد کی تصحیح اور عقیدہ و عمل کے درمیان پیچیدہ و نازک تعلق کے پیش نظر تحریف زدہ شریعتوں کی تجدید و احیاء کے لئے ایک دوسرے رسول کی بعثت ناگزیر سمجھی گئی، پھر اس رسول کو بھی طہارت فکر و نظر کے آخری کمال کے باوجود عقل و استدلال کے ذریعہ یہ کار گراں انجام دینے کے لئے زمین و آسمان کے درمیان تنہا نہیں چھوڑ دیا گیا، بلکہ وحی کی تیز روشنی میں عقائد کا ازسرنو پیغام نشر کیا گیا اور اعمال کے لئے نئے سرے سے ضابطۂ حیات کا اعادہ کیا گیا۔ توریت میں احکام کی جو کچھ تفصیل ملتی ہے وہ یقیناً اس سے پہلی انسانیت کے لئے کسی دوسرے صحیفہ میں پہلے سے موجود ہوگی، مگر اس کے باوجود توریت میں احکام کا اعادہ عقائد کے ساتھ ساتھ کیا گیا۔ پھر توریت کے بعد قرآن میں احکام کے اجمالی اشاروں کے بجائے توریت سے کہیں زیادہ مکمل ترین شکل میں احکام کا ایک آخری اور زیادہ ارتقائی نظام عمل فراہم کیا گیا۔ پھر کوئی بتائے کہ آج جب کہ اسلام اور کتاب و سنت کے دین و شریعت کے باہر چاروں طرف تمام مذاہب کے صحائف اور عقیدہ و عمل میں ہزاروں سالہ تحریف و تغیر کا زہریلا فساد رگ و ریشہ میں دوڑا ہوا ہے کون ان ادیان کے تزکیۂ نو اور ان شریعتوں کے نئے سرے سے نکھار اور نتھار کا کارِ عظیم سر انجام دے گا؟ اور کون سی طاقت کس کس سے اس کو تسلیم کرائے گی؟ عقائد توحید و آخرت کو جو زیر تبصرہ کتاب کی زبان میں "دین" ہیں اگر قرآن کے پیغام کی روشنی میں ازسرِ نو طے کرنے کے بعد ہر پیرو کار مذہب کو کتاب و سنت سے بے نیاز کر کے عملی و تشریعی شاہراہ پر خود اس کی اپنی اپنی مسخ شدہ شریعت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو وہاں کی تحریفی بدعنوانیوں اور غلطیوں کی اصلاح نیز اس کے ناتمام گوشوں کی تکمیل کس پیغام و ضابطہ کی روشنی میں کی جائے گی؟ اور پھر اس "بازیافت" کے سرمایہ کو کس معیارِ حق پر پرکھ کر زرِ خالص قرار دیا جائے گا اور کس لائحہ عمل کی بے خطا کسوٹی پر گھس کر یہ معلوم کیا جائے گا کہ عقائد توحید و آخرت کے حصول (REA-LIZATION) کے لئے اپنے اپنے نظام شریعت کے دائرہ میں دوسرے مذاہب والے جو کچھ عمل کر رہے ہیں ان کا مزاج کردار ان عقائد سے ہم آہنگی کا وہی صحت و کمال حاصل کر چکا ہے جو کتاب و سنت کی خالص تشریعی فطرت نجاتِ اُخروی کے لئے شرط لازم قرار دیتی ہے؟

کیا اسی سوال کے آخری اور ٹھوس جواب پر مولانا کے نظریات کی موت اور زندگی کا سارا دارومدار نہیں؟ یقیناً

یہی ایک فیصلہ کن سوال ہے ـــــ مگر سخت حیرت ہے کہ مولانا کے نظریات میں یہی سوال کسی گوشہ میں بھی موجود نہیں! یہ ایک خلا ہے اور زمین و آسمان سے زیادہ وسیع خلا ـــــ ایک تشنگی ہے اور آخری تشنگی ـــــ اور اسی بنیاد پر فراست و دیانت کا یہ قول فیصل ہے کہ مولانا کا یہ نظریہ ایک انتہائی ناتمام اور ادھورا نظریہ ہے اس کو تمام مذاہب کی اس "تجدید حیات" کے جس "حسین امکان" پر ختم کر دیا گیا ہے وہاں یہ بات ختم نہیں ہوتی بلکہ وہاں سے تو اصل مسئلہ کا آغاز ہوتا ہے ـــــ اس "امکان" کے عملی وقوع کی تفصیلی بحث بیدار ہوتی ہے ـــــ اس کی صحت و ضمانت کیلئے "آخری معیار" کا سوال تڑپ کر سر اُٹھاتا ہے۔ عقیدے کی بازیافت کے ساتھ ساتھ برابر کی قوت سے خود بگڑی ہوئی شریعتوں کی اصلاح کا مسئلہ دونوں پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس طرح عقائد کے ساتھ ساتھ شریعت ـــ اور توحید کے ساتھ عقیدۂ رسالت کے مفہوم و معنی اور حدود و وسعت کی سرحدیں غور و فکر کو داخلہ کی دعوت دینے لگتی ہیں ـــــ لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں مولانا کا قلم اپنی فکر انگیز روانی میں انتہائی مخدوش اور کسی قدر "پراسرار" طور پر خاموش ہو گیا ہے۔ اگر قرآن اور رسالتِ محمدیؐ کا پیغام عقائد توحید و آخرت کی یاد دہانی کے سوا کچھ نہیں اور یہ پیغام عقائد کے لئے از خود عملی شریعت دینے کے بجائے اس امکان کو تسلیم کرتے ہوئے کہ دوسری شریعتوں کو پھر سے ان کے اپنے دائروں میں ان عقائد کے لئے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔ تمام مذاہب کی موجودہ شریعتوں کے اتباع کی چھوٹ اور اجازت عطا کرنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ تو بھی یہ سوال تو اپنی جگہ اٹل رہتا ہے کہ کون اور کس معیار کی روشنی میں ان محرّف شریعتوں کو ان کے فطری خدوخال دوبارہ عطا کرے گا؟ کیا بین الاقوامی کوئی انجمن جس کی باگ ڈور عقل انسانی کے ہاتھ میں ہو؟ مگر مشیت کے نظام نے کبھی عقل و فراست کی یہ اہلیت تسلیم نہیں کی! تو کیا عقیدۂ رسالت محمدیؐ اس کام کو انجام دینے کی وسعت و صلاحیت اپنے اندر لئے ہوئے ہے؟ مگر اس کا کوئی ذکر مولانا کے نظریات میں موجود نہیں! نہ صرف "ذکر" بلکہ ان نظریات میں شرعی چھوٹ اس قدر واضح اور جاری ساری ہے کہ وہاں عقیدۂ رسالت کی دین کے ساتھ ساتھ تشریعی مفہوم میں کھپت کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی۔ وہاں شریعتوں کی عام آزادی اور توحید و آخرت کے عقائد کے لئے ان کے کارآمد بنائے جانے کا امکان اس قدر جولانی اور روانی کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد اگر قرآن و رسالت اور کتاب و سنت کی طرف سے کسی تشریعی تحدید کو اٹھا دیا جائے تو نظریات کی بنیادیں ہل جائیں گی اور خیالات کے ربط و تسلسل میں تضاد کی سلوٹیں پیدا ہونا ناگزیر ہے۔

اگر تمام مذاہب امروز میں توحید و آخرت کا گم شدہ عقیدۂ خالص اس کیفیت میں موجود ہے کہ اس کو قرآن کی یاد دہانی اور نشان دہی پر غور و فکر کے ذریعہ دوبارہ پایا جا سکے ـــــ اور اگر ان تمام ادیان کی شریعتوں میں از خود اصلاح حال کی یہ صلاحیت آج بھی موجود ہے کہ عقائد کو پالینے کے بعد ان شریعتوں کی موجودہ نظام سے کامل استفادہ کیا جا سکے تو پھر رسالتِ محمدیؐ کے عقیدہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو گا کہ پیغمبروں کی طویل فہرست میں کسی گوشہ میں بلکہ سب سے آخری گوشہ میں حضرت محمدؐ کا اسم گرامی بھی درج کر لیا جائے اور بس! ظاہر ہے کہ یہ عقیدۂ رسالت ایک انتہائی درجہ کا سطحی اور لاابالی عقیدہ ہو گا جس کا کوئی نتیجہ اس کے سوا نہیں کہ اسلام سے اس کا وہ امتیاز چھن جائے جو اس کی زندگی کا ضامن اور اس کا نفس ناطقہ ہے۔

(۳) دین عقائد کی تحدید اور شریعتوں کی آزادی کے بنیادی نظریہ کی خامی

جس انداز اور جس نتیجہ کے ساتھ دین و شریعت کے لحاظ سے مذہب کی تقسیم اور اس کے دوش بدوش "وحدتِ ادیان" کا جدید تصور مولانا کے "نظریاتِ قرآنی" سے اخذ ہوتا ہے اور جس طرح قرآن اور رسالت آخر کو توحید و آخرت کی یاد دہانی کے بعد شریعتوں کے اذنِ عام پر ختم کر کے اسلام میں اس "وحدتِ ادیان" کی وسعت اور لامحدود لچک ثابت کی جاتی ہے۔ اس سے درحقیقت تکمیل ہدایت کے نقطۂ نظر سے قرآن و اسلام کی جامعیت کا کوئی امتیاز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ قرآن سے عقیدہ کی نصف ہدایت کا ثبوت نکلتا ہے اور عملی زندگی کی بکھری ان پہنائیاں غیر محفوظ شریعتوں کے خطا و صواب میں گم کی گم رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذہبی تحریف کی انسانی دست درازیاں

صرف عقائد کے ذہنی اور ایمانی خاکہ تک محدود نہیں رہیں، بلکہ احکام و قوانین کردار و عمل کا نظام جس کا نام شریعت ہے وہ بھی انسانی خود پرستی اور مسخ کاری کا خاص ہدف رہ چکا ہے۔ اسلئے حق و باطل کے غلط مبحث کو دُور کرنے اور افسانوں سے حقیقت کو ممتاز و متمیز کرنے کے لئے قدرتی طور پر ہر نئی رسالت کو مذہب کے ان دونوں ہی گوشوں کی تنقیح و اصلاح کرنا تکمیل ہدایت کے لئے شرط لازم قرار پاتا ہے۔ اسی لئے عملی طور پر تاریخ رسالت و وحی میں ان دونوں ضرورتوں کا لحاظ رکھا جاتا رہا ہے۔ گم شدہ عقائد کے ساتھ پیغمبر کا کردار یا صحائف کے عملی خطوط بر ضرورت کے وقت نئے پیغام میں اُجاگر کئے جاتے رہے ہیں۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ تکمیل ہدایت کے لئے خود عقائد کا تحفظ شریعت کے رحم و کرم پر ہے۔ اور اس لحاظ سے عقیدہ سے زیادہ عملی خطوط کی رہنمائی زیادہ اہم اور معنی خیز ہے۔ عقیدہ کا شعور مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی نظری حقیقت نہیں جو ضمیر و روح کی خلوتوں میں بسیرا لیتا ہے اور مر جائے، بلکہ عقیدہ کا خیالی پیکر کردار و عمل کی جاں آفرینی سے جیتا جاگتا عقیدہ بنتا ہے اور زندگی کو نجات و فلاح کی زندہ ضمانت تک لیجاتا ہے۔ اس کے علاوہ عقائد کے مرکز ہی کو برقرار و مستحکم رکھنے کے لئے عمل و کردار کے وسیع دائرے میں رشد و ہدایت اور تسلیم و رضا کی روشنی پھیلائے بغیر اس امر کی کوئی بھی ضمانت نہیں لی جا سکتی کہ عملی عناصر اور کردار کے عوامل ——— (FACTORS) اس عقیدہ کی مرکزی معنویت کو محفوظ و مصئون رہنے دیں گے۔ اس لئے خود عقیدۂ رسالت کو تکمیلِ ہدایت کے عظیم الشان امتیاز کے لئے صرف دین یعنی عقائد توحید و آخرت تک محدود نہیں ہونا چاہئے، بلکہ عملی زندگی میں ان عقائد کا لائحہ عمل اور طریق کار بھی واضح طور پر پیش کرنا ہوگا جب ارتقائے مذہب کے ابتدائی اور درمیانی مذاہب کے خلا کے ان دونوں گوشوں پر محیط ہیں تو آخری رسالت اور وحی کے "حرف آخر" کو صرف عقیدہ بھی نہیں، بلکہ عقیدے کی یاد دہانی تک کیسے محدود کیا جا سکتا ہے اور عملی لائحوں اور شریعتوں پر قرآن اور شریعت آخری کو اثر انداز ——— فیصلہ کن توثیق کے ساتھ اثر اعما ہونے سے کس طرح روکا جا سکتا ہے؟

دینی عقائدِ اساسی کی تحدید اور عملی شریعتوں کا اذن عام اسلامی تعلیمات کے اندر سے اخذ کرنے سے پہلے ایک منٹ کو رُک کر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ تمام شریعتوں کا اپنی فطرت و نوعیت کے لحاظ سے ہو بہو یکساں ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں؟

مذہب کا عملی موضوع حیات انسانی ہے اور حیات انسانی کی کیفیات اس کے ارتقاء کے لحاظ سے بدلتی رہی ہیں۔ ایک طرف حیات و کائنات کا شعور اور وحدت وحی کی وسعتوں کا فہم نشو و نما کی مختلف منزلوں سے گذرتا رہا تو دوسری طرف سرمایۂ وحی کے تحفظ کے ذرائع ٹھوس اسباب کے نقطۂ نظر سے ارتقائی مراحل سے آگے قدم اُٹھاتے رہے ہیں۔ اساسیات دین و شریعت کی ایک آخری اور ارتقائی شکل کے نزول کے لئے ان ہی دونوں پیش خیموں (PRE-REGUISETES) کی ضرورت تھی کہ پیغامِ منزّل کو سمجھنے کے لئے ایک خاص فہم کا ارتقا ہو اور پھر سمجھے بوجھے پیغام کو محفوظ رکھنے کے لئے اسباب کی دنیا ابھی خاص ارتقائی صلاحیت کو پختہ و مکمل کر لے۔ اگر اساسیات دین و شریعت کی ارتقائی شکل کے نزول کے لئے ان دونوں "پیش خیموں" کو نظر انداز کر دیا جائے اور ان اوّلین شرائط سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو جس آخری اور مکمل پیغام اور ضابطۂ حیات کو اُتارنا تھا اس کے لئے خواہ مخواہ طول انتظار کے کوئی معنی ہی نہیں نکلتے۔ اگر ہر دور اور ہر زمانہ کی نازل شدہ شریعت حیاتِ انسانی کی عمر کے لئے دائمی طور پر اور مساوی طور پر "خود مکتفی وحی" کی متحمل ہو سکتی اور ان کو ہر دور میں عقائد کی تصویر کشی کے لئے برابر کا یہ شرعی درجہ عطا کیا جا سکتا جس کا پرچار یہ نظریاتِ قرآنی کر رہے ہیں تو آخر مشیت کو کیا ضرورت تھی کہ وحدتِ ادیان کا نام نہاد امتیاز آج جس اسلام سے اخذ کیا جا رہا ہے اس کے لئے نزولِ اسلام کا انتظار کیا جاتا! اس کے لئے اتحاد انسانی اور وحدتِ ادیان کے اس نام نہاد "امتیاز" کے لئے تو کسی بھی سابقہ بلکہ "اوّلین" شریعت کو منتخب کیا جا سکتا تھا اور تحریف و اصلاحِ نو کے صدیوں اور قرنوں پر پھیلے ہوئے تکلیف دہ عمل کو نفسِ پیغام کے دائرے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کیا

جا سکتا تھا اور اس کو بھی خدائی تحفّظ کا وعدہ عطا کرکے ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا جا سکتا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ فہم وحی اور ذرائع تحفّظ وحی کے لئے ارتقا کے ایک مطلوبہ نقطۂ عروج کا انتظار کیا گیا اور اس دوران میں اس آئندہ آنے والے ارتقائی پیغام کے ساتھ ذہنِ انسانی کو ہم آہنگ کرنے کے لئے دین و شریعت کے مواد کی ضروری مقدار نازل کی جاتی رہی جس میں مختلف ہنگامی مسائل اور درمیانی مراحل کی فطرت کا کماحقہ لحاظ رکھا جاتا رہا۔ ان سب میں یقیناً روح پیغام تو ایک ہی تھی۔ مگر شکل پیغام اور اس کی کمی بیشی اس خاص مرحلۂ ارتقاء کی ناگزیر مناسبت سے کچھ نہ کچھ اختلاف رکھتی تھی۔ تا آنکہ فہم وحی اور اس کے ذرائع تحفظ کا وہ ارتقائی نقطۂ عروج آگیا جہاں قرآن کے ذریعہ عالمگیر اور ہمہ گیر اساسیات دین و شریعت کے نزول کا اتمام کر دیا گیا اور کتاب و سنت اور وحی و کردارِ رسول کے ذریعہ ان اساسیات پر دین و شریعت دونوں کی ایک ایسی "تعمیر" مکمل کر دی گئی جو اپنی بنیادی وسعت و صلاحیت کے پہلو سے حیاتِ انسانی کی ابدی رہنمائی کی کفالت کر سکے۔ مذہب کے دونوں گوشوں اور تکمیلِ ہدایت کے لئے دونوں لازموں یعنی عقیدہ و عمل اور دین و شریعت کی اسی تکمیل کے بعد اتمامِ حجّت کے ساتھ بابِ نبوّت بند کیا جا سکتا تھا جو کر دیا گیا اور اسباب کے نقطۂ نظر سے ذرائع تحفّظ وحی فراہم ہو جانے کے بعد ہی پیغامِ آسمانی کا سلسلہ موقوف و منقطع کیا جا سکتا تھا جیسا کہ ہمارا ایمان ہے کہ کر دیا گیا۔ اگر تاریخ مذہب کے مختلف ابتدائی اور درمیانی پیغامات تک دین و شریعت کے لحاظ سے مکمّل اور کافی تھے (جیسا کہ مولانا آزاد تمام شرائع کا اذنِ عام کرکے خود ہی تسلیم کرانا چاہتے ہیں) تو پھر مذہب کے اس آخری اور مکمّل ترین "حرفِ آخر" کو صرف عقائد اور "دین" کی یاددہانی پر کیوں ختم کیا جا رہا ہے اور اس کی تشریعی گرفت کو کس لئے اس سے چھیڑ کر لاکھوں شریعتوں پر بے دریغ تقسیم کرکے ڈھیلا کیا جا رہا ہے؟ اب جبکہ اس کی گرفت کو مذہب کی ہمہ گیر اور ارتقائی "اساسیت" کا جواز و امتیاز تن تنہا حاصل ہے تو پھر اس نقطۂ عروج سے پسماندہ نظاموں سے استفادہ کرنے کے بعد اس صحت و کمال کی توقع کس دل سے کی جا سکتی ہے جو بعد کے اس جامع و مانع ضابطۂ حیات کے ساتھ وابستہ رہ کر ہی ممکن ہے؟ اب تو اس میں ہی وہ ارتقائی "اساسیت شریعت" متوقع ہو سکتی ہے جو ارتقائے حیات کی مختلف ضرورتوں اور مختلف تقاضوں کا ساتھ دیتی رہے۔ اور درحقیقت یہی اس کا خاص امتیاز ہے۔ بلکہ یہی اس کا واحد امتیاز ہے ـــــ تکمیل ہدایت کی کامیاب ترین شکل پر ہی کسی مذہب کا "امتیاز" تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور قرآن و اسلام کا یہ امتیاز خصوصی اسی تکمیل ہدایت کے جامع اور ارتقائی کارنامہ کا صلہ ہے عام شریعتوں کے "اذن عام" کو اسلام کا امتیاز ثابت کرنے والے، اسی بنیادی امتیاز اور تکمیل ہدایت کے کارنامے کو تاخت و تاراج کرتے ہیں اور اس میں تشریعی خلائیں نکال کر اس کے "شرعی افلاس" کو اس کا امتیاز خاص کہلانا چاہتے ہیں شاید دنیا میں سب سے پہلے اسی کا نام "ستم ظریفی" رکھا جا سکتا ہے!

کیا خود قرآن کا مجموعی پیغام اور کتاب و سنت کا مکمّل مزاج دین کی تحدید اور شریعتوں کی اس رفعت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر قرآن میں جا بجا اسوۂ رسول (شریعتِ اسلامی) کو بہترین معیارِ عمل بنانے پر کس لئے زور دیا گیا ہے؟ ـــ عقائد کے دوش بدوش احکام کی اساسیات اور تشریح کیلئے اتباع رسول کا مواد کس مقصد کے لئے ہے اور کیوں؟ سابقہ مذاہب کے صحائف اور قانون عمل کی تحریفوں سے بار بار انتباہ کس لئے؟ عقیدہ و عمل اور ایمان و کردار ایمانی کے اس جوش و خروش اور شدّت و تاکید کا توازن دیکھ کر نجانے یہ جرأت کس بنیاد پر جائز ہو سکتی ہے کہ قرآن اور پیغمبرِ اسلام کو محض عقیدہ کی یاددہانی اور وحدت ادیان کی منظوری پر ختم کر دیا جائے اور عقائد کے عملی پیکر ڈھالنے کے لئے اُمتوں کو ان کے محرّف و منسوخ تشریعی نظاموں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ نہیں یہ قرآن کا مجموعی پیغام نہیں اور اس کے مجموعی پیغام کے سیاق و سباق سے آزاد ہو کر اسکے کسی جزو کی من مانی ترجمانی کوئی نیک کاوش نہیں کہلا سکتی ـــ قرآن تو جس "تکمیل ہدایت" اور "اتمام نعمت" کا تاریخ مذہب میں پہلی اور آخری بار اعلان بلند کرتا ہے اس کا لازمی اور عقلی تقاضہ ہے

کہ ہدایت کے لئے انسان کی دونوں ضرورتوں ایمان اور عملی نظام — عقیدہ اور شریعت کے خلا پُر کئے جائیں۔ عقیدے کی تصحیح کیساتھ اس کے عملی لائحوں کی تشریعی اساسیات کا صاف و خالص نور بھی عطا کیا جائے۔ اسی طرح قرآن تکمیل ہدایت اور اتمام نعمت کے دعوے کو ٹھوس بنیادوں پر ثابت کر سکتا ہے اور یقیناً اس نے اس کو ثابت کر دیا ہے۔ قرآن انسانیت کو اس حالتِ بیچارگی میں دیکھنے کے لئے تیار نہیں کہ عقائد کی بازیافت کے بعد لوگ عملی زندگی کی ناپید اکنار بھول بھلیوں میں محرّف شریعتوں کے بجھے ہوئے یا ٹمٹماتے ہوئے چراغ اٹھائے ہوئے منزلِ نجات کے لئے آوارہ و سرگرداں پھرتے رہیں۔ وہ اس مشن کو ناتمام نہیں چھوڑتا — ناتمام نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ اس کی آخری تکمیل کرتا ہے اسی لئے اسکے صفحات میں صرف ایمان کا تنہا مطالبہ نہیں بلکہ ایمان (عقائد توحید و آخرت) کے ساتھ عمل صالح (شریعتِ اسلامی کے اتباع) کی قید بھی لگاتا ہے۔ اس طرح عقائد توحید و آخرت کے حصول و تحفظ کے لئے عقیدۂ رسالت (بشمولیت دین و شریعت) بھی نافذ العمل دیکھنا چاہتا ہے۔

مولانا آزاد نے قرآن کی جس آیت سے استشہاد کرتے ہوئے نجات کے لئے شریعتوں کے اذنِ عام کا مفہوم اخذ کیا ہے وہاں بھی ایمان (عقائد اساسی) کا لفظ تنہا نہیں، بلکہ "عمل صالح" کا جامع اشارہ شرعی قید کے اظہار کے لئے متصل ہی موجود ہے مسلم سوادِ اعظم کے جو ترجمان اور مفسرین قرآن کے کسی جزو کی تشریح خود قرآن کے مجموعی پیغام سے متصادم کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ انھوں نے جب کھلی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ قرآن میں اس ایک مجمل آیت کے علاوہ پورے قرآن کے طول و عرض میں جابجا اسوۂ رسول کی "معیاریت کامل" اور احکام و فرامین کی تشریعی اقدار پورے شدّ و مد سے جاری و ساری ہیں تو وہ قدرتی طور پر جسارت نہ کر سکے کہ اس آیت میں "عمل صالح" کے معنی خیز اشارہ سے سرسری طور پر جذبات کی ترنگ میں گذر جائیں۔ انھوں نے پوری علمی دیانت کے ساتھ یہی سمجھا کہ اس "عمل صالح" کے ایک لفظ سے قرآن خود اپنے مجموعی پیغام کے مفاد میں عقیدۂ رسالت محمدیؐ کو دین و شریعت دونوں کے تمام تر مفہوم میں یہاں بھی نجاتِ اخروی کے لئے شرط لازم تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ ان کے نزدیک خود قرآن و سنت کے مجموعی پیغام کی رو سے "عمل صالح" وہی عمل ہے جس کی صحت کو کسی رسول کی یقینی اور غیر مشکوک ہدایات کی توثیق اور منظوری حاصل ہو۔ اب خاتمۂ رسالت کے بعد "عمل صالح" وہی عمل ہوگا جو حضرت محمدؐ کے مکمل پیغام اور اسوۂ گرامی کے خطوط اساسی سے دین و شریعت دونوں لحاظ سے ہم آہنگ اور پورے طور پر مربوط ہو۔ گویا توحید و آخرت کے عقائد تو ان کے نزدیک بھی اساسیاتِ مذہب ہیں۔ مگر صرف اساسیات ہی کا نام مکمل دین و مذہب نہیں — بلکہ وہ تشریعی ذرائع جو ان عقائد کی مادی اور فکری ٹھوس حصول کا ناگزیر درجہ رکھتے ہیں اور وہ تشریعی قید و گرفت جو ان عقائد کو ضیاع و فساد سے بچانے کے لئے لازمی تحفظ و دفاع کی ذمہ دار ہے۔ وہ بھی دین و مذہب کی اساسیات کا جزو لاینفک ہے۔ مولانا آزاد نے اس متذکرہ آیت میں "عملِ صالح" کے عمیق لفظ سے بھی اس لازمی مفہوم کی صلاحیت یہ کہکر چھین لی ہے کہ "یہی وجہ ہے کہ قرآن تمام متوازن اعمال کو خواہ وہ کسی بھی میدانِ زندگی کے ہوں عمل صالح یا حقانیت آمیز کام کہہ کر یاد کرتا ہے" (صفحہ ۳۰۰) قرآن میں اسی ایک مجمل آیت کے علاوہ اسوۂ رسول اور شریعتِ اسلامی کے اتباع کے حکم کی پشت پر جب پورا قرآن اپنے مجموعی پیغام کی بے پناہ قوت کے ساتھ موجود ہے اس کے پیش نظر اس متذکرہ آیت میں اگر "عمل صالح" کی کوئی ایسی تفسیر کی جائے جس سے عقیدۂ رسالت کی تشریعی قید کا اسلامی مفہوم مجروح ہو کر رہ جائے تو یہ قرآن کے مجموعی پیغام اور کتاب و سنت کے مجموعی اسلام میں ایک "بھیانک تضاد" ثابت کرنے کے مترادف ہوگا۔ ممکن ہے اس قسم کے تاثرات کو جنم دینے والا "اجتہاد" تعقل پسندی کی طرف سے داد و تحسین کے خراج حاصل کر سکے اور دنیا اس تحقیق پر عقیدت کے پھول برسائے، مگر اسلام اور قرآن کے لئے یہ انتہائی بد قسمتی کے مترادف ہوگا جس پر وہ سوائے آنسوؤں کے کچھ پیش نہ کر سکیں گے۔

درایت اور قرآن دونوں کی روشنی میں تمام شریعتوں کی عام رفعت کے اس تفصیلی جائزے کے بعد بھی اگر کسی کا ضمیر

اس استدلال سے مطمئن نہ ہوسکے تو اس کو تاریخ کی عدالت میں اس "نظریاتی موقف" پر قول فیصل طلب کرنا چاہئے۔ تاریخ و روایت سے پوچھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ قدس میں جو یہود و نصاریٰ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ان کو پیغمبر قرآن نے کیا ہدایت پیش فرمائی؟ ــ کیا ان کے عقاید توحید و آخرت کی اصلاح کرنے کے بعد ان کو انکی اپنی اپنی شریعتوں کی طرف واپس فرمایا گیا یا عملی زندگی پر بھی اسلامی شریعت کی مکمل چھاپ لازمی قرار دی گئی؟ ظاہر ہے کہ اسلامی تاریخ کا ایک ہی جواب ہوگا کہ ان کو عقیدہ کی پابندی کے ساتھ اسلامی شریعت کے اتباع کا حکم دیا گیا اور ان کو کوئی بھی ایسی ہدایت نہیں کی گئی جسکے تحت وہ اپنی سابقہ شریعتوں کا اتباع تو کیا ان سے "استفادہ" کے لئے بھی آزاد کر دیئے گئے ہوں۔ اسلامی شریعت کی موجودگی میں سابقہ شریعتوں سے استفادہ کے سوال پر اسلامی تاریخ خاموش نہیں بلکہ اس باب انتہائی ناپسندیدگی کے ساتھ امتناعی رجحان کا اعلان کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا واقعہ ہی تنہا کافی ہے جب وہ ایک بار توریت کا نسخہ پڑھ رہے تھے تو رسول کریمؐ کے چہرۂ انور پر شدید برہمی اور انقباض کی غیر معمولی کیفیات دیکھ کر لرز اٹھے اور سمجھ گئے کہ قرآن و سنت کی موجودگی میں دوسری شریعتوں سے استفادہ کا تصور ہی اسلام کی مکمل رہنمائی کے لئے گستاخانہ تصور ہے۔

نجاتِ انسانی اور وحدت آدم کے لئے مولانا آزاد نے عام شریعتوں کے اذنِ عام کا جو تصور پیش کیا ہے درایت روایت اور خود قرآن کی روشنی میں غور کرنے کے بعد اس کو تمام مذاہب امروز تو کیا خود "مذاہب سابقہ" کے سلسلہ میں بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس کو قبول کرنے کی صرف ایک ہی راہ باقی رہجاتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن و سنت کے مجموعی پیغام کے تحت اپنی فکر کی تشکیل کرنے کے بجائے خود اپنے افکار کے جواز کے لئے قرآن کو ہموار کیا جائے اور قبولِ ہدایت کے بجائے اس کے "یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً" کے رُخ سے پوری بے رحمی کے ساتھ استفادہ کیا جائے ــ ظاہر ہے کوئی مسلمان ہوش و حواس اور دین و ایمان کی سلامتی کے عالم میں اس راہ کو اختیار کرنے کا تصور خواب و خیال میں بھی نہیں کر سکتا۔

(۴) عقائد توحید و آخرت اور اسلامی عقیدۂ رسالت کا باہمی تعلق

مندرجہ بالا جائزہ کی روشنی میں تمام مذاہب متعارف و غیر متعارف کے سلسلہ میں مولانا آزاد کا یہ نظریاتی موقف اپنے ٹھوس جواز سے محروم نظر آتا ہے کہ تمام موجودہ شریعتیں عقائد توحید و آخرت کی تصویر کشی کا بار برداشت کر سکتی ہیں اور ان کا صحیح تزکیہ عملی دنیا میں ممکن ہونے کے بعد نجاتِ اخروی کیلئے کفالت کر سکتا ہے۔ اب اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ تشریعی کفالت تو کیسی ان مذاہب کے محدود دائروں میں رہتے ہوئے عقائد توحید و آخرت کا مکمل ایمان و یقین بھی رسالت محمدی کے مکمل عقیدہ کے بغیر ممکن بھی ہے یا نہیں؟

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ایمان و یقین کی مقدس کیفیت محض کسی پیغام اور نظریہ کی معقولیت سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ پیغمبر کی شخصیت کا وزن ایمان کی اولین تخم ریزی کرتا ہے۔ مذہبی معتقدات کے باب میں فطرتِ انسانی آخری درجہ کی احتیاط کرتی ہے۔ محض کوئی پیغام اپنی معقولیت اور حقانیت کی طاقت سے اس پر تسلط و اقتدار حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ پیغمبر کی شخصیت کا اعتماد اور کردار و عمل کی عظمت اس پیغام کا حسین پس منظر قائم کرتی ہے اور ان دونوں کے اشتراک سے تأثر کی وہ بے پناہ قوت ابھرتی ہے جو انسانی قلب و روح کی آخری گہرائیوں میں اتر کر اس یقین عظیم کی بنیادیں اٹھاتی ہے جس کا نام مذہبی زبان میں "ایمان" رکھا گیا ہے۔

اب جبکہ رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ کسی رسول کی شخصیت کا مشاہدہ کر کے ایمان انگیز تأثر حاصل کر سکیں۔ اب ہمارے لئے تاریخی مطالعہ ہی اس مشاہدہ کا "نعم البدل" رہ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے جب تاریخ پر نظر پڑتی ہے

تو اس کی آغوش میں صرف ایک پیغمبر کی شخصیت اور سراپا نظر آتا ہے ایک شخصیت اور سراپا جس کی ایک ایک دھڑکن اور ایک ایک جنبشِ قدم کے تاریخی نقوش لازوال طور پر ثبت ہو کر رہ گئے ہیں۔ جس کی شخصیت کا تاریخی مطالعہ اور ٹھوس مطالعہ کرنے کے لئے ہمارے پاس وہ ضخیم مواد موجود ہے جس کی ترتیب میں پیغمبر کے دوستوں کے ساتھ دشمن و حریف اور پیروکاروں کے ساتھ منکرین بھی برابر کے شریک ہیں اور کم از کم اس باب میں ان دونوں کی آواز صرف ایک ہے کہ محمد عربی ایک انسان اور بشری شخصیت کی حیثیت سے ایک مکمل ترین انسان تھے۔ جو اسقدر سچے اور جھوٹ سے بلند و بالا تھا کہ ان کے قاتل دشمن پورے غیظ کے عالم میں بھی انکو "امین" کہہ کر پکارتے تھے۔ نہ صرف پکارتے تھے بلکہ عملی طور پر اسکا زندہ ثبوت دینے کے لئے اپنی گراں قدر امانتیں ان کی تحویل میں دیکر اطمینان کا سانس لیا کرتے تھے۔

یہی وہ تنہا شخصیتِ گرامی ہے جس کا پیغام بھی لفظ بہ لفظ محفوظ ہے اور جس کا کردار بھی اپنی باریک ترین تفصیلات کے ساتھ آج بھی تاریخی مطالعہ کی گرفت میں بآسانی آجاتا ہے۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ یہ تاریخی مطالعہ ہماری چشم دید ملاقات کے مساوی نہیں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ وسیع اور قابلِ اعتماد ہے۔ ذاتی ملاقات کے وقت ایک انسان دوسرے انسان سے متعلق تنہا رائے قائم کرتا ہے جبکہ تاریخی مطالعہ کی پُر ہجوم شاہراہ پر سیکڑوں دماغ اس شخصیت کی قدر و قیمت سوچتے ہیں اور لاکھوں زبانیں اس کا اظہار مختلف رایوں اور الفاظ سے کرتی ہیں۔ اسلئے کسی شخصیت کا تاریخی مطالعہ ــــ بشرطیکہ وہ تاریخ اسلامی فنِ تاریخ کی ثقاہت کا معیارِ کامل رکھتی ہو ــــ اس شخصیت کے ساتھ ذاتی ملاقات سے کہیں زیادہ قابلِ اعتماد اور اسی لئے "ایمان افروز" ہو سکتا ہے۔ آج تاریخ کے صفحات میں جس پیغمبر کی محفوظ شخصیت کا حوالہ دیا گیا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے۔ وہ آپ کا پیغام ہے۔ وہ آپ کا کردارِ گرامی اور اسوۂ حسنہ ہے۔ آج اسی شخصیت سے تاریخی دریچوں میں ملاقات کی جاسکتی ہے اور [illegible] سے ایمان افروز تاثرات لے کر اس کے پیغامِ عقائد پر حقیقی ایمان انسانی فطرت کے حقیقی تقاضوں کے مطابق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے مذاہبِ امروز کی تمام شریعتوں کے نفاذ کی آزادی تو کیسی خود عقائد توحید و آخرت پر ایمان کی روحانی کیفیت حاصل کرنے کیلئے ایک انسان کو رسولِ عربیؐ کے سامنے حلقہ بگوشی سے ہی آغاز سفر کرنا ہوگا اور ان کی ہدایات کی حدوں میں رہ کر ہی اس سفر کو آخری سانس تک ختم کرنا ہوگا۔ رسول کریم صلعم "اسلام" اور دینِ فطرت کے ارتقائی نظام کی کوئی ایک کڑی نہیں، بلکہ اب مرکزی طاقت ہیں۔ اس مرکزی طاقت کی منظوری کے بغیر اب نہ کوئی عقیدہ ایمان کے لئے کافی ہے اور نہ کوئی "عمل نجات" کے لئے "عمل صالح" کا معیار حاصل کرسکتا ہے۔ اب اس مرکزی معیار سے ہٹ کر ــــ سر مو ہٹ کر ــــ کوئی مذہب و شریعت نہ عقاید توحید و آخرت کی اصلاح کا کام سرانجام دے سکتی ہے اور نہ اسکی صحت تسلیم کراسکتی ہے۔ اب جو دین اپنے عقائد توحید و آخرت کی اصلاح کرے گا وہ قرآن و سنت کی خالص روشنی میں کرے گا اور ان اصلاح شدہ عقائد کو خود عقائد اسلامی کی ہوبہو تصویر ہونا ضروری ہے ــــ یہی حال شریعت کا ہے۔ کوئی شریعت اس کی مجاز نہیں کہ وہ شریعتِ محمدیؐ سے بے نیاز ہو کر عقاید توحید و آخرت کی عملی نقشے' اپنی صواب دید پر تعمیر کرلے۔ اب اسکو اصلاح کا حقیقی دعوٰی کرنے کے لئے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس کے تشریعی نظام کا ایک ایک حرف قرآن و سنت کی نقل مطابق اصل ہے ــــ یقیناً یہ تمام شریعتوں اور مذاہب کے لئے نفاذ و جواز کا اذنِ عام نہیں بلکہ پابندی اور تحدید ہے اور سخت وہمہ گیر ہے۔ آج رسولِ کریمؐ کے پیغام و کردار کے تاریخی تحفظ کی بنیاد پر اسلام کو [illegible] حاصل ہے اور اس حق میں اب کوئی اس کا شریک نہیں۔ اب پیغمبر کی مرکزی شخصیت تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے جامع مفہوم میں عقیدۂ رسالت محمدیؐ ــــ اور دین و شریعت [illegible] تک پہنچنے کا واحد ایمان افروز ذریعہ عقیدۂ رسالت ہے اسی کے درمیان سے گذر کر کوئی شخص عقائد توحید و آخرت اور شریعتِ عملی کی آخری منزل تک رسائی حاصل کرسکتا ہے اور نجاتِ اُخروی کا خدائی وعدہ بھی اسی تکمیل ہدایت پر موقوف ہے۔

(۵) عقیدۂ رسالت میں شریعت کی تحدید اور "طبقہ بندی" کے خطرات کی حقیقت | مولانا آزادؒ کے نظریاتِ قرآنی

نے مذہب کی بنیادی سچائیوں عقاید توحید و آخرت کو لازم کرکے
شریعتوں کے اذنِ عام کا جو تصور پیش کیا ہے اور عقیدۂ رسالتِ
محمدی سے شریعت کی پابندی کے جس عنصر میں آزادی اور لچک
نکالی ہے اس کی تہ میں وحدتِ آدم کا بنیادی مقصد کام کررہا
ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر توحید و آخرت کے عقائد کے ساتھ
کسی خاص شریعت کی تحدید بھی کی گئی تو غیر اسلامی تمام شریعتوں
اور مذاہب کو چھوڑ کر اسلام سے تنہا وابستگی کا اقدام لازمی
ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ اس یکسوئی کی طرف تمام نوع انسانی
کا مختلف مذاہب کی راہوں سے کٹ کر آنا مستبعد ہے۔
اس لئے وحدتِ آدم کے حصول کے لئے یہ نفسیاتی دلکشی قائم
کرنی ضروری ہے کہ اسلامی عقائدِ اساسی کو ہر مذہب خود اپنے
اپنے دائروں میں رہتے ہوئے اپنا کر اسی طرح نجاتِ اُخروی
کا مستحق بن سکتا ہے جس طرح شریعتِ محمدیؐ پر عمل پیرا ہونے کی
صورت میں ممکن ہے۔

کوئی شک نہیں کہ اسلام "وحدتِ آدم" کا آدرش پیش
کرتا ہے۔ اس کو ہرگز یہ پسند نہیں کہ نوع انسانیت کھوکھلی طبقہ بندی
کی مختلف اصطلاحوں اور تنگناؤں میں سمٹ کر اپنا اجتماعی شیرازہ
بکھیرتی رہے۔ مگر وہ "وحدتِ آدم" کے آخری مقصد کے لئے
ہدایتِ آدم کے ٹھوس ذرائع بھی لازم گردانتا ہے۔ وہ صداقت
اور سچائی کے مرکزی عقائد اور ان کے حصول کے لئے شرعی
لائحہ عمل کی راہ سے اس مقصدِ بلند کی طرف انسانیت کو لیجانا
چاہتا ہے۔ اس کو "وحدتِ آدم" عزیز ہے، مگر ہدایتِ آدم کی
قیمت پر نہیں؟ بلکہ ہدایتِ آدم کی حقیقت کو وہ انسانی اختلافات
اور طبقہ بندی کی قیمت پر بھی روشن اور اُجاگر دیکھنا چاہتا ہے
شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا گیا ہے کہ خدا چاہتا تو انسانوں کو ایک دین پر متحد کردیتا
مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے "ہدایتِ آدم" کے سوال
پر انسان کی پسند و ناپسند کو آزاد کرکے اس کا موقع دیا کہ جس کا
جی چاہے ہدایتِ آدم کے مقصد کو اپنا کر وحدتِ آدم کی حقیقی
مہم میں شامل ہوجائے اور جس کا جی چاہے وہ انسانی رشد و
ہدایت کی شاہراہ عقیدہ و عمل سے کٹ کر اپنی راہ پر چلتا ہے

وہ ہرگز وحدتِ آدم کے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے قانونِ ہدایتِ
آدم میں سرِ مُو لچک اور تبدیلی پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ
ضرور اس حسین و مقدس مقصد کا دل کی گہرائی سے قائل ہے
مگر اس کے ساتھ ساتھ اتنے ہی ٹھوس اور پاکیزہ ذرائع کا بھی
قائل ہے ــــ اس مقصد کے لئے غلط اور ناروا ذرائع اختیار
کرنا اس کے نزدیک خود اس مقصد کا فوت ہوجانا ہے ــــ
غلط راہیں خواہ کتنی ہی طلبِ منزل میں ڈوب کر اختیار
کی جائیں، منزل سے دُور ہی لے جاسکتی ہیں۔ "وحدتِ آدم"
کے لئے وہ وحدتِ وحی کے مفہوم میں عقیدۂ و شریعت
دونوں کو ناگزیر طور پر شامل کرتا ہے۔ انہیں سے کسی ایک کو اختیار
کرنا اور دوسرے کو چھوڑنا اس کی نظر میں قانونِ ہدایت
کی "لچک" نہیں، شکست ہے۔ رخصت نہیں فرار ہے۔
کاش قرآن کے "مجموعی" پیغام سے مستطوری حاصل کئے بغیر
مولانا کے ان نظریات کو "نظریاتِ قرآنی" اور "بنیادی
نظریاتِ قرآنی" کا نام ہی نہ دیا جاسکتا!

درحقیقت "طبقہ بندی" فی نفسہ کوئی اخلاقی دشنام
نہیں! یہ حق اور باطل کی نسبت سے اپنا اچھا یا بُرا اضافی
مفہوم قائم کرتی ہے۔ حق و صداقت کے محور پر آج تک
پوری زمین نے گردش نہیں کی اور نہ شاید تاریخ کی فطرت
آئندہ کے لئے اس کی پیشین گوئی کرسکتی ہے ــــ پھر جب بھی
حق و صداقت کا نام لیا جائے گا انسانیت کم از کم دو اور
زیادہ سے زیادہ لامحدود ان گنت طبقوں میں بٹ ہی
جائے گی۔ اب اگر حق و صداقت کے موقف پر سختی سے
جمنے کے نتیجہ میں صالح فکر انسانوں پر "طبقہ واریت" اور "طبقہ
بندی" کی پھبتی کسی جاتی ہے تو یہ خود حق و صداقت کی نگاہ میں
کوئی بدقسمتی نہیں۔ عین سعادت ہے۔ خود اسی زیرِ تبصرہ
کتاب میں جہاں رواداری کے غلط اور صحیح مفہوم کی ترجمانی
کی گئی ہے اس کا بھی یہی خلاصہ ہے کہ رواداری کے جس بدترین
مفہوم نے سچائیوں کو قاتلانہ صدمہ پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ "
رواداری کے حسین نام سے سچ اور جھوٹ میں مفاہمت کرائی جائے
رواداری کا صحیح مفہوم خود اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ

حق و صداقت کے کڑے اُصولوں پر جمنے والے پامردی سے اپنے موقف پر جمے رہیں اور اس موقف سے اختلاف کرنے والوں کو اپنے اپنے خانوں میں طبقہ بندی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت اور آزادی دیں۔ پھر اگر عقیدۂ رسالتِ محمدی میں شریعت کی تحدید سے برہم ہو کر اس سے اختلاف رکھنے والی دنیا اسلام پر طبقہ بندی اور علیحدگی پسندی کا بہتان رکھتی ہو تو اس کو سنکر مطلقاً تک متأثر ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ اس کا یہی تو نتیجہ ہوگا کہ انسانی تأثرات کی رنگین بددستی اپنے اصولوں میں غیر فطری لچک دیکھنے اور ثابت کرنے لگے اور اس طرح اپنے تأثرات و رجحانات کے مطابق اپنے اُصولوں کو ہموار کرنے لگے۔ لیکن سوچئے کہ دنیا کی طرف سے اس علیحدگی پسندی کے الزام کے احترام میں کوئی کتنی دُور جا سکتا ہے؟ اس کے تقاضوں کے مطابق آج شریعت کی پابندیوں کو خیرباد کہدیا جائے تو کل عقیدہ کے اوپر آج کے مشترکہ اسباب پر حکمراں "شرک کے دیوتا" برس پڑیں گے اور عقائد میں بھی کوئی لچک "نکالنی ضروری ہوگی۔ نہ صرف یہ بلکہ آج جب کہ دنیا کی نام نہاد ترقی پسند ذہنیت اتحاد انسانی کے لئے "الحاد اور مادیت" کو بنیاد بناتی ہے تو خود نفسِ مذہب پر طبقہ بندی کا الزام رکھتے ہوئے بجا طور پر عقیدہ و شریعت اور کُل کے کُل مذاہب سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور ہم اگر مجرد وحدتِ آدم کے قائل ہوں اور اس کے لئے ہدایت آدم کے جائز ذرائع پر قناعت کے لئے تیار نہ ہوں تو ہمارا فرض ہوگا کہ انسانی طبقہ واریت کی خطرہ کو مٹانے کے لئے اپنے دین و ایمان کو نذرِ رواداری کر دیں — طبقہ بندی کا الزام ہمیشہ "مصلحانہ" ہی نہیں ہوتا — بلکہ کبھی "قاتلانہ" بھی ہوتا ہے۔ ماحول اپنے تأثرات کے بل پر کسی بھی جھوٹ کا نام "سچ" رکھدیتا ہے۔ اور اس جھوٹ کی دَلدل سے بلند و بالا سچائی پر جمنے والوں کو ان کے احساس برتری سے ہٹانے اور اس دلدل میں گرانے کے لئے بھی ان پر طبقہ سازی اور گروہ بندی کا نفسیاتی حربہ استعمال کر دیا جاتا ہے۔ اسلئے "طبقہ بندی" کے خطرات اور "وحدتِ آدم" کی توقعات دونوں ہی ایسے عجیب غریب متلون الفاظ ہیں جن پر حق و باطل کی پیمائش کے لئے اعتماد نہیں کیا جا سکتا — کم از کم آخری اعتماد تو ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

"وحدتِ ادیان" کا لفظ بھی اس عہد الفاظ کا وہ سب سے خوبصورت نمونہ ہے جو اتحاد انسانی کی دلفریب توقعات دِلاکر مذہبِ حق کو خود مذہب کی کند چھری سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اس کا خوبصورت نعرہ یہ ہے کہ سچائیاں تمام مذاہب میں بنیادی طور پر مشترک ہیں، اس لئے مذہب دشمنی اور تعصبات کی دِل تنگ بندشیں اور امتیازات ہٹا کر ہر مذہب کو اخلاق کی اصلاح اور نجات انسانی کے لئے برابر کا مرتبہ دینا چاہئے — مولانا آزاد کے "نظریات قرآنی" آخری نتیجہ کے طور پر اسی منزل پر پہنچتے ہیں جہاں وحدت ادیان کا غیر اسلامی تصور لیجانا چاہتا ہے مولانا کے نزدیک ہر دین و شریعت کو اپنی اپنی اصلاح و تزکیہ کی شرط پر وہی آزادی اور مساوات عطا فرمائی ہے جس کیلئے وحدتِ ادیان کا تصور سفارش کرتا ہے۔ اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ مولانا کے ان نظریات نے اسلام کی آفاقی وسعت کو پورے کرۂ ارض کے مذاہب پر پھیلانے کی کوشش میں اسلام کی ایک اپنی مستقل حیثیت سے محروم کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں مولانا کے ان نظریات سے وحدت ادیان کے مُہلک تصور کیلئے سب سے حسین و معصوم خاکہ کا کام لیا جا سکتا ہے۔ عملی طور پر اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ اس لئے کہ اسی تفسیر فاتحہ کو اس کی اشاعت کے فوراً ہی بعد ملک کے قوم پرست سیاسی حلقوں میں خاص طور سے پسند کیا گیا تھا — اس کا ہندی ترجمہ شائع کر کے ملک کے طول و عرض میں پھیلایا گیا۔ اور گاندھی جی نے مولانا کو خراجِ عقیدت دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ کے اس اجتہاد کے ذریعہ میں نے پہلی بار اسلام کی عظیم وسعت نظری کا احساس کیا ہے۔ یقیناً اس کی تو بڑی روشن اُمیدیں ہیں کہ وحدت ادیان کا خالص غیر اسلامی اور خالص "آریائی" تصور جس کی پشت پر آریائی صحائف اور آریوں کا تاریخی عمل شہادت کے طور پر موجود ہے۔ مولانا کے ان نظریات قرآنی کو وحدت انسانی کی عظیم ترین کاوش قرار دے نیز ملک کی سیاسی طاقتیں بھی ان نظریات کی بلند بانگ آفاقیت کے نعرے لگائیں۔ مگر غریب مسلمان جو وحدتِ ادیان کے تصور کو اپنا کر سوائے سب کچھ کھو دینے کے کچھ بھی نہیں پا سکتا، جس کی ٹھوس

مستقل عنوان

مسجد سے بتخانے تک

از
ملّا ابن العرب مکی

تاریخ نوشت:- ۹ فروری ۵۹ء

جمعیۃ العلماء ہند کی ایک شاندار کانفرنس ابھی ضلع الور میں ہوئی تھی۔ عاجز کو تو اس کے نظارے کا شرف حاصل نہیں ہوا لیکن ظاہر ہے آجکل کوئی بھی کانفرنس چاہے اور کچھ نہ ہو مگر "شاندار" ضرور ہوتی ہے یہ تقدیرِ الٰہی ہے جسمیں ہمارا آپ کا کوئی بس نہیں۔ بہرحال یہ شاندار تھی اور اس کے خطبۂ استقبالیہ میں مندرجہ ذیل سطریں بھی تھیں۔

"شہر الور میں آج تک ایک بھی مسجد واگذار نہیں کی گئی حالانکہ ہزاروں مسلمان روزانہ شہر میں آتے ہیں اور نماز کے وقت مسجد نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہوتے ہیں۔ مدت کے بعد اور بہت کوشش سے دسمبر ۵۶ء میں ایک مسجد تھانہ صدر کے سامنے واپس کی گئی جسکی تعمیر کی اجازت کی درخواست دی گئی لیکن ۱۸ نومبر ۵۸ء کو اس مسجد کا فرش اور بنیادیں کھود کر پھینک دی گئیں اور اس پر تیج منڈی کی تعمیر کی اسکیم کے مطابق اسکے پلاٹ تیار ہو چکے —— ہندی مسلمانوں کے لئے یہ ایک زبردست چیلنج ہے کہ راجستھان اور بالخصوص الور بھرت پور میں حکومت جب چاہے کسی مسجد کو توڑ کر حسب منشاء اسکو کام میں لاسکتی ہے۔ کم از کم الور بھرت پور میں بیسیوں مسجدوں کا یہ حشر ہو چکا ہے اور حکومت ان پر عمارتیں تعمیر کرا چکی ہے —— حیرت ہے کہ یہاں کے حکام اور منسٹر بھی مسلمانوں کو ڈراتے ہیں اور دھمکاتے ہیں کہ اگر ہمارے ظلم و ستم کے خلاف آواز بھی نکالی تو تم کو جیل میں ڈالدیا جائے گا۔"

اب فدوی کو جستجو ہوئی کہ اس المناک صورتِ حال کی اصلاح کے لئے علمائے حق نے کوئی نہ کوئی قدم تو اٹھایا ہی ہوگا۔ ظاہر ہے کانگریس کی غیر مشروط وفاداری اور مدح سرائی تو اس درد کا علاج نہیں ہو سکتی۔ تلاشِ بسیار کے باوجود جب کچھ حاصل نہ ہوا تو ایک جمعیتی بزرگ سے مدد چاہی۔ وہ تلخ لہجے میں کہنے لگے۔ "آپ لوگ خود تو کاہلی برتتے ہیں۔ ہم سے پوچھنے کی بجائے جمعیۃ کا لٹریچر دیکھئے، "الجمعیۃ" پڑھئے علماء کے بیانات ملاحظہ کیجئے۔"

"الجمعیۃ تو میں پڑھتا ہوں" خادم نے پوری سعادتمندی سے کہا "اس کے مطالعہ سے اسکے بجز اور کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ کانگریس سرکار کی ستم ظریفیوں اور نوازشوں کا مزید علم حاصل ہوتا چلا جائے۔ اور لٹریچر مجھے نہیں مل سکا۔"

"ہم دیں گے۔" انہوں نے کہا اور اگلے روز اپنے گھر لے گئے ایک کمرہ اخبارات کے فائلوں، گردآلود کتابوں اور مکڑی کے جالوں سے بھرا ہوا تھا ایک ایسی کرسی کی طرف اشارہ کر کے جسمیں صرف تین پائے تھے کہنے لگے۔

"اسپر تشریف رکھکر مفصل مطالعہ کیجئے۔ وہ سامنے دو جلدیں "علمائے حق کا شاندار ماضی" ہے۔ یہ کونے میں "الجمعیۃ" کا فائل ہے اسمیں جہاں جہاں علمائے حق کی زریں خدمات و مجاہدات کا بیان ہے آپ کو سرخ نشان لگا ہوا ملے گا۔ یہ کانس پردہ اعلانات و بیانات ہیں جو اہم مواقع پر برمحل جاری کئے گئے —— پوسٹر، دعوت نامے اور خطباتِ استقبالیہ بھی اسی میں گڈمڈ ہیں۔ . . . .

وہ روانی کیساتھ تعارف کراتے جا رہے تھے۔ انکی آواز میں فخر بھی تھا اور احساس برتری بھی لیکن مجھ بدنصیب کو ان دونوں اوصاف کی داد دینے کا ہوش کہاں تھا۔ چوتھا مچھر بہت چالاک اور تربیت یافتہ ثابت ہو رہا تھا۔ یا شاید اپنے تین ساتھیوں کی موت نے اسے محتاط بنا دیا تھا جنھیں میں ابھی ابھی نمٹا چکا تھا۔ کچھ بھی ہو وہ پینترا بدل بدل کر کبھی گردن کبھی پیشانی کبھی گدّی پر اپنی بیش بہا صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہا تھا اور میں جال میں پھنسے ہوئے پرندے کی طرح دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اچانک وہ اڑ کر بزرگوار کی پشت پر آیا اور پھر ایک دھماکے کے ساتھ اس کی لاش ان کی پشت پر گری۔ دراصل میں اس خوفناک دشمن کو پسپا کرنے کی فکر میں بھول ہی گیا تھا کہ میں کہاں ہوں کیوں ہوں اور میرے سوا بھی یہاں کوئی موجود ہے۔ اور یہ دھماکہ اُس ٹکر کا نتیجہ تھا جو میرے ہاتھ اور اُن کی پشت میں ہوئی تھی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا.... یہ دیکھئے کتنا موٹا تھا۔"

میں نے مچھر کی کچلی ہوئی لاش چٹکی میں پکڑ کر بطور معذرت ان کے آگے پیش کی۔ وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسکر بولے۔

"کوئی بات نہیں.... آپ مطالعہ کیجئے.... مجھے کانگریس کی ایک میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ پیاس وپاس لگے تو چھمن کو آواز دیکر پانی منگا لیجئے گا۔"

ان کے چلے جانے کے بعد میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو مجھے اعتراف ہے کہ خوف اور گھبراہٹ کی اُس ٹھنڈی سی لہر کو نہ روک سکا جو ریڑھ کی ہڈی سے چل کر کھوپڑی سے جا ٹکرائی تھی۔ یقینی بات تھی کہ اگر میں علمائے حق کی مجاہدانہ خدمات پر مشتمل کمرے کا سارا لٹریچر پڑھنے کا ارادہ کرتا تو ایک سکریٹری کی مدد سے پورے دس سال تک پڑھے جاتا اور پھر اس ایمان افروز ذہنی ریاضت کے بعد طبیعت اس درجہ صاف ہو جاتی کہ میرے فرشتے بھی الور کی مسجدوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی ہمت نہ کرسکتے۔ خیریت اسی میں تھی کہ الٹے پیروں لوٹ جاؤں۔ مگر خون کے اُن قیمتی قطروں کا نقصان کیونکر پورا ہو جنھیں مرحوم مچھر مرتے مرتے پی گئے تھے یا جلو پی نہ سکے ہوں تو کم سے کم فاسد تو کر ہی گئے تھے۔

"چھمن!" میں نے آواز دی۔ بارہ سال کا ایک خوبصورت سا لڑکا دوڑا آیا۔

"دیکھو چائے اور بسکٹ جلدی لے آؤ.... کچھ میٹھائی بھی لے لینا۔"

کچھ دیر بعد چائے کی ٹرے حلوۂ گاجر اور دال موٹ سمیت میرے سامنے تھی۔ فاتحہ مع حزب البحر پڑھکر میدان صاف کیا اور کانگریس کو دعائیں دیتا ہوا واپس لوٹا۔ یہ سوال اب بھی جوں کا توں تھا کہ آخر علمائے حق نے الور کی مسجدوں کے بارے میں کیا کیا۔

اگلے روز ہوٹل میں ایک اور جمعیتی بزرگ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ بجنور سے آئے تھے اور جب میں ہوٹل میں داخل ہوا تو گھی گوار کے حلوے کا بھرپور چمچہ حلق سے اتار کر دکاندار سے فرما رہے تھے۔

"ماشاء اللہ بہت لطیف ہے۔ ایک پاؤ اور دینا۔"

میں سامنے کی بینچ پر جم گیا۔

"جناب کی تعریف؟" میں نے نیازمندانہ سوال کیا۔ چلتے ہوئے منھ کو روک کر میری طرف مشتبہ نظروں سے گھورا پھر شاید مطمئن ہو کر بولے

"خاکسار کو مولوی بدیع الزماں قادری کہتے ہیں۔ ویسے دوست احباب مولانا قادری کہہ لیتے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر.... فدوی حشمت علی نقشبندی کہلاتا ہے ویسے یار دوست حاجی صاحب کہکر پکارتے ہیں...."

"ماشاء اللہ.... اتنی سی عمر میں آپ حج بھی کر آئے۔ ہاں بھئی اپنی اپنی قسمت ہے.... لیجئے حلوہ نوش فرمائیے...."

"جی شکریہ.... مجھے میٹھے پر چائے کی عادت نہیں..... ارے دیکھنا" میں نے دکاندار سے کہا "کچھ سموسے وغیرہ بھجوادو.... جی اب کھا سکوں گا...."

خاصی امید افزا رفتار سے ہم دونوں نے تین پاؤ حلوہ نمٹایا، چھ سموسے چکھے، دو دو پیالیاں نوش کیں۔ درمیانی

تکلف کم کرنے کے لئے یہ بہت کافی تھا۔ انھوں نے بتایا کہ بجنور میں ان کے چچیا سسر مولانا شیر افگن طبرزری پر آسیب آگیا ہے جس کے لئے خواجہ گلاب علی بقائی سے تعویذ لینے آئے ہیں۔ میں نے اظہار ہمدردی کیا پھر باتوں باتوں میں اخبار کا وہ صفحہ ان کے آگے کھولا جسمیں خطبۂ استقبالیہ کی مذکورۃ الصدر سطریں تھیں اسے میں ساتھ لئے پھرتا تھا۔

"مولانا یہ سب کیا ہے؟" میں نے کراہتے ہوئے پوچھا۔ انھوں نے اخبار پر غائر نظریں ڈالیں جس سے اندازہ ہوا کہ اس سے پہلے نہیں پڑھ سکے ہیں۔ فارغ ہوکر درد بھرے لہجے میں بولے۔

"جی ہاں۔ یہی عذاب ہے۔ حالات ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں۔ . . . کیا کیا جائے"۔

"آپ بھی یہ کہتے ہیں" میں نے رو دینے کے انداز میں کہا "میرا مطلب ہے بے بسی تو ہم لوگوں کو ظاہر کرنی چاہئے۔ آپ حضرات پوری بھارتی ملتِ اسلامیہ کے قائد و مربی ہیں آپ کو تو علاج کرنا چاہئے"۔

"جی ہاں جی ہاں" وہ بس یونہی بولے "بات یہ ہے ہم بہت کچھ کر رہے ہیں۔ دیکھئے نا ہزاروں مسائل ہیں۔ ہزاروں کیا لاکھوں۔ کسی کا مکان کسٹوڈین نے قبضا لیا، کسی کی گائے اس بنیاد پر کھول لی گئی کہ تم تو اسے کاٹو گے، کسی مسجد کے آگے باجہ بجا دیا گیا، وغیرہ ذلک۔ ابھی ہمارے صوبائی دفتر میں ان مسائل کی فہرست ہی بنانے پر چھ آدمی آٹھ سال سے لگے ہوئے ہیں مگر جب فہرست مکمل ہونے کو آتی ہے تو ہزار پانسو مسئلے اور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ سمجھ لیجئے سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے"۔

"بیچ بیچ" میں نے اظہار افسوس کیا "ہم پر بھی ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی تھی مگر ہم نے تو ایک مالش والا نوکر رکھ لیا تھا ——— وہ سر کھجاتا تھا اور فدوی مصروفیت کے مزے لوٹتا تھا۔ . . . "

ان کا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ظاہر ہے ان کے فرشتوں کو بھی توقع نہیں تھی کہ حاجی حشمت علی نقشبندی کی سنجیدگی ایسی بھی کروٹ لے سکتی ہے۔ تاہم میرے چہرے پر مذاق یا حماقت کی کوئی علامت نہ پاکر وہ چو رنگ سے ہو گئے اور اکھڑے ہوئے لہجے میں بولے

"جی . . جی . . کیا فرمایا"۔

"میں نے ایک مالش والا ملازم رکھا تھا۔ آپ بھی رکھ لیجئے"۔

میری متانت اپنی جگہ قائم تھی۔ ان کے چہرے نے تین رنگ بدلے۔ پہلے میں حلوے کی جھلک تھی۔ دوسرے میں چائے اور سموسے گڈمڈ نظر آتے تھے اور تیسرے میں پھاڑ کھانے کا انداز تھا۔ کچھ بھی ہو یہ معمولی بات نہیں تھی کہ حالتِ جوش میں بھی وہ کانگریسی جھنڈے کی سہ رنگی کو نبھا رہے تھے۔

"ہم نے تو محاورہ بولا تھا . . . . آپ کیا لے بیٹھے"۔ وہ غرائے۔

"محاورہ . . . میں نہیں سمجھا" میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دانت نکالے "معاف کیجئے گا محاورہ فہمی کا سلیقہ مجھے بالکل نہیں"۔

"چھوڑیئے" وہ بدمزہ ہو گئے "مجھے ذرا جلدی ہے۔ تعویذ لیکر فورًا واپس جانا ہے"۔

"آج ہی . . . ارے صاحب دو چار دن تو ٹھہریئے۔ غریب خانہ حاضر ہے"۔

"ہمیں آج ہی رات کانگریس کی ایک سبھا میں شرکت کرنی ہے۔ بہت ضروری ہے"۔

"تب تو مجبوری ہے" میں نے حسرت سے کہا "کل بھی ایک بزرگوار سے الور کی مسجدوں کا رونا رونے گیا تھا لیکن انھیں بھی فورًا ہی کانگریس کی میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی"۔

میرے لفظوں میں شاید انہوں نے طنز کی بو سونگھ لی۔ تلملا کے بولے۔

"آپ مسجدیں لئے پھرتے ہیں . . . . یہاں پورے ملک کے مسائل سے سابقہ ہے . . ."

"ہم کہاں لئے پھرتے ہیں" میں نے عاجزی سے کہا "یہ قصہ تو جمعیۃ ہی کی کانفرنس میں چھڑا ہے . . . ."

"چھڑا ہوگا . . . خطبہ میں کچھ نہ کچھ تو قصہ چھڑتا ہی . . . اب یہ مطلب تھوڑی ہے کہ اسی کو لے کے بیٹھ جائیے . . . کیا آپ لیگ میں رہ چکے ہیں؟" ان کے آخری الفاظ غیر متوقع نہیں

تھے کیونکہ گریز کی اِس صنعت کا مجھے بارہا تجربہ ہوا ہے تاہم ساقبہ فقروں سے ہٹے ہوئے ضرور تھے۔ عرض کیا۔

"میں لیگ کا صدر بھی رہ چکا ہوں.....م.....م... یعنی میں ہی پچھلے جنم میں مسٹر جناح تھا.... آپ چاہیں تو سی آئی ڈی کو اطلاع دے سکتے ہیں۔"

ان کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ یا شاید پہلو بدلنے سے گھنی داڑھی کا عکس پڑا ہو۔ عمیق نظروں سے وہ مجھے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر ان کی جھلاہٹ ہی درمیان میں حائل ہو گئی بے بسی سے بولے۔

"آپ عجیب آدمی ہیں..... اس طرح کا تمسخر شائستگی کے دائرے میں تو نہیں آتا۔"

"میں تمسخر ہرگز نہیں کر رہا۔ کیا آپ تناسخ کے قائل نہیں؟"

میرے سنجیدہ لب و لہجے نے انھیں پھر مذبذب کر دیا۔ ہکلا کے بولے۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ پچھلے جنم میں کیا تھا......"

"جس طرح میں کہہ رہا ہوں — آخر کہنے میں کیا دشواری ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ..... چھوڑیئے میں اجازت چاہوں گا —"

"چند منٹ اور..... میں الور کی مسجدوں کا مسئلہ....."

"جہنم میں گیا الور..... جمعیۃ مسجدوں کی ٹھیکیدار نہیں ہے۔ نمازیں گھر میں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔"

"نہ بھی پڑھی جائیں تو کیا حرج ہے۔ میں دراصل یہی معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ موجودہ بحرانی حالات میں اسلامی فرائض کہاں تک قابلِ عمل ہیں۔ میرا خیال ہے یہ مساجد کی جماعتیں اور اذانیں اور یہ قربانی وغیرہ متحدہ قومیت کی فضا کے لئے سازگار نہیں ہیں۔ یہ وقت تو وہ تھا کہ ملک کا ہر ہر فرد نجی مشاغل چھوڑ کر پنجسالہ منصوبوں کے عظیم کام میں لگ جاتا۔ ایسا ممکن نہ ہو تو کم سے کم علماء کو تو مذہبی سرگرمیوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

اس دوران میں وہ جھنڈے کو دو دو ضرب دیتے رہے یعنی ان کے چہرے پر چھ رنگ آئے کہ ہر ایک ان میں کا آپ اپنی نظیر تھا۔

"ہٹائیے" وہ اکتا کے بولے "دیر ہو رہی ہے۔ سلام علیکم۔"

سلام جس لب و لہجے میں کیا گیا وہی یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی تھا کہ جذبِ دروں سے تپے جا رہے ہیں ورنہ مولانا لوگ تجوید کو کہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

اب میں پھر کسی ایسے بزرگ کی تلاش میں ہوں جو بتائے کہ الور کی مسجدوں کا مرثیہ پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے یا کانگریس کے گن گانے میں۔ ویسے صوفی ناطق علی نے یہ گُر کی بات بتائی کہ شاعری چاہے مرثیئے کے رنگ میں ہو یا منقبت کے ہر آئینہ اس پر اجر و ثواب کا تحقق کافی شافی دلائل سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

۱۰ فروری ۱۹۵۹ء:— وہ مغربی طرزِ زندگی جو عورت کو آزادی و مساوات کے خوشنما سہارے دیکر بازار میں ننگا کر دیتا ہے اور جس پر ہمارے بعض بھارتی رہنما ریشہ خطمی ہوئے پڑے ہیں رفتہ رفتہ شرافت و اخلاق کی کن بلندیوں تک پہنچا سکتا ہے اسکا ایک دستاویزی اندازہ تو ہم غیر مہذبوں کو اُس ضخیم کتاب نے بھی کرا دیا تھا جو امریکن معاشرے کے بعض پوست کندہ حالات پر شائع ہوئی تھی اور جسمیں صرف یہی نہیں تھا کہ امریکہ کے بڑے شہروں میں کسی ایک کنواری یا شادی شدہ باعصمت خاتون کو ڈھونڈ لینا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے اور نئی نسل میں بہت کم لڑکیاں ایسی ہیں جو پندرھویں سال سے قبل ہی شبِ نشاط کی منزلوں سے نہ گذر چکی ہوں بلکہ یہاں تک تھا کہ عام جنسی ہیجان کے باعث مردوں کی رجولیت کمزور پڑ جانے کے نتیجے میں کتنی ہی باذوق خواتین نے کتوں بندروں اور لنگوروں سے عشقِ لطیف کا رومانی شغل اختیار کر لیا ہے۔ غالباً اسی کے نتیجے میں ہماری فلم کمپنیوں کو کئی ایسے ہنر نصیب ہو گئے جنکی اداکاریاں ببانگ دہل اپنے نصف انسان ہونے کا اعلان کرتی نظر آتی ہیں۔

آیئے کچھ اندازہ آپ کو خود نیویارک ریڈیو کے نشر کردہ اُس مقدس انٹرویو سے کرائیں جو حال ہی میں گوشگذار ہوا ہے یہ گویا ایک مجمل سی تصویر ہے امریکن معاشرے کے صنفی

گوشوں کی جو خود امریکہ نے مہیا کی ہے اس سے آپ تفصیل کا
قیاس کرلیں۔ بظاہر تو یہ حیرت کی بات معلوم ہوتی ہے کہ کوئی
ملک خود اپنے بدن کے پھوڑے دنیا کے آگے بے تکلف
رکھدے لیکن اگر آپ حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے حالات کا جائزہ
لیں تو بلا ریب و شک اس حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ امریکہ انگلینڈ
فرانس اور انکے نقش قدم پر چلنے والے ممالک میں زنا اخلاقی حیثیت
سے کوئی مذموم فعل نہیں رہ گیا ہے۔ دنیا کی رائے عامہ اور
بین الاقوامی تصور اخلاق کے دباؤ میں اگرچہ کھُل کر کہنے کی ہمت
کسی ملک میں نہیں ہے کہ بدکاری و زنا پسندیدہ چیز ہے لیکن
اختیار کردہ طرز زندگی کے نتیجے میں صنفی انارکی اس درجہ عام اور
ناگزیر ہو گئی ہے کہ قلب و ضمیر نہ صرف اس کے خوگر ہو گئے ہیں بلکہ
عقل کی مدد سے وہ اس خوشنما استدلال کو اپنا چکے ہیں کہ آخر
اسمیں حرج ہی کیا ہے۔ آدمی کو بھوک لگتی ہے وہ بے تکلف
روٹی کھالیتا ہے۔ پیشاب آتا ہے نالی پر موتنے بیٹھ جاتا ہے
ان سب فطری حوائج کے پورا کرنے میں کوئی شرم کی بات
نہیں تو اُس فطری ضرورت کو پورا کرنے میں کیوں جھجک
ہو جس کے نتیجے میں دو مرد و عورت کچھ دیر کے لئے ایک
نہایت معصوم خداداد لذت سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں۔
چونکئے نہیں۔ یہ ملّا کا طبعزاد استدلال نہیں ہے بلکہ واقعتہً
عاجز نے یہ اور اس قسم کے متعدد استدلال دانشورانِ
مغرب کے قلم سے دیکھے ہیں اور اشاراتی زبان میں تو آپ
بھی جب چاہیے امریکہ، و فرانس کا مخصوص لٹریچر منگا کر اس
استدلال کو اُن نیم عریاں اور قطعاً عریاں تصاویر، اور مادر
زاد ننگے مضامین اور ہیجان انگیز شہ پاروں میں دیکھ سکتے
ہیں جنھیں آرٹ، ثقافت، حفظانِ صحت اور اسی طرح کے
دلفریب عنوانات سے چھاپا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر واقعتہً
ان ملکوں میں عصمت کوئی قابلِ لحاظ چیز ہوتی اور کھلی جنسی انارکی
کو یہ باعثِ شرم سمجھتے تو یہ سب کچھ یوں نہ ہوتا۔ وہ اپنے
پسند کردہ طرز زندگی کے ناگزیر نتائج سے بہرحال اب اس
حد تک مانوس ہو چکے ہیں کہ اپنی قحبہ گری کے اعلان و اشتہار
کو ذرا بھی معیوب نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم نیویارک
ریڈیو سے اُن فاحشہ لڑکیوں، عورتوں اور دیّوثوں کا فخریہ
انٹرویو سنتے ہیں جنھیں کسی تعزیر خانے میں ہونا چاہئے تھا
اگر امریکہ بدکاری کو مذموم سمجھتا!

مگر نعوذ باللہ یہ مجھ پر سنجیدگی کا دورہ کیوں پڑ گیا غالباً
کسی سجادے کی بددعا ہے جو کبھی کبھی سنجیدگی کا آسیب بنکر
فدوی پر سوار ہو جاتی ہے۔ خیر انٹرویو کے کچھ چیدہ چیدہ
اجزا سنئے۔

رال نہ ٹپکے تو پہلے تو یہ خوشخبری نوٹ کیجئے کہ پیشہ ور خواتین
کی سالانہ آمدنیاں اوسطاً دس ہزار سے لیکر پچیس ہزار
اسٹرلنگ پاؤنڈ تک ہیں۔ یعنی تقریباً ایک لاکھ تیس
ہزار روپے سے لیکر تین لاکھ پچیس ہزار روپے تک ـــ
اس سے آپ یہ نتیجہ نہ اخذ کریں کہ وہاں مردوں کو عیاشی
کے مواقع کمیاب ہیں اس لئے ایک فاحشہ اتنا اتنا کمالیتی
ہے۔ نہیں بھیا۔ امریکہ دولت کی کان ہے۔ وہاں ایک
معمولی مزدور (تیس چالیس) روپے روزانہ کمالیتا ہے اور کوئی
بھی رومانی جوڑا ایک دن کی سیر و تفریح میں دو تین ہزار
روپے بلا تکلف صرف کر ڈالتا ہے۔ ایک ایک دن میں یہاں
کروڑوں روپے کی شراب چل جاتی ہے اور تہواروں کے
موقعوں پر تو نوبت اربوں تک پہنچتی ہے۔ پھر یہ نکتہ بھی
ملحوظ رکھئے کہ بوڑھے اور بدہیئت رئیسوں کے لئے بہرحال
عیاشی کی بہت زیادہ آسانیاں کہیں بھی مہیا نہیں ہو سکتیں۔
سب عورتیں ظاہر ہے محض دولت کمانے کے لئے بدکاری
نہیں کرتیں بلکہ جس طرح مردوں کا مقصود عموماً سیرابی ہوس
ہوتا ہے اور وہ حسین و جوان جسم ڈھونڈتے ہیں اسی طرح
عورتیں بھی لطف و لذت کی خاطر ایسے ہی جسموں کی متلاشی
رہتی ہیں اب بیچارے بوڑھوں کا کیا بنے۔ پڑی گری کچھ لڑکیاں
تو خیر بطور داشتہ رکھ لینا کچھ مشکل نہیں مگر بڑھاپے کی بھڑکی
ہوئی ہوس بھلا اس پر کہاں قناعت کر سکتی ہے۔ وہ پھڑ
پھڑاتی ہے، تلملاتی ہے، ہنگامہ اٹھاتی ہے اور اسی ہاہمی
سے پیشہ ور پری جمالیں پیٹ بھر کے فائدہ اٹھاتی ہیں۔
ہم بھارتی تو طوائفوں کی شاید دو ایک دقیانوسی

ہی قسموں سے واقف ہوں مگر ترقی یافتہ امریکہ نے اس باب
میں بھی قابل فخر ارتقا کا ثبوت دیا ہے چنانچہ انٹرویو میں،
منکشف کی ہوئی چند شائستہ اقسام یہ ہیں

(۱) سکریٹری کا کام کرنے والی لڑکیاں

اس قسم سے تو ہمارے ہند و پاک کے عوام کچھ کچھ آشنا
ہو چکے ہیں۔ یہ بڑی رومانٹک قسم ہے پہلے پہل تو امریکن بیویوں
کو یہ معلوم کر کے بڑا تاؤ آیا تھا کہ شوہر صاحب سکریٹری صاحبہ
سے دوہری خدمت لیتے ہیں مگر رفتہ رفتہ جب یہ بات فیشن اور
مہذب پن میں داخل سمجھی جانے لگی تو بیویوں نے بھی تاؤ کھانے
کی بجائے ایک بہتر صورتِ حال نکال لی یہ کہ شوہر صاحب ایک
دن میں اوسطاً جتنا ٹائم سکریٹری صاحبہ سے چہلیں کرنے میں
صرف کرتے تقریباً اتنا ہی وقت وہ پارکوں، کلب گھروں اور
سنیما ہالوں وغیرہ میں نئے نئے رومان لڑانے پر خرچ کریں
حساب کتاب برابر سرابر۔ ابتداءً مردوں کو یہ بات بہت
بری لگی کیونکہ اس سے ان کے احساس برتری کو ٹھیس پہنچتی
تھی مگر رفتہ رفتہ جب یہ بات بھی فیشن اور مہذب پن میں داخل
ہوگئی تو انھیں بادلِ ناخواستہ ایک خاموش ذہنی سمجھوتہ کرنا پڑا۔
یعنی جاؤ بھاگوان۔ تم اپنے ارمان نکالو ہم اپنی حسرتیں پوری
کرتے ہیں — اور اب بے شمار امریکن جوڑے اسی سمجھوتے
کے تحت عیش کی زندگی گذار رہے ہیں۔

(۲) مہمان نوازی اور تواضع کرنے والی لڑکیاں

اہا ہا ..... ذرا سوچئے تو آپ تھکے ہارے ریل یا
ہوائی جہاز سے چلے آ رہے ہیں میزبان تپاک سے جام
شراب پیش کرتا ہے۔ پھر رنگ برنگ کھانا۔ پھر فلم۔ پھر حسین
لڑکی۔ بتائیے مہمان نوازانہ اخلاق کی ایسی مکمل مثال کہیں ملیگی؟
اب تو کہدیجئے امریکہ زندہ باد!

(۳) اسکولوں کی استانیاں۔

جی ہاں استانیاں۔ یہ جتنی تنخواہ اسکول سے پاتی ہیں اتنا
تو انھیں کسی بھی منچلے سے چشم زدن میں مل جاتا ہے۔ پھر شاگردوں
اور شاگردنوں کی خاص الخاص خدمات کے ذریعہ یہ جو کچھ کماتی
ہوں گی اس کا تو آپ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے۔

(۴) ماڈلز یعنی وہ لڑکیاں جو پوشاکوں کی دکانوں پر خریداروں
کو کپڑے پہن کر دکھاتی ہیں۔

یہ ظالم بڑی آرٹسٹ ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ دکان میں گئے
کہ مجھے ایک خوبصورت سا زنانہ باڈی چاہئے۔
"کیا سائز؟" سیل مین سوال کرے گا۔
"سائز تو یاد نہیں اندازاً ..... ایسا جسم ہوگا" آپ ان لڑکیوں
میں سے ایک کیطرف اشارہ کر کے کہیں گے جنھیں آپ کاؤنٹر
کے پیچھے بھوکی نظروں سے تاک رہے ہیں۔
"او گڈ ..... میس ٹینا وہ نیکس اور لنگشن والے باڈی صاحب
کو ٹیسٹ کراؤ ....."

وہی لڑکی جسکی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا آپ کو
پہلو کے ایک مزین کمرے میں لیجائے گی۔ یہاں عمدہ فرنیچر
ہوگا۔ دیواروں پر جذبات انگیز تصاویر ہوں گی، شاید فضا
میں سینٹ کی ہلکی سی مہک بھی ہو۔ دیواروں پر آئینے لگے
ہوں گے۔ میس ٹینا بڑی لگاوٹ سے مترنم آواز میں کہے گی۔
"آپ ذرا منھ پھیر لیں میں باڈی بدلتی ہوں"

آواز کی کیفیت انگیز لگاوٹ تو ویسے بھی آپ میں اتنی
جرارت پیدا کر چکی ہوگی کہ منھ پھیرنے کی بجائے گردن کو لٹے
نام خم دے لیں۔ مگر جب آپ دیکھیں گے کہ منھ پھیر لینے کی
صورت میں مقابل کا آئینہ میس ٹینا کی مکمل شبیہ پیش کر رہا
ہے تو دل و جان سے تعمیل حکم کریں گے۔ پھر جو کچھ ہوگا وہ
آپ کا بھیجا ہوا میں اڑا دینے کے لئے بالکل کافی ہوگا۔ اکھڑی
ہوئی سانسوں سے آپ باڈی کا سودا کریں گے اور اتنی رقم
آپ کو دینی ہی ہوگی جس سے کم از کم سو باڈی خریدے جا سکتے
جا سکتے ہوں۔ فافہموا وتدبروا!

(۵) سوسائٹی گرلز یعنی وہ لڑکیاں جو بھری پُری محفلوں میں
مہمانوں کو خوش کرنے کے لئے رکھی جاتی ہیں۔

ظاہر ہے لڑکیوں کا محض دیدار تو ان لوگوں کو کیا
خوش کرنے لگا جن کے چاروں طرف ہمہ وقت لڑکیاں ہی لڑکیاں
چھکتی پھرتی ہیں اور ایک آدھ بوسہ لینا تو اخلاقاً ہی ضروری
ہوتا ہے۔ خوش کرنے کے حدود فرائڈ جیسے ثقہ علماء کی جنسی

ریسرچوں سے متعین کیجئے۔

(۶) ناچنے والیاں۔

اس قسم سے بفضلہ تعالیٰ ہم آپ بخوبی واقف ہیں۔ نہ صرف کلچرل پروگراموں اور ثقافتی میلوں اور تھیٹروں سینماؤں میں بلکہ عرسوں تک میں یہ دلربا مخلوق ہماری عاقبت روشن کررہی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ بارک اللہ لہا ولنا فی الدارین۔

(۷) فلموں میں کام کرنے والی نومشق لڑکیاں۔

یہ قسم بھی معروف ومعلوم ہے۔ بڑی بانکی۔ بڑی مظلوم۔ بڑی نیازمند۔ ڈائرکٹر، کیمرہ مین اور اسی طرح کی اہم شخصیتوں کے اشاروں پر ناچنا تو خیر اس کی تقدیر ہے ہی بعض حالتوں میں یہ اُس "منشی" پر بھی ہزار جان سے واری ہوجاتی ہے جو فلم کے مکالموں میں اسکی زبان سے ایک دو زوردار فقرہ کہلوانے کا وعدہ کرلے۔

(۸) وہ شادی شدہ عورتیں جو مزید روپے کی حاجتمند ہوتی ہیں۔

یہ قسم ہم وحشیوں کے لئے تقریباً نئی اور اجنبی ہے نہ صرف یہ کہ ہماری بیویوں میں ابھی کسب معاش کا یہ مہذب سلیقہ نہیں آنے پایا ہے بلکہ ہم ٹھیک طور پر یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ "مزید روپے کی حاجتمندی" کا کیا مطلب ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ خیال کرسکتے ہیں کہ جب کسی مامتا کی ماری ماں سے بچوں کا فقر وفاقہ نہ دیکھا جاتا ہوگا تو بادلِ ناخواستہ جسم فروشی کے ذریعہ نانِ شبینہ حاصل کرلیتی ہوگی ـــ مگر یہ خیال کسی امریکی نے سن لیا تو مارے ہنسی کے دوہرا ہوجائے گا۔ حاجتمندی کا نمونہ دیکھئے۔

مسز ریمانڈ ایک دفتر میں چار سو ڈالر فی ہفتہ پر کلرک ہیں۔ مسٹر ریمانڈ کسی بینک میں ہفتے وار چھ سو ڈالر پاتے ہیں۔ ایک بچہ ہے۔ گذر مشکل سے ہوتی ہے یعنی بس ایک کار ہے دوسری میسر نہیں۔ ریڈیو ہے ٹیلی ویژن نہیں۔ فلیٹ میں گذارتے ہیں کوٹھی نصیب نہیں۔ ہر روز بدلتے ہوئے فیشنوں کا ساتھ دینا بھی مشکل پڑتا ہے۔ ہائی کلاس نائٹ کلبوں کا لطف بھی جی بھر کے نہیں اٹھا سکتے۔ سنڈے کی شام کو دونوں میاں بیوی ڈائمنڈ نائٹ کلب میں اپنی اپنی جوڑی کے ساتھ رقص کررہے تھے کہ مسز ریمانڈ کی نظر اُس حسینہ پر پڑی جسکے گلے میں ایک خوبصورت ہار دمک رہا تھا۔

"کتنا ونڈرفل ہے" بیوی نے موقع پاکر شوہر سے سرگوشی کی

"بہت قیمتی ہوگا۔ یہ ٹریول کمپنی کے مالک کی داشتہ ہے"! شوہر نے جواب دیا۔

"اوہ ڈارلنگ۔ ایسا ہار کیا میرے گلے میں اچھا نہیں لگیگا"

"ضرور لگیگا" شوہر نے حسرت سے کہا "مگر دو ہزار سے کیا کم ہوگا۔۔۔۔ ہمارے پاس۔۔۔۔"

"اوہ ڈونٹ کیئر۔۔۔"

پھر تیسرے دن واقعی ایسا ہی ہار مسز ریمانڈ کے گلے میں جگ مگ کررہا تھا۔ مسٹر ریمانڈ ناز سے بولے "تم ڈارلنگ بہت اسمارٹ ہو۔۔۔۔ میرے خدا اتنی جلدی کامیابی کی کسے توقع تھی"۔

"ابھی دیکھتے جاؤ" مسز ریمانڈ نے بہت پیار سے کہا "یہ تو بس دو راتوں کی قیمت ہے وہ جلد ایک نیو ماڈل کیڈی بھی لے کے دیگا"

"کیڈی نہیں ڈارلنگ ـــ رولز رائس یا لنکن سے کم مت لینا"۔

تو آپ سمجھے۔ حاجتمندی کا یہ معیار ہے۔ مگر یہ ذرا اعلیٰ ہے۔ عام طور پر لپ اسٹک، پاؤڈر اور کریم وغیرہ کا بافراط نہ ملنا بھی حاجتمندی ہی کے دائرے میں آتا ہے اور کم ہی بیویاں ایسی ہونگی جو ازالۂ حاجتمندی کے آرٹسٹک طریق کار کو شوہر سے مخفی رکھنا ضروری خیال کرتی ہوں اور کم ہی شوہر ہوں گے جو بیوی سے ہفتے میں صرف دو تین راتوں کی جدائی سیم وزر کی جھنکار اور بیش بہا تحفوں کی قیمت پر بخوشی گوارا نہ کرلیتے ہوں۔

مذکورہ بالا اقسام کی خواتین کے گاہک کون لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی بھی وضاحت زیر تذکرہ نشریہ میں کردی گئی ہے کہ یہ کسی خاص طبقے تک محدود نہیں بلکہ ان کا تعلق ہر طبقے

ہر حلقہ اور ہر پیشے کے مردوں سے ہوتا ہے. بعض مرتبہ تجارتی اداروں کے ذمہ دار افراد براہ راست اس کاروبار میں دلچسپی لیتے ہیں اور باقاعدہ یہ بتلاتے ہیں کہ ان کا ادارہ کس حد تک اور کس نوع کی تفریح فراہم کرسکتا ہے. تکلف برطرف۔ ایک بین الاقوامی تجارتی ادارے کے صدر نے فرمایا

"اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ عصمت فروشی فی نفسہ تجارت کے لئے مفید ہے"

پھر انہوں نے اس قیمتی نظریہ کی تفصیلات سمجھائیں جس سے جملہ سامعین کی عاقبت روشن ہوگئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

ایک آدمی جس کے ذریعہ اکثر بہترین قسم کی لڑکیاں حاصل کی جاتی ہیں اسنے بتلایا کہ نیویارک میں ایک بہت ہی مشہور خاتون ہیں جو صرف کروڑپتی لوگوں کے کام آتی ہیں. وہ ہر سال ایک کتاب شائع کرتی ہیں جن میں ان لڑکیوں کی تصویریں ہوتی ہیں جنھیں وہ فراہم کرتی ہیں. یہ کتاب بہت ہی مخصوص قسم کے گاہکوں کو بھیجی جاتی ہے. بڑے بڑے اداروں کی پارٹیوں میں لڑکیوں کی ضرورت کے لحاظ سے بلا تامل تین ہزار سے لیکر پانچ ہزار اسٹرلنگ پونڈ تک فیس طے کرلی جاتی ہے ان اداروں کو کتاب بھیج دی جاتی ہے اور وہ اسے دیکھکر لڑکیوں کا انتخاب کرلیتے ہیں۔

ابھی اس نشریہ میں اور بھی ایمان افروز اجزا ہیں مگر قارئین کہیں گے کہ اب کی تو مُلّا نے کوک شاستر لکھ مارا۔

میرے عزیز! خدا تمہیں کروٹ کروٹ جنت دے۔ مُلا کو جتنی چاہے گالیاں دے لو. آوارہ کہہ لو خبطی گردان لو مگر یہ نکتہ دل پر نقش کرلو کہ عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر لانے کے بعد کھُل ترقیاں کسی بھی حد پر رکنے والی نہیں ہیں. مرد وزن کی مساوات کا نعرہ ایک کھلا فریب ہے اور جو لوگ ہندوستان میں بھی اختلاط مرد وزن کا خواب دیکھ رہے ہیں ان کی بصیرت مغرب کی چمک دمک سے خیرہ ہوچکی ہے. سال پورا نہیں ہوا کہ ہمارے زیرک ودانشور وزیر اعظم جواہر لال نے دانت کٹکٹا کے کہا تھا. جی چاہتا ہے کہ عورتوں کے نقاب نوچ کر پھینکدوں. مزید برآں ڈاکٹر کاٹجو نے تو عورتوں کے مجمع میں جاکر ان کے نقاب اور گھونگٹ الٹ بھی دیئے تھے. ظاہر ہے وزیر اعظم اگر چاہیں تو نقاب سے بڑھکر بدن کے کپڑے بھی نوچ کر پھینکدینے کی خواہش ظاہر کرسکتے ہیں کون ہے جو کسی کی زبان پکڑسکے. گو بدن کے کپڑے نوچ کر پھینکدینے کی بات ہمارے خوش کردار وزیر اعظم ہرگز نہیں کہیں گے لیکن امریکہ ویورپ میں بھی مرد وزن کی مساوات کا نعرہ لگانے والوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ عورتیں ننگی ہوجائیں. نہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم عفت وعصمت کو بیکار سمجھتے ہیں نہ یہ کہا تھا کہ ہمارا مقصد صنفی عیاشی کو عام کرنا ہے. انہوں نے تو بڑے دردمندانہ اسلوب میں عورت کی ہمدردی کا نعرہ لگایا تھا اور بہت سے ان میں مخلص بھی تھے. وہ سچ مچ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم عورتوں کو ظلم وپس ماندگی کے غار سے نکالکر عدل و ترقی کی مسند پر بٹھا رہے ہیں ـــــ مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ فطرت کے اصول اٹل ہیں. یہ نہیں ہوسکتا کہ پانی کو آنچ پہنچے اور بھاپ نہ بنے. پٹرول کو ماچس لگے اور شعلے پیدا نہ ہوں. برف کو گرمی پہنچے اور وہ پگھلنے سے انکار کردے ـــــ مرد اور عورت دونوں کی سرشت میں شکمی بھوک کی طرح جنسی بھوک بھی ودیعت کی گئی ہے. ناممکن ہے کہ قوی ترین حد بندیوں اور احتیاطوں کے بغیر جنسی بھوک کے پھیلاؤ اور اشتعال پر قابو پایا جاسکے. آپ دیکھتے ہیں چند روٹیاں اور چند آلو آدمی کا پیٹ بھرسکتے ہیں اور یہ عقل کہتی ہے کہ اگر کسی شخص کو تمام عمر صرف انہی دو چیزوں پر اکتفا کئے رہنے کی تلقین کی جائے تو اسے بخوشی گوارا کرلینا چاہئے کیونکہ مقصدِ شکم پری پورا ہوا اور بدن کی مشین کو ایندھن ملتا رہا ـــــ لیکن کیا عقل کی اس منطق کو کوئی ایک آدمی بھی برداشت کرسکتا ہے؟ کیا ایک بھی شخص آپ کے علم میں ایسا ہے جو ہمیشہ دونوں وقت ایک ہی غذا پر اکتفا کرلیتا ہو؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ٹھیک اسی طرح یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جنسی بھوک بھی اکتفا اور قناعت کی پوزیشن میں نہیں ہے. وہ بھی عقل کے مذکورہ فارمولے کو گوارا نہیں کرتی. وہ بھی چاہتی ہے کہ منھ کا ذائقہ بدلتا رہے. آپ چاہتے ہیں کہ ہوا و ہوس

کو شہہ دینے والے مناظر اور جنسی بھوک کو مشتعل کرنے والے عوامل کی بہتات و افراط کے باوجود مرد و زن فرشتہ بن جائیں آپ کی ترقیاتی اسکیموں کو چلائیں مگر نفسانی لذات سے بے تعلق رہیں محض بیویوں پر اکتفا کریں اور دوسری تمام خواتین کو ماں بہن سمجھیں حالانکہ یہ ماں بہنیں اپنے سنگھار اور اداؤں سے مردوں کے ضبط کی جڑیں تک کھوکلی کئے دے رہی ہوں یہ چاہنا تو ایسا ہی ہے کہ دریا میں ڈبکی لگاؤ مگر کپڑے نہ بھیگیں بھٹی میں کود پڑو مگر کھال جوں کی توں رہے۔ چولھے پر ہانڈی چڑھادو مگر بھاپ ہرگز نہ بنے۔ پیارے فلسفیو! واحد راستہ یہ ہے کہ روس کی طرح سینہ تان کر کہو ——" دین و اخلاق کی ساری باتیں بورژوا طبقے کی ہوسِ استحصال کا کرشمہ ہیں۔ اخلاق دراصل مادی ضروریات کی پرولتاری تعبیر کا نام ہے۔ تاریخ کی جدلیاتی نوعیت ہی اخلاق کی قدریں متعین کرتی ہے اور کیونسٹ پارٹی دنیا کا وہ واحد ادارہ ہے جو تاریخ کی جدلیت پر آخری سند ہونے کے علاوہ اصلی اخلاق کا خالق و مالک بھی ہے"۔

یہ نفیس فلسفہ ہر طرح کے اعتراضات سے پوری طرح چھٹکارہ دیدیگا کیونکہ اس کے تحت تم جب چاہو روٹی کی طرح عورتیں بھی راشن میں بانٹ سکتے ہو۔ جب چاہو غیر محدود جنسی آزادی کو بھی تاریخی جدلیت کا لازمی اخلاقی تقاضا کہہ سکتے ہو۔ جب چاہو یہ آرڈر بھی جاری کر سکتے ہو کہ فلاں فلاں مشترکہ فارم پر کام کرنے والے بیس ہزار کسان فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک امدادِ باہمی کے تحت بیویوں کے باہمی عارضی تبادلوں پر عمل پیرا ہوں کیونکہ پیداوار کو مطلوبہ نشانے تک لانے کے لئے اُس بے کیفی اور یک رنگی کو دور کرنا ضروری ہے جو فی الوقت پیدا ہو گئی ہے اور جس کی وجہ سے عظیم کسانوں کے قوائے عمل اس حد تک سست ہو گئے ہیں کہ عظیم روس کے عظیم عوام کا مفاد خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ عظیم کسانوں کو عظیم عوام اور عظیم پرولتاریہ کا سلام! جب چاہو اسی آرڈر میں یہ توضیح بھی شامل کر سکتے ہو کہ تبادلۂ زن کی اس گردش میں ہر مرد و زن کو اسکا موقع ملنا چاہئے کہ وہ جنس مخالف کے کم سے کم سو مختلف افراد سے قوتِ عمل حاصل کرے یعنی ایسا نہ ہو کہ میری بیوی تو نے لے لی تیری بیوی میں نے لے لی اور بس متعینہ مہینے گذار دیئے۔ نہیں ہر تیسرے چوتھے روز ایک نئی خاتون سے شرف تعارف حاصل ہونا چاہیئے تاکہ ترنگ اور ولولے میں کمی نہ آئے۔ کھیتوں میں زیادہ اناج اگے اور عظیم روس کا طرۂ افتخار اور اونچا ہو جائے۔

اس فلسفہ میں بڑی گنجائشیں ہیں چت اور پٹ سب اپنی۔ لیکن جن لوگوں کے قلب و ضمیر ابھی اسے ہضم کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ عصمت و عفت کو اخلاقی قدر و قیمت بھی دیتے ہیں انھیں پہلی فرصت میں اِس مضحکہ خیز اور ہوائی خوش فہمی سے باز آجانا چاہیئے کہ جنسی تقویٰ اور مخلوط زندگی میں نبھاؤ ممکن ہے۔ یہ ضدین ہیں کبھی جمع نہ ہوں گے۔

---

۱۱ فروری ۱۹۵۹ء:- فرمایا جناب بھیم سین سچر نے دوران جلسۂ تقسیم اسناد کے کہ ہوا تھا بیچ آگرہ یونیورسٹی کے خطاب کرتے ہوئے طلباء سے:-

"آپ ماضی کے اخلاقی اور ثقافتی ورثہ کی قدر کریں تاکہ ملک کی جمہوری بنیادیں مضبوط ہو سکیں"

طلبا بیچارے تو کیا ناچیز مُلّا ملک کے بڑے بڑے دانشوروں اور پنڈتوں کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر وہ اِس ارشادِ گرامی کا ٹھیک ٹھیک مطلب بتادیں تو عاجز ناک کے بل تین سجدے کریگا ویسے تخمینے سے جو مفہوم سمجھ میں آیا ہے اس کی بنیاد پر عرض ہے کہ پہلے تو جناب گورنر صاحب کو یہ بتانا چاہیئے کہ ماضی سے ان کی کیا مراد ہے؟ ماضی تو وہ بھی تھا جب مُغل حکمراں یہاں براجمان تھے۔ ماضی وہ بھی تھا جب آرین یہاں در آمد ہوئے تھے اور اس سے قبل بھی جو کچھ ہوا سب ماضی ہی تھا۔ آخر کس خاص عہد اور قرن کی طرف اشارہ ہے؟ —— اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ "اخلاقی ورثہ" کسے کہتے ہیں۔ مذہبی کتابیں طلبا کو ورثہ میں ضرور ملی ہیں لیکن ایسی کوئی کتاب نہیں ملی جسمیں روزمرہ کی زندگی کے لئے مفصل ضابطۂ اخلاق محفوظ ہو۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسی دیش میں ایک

ایسا بھی زمانہ گذرا ہے جب سگی بہن سے شادی کرنے کے لئے دو بھائیوں کا آپس میں لڑجانا خلافِ اخلاق نہیں تھا اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ماضی کے روایتی اور روحانی ورثہ میں ایک بڑا جز اُس چھوت چھات اور ذات پات کا ہے جس کے تحت انسانوں کا ایک عظیم گروہ جانوروں سے بدتر زندگی گذارتا رہا ہے۔ اس جز کو آج اخلاقاً اور قانوناً دونوں طرح گناہ قرار دیا گیا ہے لہذا ظاہر ہے کہ "اخلاقی ورثہ" سے جناب گورنر کی مراد اور ہی کچھ ہوگی اب اگر صداقت، دیانت، شرافت، انسانیت، خوش کرداری اور نیک عملی جیسی چیزیں مراد ہیں تو اسمیں ماضی کی دم لگانے کی ضرورت نہیں یہ سب ازلی وابدی ورثہ ہیں اور کسی خاص ملک وملت یا زمانے سے انھیں مقید نہیں کیا جاسکتا پھر بفضلہ تعالیٰ طلبائے کرام ان کی اس حد تک قدر بھی کرتے ہیں کہ اگر انھیں حکم دیا جائے تو ان صفات حسنہ کی منقبت میں ٹائپ رائٹر کی رفتار سے لکھ سکتے ہیں اور طوفان میل کی رفتار سے بول سکتے ہیں۔ بس قدر کی تلقین سے کیا فائدہ؟

اور ثقافتی ورثہ کا جہانتک تعلق ہے تو ثقافت آج جس چیز کو کہا جاتا ہے اس کی قدر طلباء سے بڑھ کر کون کر رہا ہے۔ ناچ رنگ، رومانس آرٹ، زندہ دلی، سیر سپاٹے تماش بینی، صنفی خوش ذوقی، جرأت وجسارت اور ثقافت حاضرہ کے تمام ہی اجزائے لطیف کی قدر دانی میں کون بوڑھا طلباء سے بازی لے جاسکتا ہے۔ اگر یہ ثقافتی گھما گھسی نہیں تو بتایا جائے ثقافت کے صحیح معنی کس لغت میں ملیں گے اور اُس مفہوم سے ان کی کیسے مطابقت ہوگی جو ہماری موجودہ سرکار برابر بتائے جا رہی ہے۔ ثقافت وکلچر کے نام پر برپا ہونے والے پروگراموں میں کوئی ایک پروگرام تو بتا دیجئے جسمیں مذکورہ اجزائے مقدسہ میں سے کوئی نہ کوئی جز شامل نہ ہوا ور اس کا تانا بانا کسی اعلیٰ تر روحانی واخلاقی دھاگے سے بُنا گیا ہو۔

رہی یہ بات کہ اخلاقی وثقافتی ورثہ کی قدر کرنے سے ملک کی جمہوری بنیادیں مضبوط ہونگی تو الفاظ کی حد تک ایسی خوبصورت باتیں دن میں پچاس بار کہی جاسکتی ہیں اور کہی جا رہی ہیں مگر عملاً ان کا کچھ حاصل نہیں۔ جن قلوب واذہان کو نفاق پرستی عیش کوشی اور لذت کیشی سے بھرا ہوا ماحول پوری قوت سے ہوا کے رخ پر دھکیل رہا ہو آپ چاہیں کہ لفظوں کے چند غبارے انھیں واپس لے آئیں یہ بدترین خود فریبی اور نافہمی ہے۔ چھوڑیئے اخلاق وایمان کی باتیں۔ یہ فیکٹریوں، بندوں اور صنعتی غلغلوں کا دور ہے۔ ایٹم اور اسپٹنکوں کا دور ہے "دُنیا کے مزے لے لو دنیا تمہاری ہے" کا دور ہے "مرالال دوپٹہ ململ کا" دور ہے۔ مرد وزن کی مساوات کا دور ہے۔ غازے لپ اسٹک اور پاؤڈر کا دور ہے، بدن کے ایک ایک ابھار کو نمایاں کرنے والے لباسوں کا دور ہے۔ "مری جاں مری جاں پیار کسی سے ہو ہی گیا ہے تو ہم کیا کریں" کا دور ہے۔ امریکہ اگر ہمیں غلہ دیتا رہا تو انشاء اللہ سب حسبِ توفیق اس دور سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور نہیں دیگا تو امرود اور کیلے کھا کر سینما دیکھا کریں گے وباللہ التوفیق۔

۱۲؍ فروری ۵۹ء:۔ اس بار ہماری کانگریس نے آرٹ اور رومانس کی راہ میں بھی بڑی زبردست پیش قدمی کی ہے چشم بد دور ابھی ۲ بھیا نکر نگر میں کانگریس کا جو شاندار اجلاس آغاز جنوری میں ہوا ہے اس کے متصل بعد کانگریس ہی کے پنڈال میں بمبئی کے فلم اسٹاروں کا کلچرل پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ دقیانوسی، رجعت پسند اور تنگ نظر لوگ تو اپنی عادت کے مطابق برابر اس بہار آفریں پروگرام کی مذمت کئے جا رہے ہیں مگر ٹھیک ہی کہا ہے پنڈت جواہر لال نے کہ ہمارے یہاں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ترقی کی طرف اٹھنے والے ہر انقلاب آفریں قدم کو تباہی وبربادی کا پیش خیمہ کہنے کی عادت ڈالے ہوئے ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ فلمی ستاروں کے دیدار روبرو کا انتظام کرکے کانگریس نے اپنے عوامی اور جمہوری ہونے کا ایسا عملی اور ٹھوس ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ پیدائشی اندھوں کے سوا ہر ایک اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ آخر بہترین عوامی وجمہوری حکومت تو وہی ہوتی ہے نا جو عوام کی خواہشات، جذبات اور مطالبات کو ہر ممکن حد تک

پورا کرنے میں دن رات ایک کردے۔ اب آپ ایمان سے کہئے ہمارے اکثر عوام کے لئے فلم اسٹاروں کی زیارت کیا کوئی معمولی بات ہے؟ خدا جھوٹ نہ بلائے فلم بین طبقے میں ننانوے فیصدی افراد ایسے ملیں گے کہ اگر آپ ان سے کسی معروف فلم ایکٹرس کے دیدار کی قیمت میں ان کی زندگی کا ایک مہینہ طلب کریں تو انھیں ادنیٰ سا بھی تامل نہ ہوگا اور اگر آپ یہ کہیں کہ فلاں ایکٹرس پر تمہیں بارہ گھنٹے کے لئے مکمل حقوقِ متصرفانہ بخشے جاتے ہیں بشرطیکہ فوراً بعد تم مرنا قبول کر لو تو قسم ہے زمین و آسمان کی وہ بخوشی اس سودے پر تیار ہو جائیں گے۔ اجی بارہ گھنٹے تو بہت ہیں۔ کتنے ہی من چلے تو صرف ایک گھنٹے کے صلہ میں درجن بھر موتیں قبول کر سکتے ہیں۔

تو ناچ رنگ گانے بجانے اور ثقافت و کلچر کو فروغ دینے میں جو مسلسل کوششیں کانگریس سرکار کر رہی ہے اسی کا ایک فطری تقاضا یہ بھی تھا کہ فلمی ستاروں کے دیدار اور قرب کی جو بیکراں تمنا بے شمار عوام کے قلوب میں طوفان اٹھائے ہوئے ہے اس کی تسکین کی جائے اور اسطرح جہاں خود کانگریس کی عاقبت روشن ہونے کا قوی امکان ہے وہیں عوام کا بھی دین و ایمان سنور جائے گا اور وہ اولاد کو وصیت کر کے مریں گے کہ بیٹا! اگر زندگی کا لطف اٹھانا ہے تو کانگریس ہی کو ووٹ دینا اولاد کہے گی پتاجی! کانگریس راج میں تو تمیس روپے من گیہوں خرید نا پڑا ہے وہ کہیں گے کہ گدھو! سرکاری دکانوں کو بھول رہے ہو جہاں روپے کا اکدم ڈھائی سیر مل جاتا ہے ——— اچانک نزع کی ہچکی آئے گی تو وہ فرشتۂ موت پر برس پڑیں گے ——" ارے اجلدی کیوں کرتا ہے۔ ٹھیر جا آخری بات تو رہ ہی گئی" ——— فرشتہ سہم کے ہاتھ روک لیگا اور وہ زندگی بھر کا جمع کردہ تقدس آنکھوں میں سمیٹ کر درد بھری آواز میں کہیں گے۔

بیٹو۔ سنسار کا دھندا تو کسی نہ کسی طرح چل ہی جاتا ہے۔ اصلی چیز ہے آتما۔ آتما کی شانتی ڈھونڈو۔ یہ کلا میں ملیگی روپ میں ملیگی۔ لوک ناچ میں ملی گی۔ ایشور کی سندرتا جب ناری کے روپ میں دھارن کرتی ہے تو اسکا انگ انگ آتما کے لئے شانتی کا جیون دھارا بن جاتا ہے۔۔۔۔ شں شں۔۔۔۔۔ غ۔۔۔۔ غر۔۔۔۔ ارے ٹھیر۔۔۔۔"

وہ تکیے کے نیچے سے دس کا ایک نوٹ فرشتۂ موت کی طرف بڑھائیں گے۔۔۔۔۔ "لے۔۔۔ پانچ منٹ اور۔۔"

"قہ۔۔۔ قہہ۔۔۔ قہہ" فرشتہ ہنسے گا "ہم سو سے کم چھونا بھی پسند نہیں کرتے۔۔۔۔ پانچ منٹ کے لئے پانسو۔۔۔"

"اُف یہ بہت ہیں۔۔۔ مگر خیر اب تو سب چھوڑ کے چلنا ہی ہے۔۔۔۔ لے۔۔۔"

وہ تکیے کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے مگر بڑا بیٹا ہاتھ پکڑ لیگا "نہیں پتاجی۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں ہے ہم آپ کا سب مطلب سمجھ گئے۔۔۔"

"ارے مجھے پانچ منٹ تو اور جینے دے۔۔۔" وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کریں گے مگر دوسرا بیٹا بھی لپٹ جائیگا "چھوڑیئے پتاجی! پانچ ہی منٹ سے کیا ہوگا۔ ہم آپ کی بات سمجھ گئے ہیں۔ کچھ رہ گئی ہو تو سپنوں میں آکر بتا دیجیو گا" وہ غرغرا کے دم توڑیں گے اور ملاّ کی آنکھ کھل جائیگی!

ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ کانگریس پنڈال ہیں فلمی ستاروں کی سبھا جمنے والی تھی۔ وقت سے پہلے ہی پروانوں کا اسقدر اژدھام ہو گیا تھا کہ پنڈال تک پہنچنے کی راہ مسدود ہو گئی۔ ایک لاکھ پروانے اندر تھے اور تقریباً اتنے ہی باہر سر دھن رہے تھے۔ ظاہر ہے مرمٹنے کا جذبہ کہاں نچلا بیٹھتا ہے۔ سر دھڑ کی بازی لگی تھی اور پنڈال کے دروازے سرفروشی کے تھپیڑوں سے تھرتھرا رہے تھے۔ پولیس نے بند باندھنا چاہا مگر وہ بھول گئی کہ عشق ہے دل لگی نہیں۔ لاٹھی چارجوں کا جواب پتھراؤ سے ملا۔ بیسویں صدی کے پروانے مُردا بدوں کی طرح سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ آخر کار جب خود پنڈت نہرو پروگرام کا افتتاح کرنے ڈائس پر آئے تو ہجوم قابو سے باہر تھا۔ بیچارے مجبوراً ڈائس سے اترے اور ایک بانس کی بلی پر چڑھ گئے ——— ہائے کیا نظارہ ہوگا قسم رب کی ذرا

سوچئے تو دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک کا مقبول ترین وزیر اعظم بلی پہ چڑھا کہہ رہا ہے لوگوں شانت ہو جاؤ۔ گھپلا مت کرو۔ ڈسپلن ڈسپلن — میں جواہر لال تم سے اپیل کر رہا ہوں۔ میں.......

مگر خاکم بدہن صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں۔ وہ ابھی بلی سے اتر کر ڈائس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ پروانوں کے بحر جذبات میں پھر جوار بھاٹا آیا اور پولیس بیچاری کو پھر لاٹھیاں چلانی پڑیں۔ پنڈت جی نے اب کی بمبئی کے وزیر اعلیٰ کو ساتھ لیکر مجمع کی طرف رخ پھیرا اور صحیح طور پر تو معلوم نہیں کہ کیا الفاظ کہے ہوں گے مگر اندازہ یہ ہے۔

"ارے تم گو بڑکیوں پھیلا رہے ہو..... شرم کرنی چاہئے...... میں تنبیہ کرتا ہوں نچلے بیٹھو ورنہ...... او..... اے....."

اس سے بھی سہارا نہ لگا۔ فلمی ستاروں کے مخلص شیدائیوں کا رکا ہوا جذبۂ شوق پھوٹ پھوٹ کے باہر آ رہا تھا۔ سیوا دل کے والنٹیر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے پکار پکار رہے تھے بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ۔ پولیس کی لاٹھیاں عالم جذب میں میاں کی توڑی الاپ رہی تھیں۔ سیٹیاں بھی اپنی ڈیوٹی سے غافل نہیں تھیں۔ بقول شخصے

ارے ری بلبل تو کل کہاں تھی عجب طرح کا سماں بندھا تھا

بارے خاصی دیر بعد سورج ڈھلا۔ گرمی نرم پڑی۔ گئی زخمی ہسپتال میں داخل کئے گئے اور آخر کار وہ ساعت سعید آ ہی گئی کہ جس کی رعنائی و رنگینی کا بیان از بسکہ ملّا کے بس سے باہر ہے۔ ایک طرف برسوں کی پیاسی نظریں ہوں، شوقِ بیکراں ہو، جذبۂ التہاب ہو اور دوسری طرف جلوۂ جاناں کی ایک پوری کھیپ ہو تو کون کافر کس قلم سے نقشہ کھینچ سکتا ہے جیسا حق ہے نقشہ کھینچنے کا۔

فروری ۵۹ء ۶/ ۔ زہے نصیب ہماری اُس راج سبھا کے بعض ممبروں نے جو راگ رنگ اور رقص و سرود کے فروغ میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں فلمی صنعت کو تباہ کن بتایا ہے۔ اسے کہتے ہیں۔ ناز بھی ہوتا ہے ہوتی ہے فریاد بھی۔ ایک مصرعے سے تسکین نہ ہو تو لیجئے پورا شعر لیجئے۔

ہزار رسم و راہ تھی بتوں سے چاہ تھی مگر
خدا کا نام بھی لیا بطور زیب داستاں

گویا آنریبل ممبر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری بھی اخلاقی حس ابھی تک زندہ ہے۔ خیر یہ تو ہوا مگر ایک ممبر صاحب نے جو توجیہ پیش فرمائی ہے وہ سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں

"فلموں میں ہمارے دیوی دیوتاؤں کو موجودہ سوسائٹی کی لڑکی کے روپ میں دکھایا جاتا ہے یہ دیوتا جن کی ہم پرستش کرتے ہیں ان کو فلموں میں بہت برا رنگ دیا جاتا ہے یہ طریقہ ہماری تہذیبی روایت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔"

یعنی کہ فاضل ممبر کو فلموں پر اس لئے اعتراض نہیں ہے کہ اُن سے جنسی طوائف الملوکی پھیلتی ہے نہ اس لئے ہے کہ انہوں نے جوانانِ وطن کے اخلاق کا حلیہ درست کر دیا ہے نہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے تماشائیوں کو احمقوں کی روایتی جنت میں لیجا کر خواب و خیال کی بھنگ کھلاتے ہیں بلکہ اس لئے —— اور صرف اس لئے ہے کہ وہ ممبر صاحب کی تہذیبی روایات سے جوڑ نہیں کھاتے۔ لیکن بھگوان جانے وہ کن تہذیبی روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ بھارتی تہذیب کے خد و خال پیش کرنے والی پرانی یادگاریں، پرانے صنم کدے، پرانے مٹھ، پرانے البم، پرانے کلا مندر، پرانے شاہکار مثلاً ایلورا اجنتا وغیرہ تو جس طرز فکر، جس ذہنیت اور آئیڈیالوجی، جس رجحان و میلان کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر رہے ہیں وہ تو فلموں میں پیش کی جانے والی تہذیب و ثقافت کے عین مطابق ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ہمارا فلمی آرٹ بیچارہ تو ابھی تک ان پراچین حدوں تک پہنچا بھی نہیں ہے۔ پہنچ جاتا اگر سنسر والے بیچ میں قینچی لیکر نہ بیٹھ جاتے۔ بہرحال خوب ہی کہا اللہ کے ایک نیک بندے نے کہ دیوی دیوتاؤں کی بھی ایک ہی کہی، اور اجنتا کے غاروں کو جاکر دیکھئے اور انصاف ما...

فلم بنانے والوں کا کہ وہ کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں ورنہ اگر ان مورتیوں کو من وعن فلمی پردوں پر رکھدیا جائے تو پھر پتہ چلے کہ ہماری تہذیبی روایات کا معیار کیا ہے۔

اجنٹا تک ہی محدود نہیں جتنے بھی مورت خانے ہمیں ورثے میں ملے ہیں وہ تقریبًا سبھی اُن تہذیبی روایات کی منھ بولتی تصویر ہیں جن کی دہائی فاضل ممبر نے دی ہے اور خدا رحمت کرے ہماری تہذیب نواز حکومت پر اس نے انہیں سے بعض کو فلمی پردوں پر بھی پیش کر دیا ہے۔ صوفی رجب علی لکر دندی نے، کہ صرف جمعرات اور پیر کو فلم دیکھ لیتے ہیں بتایا کہ ابھی ہماری سرکار نیوز ریل میں ایک قدیم مندر کی مفصل فلم پیش کر چکی ہے۔ اتنی مفصل کہ ہمیں قوالی کا آدھا گھنٹہ بائیسکوپ کی نذر کرنا پڑا۔ اس مندر کی ایک ایک مورتی کو بفضلہ تعالیٰ کئی کئی رخ بدل کر پیش کیا گیا ہے تاکہ قدیم تہذیب کی نمائندگی کرنے والے پرانے کلاکاروں کے اُس گہرے علم اور مطالعہ کی داد دی جا سکے جو انھیں جسم انسانی کے ایک ایک عضو کے بارے میں حاصل تھا اور جس کی مدد سے انھوں نے روحانی سرور، جذباتی نشاط، جسمانی تلذذ، محبت، سپردگی رومانس اور صنفی انفعالیت کی غیر مرئی کیفیات کو شوق انگیز مورتیوں کی شکل میں مجسم کر دیا ہے۔ ہم نے سب مورتیوں کو گننا چاہا تو ہمیں جتنی گنتی یاد تھی سب ختم ہو گئی مگر مورتیاں ختم نہ ہوئیں ہم نے تسبیح سے کام لینا چاہا مگر وہ خانقاہ میں رہ گئی تھی۔

"خیر مورتیوں کی کثرت تو کوئی خاص بات نہیں" میں نے کہا "کوئی اور بات بتائیے"۔

وہ بچوں کی طرح مسکرائے اور کچی کلی کی طرح شرما گئے۔

"ہائیں..... آپ تو ماشاء اللہ مرد ہیں....." میں نے ٹوکا۔

"وہ تو ہیں مگر... ہاں یار یہ تو بتاؤ پہلے ہندوستان میں کیا کپڑا کم ہوتا تھا"؟

"میں نے صرف پرائمری تک پڑھا ہے —— آپ مطلب کی بات کہئے"۔

"کچھ نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ بہت کم مورتیوں کے بدن پر کپڑے نظر آئے۔ ساڑھی تو نظر ہی نہیں آئی۔ وہ کیا ہوتی ہے کرتی یا محرم..."

انھوں نے فقرہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔ شاید ہوٹل کے لاؤڈ سپیکر نے ان کی توجہ جذب کر لی تھی

ہمیں تو لوٹ لیا مل کے حسن والوں نے
گورے گورے گالوں نے کالے کالے بالوں نے

ان کی ذہنی رو بہک گئی۔ آنکھیں جھکیں، ہاتھوں کی انگلیاں کرسی کے ہتھوں پر متحرک ہو گئیں۔

"بھئی واللہ بڑا لطیف گایا ہے..... اپنا بھوندو قوال....."

"میں اسوقت قوالی پر بور ہونے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے جھنجلا کے بریک لگایا۔

خیر صوفی صاحب کو بھاڑ میں ڈالئے۔ پرانی مورتیوں کو بھی جانے دیجئے۔ ذرا اُن دھاردار تصویروں کو دیکھئے جو کلینڈروں طغروں اور چھتوں وغیرہ کی شکل میں ہر طرف بک رہی ہیں۔ انہیں دیوی دیوتاؤں اور مذہبی یا نیم مذہبی شخصیتوں کو جس روپ جس انداز اور جس لباس میں پیش کیا جا رہا ہے وہ کم سے کم اس رنگ سے خوب خوب مطابقت رکھتا ہے جس کی شکایت فاضل ممبر کو فلموں سے ہے۔ یہ رنگ اگر ان کی نظر میں برا ہو تو ہو مگر تہذیبی روایات سے وہ یقینًا مختلف نہیں ہے۔ اور اُن مقدس کوششوں سے تو خوب ہی جوڑ کھاتا ہے جو ہماری آرٹ نواز سرکار ناچ، گانے، کلچر، ثقافت اور کلا کی شاہانہ سرپرستی کی شکل میں کر رہی ہے۔ ٹھیک کہا اللہ کے اُس نیک بندے نے کہ بیان کر چکا ہوں جسکا کہا ابھی کچھ سطر پہلے کہ حکومت کے وزیر نشریات ڈاکٹر کیسکر نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ ناچ گانوں کو ہر اسکول میں، ہر ادارے میں اور ہر گھر میں پہنچا کر چھوڑیں گے۔

مستقل عنوان

کھرے کھوٹے

تبصرہ کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

ادب میں ترقی پسندی

تالیف: جناب گوپال متل۔ ● شائع کردہ نیشنل اکادمی۔ ۹۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ دہلی ● صفحات ۱۲۴ لکھائی چھپائی متوسط ● قیمت ایک روپیہ۔

گوپال متل کا تعارف مترجم کی حیثیت سے "لینن اور سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں" کے تبصروں میں ہوچکا ہے پیش نظر کتاب انھیں مؤلف کی حیثیت میں متعارف کراتی ہے اور صراحت کے ساتھ بتاتی ہے کہ موصوف کی فکری و ادبی کاوشیں تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی خاصی ممتاز اور قابل تحسین ہیں۔

اس مختصر سی کتاب کے دیباچے میں یہ الفاظ پڑھ کر کہ

"یہ مختصر سی کتاب میری کئی برس کی محنت کا حاصل ہے"

پہلے تو ہم چونک گئے لیکن پوری کتاب پڑھ لینے کے بعد ہمیں ماننا پڑا کہ یہ الفاظ ذرا بھی مبالغہ آمیز نہیں ہیں اور واقعی اس کوزے میں بڑی محنت سے تحقیقی معلومات کا دریا بند کیا گیا ہے۔

مؤلف نے دستاویزی شواہد اور تاریخی استدلال کے ساتھ بتایا ہے کہ "ترقی پسند ادب" کی تحریک فی الحقیقت کوئی ادبی تحریک نہیں ہے بلکہ ایک ایسی سیاسی سازش ہے جس کا جال ترقی پسندی کے سطح بین متوالے خود اپنے اور بھولے بھالے عوام کے اردگرد بُنتے رہے ہیں۔ کمیونزم کے دیوانوں نے جہاں اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں انسان کو بدترین غلاموں سے بدتر بنا چھوڑا ہے وہیں علم و ادب کیساتھ بھی وہ برتاؤ کیا ہے کہ الامان والحفیظ روس میں صرف وہ ادیب زندہ رہ سکتا ہے جو ہمہ گیر انسانی قدروں، اخلاقی ضابطوں، مستحکم نیکیوں اور پاکیزہ رجحانوں کو مکمل طور پر خیرباد کہکر صرف اور صرف برسرِ اقتدار کمیونسٹ پارٹی کے اشاروں پر ناچے، اس کے سیاسی موقف کو سراہے، اس کے ہاتھ میں اپنے فکر و قلم کی نکیل دیدے۔ اور اس کے لئے بھی ہر وقت تیار رہے کہ آج اسکی جن قلمی کاوشوں کو یہ پارٹی سراہ رہی ہے کل اگر ایک سیاسی قلابازی کے بعد انھی کو وہ "بورژوا" "رجعت پسندانہ" اور "بوگس" قرار دیدے تو مصنف پوری سعادتمندی کیساتھ اپنی خطا کو نہ صرف تسلیم کرے بلکہ "خود تنقیدی" کا مظاہرہ کرے — "خود تنقیدی" ایک ایسا عمل ہے جسمیں مصنف کو خود اپنے آپ کو صراحۃً احمق، گمراہ، خطاکار اور نہ جانے کیا کیا کہنا پڑتا ہے۔ پھر بھی یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ معاف کردیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان جن ۳۲۹ مصنفوں کو گولیوں اور نظربندی کیمپوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا انہیں کئی ایسے تھے جو اعترافِ قصور اور معافی طلبی کے باوجود نہیں بخشے گئے۔ گویا پھانسی اور فقر و فاقے کی موت سے بچنے کی یہ واحد ترکیب بھی کہ ادیب حکومت کی پالیسی کے بالکل مطابق رہے عافیت کی مکمل ضمانت نہیں ہے اور روح و ضمیر کو مکمل طور پر چند تلوّن کیش جبّاروں کے سپرد کردینے کے بعد بھی ایک روسی ادیب مستقبل کیطرف سے مطمئن رہنے کا حق نہیں رکھتا۔ ایسے کتنے ہی ادیبوں کی مثالیں پیش نظر کتاب میں موجود ہیں جنھیں پہلے تو کمیونسٹ اقتدار کی طرف سے تحریراً اور تقریراً داد و تحسین کے ملنے ملے خطابات دیئے گئے۔ عظمت و شہرت کے فلک بوس مینار پر چڑھایا گیا، پھر اگلی سیاسی کروٹ

میں یہ کچھ بھی نہ تھے۔ ان کی تحریریں بے حقیقت اور بے مزہ تھیں، مفہوم سے عاری اور زہر آلود تھیں، بودار اور گھناؤنی تھیں، یہ نہ صرف مجلس ادب سے نکال پھینکے گئے بلکہ سانس لینے کا حق بھی ان سے چھین لیا گیا۔

مولف نے کتاب کے نصف آخیر میں سنئے کمیونسٹ چین کا بھی جائزہ لیا ہے اور ناقابل بطلان دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ یہاں بھی وہی سب کچھ ہے جو روس میں ہے۔ وہی جباری وقہاری، وہی ہولناک آمریت، وہی اخلاق دشمنی چین کے صدر ماؤزے تنگ بھی روسی جلادوں کی طرح صاف کہتے ہیں کہ محبت، آزادی، صداقت اور انسانی سرشت جیسے جذبے اور امنگیں طبقاتی طور پر بے حقیقت اور صرف تہ فضول ہیں کیونکہ طبقاتی جدوجہد کی حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے! ـــــ جس طرح اسلام کا درس یہ ہے کہ زندگی کے حقیر سے حقیر واقعات کا بھی خدا اور مذہب کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق موجود ہے ٹھیک اسی طرح کمیونسٹوں کا دعویٰ ہے۔

"زندگی کے حقیر سے حقیر واقعات کا بھی پارٹی اور سیاست کے ساتھ تعلق موجود ہے! یہ تعلق ہر وقت موجود رہتا ہے"

گویا اسلام کے منصف، علیم وخبیر اور شفیق خدا کی جگہ سنگدل، خون آشام، بدخو وغلط اور بے رحم پارٹی کو لابٹھایا گیا ـــــ یہ پارٹی سوائے برسر اقتدار کمیونسٹ پارٹی کے کون ہوسکتی ہے۔ کیمونسٹ اقتدار اپنے سوا کسی پارٹی اور کسی مکتبۂ فکر کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔

کاش وہ نادان لوگ جو "ترقی پسند ادب" کے رحم انگیز حد تک جاہلانہ چکر میں پڑکر دوکین کا غیر سنجیدہ کھیل کھیل رہے ہیں اس کتاب کے آئینے میں اپنی پہاڑ جیسی غلط فہمیوں کا منہ دیکھیں اور سستے جذباتی نعروں کی تہہ میں بھیانک حقائق کا لرزہ خیز منظر ملاحظہ فرمائیں۔ ہماری پرزور خواہش ہے کہ اس کتاب کو لاکھوں کی تعداد میں چھاپا جائے۔ نام نہاد اشتراکیت اور کمیونزم کے مکروہ چہرے سے نقاب اٹھانے والے لٹریچر میں یہ کتاب صف اول کی چیز ہے۔ مولف نے جہاں مواد کے انتخاب میں دانائی وبصیرت کا ثبوت دیا ہے وہیں ان کا متین وحلیم اسلوب گفتار، باوقار لہجہ، غیر جذباتی محاکمہ اور بے لاگ طرز استدلال بے حد قابل تعریف ہے۔ ویسے ظاہر ہے داغ تو چاند میں بھی ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۳۹ اور ۱۴۰ پر "جنسیانہ مفہوم" کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ صفحہ ۱۴۴ پر

"مارکس اور اینگلز نے اپنی مشترکہ تصنیف کمیونسٹ مینی فیسٹو میں بہت پہلے ۱۹۴۸ء میں ہی یہ ضابطہ طے کردیا تھا..."

سن غلط ہے۔

صفحہ ۱۴۳ پر

"ان سے پتہ چلتا ہے کہ مصنفوں سے ایک ڈکٹیٹر کے مطالعے ہمیشہ لامحدود ہوتے ہیں"

یہ ترجمہ کا سا انداز ہے۔ "لامحدود" کبھی مقابلۃً استعمال نہیں ہوتا۔

یہ کتاب ہندی اور انگریزی میں بھی چھپی ہے۔ امریکہ والوں کو اگر خدا توفیق دے تو یہ اس لائق ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں چھاپ کر ملک ملک پہنچائی جائے۔

نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری

تالیف: جناب عبدالرؤف رحمانی۔ • ناشر بھی غالباً مؤلف ہی ہیں • صفحات ۲۴۴ • لکھائی چھپائی گوارا۔ • قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اس گرانقدر کتاب میں "بخاری" کی صحت وافضلیت اور درایت وفقاہت کو علمائے سلف کی بے شمار شہادتوں اور بھرپور طر درایتی استدلال کے ساتھ منقح کیا گیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مؤلف کی محنت لائق صد تحسین ہے اور جن لوگوں کو "بخاری" کی قرار واقعی حیثیت کا علم نہیں ہے ان کے لئے انہوں نے اس کتاب میں مستند اسلاف کی آراء اور صوابدید کا نچوڑ جمع کردیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ کاش وہ دو باتوں کا خیال رکھتے پہلی تو یہ کہ جس فتنۂ انکار حدیث کی سرکوبی کے سلسلہ میں اس کتاب کی اشاعت کی گئی ہے اس کی نفسیات ـــ اور عصر حاضر کے تعقل پسندانہ رجحانات کا جائزہ لئے بغیر حدود تک

لحاظ رکھتے ہوئے مدح گسترانہ، جانبدارانہ اور قصیدہ نگارانہ
طرزِ بیان اختیار کرنے کے عوض حقیقت پسندانہ، غیر جانبدارانہ
اور ٹھوس اندازِ نگارش اختیار فرماتے۔ عام تبلیغی قسم کی
تصانیف میں تو ہر انداز چل جاتا ہے لیکن جس تصنیف کی حیثیت
دفاعی ہو اور مقصد محض اپنے ہی ہمرکابوں کی تسلی و تشفی نہ ہو بلکہ
حریفوں کی ذہنی اصلاح اور مذبذبین کی تالیفِ قلوب بھی پیش
نظر ہو تو مصنف کو جذباتی مدح سرائیوں سے بالاتر ہو کر اس
آہنی مزاج جج کی پوزیشن اختیار کرلینی چاہیئے جو مکمل غیر جانبداری
اور سنگین قسم کی حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے فیصلے کے ٹھوس
دلائل پیش کرتا ہے۔ افسوس فاضل مصنف اس پوزیشن میں
نہیں ہیں بلکہ کتاب میں قدم قدم پر اس جذباتی جانبداری کی
چھاپ نظر آتی ہے جسے کوئی بھی مخالف یا نیم مخالف "عصبیت"
اور "تقلیدی جمود" کا نام دے سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفسِ موضوع سے سروکار رکھنے کے عوض
مصنف شروع ہی سے مولانا مودودی پر لے دے کرتے
چلے ہیں اور اس کا انداز 'تالکنیا' 'الیا المناک' اس قدر غیر
سنجیدہ اور اس درجہ کینہ آمیز ہے کہ نفسِ موضوع کی بلند علمی سطح سے
اس کا کوئی پیوند ہی نہیں۔ شروع ہی میں تمہیدی کلمات کے
ذیل میں انہوں نے لکھا ہے۔

"فتنۂ انکارِ حدیث کے اس آشوب دور میں جماعت
اسلامی کے سب سے بڑے لیڈر مولانا مودودی
کی ایک تقریر ان کی جیل سے آزادی اور رہائی
کے معاً بعد ایسی ہوئی کہ منکرین حدیث کو اس
سے بڑی تقویت پہنچی (ص ۲۲ و ۲۳)

اس سے قطع نظر کہ اگر کوئی شخص ایک سنجیدہ علمی بحث کے دوران
امام بخاری کو جماعتِ محدثین کا "سب سے بڑا لیڈر" کہہ گذرے
تو فاضل مصنف اس کی زبان کھینچنے دوڑیں گے لائقِ غور یہ ہے
کہ جس تقریر کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے معترض فیہ فقروں سے
مولانا مودودی صاف انکار کرچکے ہیں جب ان فقروں کو اعتراض
پیشہ حضرات نے اخباروں میں اچھالا تھا تو جبھی جماعت اسلامی
کے جریدوں میں واضح کردیا گیا تھا کہ نہ تو یہ فقرے بعینہٖ مولانا
مودودی کے ہیں نہ ان کے اس مفہوم کی نسبت مولانا کی طرف
صحیح ہے جس پر لے دے کی جارہی ہے۔ لیکن شاباش ہے
معترضین کی ہمت کو کہ وہ پھر بھی چاند ماری سے نہیں چوکتے
ہیں۔ ذرا اندازہ کیجئے امام بخاری جیسے محتاط و ثقہ محدثِ جلیل
کا ذکرِ خیر، فنِ روایت جیسے معیاری فن کا تذکرہ اور خود مصنف
کی بے احتیاطی اور سطحیت کا حال یہ ہے کہ ایک شخص کی غیر مصدقہ
تقریر پر ہی صفحے کے صفحے گھسیٹے جارہے ہیں۔ کون دانشمند نہیں
جانتا کہ بعض ایسے فقروں پر جن سے خود قائل انکاری ہو اعتراضات
کے ہوائی قلعے بنانا محتاط اور متین و باوقار لوگوں کا طریقہ نہیں تھا
پھر قلعے بھی کیسے۔ گھروندے بے تکے اور بچکانے جیسے بچے
کھیل کود میں بنالیتے ہیں۔ صفحہ ۶۹ پر ذرا طرزِ کلام ملاحظہ ہو۔

"ان حقائق مذکورہ بالا کے مقابلہ میں مولانا
مودودی کی اس تقریر و تنقید کا اب کیا وزن
رہ جاتا ہے جو انہوں نے لاہور برکت علی محمڈن
ہال میں کی تھی آفتاب عالمتاب کے مقابلہ میں
کسی بھی کرمک شب تاب کی جس طرح رونق باقی
نہیں رہ سکتی اسی طرح ان وہمی ملفوظات
کی بھی قدر و قیمت اہل علم کی نظر میں نہیں ہے، ؎
بازارِ حسن میں رُخِ یوسف کے سامنے
رونق کسی گلاب کی باقی نہیں رہی"

مولانا مودودی کے ملفوظات کو ــــ چاہے وہ انھیں اپنے
ملفوظات ماننے پر تیار نہ ہوں ــــ "وہمی" کہہ دینا جس
تکبیر آمیز اخلاقی معیار سے روشناس کراتا ہے اس کی داد دینے
کے بعد شعر کی بھی داد آپ کو دینی ہی ہوگی۔ سوچئے کتنا ٹائپ
کے واعظوں اور قلم کاروں میں آپ کو اس سطح کے شعر سننے یا
پڑھنے کا موقع ملا ہوگا۔

خیر۔ وہ فقرے بھی دیکھ لیجئے جن کا انتساب بالجبر مودودی
صاحب کی طرف کیا جاتا ہے۔

"بخاری جس کے بارے میں اصح الکتاب
بعد کتاب اللہ کا جملہ کہا جاتا ہے۔ حدیث
میں کوئی بڑے سے بڑا غلو کرنے والا بھی یہ نہیں

کہہ سکتا کہ اسمیں چھ سات ہزار حدیثیں وہ ساری
کی ساری صحیح ہیں"
اس کے بعد مصنف تحریر فرماتے ہیں۔
"اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت صحیح
بخاری کی احادیث میں غیر صحیح روایتوں کو بھی داخل
وشامل تصور فرما رہے ہیں" (صفحہ ۶۹)

لفظ "حضرت" کے محل استعمال پر غور کیجئے اور ایمان سے کہئے کیا مولانا مودودی جیسے شخص کے لئے اس طرح کا پست طرز کلام کسی معقول آدمی کے شایانِ شان ہے؟ ہو سکتا ہے خود مصنف اپنی ادبی نارسائی کے باعث اس طرز کلام کی گراوٹ کا صحیح اندازہ نہ کر سکے ہوں لیکن ادب وانشاء کے میدان کا ہر شہسوار اس پر خون کے گھونٹ پیئے بغیر نہ رہے گا۔

گراوٹ یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ تھوڑی سی بحث کے بعد مولانا مودودی ہی کی مزاج پرسی میں شعر دیا ہے

تو اے گرد تو ہم شوکت دریا چہ می دانی
اسیر عذر تنگی وسعت صحرا چہ می دانی

اور جذبۂ عناد کی اب بھی پوری طرح تسکین نہیں ہوئی تو آگے ایک لطیفہ بزعم خود مولانا مودودی پر "صادق" فرمایا ہے۔ افسوس صد افسوس۔ اس بازاری لطیفے نے فٹ پاتھ کے سدا فروشوں کی یاد تازہ کر دی۔ لطیفہ لمبا نہ ہوتا تو ہم نقل کرتے ویسے بھی یہ صرف بچوں کے کام کا ہے۔

"مودودی دشمنی" کا کیڑا رہ رہ کر مصنف کے دماغ میں کلبلاتا ہے۔ پہلے تمہید میں موصوف کا ذکر آیا۔ پھر درمیان میں پھر کچھ آگے چل کر یہاں بھی وہی میسر سے درجے کی گل افشانی ہے۔ سابق محدثین وعلماء اور مولانا مودودی کا تقابل نثر میں کر کے حسب عادت شعر پر آ گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

چہ نسبت است برندی صلاح وتقویٰ را
سماع علم کجا نغمۂ رباب کجا؟

سنا آپ نے؟ مولانا مودودی کی تمام طویل علمی تگ وتاز دعوتی تب وتاب اور اصلاحی جد وجہد جناب رحمانی صاحب کی نگاہ میں "رندی" اور "نغمۂ رباب" کے سماع کے مرادف ہے! کاش رحمانی صاحب محسوس کر سکتے کہ جہاں وہ اس کتاب میں اپنے ذوقِ مطالعہ اور مذاقِ علمی کا بیش از بیش ثبوت پیش کر رہے ہیں وہیں اس طرح کی بے حقیقت اور چھچھوری باتوں سے اپنے اخلاقی ضعف اور فکری سطحیت کا بھی ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ عبرت کی جا ہے کہ احادیث کے باب میں مولانا مودودی کے موقف پر بے رحمانہ تعریض کرنے والے مولانا آزادؒ کے بارے میں کبھی گل افشانی کرتے نہیں دیکھے گئے بلکہ انھیں ہر جا وبیجا منقبت ہی کا مورد قرار دیتے چلے گئے ہیں حالانکہ مولانا مودودی کے موقف کا جو پہلو فی الواقع ہدفِ اعتراض رہا ہے اسمیں مولانا آزاد زیادہ سخت اور آگے رہے ہیں۔ مثلاً دیکھئے وہ "ترجمان القرآن" میں لکھتے ہیں۔

"باقی رہی صحیحین کی روایت لم یکذب ابراھیم الا ثلث کلمٰت فی اللہ الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ وتاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرایا ہے۔ یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی کو فہم وتعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی بمقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کریں اگر ایک راوی کی جگہ سیکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیانی تسلیم کر لیا گیا تو نبوت ووحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی۔ بلاشبہ روایات صحیحین کی ہر لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویانِ حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا نہ امام بخاری ومسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی "صحت" ہے "عصمت" نہیں ہے اور صحت سے مقصود صحت مصطلحہ فن

ہے نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن۔ پس
ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں
لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت
اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے ایسا
فیصلہ ہر بات کے لئے مفید صحت ہو سکتا ہے
مگر یقینیات و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا
جب کبھی ایسا ہو گا کہ کسی راوی کی شہادت،
یقینیاتِ قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات
اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے غیر معصوم کو اپنی جگہ
چھوڑنی پڑے گی۔ .... انبیاء کرام
کی سچائی اور عصمت یقینیاتِ دینیہ و نقلیہ میں
سے ہے۔ روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی
بہتر قسم کی کوئی روایت ہو بہرحال ایک غیر
معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں
اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لئے
بھی یقینیات کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی
ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول
نہیں ہو سکتا یقیناً یہاں راویوں سے غلطی
ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ آسمان
پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی"
کچھ آگے فرماتے ہیں

"دوسری طرف عامۃ اصحاب حدیث ہیں
جنھوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید
کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہاء مقلدین
کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے
پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔ ان کے سامنے
جوں ہی بخاری و مسلم کا نام آجاتا ہے بالکل
درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر کوئی دلیل
و حجت بھی انھیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس
کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو
راضی کر سکیں، ..... اور پھر ہم دیکھتے ہے
ہیں کہ محققین حدیث نے اس باب میں کبھی
جمود و تقلید کا شیوۂ اعمیٰ اختیار نہیں کیا۔
یہ بخاری کی " روایتِ اسراء شریک
بن عبد اللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت
تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ
شریک کو غلط فہمی ہوئی اور صحیح بات وہی
ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک میں
ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ
التربت یوم السبت کی نسبت تمام محققین
نے اتفاق کیا اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات
سے ماخوذ ہے پھر اگر اسی طرح صحیحین کی
یہ روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل اللہ
کی صداقت رد نہ کرنی پڑے تو کونسی قیامت
ٹوٹ پڑے گی۔ (ترجمان القرآن صفحہ ۴۹۹ تا ۵۰۱)

ملاحظہ فرمایا؟ مولانا مودودی کی تمام تصانیف دیکھ
جائیے صحیحین پر ایسا جامد کا اتنا صریح اور تفصیلی رد کہیں
بھی نہیں ملے گا۔ پھر بھی وہ ضال و مُضل ہیں، منکرینِ حدیث کو
تقویت پہنچانے والے ہیں اور مولانا آزاد؟ —— وہ تو
اعتراض سے بالاتر منزہ عن الخطاء قائد و منقاد ہیں۔ ان کی
"تخفیفِ صحیحین" کو پی جانے میں جہاں بعض سیاسی وجوہ
کو دخل رہا ہو گا وہیں یہ بھی وجہ ہو گی کہ وہ "اہل حدیث"
تھے اور مولانا مودودی بیچارے حنفی ہیں!

اے وائے دیانت اگر این است دیانت

صفحہ ۱۸۷ پر ہے

"حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ امام علائی نے
تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فقہاء و متکلمین و مفسرین
کے علاوہ خود محدثین میں سے بھی متاخرین
محدثین کی تضعیف کا اعتبار نہ ہو گا اور نہ
ان کی تنقید پر نظر کیا جائے گا"

ان کلمات کو پڑھنے والا ظاہر ہے یہی سمجھے گا کہ حافظ
سخاوی کا بھی یہی مسلک ہو گا اور امام علائی کا فرمودہ

انھوں نے بطورِ تحسین و توثیق ہی نقل کیا ہو گا لیکن فاضل مصنف جانتے ہیں کہ یہ حقیقت نہیں ہے اور حافظ سخاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ جانتے بوجھتے ایک خلافِ واقعہ تأثر دینا تقیہ ہو تو ہو علمی دیانت بہرحال نہیں ہو سکتا۔

صفحہ ۱۰۸ پر حافظ سخاویؒ کی جو عربی عبارت "فتح المغیث" سے دی گئی ہے اس کے ترجمے میں یہ بات ہرگز شامل نہیں کہ

"ان کی (بخاری و مسلم کی) متفق علیہ اور منفرد روایات کے قطعی الصحت ہونے کے بارے میں جمہور محدثین اور اصولیین اور ائمہ سلف سب متفق ہیں۔"

بعض اور جگہ بھی ترجموں میں مکمل مطابقت کا اہتمام نہیں ملتا۔

رہی یہ بات کہ جن علماء نے غیر متواتر روایات سے حاصل ہونے والے علم کو "ظنی" مانا ہے ان کے رد میں اقوالِ سلف سے یہ ثابت کرنا کہ بخاری و مسلم کی ہر حدیث علم الیقینی قطعی الصحت کا فائدہ دیتی ہے بڑی حد تک صرف نزاعِ لفظی ہے اس لئے کہ "ظنی" کہنے والوں کا بھی منشا لفظ "ظن" سے "وہم و گمان" نہیں رہا بلکہ وہ اصولی نزاکتوں کے پیشِ نظر قرآن اور احادیثِ متواترہ سے حاصل ہونے والے علم کی قدر و قیمت، وزن اور کیفیت کو دوسری قسم کی روایات سے حاصل شدہ علم کی قدر و قیمت، وزن اور کیفیت سے کسی نہ کسی درجہ میں ممتاز کرنے کے خواہاں تھے اور واقعۃً یہ خواہش بیجا نہیں تھی اسی لئے انہوں نے علم الیقینی کے مقابلہ میں علم ظنی کی اصلاح استعمال کی ورنہ جہاں تک اِس علم ظنی کو عملاً قبول کرنے کا تعلق ہے اُن کا رویّہ اور عقیدہ "علم الیقینی" کہنے والوں سے جدا نہیں ہے۔

ہاں جزوی طور پر یہ نزاع معنوی بھی کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے مفاد پر نظر کی جائے۔ مفاد یہ ہے کہ کسی بھی غیر متواتر حدیث کی صحت سے انکار "علم الیقینی" کے قائلین کے نقطۂ نظر سے تو "کفر" کے مرادف ہو گا اور "علم ظنی" کہنے والے کفر کا فتویٰ نہیں دے سکیں گے۔

ماحصل تبصرہ یہ ہے کہ کتاب کثرتِ مواد، کاوش، محنت اور احترامِ سلف کا تو عمدہ نمونہ ہے لیکن فکر کے یک طرفہ بہاؤ نے بعض اصلاح طلب اجزاء شامل کرا دیئے ہیں۔

رہنمائے دین یا خطبات

- مصنف:- حاجی عبد الغفار رحمانی گیاوی بی۔ ایس۔ سی۔
- شائع کردہ:- مدرسہ جامع العلوم بہرام گھاٹ ضلع بارہ بنکی۔
- لکھائی چھپائی روشن صفحات ۶۸ قیمت ۸ر

اس کتاب کے حصۂ اول پر پہلے کبھی انھی صفحات میں تبصرہ ہو چکا ہے۔ یہ حصۂ دوم ہے۔ مصنف نے بعض اہم دینی و ملی موضوعات پر بالاختصار وعظ دیا ہے۔ اگرچہ موضوعات کی اہمیت قدرے تفصیل کی طالب تھی اور موجودہ مجمل شکل میں تفہیم و تعلیم کی بجائے صرف سرسری تعارف کا کام انجام پایا ہے تاہم خوشی کی بات ہے کہ بنیادی طور پر مصنف کا طرزِ فکر صالح اور معتدل ہے۔ امید ہے کہ کم استعداد رکھنے والے اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

ایک دو باتیں نظرِ ثانی کے لائق ہیں۔ صفحہ ۱۳ پر ہے

"انبیاء کی رسالت پہ ایمان جس طرح ضروری ہے اسی طرح اولیائے کرام کے کرامات کا برحق ماننا عقائد میں شامل ہے۔"

یہ بلا تحقیق لکھ دیا گیا ہے۔ ایمان بالرسالت تو قرآن کی صریح آیات سے ثابت شدہ متفق علیہ عقیدہ ہے لیکن اولیاء کی کرامتوں کو برحق ماننا نہ ماننا تو عقائد دینیہ میں سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامتوں کا صدور ایک امرِ واقعہ ہو لیکن اس امرِ واقعہ کو بطورِ عقیدہ تسلیم کرنا اسی طرح خارج از بحث ہے جس طرح نیوزی لینڈ یا آئرلینڈ کے وجود پر عقیدہ رکھنا۔ حالانکہ یہ بھی موجود ہی ہیں۔ گویا عقائدِ دینیہ میں تو وہی امور شامل ہیں جنھیں قرآن یا احادیثِ صحیحہ میں بطورِ عقیدہ واضح کر دیا گیا ہے۔ کرامت اولیاء کو ایک مستقل موضوع بنا کر عقائد کی سطح تک لے آنا تو بہت بعد کے اُن جذباتی خوش خیالوں کا کام ہے جنھیں

عقائد اور حقائق میں فرق کرنا نہ آیا۔

صفحہ ۳۹ پر ہے

"لیکن دعائیں قبول ہوتی ہیں نیک لوگوں کی
اور جائز امور کے لئے۔ ناجائز باتوں کے لئے
نہیں۔ بروں کی دعائیں قبول ہوں تو لو اورات
میں جاننا چاہئے۔"

یہ محض خیالی ادعا ہے۔ آگے کے مضمون سے اگرچہ مصنف نے اس ادعا کو قرین قیاس اور معقول بنانے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے عامیوں کے سوا کسی کی تشفی نہ ہو گی اگلے ایڈیشن میں اس عبارت میں مناسب ترمیم کر دینی چاہئے۔

قرآنی آیات کے ترجمے میں مصنف نے انسانی ادب واحترام کا غیر ضروری لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً ص ۱۶۳ پر آیت کا ترجمہ ہے۔

"خدا نے فرمایا اے نوح بے شک وہ آپ کے
گھر کا نہیں اسلئے کہ اسکا عمل اچھا نہیں ہے۔
پس آپ مجھ سے اس قسم کا سوال نہ کیجئے جس کا
آپ کو علم نہ ہو۔"

اسمیں اللہ تعالیٰ بھی حضرت نوح کو آپ جناب سے خطاب کرتے نظر آ رہے ہیں۔ ویسے تو انبیاء کی تعظیم اچھی ہی چیز ہے لیکن اسمیں اعتدال ضروری ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے خطاب میں لفظی تعظیم کی آخری حد "آپ" پر آ جائیں گے۔ تو ہم بندوں کے لئے کیا بچ رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ویسے تو اس طرح کے ترجموں میں کوئی خرابی نہیں لیکن ان سے عقیدت و تکریم کے سلسلہ میں اس مریضانہ ذکاوتِ حس اور جذباتیت کا پتہ چلتا ہے جو آخر کار افراط و تفریط پر منتج ہو کر رہتی ہے۔

ہاں چند بہت ہی سرسری باتوں سے قطع نظر یہ کتاب ہر طرح پسندیدہ اور لائق مطالعہ ہے۔

ایصالِ ثواب

● مصنف:۔ حضرت علامہ مولانا سید محمد ہاشم صاحب مدظلہ
● شائع کردہ:۔ جماعت اہلِ سنت کراچی:۔ ملنے کا پتہ:۔ از ہر یک ڈپو۔ متصل مسجد آرام باغ۔ کراچی ۱
● صفحات ۴۲ لکھائی چھپائی معمولی۔ قیمت دس آنے

اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ "ایصال ثواب" ایک مسلّم دینی عقیدہ ہے اور اس کی احادیث سے انکار کھلی گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ مصنف ایک جانے پہچانے نثار ہیں۔ یہ تحریر ہیں فرسودگی کے باوجود پختگی ہے اور لب و لہجہ غنیمت حد تک باوقار ہے۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے ہم اس بات کو ایک بدیہی حقیقت سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اگر اپنے کسی عملِ خیر کا ثواب دوسرے کو عطا کئے جانے کی دعا کرے تو اسے اس کا حق ہے۔ عقل و نقل اور دین و دنیا کا کوئی قانون ایثار اور داد و دہش کو ممنوع قرار نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے اللہ اس کی دعا قبول فرمالے اور ہو سکتا ہے رد کر دے۔ جیسا کہ مصنف نے ثابت کیا ہے بے شک ہر ایثار پسند شخص کو مرحومین کے لئے اعمال کا ثواب ہدیہ کرنا چاہئے۔ اور جب اس پہلو پر غور کیا جائے کہ ہدیہ کر دینے کے باوجود خود عامل اپنے حصے کے ثواب سے محروم نہیں رہتا تو "ایثار" کا لفظ استعمال کرنا بھی تکلف ہی ہوگا۔[۱] واقعی اللہ بڑا رحیم و کریم ہے کہ دو طرفہ انعام سے نوازتا ہے۔ ہم مصنف کی اس حد تک مکمل تائید کرتے ہیں کہ "ایصالِ ثواب" ایک حقیقت ہے جس کی احادیث سے مطلق انکار عقل و نقل کے خلاف ہے لیکن بعض جزئیات پر پھر سے غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

صفحہ ۷ پر "ترک نماز" کے متعلق ہے۔

"یہی گناہ اگر بجز عقل لوگوں سے سرزد ہو سزا کی انتہا قتل پر ہوتی ہے اور قتل اس جرم کی حقیقی و اصلی سزا ہے۔"

اسے سطحی قسم کی جذباتیت کے سوا کیا کہیں۔ دورِ نبوتؐ میں بھی اور اس خلافت راشدہ میں بھی جو امت کے لئے مثالی چیز ہے نہ تو کبھی کسی شخص کو محض ترکِ نماز پر قتل کیا گیا نہ واجب القتل جرائم کی فہرست میں اس گناہ کا اندراج ہے۔ گو یا علمی اور نظری دونوں ہی اعتبار سے "ترک نماز"

۱؎ ویسے بہت سے مستند علماء اسے نہیں مانتے بلکہ ان کا خیال ہے ثواب تقسیم ہو کر بقدرِ حصہ ملتا ہے ۱۲

کے جرم کو سزائے موت کا مستوجب ٹھیرانا اور اس موت کو اس کی حقیقی و اصلی سزا قرار دینا بے اصل ہے۔ ٹھوس آئینی مسائل پر غور کرتے ہوئے عقیدت و جذباتیت کی جانبداریوں سے دامن بچانا چاہئے۔

صفحہ ۲۳ پر اس حدیث سے جس میں حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو سرکارِ دو عالم کے گوشت بھیجنے کا ذکر ہے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ حدیث

"امت مسلمہ کے لئے "حضرت بی بی کی صحنک" کی بنیاد ہے۔ اب اگر کوئی شخص کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر کے حضرت بی بی کو ایصال کرے اور ان چیزوں کو صرف عورتوں میں تقسیم کرے تو اس حدیث کی روشنی میں جائز بھی ہوگا اور از قبیلِ سنت شمار ہوگا۔"

یہ استدلال ہمارے خیال میں فاضل مصنف کے وقار علمی کی سطح سے بہت فروتر ہے۔ یہ تو آن تیسرے درجے کے دانشوروں کی سی بات ہوئی جو دین کے اہم مسائل تک میں کمی پر کمی حملہ کرتے ہیں۔ اول تو یہی بات سب کو معلوم ہے کہ رسوم رائجہ کے سلسلہ میں اختلاف کا بڑا مدار امورِ مختلف فیہ کی رسمی شکلوں ہی پر ہے نہ کہ ان کی ذاتی اباحت پر۔ کسی مرحومہ عزیزہ کی سہیلیوں کو گوشت وغیرہ بھیجدینے میں فی حد ذاتہ تو کسی بھی صاحب عقل کو اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض اس بات پر ہوتا ہے کہ اس عمل کو ایک مستقل اور متعین رسم دینی کی شکل دیدی گئی ہے اور اس پر اتنی زیادہ توجہ صرف کی جا رہی ہے جس کی یہ مستحق نہیں۔ دوئم اسے سنت قرار دیدینا بڑی ہی جسارت ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اصطلاحاً "سنت" کا اطلاق کن چیزوں پر ہو سکتا ہے معتمد اسلاف کی کسی بھی کتاب العقائد میں اس سنت کا اثبات و اعلان نہیں ملتا۔ دل گردے ہی کی بات ہے کہ حضرت بی بی کی صحنک تک کو علامہ مصنف "سنت" بنائے دے رہے ہیں۔

صفحہ ۳۲ پر "اہل سنت" کے زیرِ عنوان یہ حیرتناک بات ملتی ہے۔

"اہل سنت کے نزدیک ایمان و عمل دو جدا چیزیں ہیں جس عمل سے نفسِ ایمان میں زیادتی نہیں ہوتی اور فسادِ عمل سے ایمان میں کمی نہیں آتی۔"

حیرتناک اس لئے کہ کوئی بھی صاحب علم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ "ایمان و عمل" کے متحد یا غیر متحد ہونے کا مسئلہ اسلاف میں معرکۃ الآرا بحثوں کا مورد رہا ہے حدیث کی سب سے معظم کتاب بخاری ہی میں شروع ہی میں امام بخاری نے بڑے طمطراق سے ثابت کیا ہے کہ عمل ایمان کا جزء ہے اور عمل سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے انہوں نے متعدد آیتیں پیش کی ہیں اور ان کا ارادہ اس گرماگرمی سے قولِ ابو حنیفہ کا رد ہے۔ پھر یہ بحث بعد کے مشاہیر علماء میں پرجوش تائید و تردید کا ایسا ہنگامہ بن گئی جس سے دورۂ حدیث کا ہر طالب علم واقف ہے جس پر بخاری و مسلم کی شرحوں میں صفحے کے صفحے سیاہ مل سکتے ہیں اور جن کی کافی تفصیل مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی "فتح الملہم" میں بھی "کتاب الایمان" کے ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے کتنی اولوالعزمی اور ہمت کی بات ہے کہ فاضل مصنف نے امام بخاری ہی کو نہیں بے شمار اُن اعاظم رجال کو بھی "اہل سنت" کی صف سے خارج کر دیا جن کی عظمت پر خود موصوف مطمئن ہوں گے اور جو الایمان یزید و ینقص کے پرجوش قائل رہے ہیں صحیح یہ ہے کہ عملی اور معنوی اعتبار سے امام ابو حنیفہ اور امام بخاری دونوں ہی کے دعاوی قطعاً درست ہیں۔ نزاع صرف لفظی ہے۔ اور لفظی بھی صرف اسی وقت تک کہ جب تک قولِ ابو حنیفہ کے پس منظر سے آنکھیں بند کر کے بحث کی جائے ورنہ نزاعِ لفظی کی بھی گنجائش نہیں اور یہ بات بہرحال انتہائی عامیانہ بلکہ ابلہانہ ہے کہ ہم کسی بھی لفظی یا معنوی اختلاف کے بہاؤ میں ابو حنیفہ اور بخاری جیسے ائمہ حق میں سے کسی بھی ایک کو اور اس کے عالی قدر متبعین و مؤیدین کو "اہل سنت" کے دائرے سے خارج کر دیں۔ متصوفین و مبتدعین اگر اپنے آپ کو خالص اہل سنت

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی چند تصانیف

تفسیر سورۂ نور مجلد ساڑھے چار روپے
تجدید و احیائے دین ڈیڑھ روپیہ
نشانِ راہ چھ آنے
قرآن اور پیغمبر پانچ آنے
جبر و قدر دو آنے
معراج کی رات ایک آنہ
اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی ڈھائی روپے
اسلامی حکومت کسطرح قائم ہوتی ہے؟ چھ آنے
مسئلہ قومیت ڈیڑھ روپیہ
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں بارہ آنے
حقیقتِ ایمان چھ آنے
حقیقتِ صوم و صلوٰۃ آٹھ آنے
حقیقتِ زکوٰۃ سات آنے
حقیقتِ حج چھ آنے
اسلام کا نظامِ حیات آٹھ آنے
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر چودہ آنے
دینِ حق چھ آنے
اسلام اور جاہلیت چھ آنے
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر پانچ آنے
قرآن فہمی کے بنیادی اصول تین آنے
حقوق الزوجین ڈیڑھ روپیہ
میلاد النبی دو آنے
زندگی بعد موت دو آنے
اسلام اور ضبطِ ولادت بارہ آنے
لباس کا مسئلہ تین آنے
انسان کا معاشی مسئلہ اور اسکا اسلامی حل چھ آنے
سلامتی کا راستہ پانچ آنے

قرآن اور پیغمبر پانچ آنے
دعوتِ اسلامی چودہ آنے
جماعت اسلامی کی دعوت چار آنے
دینیات ڈیڑھ روپیہ
پردہ مجلد مع ڈسٹ کور ساڑھے تین روپے
سود حصہ دوم مجلد پونے تین روپے
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ڈیڑھ روپیہ
جماعت کا مقصد اور طریق کار نو آنے
تفہیمات مجلد چار روپے

تصنیف مولانا امین احسن اصلاحی

حقیقتِ شرک دو روپے
حقیقتِ توحید ایک روپیہ
حقیقتِ تقویٰ گیارہ آنے

مولانا ابو الکلام آزاد کی چھ کتابیں

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی مجلد چھ روپے
شہیدِ اعظم (واقعات کربلا) مجلد ڈیڑھ روپیہ
مقالاتِ آزاد مجلد دو روپے
مضامینِ آزاد 〃 دو روپے
مسلمانوں کا راستہ چار آنے
ولادتِ نبوی ﷺ چار آنے
(نوٹ) چھ کتابوں کا یہ سیٹ ایک ساتھ طلب کرنے پر گیارہ روپے میں دیا جائیگا۔

مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم کی تصانیف

کلمہ طیبہ کی تحقیق سوا روپیہ
فطری حکومت چار روپے
التشبہ فی الاسلام حصہ اول دو روپے
〃 〃 حصہ دوم دو روپے

اصول دعوتِ اسلام اور اسلام میں دعا کی اہمیت } ڈھائی روپے
اسلام میں مشورے کی اہمیت دو روپے
مقالات اکابر دار العلوم دیوبند دو روپے
عالمی مذہب اور مقالات طیبات دو روپے
فلسفۂ نماز ڈیڑھ روپیہ
سائنس اور اسلام سوا روپیہ
شرعی پردہ ایک روپیہ پانچ آنے
داڑھی کی شرعی حیثیت سوا روپیہ
اسلام اور فرقہ واریت ایک روپیہ
مشاہیرِ امت ایک روپیہ
شانِ رسالت ایک روپیہ

تصانیف مولانا احمد سعید

خدا کی باتیں ڈھائی روپے
رسول کی باتیں پونے دو روپے
ماہِ رمضان ڈیڑھ روپیہ
مضامین مولانا احمد سعید دو روپے
پہلی تقریر سیرت پونے دو روپے
دوسری تقریر سیرت ڈھائی روپے
جنت کی کنجی سوا تین روپے
دوزخ کا کھٹکا سوا دو روپے

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہری طنطاوی، علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبر آبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

(باقی اگلے صفحے پر)

تجلیاتِ کعبہ:- کعبے اور اسکے اور حج و زیارت کے فضائل و برکات - قیمت مجلد تین روپے ● حقیقتِ نفاق:- از مولانا صدر الدین اصلاحی ڈیڑھ روپیہ ● ایمان کی باتیں:- از مولانا احمد سعید صاحب - قیمت پونے دو روپے۔

ماہنامہ "نئی راہ" کے چند خاص نمبر

ربیع الاول نمبر رسول اللہ کی ولادتِ مبارکہ پر علامہ شبلی، مولانا آزاد، علامہ موسیٰ جار اللہ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے فاضلین کے مقالاتِ جامعہ سوا دو روپے (مجلد تین روپے)

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتی کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین قیمت ایک روپیہ

پیغمبر اسلام رسول اللہ کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہارِ عقیدت۔ ایک روپیہ۔

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مولانا مہر خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین سوا روپیہ

کراماتِ صحابہؓ روایات کے حوالوں کے ساتھ صحابہؓ کی کرامتوں کا بیان، مولانا تھانویؒ کے قلم سے۔ ڈیڑھ روپیہ

تاریخ مشائخ چشت غیر مجلد بارہ روپے

عربی آسان نصاب

عربی سیکھنے کے لئے ایک عمدہ نصاب

عربی زبان کا قاعدہ چھ آنے

علم الصرف اولین و آخرین۔ ایک روپیہ دو آنے

علم النحو دس آنے

عوامل النحو چھ آنے

عربی گفتگو نامہ بارہ آنے

عربی صفوۃ المصادر بارہ آنے

روضۃ الادب سوا روپیہ

اساس عربی پانچ روپے

پورے نصاب کی یکجائی قیمت ساڑھے نو روپے اس نصاب کی ہر کتاب الگ بھی مل سکتی ہے اور "اساس عربی" کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں منگائیں تو مجموعی قیمت ساڑھے چار روپے ہوگی۔

تصانیف مختلف مصنفین

حل المشکلات مجلد سوا روپیہ

رسول اللہ کی دعائیں " ایک روپیہ

برکات الصالحین " پونے دو روپے

رسول اللہ کے معجزے " ایک روپیہ

رسول اللہ کی نعتیں اور سلام بارہ آنے

اسلام (مستند تاریخ) مجلد سات روپے

مسلمان خاوند " سوا روپیہ

مسلمان بیوی " ایک روپیہ چھ آنے

خدا کی جنت " بارہ آنے

حضرت خدیجہؓ کی سوانح۔ ایک روپیہ

نادر شاہ چھ آنے

رستم ایک روپیہ

خدا کا ذکر بارہ آنے

رسول اللہ کی پیشین گوئیاں ایک روپیہ

اصحابِ صفہ چھ آنے

حالاتِ جہنم چھ آنے

سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ مجلد تین روپے

چھ باتیں چھ آنے

نصائح نبوی چھ آنے

اخلاص نیت دس آنے

احوال برزخ آٹھ آنے

میدان حشر ایک روپیہ

تحفہ مبلغین مکمل مجلد پونے دو روپے

عربی جماعتیں دربار رسالت میں۔ آٹھ آنے

میری نماز مجلد ایک روپیہ

فارسی نصاب

فارسی سیکھنے کے لئے ایک عمدہ نصاب

معین فارسی سات آنے

دروس فارسی آٹھ آنے

اصول فارسی بارہ آنے

جماعت اسلامی کے خلاف لکھی گئی چار کتابوں کے مدلل جوابات

فتویٰ دیوبند کا جائزہ سوا روپیہ

رحمانی تبصرہ کا جائزہ چھ آنے

نور توحید کا جائزہ چھ آنے

کشفِ حقیقت کا جائزہ سوا روپیہ

ان چاروں کی یکجائی قیمت پونے تین روپے

تین تنقیدی کتابیں

بھارت میں اسلامی نظام کی دعوت۔ سات آنے

کیا ہندوستانی ترقی کر رہا ہے؟ آٹھ آنے

معاش کا مسئلہ اہم کیوں ہوا؟ سات آنے

ان تینوں کی یکجائی قیمت سوا روپیہ

سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ عبرت آموز۔ مستند اور آسان زبان میں۔ قیمت مجلد مع گردپوش تین روپے۔

والجماعت کہکر ہم دیوبندیوں وغیرہ کو سنت اور جماعت کا باغی یا کم سے کم اس سے الگ قرار دیتے ہیں تو خیر یہ برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن امام بخاری جیسے اساطین پر بھی یہی ادھار ادا کیا جائے تو بہت ہی سخت بات ہے۔ ہمارا خیال ہے فاضل مصنف محض رو میں یہ کچھ لکھ گئے ہیں اور اس کے وسیع مصداق و مفہوم کا انھیں استحضار نہیں رہا ہے ورنہ اُن جیسے ہوشمند سے ایسی سڑی ہوئی حنفیت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

روایت ہے کہ سرورِ کونینؐ نے ایک مرتبہ کسی قبر پر کھجور کی تر شاخیں رکھدی تھیں مصنف نے اس استدلال کیا ہے کہ

"اگر کوئی شخص ان شاخوں کے بدلے تازہ پھولوں کا ہار قبر پر رکھدیتا ہے تو یقیناً یہ فعل مثل و نظیر ہونے کی وجہ سے مستحسن ہوگا" ۔ ۲۴

یہ بہت ہی پامال اور گھٹیا استدلال ہے۔ اسے طبعی خیال پرستی ہی کا کرشمہ کہئے کہ فاضل مصنف جیسا شخص اسپر مطمئن ہو گیا۔ ورنہ خود روایت ہی میں یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ حضور نے یہ شاخیں مردے کے عذاب میں تخفیف کی خاطر رکھی تھیں اور مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے ہی نہیں کہ فی نفسہ کھجور کی تر شاخوں ہی میں تخفیفِ عذاب کی خاصیت موجود ہے یا نہیں اور اگر ہے تو ان پر قیاس کر کے پھولوں میں بھی یہ خاصیت ماننی چاہئے یا نہیں بلکہ صورتِ حال تو یہ ہے کہ پھولوں کے ڈھیر اُن قبور پر بطور احترام و تعظیم چڑھائے جاتے ہیں جن کے اندر چڑھانے والوں کی دانست میں اولیاء اللہ سوئے ہوئے ہیں۔ نہیں سوئے ہوئے کہاں زندہ سلامت موجود ہیں اور ان پر عذاب ہونے کا وہم و تصور بھی پرلے سرے کی وہابیت گمراہی اور کفر ہے۔ تب اختلافی نکتے سے نظر بچاکر بالکل غیر متعلق پہلوؤں کو ابھارنا اور ایک کھلے غیر دینی رسم و رواج کو حدیث کی لگک پہنچا نا حدیث کے ساتھ بہت ہی تھرڈ کلاس مذاق ہے۔ بہر ہوشمند پر ادنیٰ تائل میں یہ حقیقت واضح ہوسکتی ہے کہ قبروں پر پھول چڑھانے کی رسم مسلمانوں میں اہلِ ہنود سے آئی اور جب بعض اہلِ حق نے اسپر اعتراض کیا تو اہلِ بدعت نے نکتہ بعد الوقوع کے طور پر کتبِ حدیث سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر جب ایسی روایتیں نکالیں جن کے ذریعہ پھول چڑھانے کے جواز پر تک بندی کا موقعہ مل جائے۔ پھر خوفِ خدا سے بے نیاز ہوکر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری گل بازیاں تو حدیث سے مستنبط ہیں۔

اسی صفحہ پر ایمان و عمل کی مغائرت پر چند استدلالی سطریں پڑھ کر اُن دو بچوں کی یاد آجاتی ہے جنمیں سے ایک دوسرے کو سمجھا رہا تھا کہ انجن بھاپ سے چلتا ہے اور بھاپ پانی سے بنتی ہے۔ غالباً فاضل مصنف ایمان و عمل کے سلسلہ میں کی ہوئی علمائے سلف کی تفصیلی بحثوں کو کم سے کم اس کتاب کو لکھتے وقت بھول گئے ہیں ورنہ یہ دلیل نہ لاتے کہ آمنوا وعملوا الصالحات میں ایمان و عمل بطور عطف بیان ہوئے ہیں اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔ اسپر اگر کوئی بطور مذاق کہدے کہ "رنج و غم" اور "عیش و راحت" تو دن رات لکھے اور بولے جاتے ہیں کیا انہیں بھی معطوف اور معطوف علیہ کی مغائرت مانیں گے تو خدا جانے انکا کیا جواب ہوگا۔

"عرس" کے جواز و استحسان کو ثابت کرنے کے سلسلہ میں مصنف نے بہت سی وہی باتیں کہی ہیں جنھیں بار بار رد کیا جا چکا ہے۔ ہم ظاہر ہے تبصرہ کر رہے ہیں تنقید نہیں اسلئے تفصیل تو بے محل ہے ہاں اشارۃً کچھ کہیں گے مصنف کہتے ہیں

"قرآن کی کوئی آیت یا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم جس میں عرس کی حرمت بیان ہوئی ہو جب تک پیش نہ کی جائے عرس کو حرام کہنا جرم عظیم ہے" ۔ ۲۶

آگے ۲۷ پر بھی اسی کے مثل فرمایا گیا ہے۔

"جب تک حرمت کی کوئی دلیل قرآن و حدیث میں صراحتہً موجود نہ ہو کسی چیز کو حرام و ناجائز کہنے کی جرأت نہ کریں جو لوگ عرس کو حرام کہتے ہیں ان پر فرض

ہے کہ قرآن کی کوئی آیت یا حدیث کی کوئی نص بیان
کریں جن میں عرس سے منع کیا گیا ہو"

واقعی خاص طور سے "عرس" کی ممانعت تو قرآن
وحدیث میں کہیں نہیں ملے گی ـــ لیکن کیا خاص طور سے
گانجے، افیم، زندگی کے بیمے ریس وغیرہ کی ممانعت مل
سکیگی؟ ـــ کیا قرآن وحدیث میں یہ مل سکے گا کہ گیارہ
بجے دن یعنی فجر و ظہر کے درمیان کوئی نماز جماعت سے
مت پڑھو؟ کیا یہ مل سکیگا کہ عورتیں میموں کی طرح بال نہ
کٹائیں؟ ـــ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آخر ان چیزوں
کی ممانعت پر اجتہاد وقیاس کے سوا کہاں سے دلیل
لائی جائیگی؟ "جب بدعت کے رد و منع میں حدیثیں آگئیں
تو خاص طور پر عرس اور تیجے، چہلم اور قبوری میلوں کی صراحت
کہاں ضروری رہی۔ رہا یہ فرمانا"

"بلاشبہ ہم بھی بدعت کو بدعت کہتے ہیں اور خلافِ
شرع ہر بدعت کو ضلال وحرام تسلیم کرتے
ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ بدعت خلافِ شرع
ہو بھی تو" ص۲۹

تو یہ محض ابلہ فریبی ہے۔ جو فعل بجائے خود خلافِ شرع
اور ضلال وحرام ہو اسے بدعت کہنے کا تکلف کون ہوشمند کریگا
حرام وممنوع افعال کے لئے آئینِ شریعت میں جداگانہ دفعات
ہیں اور "بدعت" ایک ان سے الگ مستقل دفعہ ہے۔ حدیث
میں بدعت پر نکیر کا آنا اور اسکا مستقل قانونی دفعہ بن جانا
ہی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ نکیر او تنبیہ کرنا اُن امور پر
مقصود ہے جو حرمت وممانعت کی کسی اور دفعہ کے تحت
نہیں آتے بلکہ اور دفعات ان کی طرف سے خاموش ہیں اور
بعض لوگوں نے انہیں اسی لئے گھڑنے کی جسارت کی ہے کہ
وہ بظاہر خلافِ شرع نہیں ہیں۔ بلکہ خوشنما نظر آتے ہیں
مثلاً چند لوگ یہ طے کرلیں کہ جمعہ کے دن وہ ٹھیک گیارہ
بجے چار رکعت نفل باجماعت پڑھا کریں گے تو اسی دلیل
سے جس سے عرس کا جواز ثابت کیا جارہا ہے یہ جماعت
بھی مستحسن ہونی چاہئے کیونکہ یہ کلاًّ اور جزوًا ضلال وحرام
کی کسی بھی آئینی دفعہ کے تحت نہیں آتی۔ نماز بھی مستحسن، جماعت
بھی عمدہ، "گیارہ بجے" کی صریح ممانعت بھی وارد نہیں، جمعہ کا
دن بھی افضل ـــ تو کیا آپ اسے واقعی مستحسن کہیں گے؟
ہمارا خیال ہے یہ بڑی ہی بے دانشی کی بات ہے کہ کسی بدعت
کو اسی وقت بدعت ماننے پر آمادہ ہوا جائے جب وہ
ضلال وحرام بھی ثابت ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انشورنس
ریس اور شراب کی اُن اقسام کی حرمت کو جو نوایجاد ہیں
کسی بھی معروف عالم نے ان کے نوایجاد اور مبتدع ہونے
کے باوجود "بدعت" کے تحت نہیں لیا بلکہ دیگر دفعاتِ قانونی
سے ان کی حرمت ثابت کی۔ آگے جو یہ کہا گیا ہے کہ

"جب قرآن وحدیث کے بیان میں تعمیم وکلیت
جائز نہیں اور وہ تمام چیزیں جن کے ذکر سے
قرآن وسنت خاموش ہیں وہ ساری کی
ساری حسنہ وسیئہ کی تفریق کے بغیر بدعت
وضلال قرار دی جائیں گی تو لامحالہ تسلسلِ نبوت
کی احتیاج سے دنیا کبھی آزاد نہیں ہوسکتی تاکہ
جب زمانہ نئی کروٹ لے اور نئے مسائل
رونما ہوں جن کا قرآن وحدیث میں ذکر"

اگر فاضل مصنف نے جان بوجھ کر مغالطہ دینے کی کوشش
نہیں کی ہے تو ہمیں یہ کہنے کے لئے معاف کیا جائے کہ اجتہاد
وقیاس اور ابداع میں فرق نہ کرسکنے کا یہ مظاہرہ "ایک علامہ"
کی سنجیدگی سے جوڑ نہیں کھاتا۔

یہ تجاہلِ عارفانہ بھی قابلِ داد ہی ہے کہ فاضل مصنف
نے "عرس کیا ہے" کا عنوان دیکر عرس کی چند بنیادی اور
نظری چیزیں پیش فرمادیں۔ گویا بس یہی چیزیں ہیں جن پر
منکرین عرس لے دے کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں
اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ عرس اب چند محتاط اور چھانے
پھٹکے نظریات واعمال ہی کا نام نہیں رہ گیا ہے بلکہ بے شمار
خرافات وبفوات اور منکرات رسوم اس کا جزوِ اعظم
بن چکی ہیں۔ المعروف کالمشروط کے جانے پہچانے اصول
کے تحت کون اس سے بے خبر ہوسکتا ہے کہ منکرین عرس

کی مخالفت وانکار کا بڑا تعلق ان صریح البطلان اجزا ہی سے ہے اور اگر یہ اجزاء لازمۂ عرس نہ بن چکے ہوتے تو محض اُن منظری مباحث میں جنھیں مصنف نے بیان کیا ہے اتنی ہنگامہ آرائی نہ ہوتی۔ بے شک قبروں پر چادریں چڑھانا، صاحب قبر سے کسب فیض کے غیر منصوص طریقے اختیار کرنا اور قبروں کا غسالہ پینا بھی منکرینِ عرس کے نزدیک محل نظر ہے لیکن اس سے زیادہ انھیں ان لغویات و بیہودات سے کد ہے جو ابھی خود ایجاد عقائد و اعمال کے طبعی ثمرات کی شکل میں عرس کی فضا پر چھائی ہوئی ہیں۔ کوئی ایسا عرس نہیں بتایا جاسکتا جس میں لوگ اُن حدود پر رک جاتے ہوں جنھیں خود مدعیانِ عرس بھی اباحت کی آخری ہی حدیں بتاتے ہیں۔

صفحہ ۵۱ پر امام شافعی کے امام ابوحنیفہ کی قبر پر چلہ کش ہونے کی وہی افواہ نما روایت ایک مسلّمہ تاریخی صداقت کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے جسے محققین بے بنیاد ملتے ہیں۔ پھر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام شافعی نے واقعی کبھی ایسا کیا ہی تھا تو بھی اس سے مختلف فیہ عرس پر استدلال کرنا مذاق ہی ہے۔

صفحہ ۵۴ پر ہے کہ اگر کسی بدعت کے

" تمام اجزا شریعت کی تفصیلات کے لحاظ سے جواز وحسن کے تحت آتے ہیں اور مجموعے کی صورت میں بھی قبح وفساد نہیں پیدا ہوتا تو لامحالہ وہ نئی چیز بدعتِ حسنہ ومستحسنہ ہوگی۔"

یہی بنیادی اصول درحقیقت سنجیدہ غور وفکر کا مستحق ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو نئی نمازیں نکالنا، تین یا پانچ رکعت نفل پڑھنا، ماہ رمضان جیسا ایک ماہ صیام ایجاد کرلینا وغیرہ بالیقین مستحسن ہوگا اور یہ بھی مستحسن ہوگا کہ تمام رہبانی طریقوں کو اختیار کرلیا جائے کہ بہرحال وہ اپنی ظاہری شکل میں مقدس ہی ہوتے ہیں۔ بس اتنا کرنا پڑے گا کہ رہبانیت کی صریح ممانعت کی زد سے بچنے کے لئے ان کے رہبانی ہونے سے انکار کردیا جائے اور نئے خوبصورت نام رکھ لئے جائیں۔

مصنف نے بعض سطح بیں حضرات کی طرح روایت ما رآہ المومنون حسناً فهو حسن عند الله سے بھی استحسانِ عرس پر استشہاد کیا ہے۔ ہم نہیں جانتے یہ جان بوجھ کر عوام کو مغالطہ دیا جارہا ہے یا واقعی مصنف سنجیدہ ہیں۔ اگر سنجیدہ ہیں تو پھر وہ ضرور بریلوی حضرات کی طرح اُن بے شمار علماء واتقیا کو جن میں مولانا اسمٰعیل اور سید احمد شہیدین رحمۃ اللہ علیہما جیسے اکابر بھی شامل ہیں مومنین کے دائرے سے خارج ہی کرچکے ہوں گے۔ اس کے بعد گفتگو ہی فضول ہے۔ سچ یہ ہے کہ روایات کو اگر ان کے پس منظر اور شانِ نزول سے اکھیڑ کر استعمال کیا جائے تو دین کا کھلونا بن جانا بہت آسان ہوجاتا ہے۔

صفحہ ۵۹ پر تو حد ہوگئی ہے۔ ارشاد ہے

" شریعتِ اسلامیہ میں بھی غنا کی حلت ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور تابعین سے استماعِ غنا ثابت ہے بلکہ محدثین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جو شخص غنا کو مطلقاً حرام کہے وہ کافر ہوجاتا ہے۔"

دو سطر آگے

" محدثین یہ بھی کہتے ہیں کہ غنا کی حرمت کے متعلق حضور سے جتنی روایتیں ہیں کل کی کل موضوع ہیں اور ان کے جعلی ہونے کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔"

یہ عبارتیں افسوسناک حد تک بے احتیاطی کی آئینہ دار ہیں۔ حضور یا صحابہ وتابعین کے کانوں میں جو غنا پڑا اس میں اور اس غنا میں جو آج کی مروجہ محافل سماع میں پایا جاتا ہے بھلا کیا مماثلت ہے۔

جہاں تک مطلق غنا کا تعلق ہے اس کے بارے میں محدثین کا یہ کہنا کہ اس کو حرام کہنے والا کافر ہوجاتا ہے اگرچہ غیر محتاط اسلوب ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ نفسِ غنا سرے سے حرام نہیں ہے اور جتنی بھی روایتیں اس کی حرمت پر کتب حدیث میں ملتی ہیں محل نظر ہیں تاہم ایسا لغو قول شاید ہی

کسی ذمہ دار عالم نے کیا ہو کہ غنا کی ہر قسم ہر اسٹیج میں حرام ہے لہذا محدثین کی مذکورہ دونوں باتیں یہاں کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔ بحث تو ساری اُس غنا سے ہے جو ہمارے قبوری حلقوں میں رائج و شائع ہے اور جس کے جزائے کو ہر شخص جانتا ہے۔ ہارمونیم اور طبلہ پر تانیں اڑانے والے فساق و فجار کی قوالیوں کو اُس غنا کی لائن میں شمار کرنا جسکا استماع حضورؐ اور صحابہ سے ثابت ہے اور جسکی حرمت کا دعویٰ کسی بھی مستند عالم نے نہیں کیا ایسی رنجیدہ دیدہ دلیری ہے کہ الامان والحفیظ۔ نیز سابق اولیاء واتقیاء کی مجالس سماع کا بھی بطور استشہاد تذکرہ اس مرحلہ میں ایسا ہی ہے جیسے مشاعرے کے غنا پر فلمی موسیقی کو قیاس کر لیا جائے۔ سابق اولیا جن حدود و شرائط کے ساتھ محفل سماع منعقد کرتے تھے ان کی تو پرچھائیں بھی آج کسی محفل سماع میں نظر نہیں آتی اور عوام کو یہ تصور دینا کہ سابق اولیائے کرام بھی ہماری ہی طرح لہو ولعب اور دینی عیاشی کے دلدادہ تھے، انھیں بھی بے کردار قوالوں کے آرکسٹرا پرست ہونے کی دھن تھی وہ بھی اُن سالانہ عرسوں کو کار ثواب سمجھتے تھے جن میں زنان عاشقان اولیاء نام کی کوئی مخلوق موجود ہو ان اولیاء کی عظمت و حرمت سے بڑا سنگدلانہ تمسخر ہے۔

خاتمۂ کتاب پر ایک حدیث بلا حوالہ بیان ہوئی ہے انی اسمع سلام اہل محبتی بلا واسطۃ (میں اپنے اہل محبت کا سلام کسی واسطے کے بغیر سن لیا کرتا ہوں) جب مصنف نے ہی حوالہ نہیں دیا تو ہمیں بھی اس کی اسناد کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کہنا بس اس قدر ہے کہ شاید ہی کوئی باذوق عربی داں اس مبتدیانہ قسم کی عجمی عربی کو چند منٹ کے لئے بھی "قول رسول" باور کرنے کی ہمت کرے۔ خود فاضل مصنف بھی کہ ان کی عربی دانی پر "علامہ" اور "مولانا" وغیرہ شاہد ہیں اسے ہرگز حدیث نہ مانتے اگر ان کے ذوق و وجدان کو آزادانہ استعمال کا موقع مل جاتا۔ لیکن جبکہ اس سے ان کے موقف کی تائید ہو رہی ہو تو قوتِ تمیزی کا ماؤف ہو جانا قدرتی ہی ہے۔

اس کتاب میں صفحہ ۵۸ پر مولانا اشرف علیؒ کا بھی نام آیا ہے اور بطور مخالفت نہیں بلکہ مصنف نے اپنے ہی موقف کی تائید میں ان کے دو اقتباس لئے ہیں پھر بھی انھیں "مولانا" لکھنا گوارا نہیں کیا بلکہ صرف "مولوی" تحریر فرمایا۔ ہمیں ان رسمی آداب سے زیادہ دلچسپی نہیں لیکن خود فاضل مصنف جب اپنی ہر کتاب پر اپنے نام کے ساتھ "علامہ" اور "مولانا" وغیرہ دیکھنے کے عادی ہیں تو انھیں دوسروں کے حق میں کم سے کم رسمی فیاضی اور وسیع الاخلاقی تو ضرور ہی اختیار کرنی چاہئے تھی۔ خصوصاً جب وہ مولانا اشرف علی کے فرمودات سے اپنے ہی حق میں شہادت فراہم کر رہے ہیں تو اور بھی ضروری تھا کہ دنیا داری کا لحاظ رکھتے۔

کتاب المعاشرت

مرتبہ:- مفتی انتظام اللہ شہابی
شائع کردہ:- سعید اینڈ سنز کراچی

صفحات ۱۷۶۔ چھپائی غیر معیاری۔ قیمت مجلد دو روپے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں معاشرتِ اسلامی کی تقریباً تمام ہی جزئیات کو سلیس انداز میں بیان کیا گیا ہے عمدہ بات یہ ہے کہ کوئی بات بے حوالہ نہیں بلکہ متن ہی میں آیات واحادیث دیدی گئی ہیں اور حسب ضرورت حاشیے پر بھی مستند کتابوں کے حوالے ہیں۔ شروع میں خود مرتب ہی کے قلم سے ایک مبسوط دیباچہ ہے جسکا طرز بیان مرتب کی دلی دردمندی اور تڑپ کا مظہر ہے۔ اس میں انہوں نے بہت مفید خیال انگیز مطالب بیان فرمائے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اس دقیع کتاب کو قبولِ عام حاصل ہو اور عملی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ کاش آیات پر اعراب دیدیے گئے ہوتے۔

ردِّ شہاب ثاقب

صفحات ۵۳۸۔ لکھائی چھپائی گوارا۔ کاغذ سفید۔ قیمت ساڑھے تین روپے
شائع کردہ:- ازہر بکڈپو۔ متصل مسجد آرام باغ۔ کراچی ۱

یہ کتاب مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی "الشہاب الثاقب" نامی کتاب کے رد میں ہے جو مولانا موصوف نے کم و بیش ۴۵ سال پہلے تصنیف فرمائی تھی۔ مزے کی بات ہے کہ رد اسوقت کیا جا رہا ہے جب مولانا دنیا سے جا چکے۔ کاش ان کی زندگی ہی میں یہ کام کر لیا جاتا تو اسوقت انھیں محسوس کرنے کا موقع ملتا کہ دنیا میں کیسا کیسا پڑا ہوا ہے!

ہمیں صدق صدل سے اعتراف کرنا چاہئے کہ "رد شہاب ثاقب" پر تبصرہ کرنے کے ہم اہل نہیں۔ ہمارا غریب سا نام محض دو لفظوں "عامر عثمانی" پر ختم ہو جاتا ہے جبکہ اس کتاب کے مصنف کا نام نامی یہ ہے۔

"اجمل العلماء، افضل الفضلاء، سلطان المناظرین،
امام الواعظین حضرت علامہ محقق مولانا مولوی
الحاج محمد اجمل شاہ صاحب مفتی ہند"

ظاہر ہے تبصرہ وہی کر سکتا ہے جسکا نام اس سے بڑا نہیں تو برابر تو ہو۔ فرض کیجئے ہم ایک بار ہمت کر کے اپنا بھی نام اتنا ہی لمبا لکھکر اپنے آپ کو "مفتی ہند" ہی نہیں "مفتی عرب و عجم" منوانے پر اتر آئیں تو اسکا کیا علاج ہوگا کہ مفتی ہند صاحب کے اعوان و انصار مزید دس بیس القاب اور اٹھا لائیں گے اور ہم دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔ مانا کہ نئے القاب و آداب تصنیف کرنے میں ہم پر بھی کوئی قانونی پابندی عائد نہیں ہے اور اگر اسی سطح پر پہنچ جائیں جس پر یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے تو سو پچاس القاب و آداب ملا ابن العرب کی صاحب سے بھی مانگ لینا دشوار نہیں ہے لیکن ہم اسے بڑی حقیر بات سمجھتے ہیں کہ آدمی طول طویل، رعب انگیز آداب و القاب سے اپنے قارئین کی قوتِ نقد کو دہلا دینے کی کوشش کرے اور ان کے دماغ کے سوراخوں میں سمنٹ بھر کر ان کی ضعیف الاعتقادی سے سستا قسم کا فائدہ اٹھائے

کتاب کی لوح پر مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شہاب ثاقب" کو دیوبندیوں کی "معرکۃ الآرا" کتاب لکھا گیا ہے۔ یہ مصنف کی خوش فہمی ہے۔ کور اور کج فہم عقیدتمندوں کے سوا کوئی بھی سنجیدہ دیوبندی یہ غلط فہمی نہیں رکھتا کہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانۂ شباب میں جوش و اشتعال کے عالم میں جو لب و لہجہ اختیار فرمایا تھا وہ لائق فخر اور قابل تقلید ہو سکتا ہے۔ نہ اس کتاب کو بالفاظ مصنف معرکۃ الآرا سمجھا۔ یہ چھپی بھی زیادہ نہیں اور زیادہ چھپتی جب بھی اسکا تعلق ناشرین کی تجارتی صوابدید سے ہوتا نہ کہ "دیوبندیوں" کی پسند سے

مصنف نے شروع میں "شہاب ثاقب" میں سے ۴۶ ایسے الفاظ کی فہرست دیدی ہے جو ان کے لفظوں میں "موٹی موٹی گالیاں" ہیں، واقعی مولانا مدنیؒ نے اس کتاب میں جس طرح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں انھیں موٹی موٹی گالیاں نہ سہی "مہذب گالیاں" کہنا ضرور حق بجانب ہے لیکن مصنف بھی داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شہاب ثاقب کی تمام گالیوں کا ترکی بہ ترکی جواب اپنی تصنیف کے چند ہی ابتدائی صفحات میں دے ڈالا ہے اور بقیہ کتاب کی گالیاں سود در سود کے حساب میں رہی ہیں۔ پھر مزید داد اس بے جگری اور حیرت ناک دیدہ دلیری پر دینی چاہئے کہ وہ معصومیت سے لکھتے ہیں

"بالجملہ ہم مصنف (مولانا حسین احمد۔ع) کی
گالیوں کا جواب دیکر اپنی شرافت و تہذیب
کا خون کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔" (ص ۳۵)

مثل مشہور ہے: "سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک۔"

—— وہ تمام الفاظ ..... مثلاً خبیث، رذیل، افترا پرداز، جھوٹا، بیحیا، مکار، جاہل، شیطان، بوجہل، فرعون، دجال وغیرہ تو ایک طرف رہے جن سے شیریں دہن مصنف نے دیوبندیوں کو عموماً اور مولانا مدنیؒ کو خصوصاً صفحہ بہ صفحہ نوازا ہے کتاب ہذا کے تاریخی نام ہی میں جو ٹائٹل کی پیشانی پر درج ہے شہاب ثاقب کی تمام گالیوں کا حساب صاف کر دیا گیا ہے۔

احقاق الدین علی اکابر المرتدین

آپ اگر "مرتد" کے معنی جانتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ تمام دیوبندیوں کو "مرتدین" اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ درجہ کا مرتد قرار دیکر مصنف نے اپنے زدبر بانند

کا جھنڈا گاڑ دیا ہے اور اس لوہاری ہتھوڑے کے آگے سنار کی ساری کھٹ کھٹ دھری کی دھری رہ گئی ہے بارک اللہ۔

جب معاملہ بازاری قسم کی تو تو میں میں کا ہوا اور میدانِ مناظرہ کا کوئی پہلوان ہتھے سے اکھڑ جائے تو چھوٹے نام کی کمی سے قطع نظر ویسے بھی ہم جیسے کمزوروں کو تبصرہ کی ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے۔ ہاں صحافتی فریضہ سر پہ آپڑا ہے تو مختصر تعارف ضرور پیش کر دیں گے۔

کمال یہ ہے کہ ۱۳۶ صفحات کی "الشہاب الثاقب" کے رد میں ۵۲۸ صفحات لکھ ڈالنے کے باوجود فاضل مصنف نے ایک سے زیادہ جگہ اس حسرت کا اظہار فرمایا ہے کہ بسبب مشاغل مختصر و مجمل جواب دیا جا رہا ہے۔ واقعی ایسے ہی کسی موقع پر غالب نے کہا ہوگا

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب یہ اگر کردہ گناہوں کی سزا ہے

کتاب کے لب و لہجے سے تحت جستہ نظر زدہ ہو جانے کے باوجود اتنا ہم انصافاً نذر رکھیں گے کہ مصنف نے مولانا مدنیؒ پر ایک الزام بڑا بھیانک اور فکر انگیز لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں "خزینۃ الاولیاء" اور "ھدایۃ الاسلام" سے شہاب ثاقب میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت من گھڑت ہیں جن مصنفوں کی طرف انھیں منسوب کیا گیا ہے انھوں نے کبھی ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں۔

یہ الزام واقعی ہولناک ہے۔ گو اتنی طویل مدت بعد جبکہ مولانا مدنیؒ حیات بھی نہیں ہیں یہ الزام متعدد وجوہ سے کمزور ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کتابیں پہلے ہوں اور اب ناپید ہو گئی ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فاضل مصنف نے سوچا ہو کہ بلا سے دیوبندی حضرات ان کتابوں کو ڈھونڈ نکالیں اور اعلان بھی کر دیں کہ یہ کتابیں موجود ہیں لیکن ان کا اعلان اُن تمام لوگوں تک نہیں پہنچ سکتا جن تک میری تصنیف پہنچ جائے گی لہٰذا بے شمار لوگ مستقلاً یہی سمجھتے رہیں گے کہ دیوبندی علماء خالص من گھڑت حوالے تک دے ڈالنے کے عادی ہیں۔ نیز ہو سکتا ہے مصنف کے ذہن میں یہ بھی رہا ہو کہ میں تو پاکستان میں ہوں یہیں کے عوام میں زیادہ تر میری کتاب اشاعت پائے گی دیوبندی بیچارے مذکورہ کتابوں کی پوٹلی باندھ کر پاکستان آنے اور قریہ بہ قریہ ان کا نظارہ کرانے سے تو رہے۔ ہم یا تو اُنکے اعلان کو پی ہی جائیں گے یا اس کی بھی صاف تردید کر دیں گے کہ یہ دہابی کمبخت جھوٹے ہیں۔ ظاہر ہے ان الفاظ کے جواب دینے میں ہاتھی گھوڑے تو نہیں لگتے۔

تاہم یہ قیاسات ہیں —— بلکہ محض عقلی تک بندیاں۔ حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقول جواب یا تو مولانا مدنیؒ کے بلند اقبال صاحبزادے مولوی اسعد صاحب طول عمرہ کے ذمہ ہے یا پھر اُن مریدین و متوسلین کے ذمے ہے جو بجا طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مولاناؒ اگر زندہ ہوتے تو کتاب کو ناقابلِ التفات سمجھنے کے باوجود اس الزام کا جواب ضرور دیتے۔ اب وہ زندہ نہیں ہیں تو جن مریدین نے اُن کی طرف سے اُن کے صاحبزادے کو خلافت تک تفویض فرما دی ہے انھیں اس معاملہ میں بھی انکی عملی نیابت کرنی چاہئے۔ خادم تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ یہ بات ہرگز درست نہیں ہو سکتی کہ مولانا رحمہ اللہ علیہ کتاب کا نام مطبع اور صفحہ وغیرہ دل سے گھڑ لیں۔ حاشا ثم حاشا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر واقعی معترض کی بات سچی ہے اور وہ کتابیں فرضی ہی ہیں تو ضرور کسی نہ کسی شخص یا اشخاص نے خود مولانا ہی کو اسی طرح دھوکا دیا ہو گا جس طرح جماعتِ اسلامی کے باب میں بارہا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مفاد پرست اور خوشامدی حاشیہ نشینوں سے محفوظ رکھے۔ ؎۱

فاضل مصنف کے شیخ محترم مولانا احمد رضا خانصاحب ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ

"بے شک ہم ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں

؎۱ یہ تبصرہ لکھ چکنے کے بعد ہم نے تحقیق کی تو منکشف ہوا کہ معترض کا دعویٰ ٹھیک ہی ہے اور مولانا مدنیؒ نے جھوٹے اور خائن لوگوں کے دیئے ہوئے غلط اقتباسات پر بھروسہ کر لیا تھا۔ انہیں چاہئے ... [illegible] ... غلط ثابت کر دے۔

کرتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معلومات الٰہی کا احاطہ کر لیا یہ امر مخلوق کے لئے محال ہے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا" (ص۵۵ کتاب ہٰذا)

دوسری طرف انھیں بڑی شد و مد سے اصرار ہے کہ آنحضرت کو تمام ماکان و مایکون کا تفصیلی علم تھا۔ اور اس عقیدے کی تائید میں فاضل مصنف نے بہت سے اور علماء کی بھی عبارات نقل فرمائی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ اللہ کے علم کی وسعت کے لئے زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ اس کے سوا کیا ہے کہ — اسے تمام ماکان و مایکون کا تفصیلی علم ہے۔ اسمیں ماضی و مستقبل کی ہر چھوٹی اور بڑی بات آ گئی۔ تب حضورؐ کے علم کو بھی انھی لفظوں میں بیان کرنے کے بعد اس عذر داری میں کیا جان باقی رہ جاتی ہے کہ "کوئی بھی مخلوق تمام معلومات الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتی" اگر نہیں کر سکتی تو "تمام ماکان و مایکون" چہ معنی دارد؟ — مولٰنا احمد رضا خانصاحب نے اس تضادِ مبین کو مصنف کی نقل کے مطابق اس طرح دور کرنے کی سعی کی ہے۔

"اللہ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کا علم عطائی۔ اللہ کا علم واجب لذاتہٖ ہے اور مخلوق کا علم ممکن ہے۔ اللہ کا علم ازلی، سرمدی، قدیم حقیقی ہے اور مخلوق کا علم حادث ہے اسلئے کہ مخلوق خود حادث ہے اور صفت موصوف سے مقدم نہیں ہوتی۔ اللہ کا علم غیر مخلوق ہے اور مخلوق کا علم مخلوق ہے اللہ کا علم غیر مقدور ہے اور مخلوق کا علم مقدور و مقہور ہے۔ اللہ کا علم واجب البقا ہے اور مخلوق کا جائز الفنا ہے۔ اللہ کا علم ممتنع التغیر ہے اور مخلوق کا علم ممکن التبدل ہے تو علم خالق اور علم مخلوق میں اتنے فرقوں کے باوجود برابر ہونے کا وہم وہی کر سکتے ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور انھیں بہرا کر دیا اور ان کی بصارتوں کو لے لیا" ص۶۹و۷۰

مغالطہ دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اصلی مبحث سے ہٹ کر ایک نکتہ پیدا کر دو اور اس پر طولانی لفاظی کرتے چلے جاؤ۔ ذرا اندازہ تو کیجئے بحث تو علم الٰہی اور علم رسولؐ کے طول و عرض کی تھی اور مولٰنا اُن حیثیات پر کلام کرنے لگ گئے ہیں جنکا تعلق علم کی جوہری نوعیت اور مابعد کی حیثیت سے ہے۔ انہوں نے فلسفہ و منطق کی مکتبی اصطلاحوں کے ذریعہ خالق و مخلوق کے علم میں جو فرق مترادف المعنی الفاظ کے ذریعہ متعدد سطروں میں بیان فرمایا ہے اس میں تو کبھی اہل اسلام میں اختلاف رہا ہی نہیں نہ دنیا کا کوئی بھی موحد ایسی لغویات کہہ سکتا ہے کہ خالق کی طرح مخلوق کا علم بھی قدیم و غیر مخلوق ہونا ممکن ہے۔ اس پر زور کلام صرف کرنے سے کیا حاصل۔ بہت سے لفظوں میں جو کچھ بھی کہا گیا اس کا ماحصل صرف اتنا ہے کہ رسولؐ کا علم نہ تو اللہ کے علم کی طرح قدیم ہے نہ اس کی طرح غیر فانی۔ ظاہر ہے اس سے علم رسولؐ کے آغاز اور انجام کا حال تو ظاہر ہوتا ہی لیکن وہ تضاد اپنی جگہ رہا کہ آپ رسول کے علم کو بحالتِ موجودہ کمیت، وسعت، طول، عرض، اور عمق کے لحاظ سے اللہ ہی کے علم جیسا مانتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ جتنا علم کسی کا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں آپ کے نزدیک ایک وقت ایسا ضرور آیا ہے جب اللہ نے رسول کو وہ تمام کا تمام علم کلی طور پر عطا فرمایا جو اُس کے پاس تھا۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے ہوش و حواس قائم رہنے تک ہم کبھی نہیں مانیں گے اور چاہے آپ ملا علی قاری، قاضی عیاض اور دوسرے کتنے ہی علماء کی عبارات ثبوت میں لائیں ہمارا کہنا یہی ہوگا کہ یا تو ماکان و مایکون بولکر انھوں نے تمام معلوماتِ الٰہیہ نہیں بلکہ خاص خاص چیزیں مراد لی ہیں یا پھر وہ چوک گئے ہیں۔ ویسے فاضل مصنف نے ملا علی قاری کی اُس عبارت کے ترجمے میں جو قاضی عیاض کے الفاظ کی شرح ہے علمی دیانت کا ثبوت نہیں دیا۔

(ما اطلع علیہ من الغیوب) اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

الی الامور المغیبۃ فی الحال (وما یکون) ای سیکون فی الاستقبال — اُن غیبوں پر جو اس وقت امورِ غیب ہیں اور ان پر جو آئندہ ہونگے سب پر مطلع کیا۔

ملا علی قاری نے سیکون کہا تھا جسکا مطلب ظاہر ہے کہ مستقبل قریب میں ہونے والے واقعات ہو سکتے ہیں نہ کہ آئندہ لامحدود مدت تک ہونے والے جملہ واقعات ترجمے میں متن کا ترجمہ بچا لیا گیا ہے کیونکہ اس کا ترجمہ کرتے تو ثابت ہو جاتا کہ ملا علی قاری قاضی عیاض کے مایکون کا مطلب آئندہ تمام واقعات نہیں لیتے بلکہ بعض عنقریب ہونے والے واقعات لیتے ہیں۔

آیتِ قرآنی خلق الانسان علمہ البیان کے ذیل میں اگر علامہ بغوی، علامہ سلیمان بن عمر، شیخ احمد صادی، جیسے بیس مفسر بھی یہ کہیں کہ "انسان" سے مراد رسول اللہؐ ہیں اور "بیان" سے مطلب ماکان ومایکون کا علم ہے تو یہ محض دعویٰ ہوگا جسکے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ "انسان" اور "بیان" جیسے عام الفاظ کو خاص بلکہ اخص بنانے کیلئے یا تو خود آیت ہی میں سے کسی نحوی و صرفی قرینے کی نشاندہی کیجئے یا قولِ رسول لائیے۔ تب بے شک بات قابلِ قبول ہوگی لیکن آپ سو برس بھی مفسرین کے مذکورہ مفہوم کی تائید میں اس طرح کی ٹھوس اور معقول دلیل نہیں لا سکتے

فتجلیٰ لی کل شیئ والی حدیثِ مشکوۃ سے یہ مراد لینا کہ ازل سے لیکر ابد تک کا وہ تمام کلی و جزئی علم جو اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے حضور کو بھی شرح و بسط کے ساتھ حاصل ہوگیا لفظ پرستی اور محاورہ ناشناسی کی بھونڈی مثال ہے ایک شخص کہتا ہے میں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر زید کا سراغ نہ ملا۔ تو کیا واقعی اس کا مطلب لازماً یہی سمجھنا چاہئے کہ شہر کی سطحِ زمین کا کوئی گز بھر ٹکڑا بھی ایسا نہیں بچا جو اس شخص کے قدموں سے نہ چھو گیا ہو؟ ایک شخص کہتا ہے دہلی کے بازاروں میں ہر چیز ملتی ہے۔ کیا سچ مچ اس کا مفہوم یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ وہاں ایٹم بم اور آبدوز کشتیاں اور شتر مرغ بھی ملتے ہیں؟ اگر آدمی ضد پر نہ اتر آئے تو حضورؐ کے اس فرمانے میں کہ مجھ پر ہر شے روشن ہوگئی اس وہم بازی کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ ہر شے سے مراد ازل سے ابد تک کے تمام چھوٹے بڑے حوادث، تمام ماکان ومایکون لے لیا جائے۔ بھلا اس کا کیا تصور آ سکتا ہے کہ ہزاروں سال پہلے افریقہ کے جنگلوں میں جتنے جانور پیدا ہوئے تھے اور ہزاروں سال بعد امریکہ کی جھیلوں میں جتنی مرغابیاں شکار کی جائیں گی اُن کا بھی تفصیلی علم اللہ نے حضورؐ کو عطا فرمایا ہو حالانکہ ماکان ومایکون میں وہ بھی شامل ہیں۔

ہم سوچ رہے تھے کہ نہ سہی تبصرہ، تعارف ہی کے ذیل میں عقائدِ بدعیہ کا کچھ نہ کچھ بطلان کرتے چلیں گے طرزِ تحریر کے تعفن کو برداشت کر لینے کا ہم میں بوتا تھا لیکن اسکو کیا کریں کہ ایک چوتھائی کتاب کے مطالعہ نے ہی ہم پر واضح کر دیا کہ آگے پڑھنا اور خرافات کا رد کرنا قطعاً لاحاصل ہوگا جب صاف معلوم ہو جائے کہ ایک فریق لفظی شعبدہ بازی، لغو گوئی، ہٹ دھرمی اور بازاری پن کی ارذل سطح پر اتر آیا ہے تو عافیت اسی میں ہے کہ اس سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔ ذرا انظارہ کیجئے۔ فاضل مصنف کے شیخ اکبر اور اہلِ وہم کے سرخیل اعلیٰ حضرت احمد رضا خانصاحب نے کسی زمانے میں "الاستمداد" میں وہابیوں (یعنی اہلِ حدیث اور دیوبندیوں) کے ۲۳۰ اقوالِ کفر و ضلال جمع فرمائے تھے۔ موصوف کا یہ کارنامہ کھلے طور پر بریلوی گروہ کی اُس پست ترین ذہنی بلادت اور فکری گراوٹ کا آئینہ دار تھا جس کی توقع بے مغز عامیوں کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی۔ خیر اسمیں تو یہ گنجائش موجود تھی کہ اسے مناظرہ بازی کے ایک دورِ شباب کا ہنگامی شاخسانہ خیال کر کے نظر انداز کر دیا جائے لیکن آج جبکہ میدانِ مناظرہ سرد پڑا ہے اور پہلوانوں نے لنگوٹ کھول دیئے ہیں یا قبروں میں جا سوئے ہیں فاضل مصنف کا اِن الزامات میں سے ۲۸ الزاموں کو سنجیدگی کے ساتھ نقل کرنا واضح کرتا ہے کہ وہ اور ان کا گروہ واقعی

دانائی، متانت، علمی ثقاہت اور شرافت سے فطری طور پر محروم ہے اور احمد رضا خانصاحب کے بیان فرمودہ جو الزامات چند محروم العقل اور جاہل دائمی معتقدین کے سوا کسی بھی ہوشمند اور باخبر آدمی کے لئے ایک تھرڈ کلاس مذاق سے زیادہ نہیں ہوسکتے تھے انھیں وہ سچ مچ سنجیدگی سے لے رہا ہے۔ یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اس کے سوا سب احمق بستے ہیں۔

الزامات کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ صفحے کے ایک کالم میں "الزام" درج ہے۔ دوسرے میں وہ عبارت جس سے یہ الزام نکالا گیا۔ تیسرے میں خلاصۂ مؤاخذات۔ پہلا ہی نمونہ دیکھئے۔

الزام:- وہابیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ مکار ہے۔

اسماعیل شہیدؒ کی نقل کردہ عبارت:- "سو اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیئے۔ (تقویۃ الایمان)"

ریمارک:- وہابیہ نے اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کیلئے مکر جیسا عیب ثابت کیا کوئی جاہل بھی ایسی گستاخی و جرأت نہ کرے گا۔"

اب جو لوگ کچھ بھی علم و عقل رکھتے ہیں ان پر تو اس نمونے کی بے حیثیتی پہلی ہی نظر میں ظاہر ہوگئی ہوگی۔ تاہم بالکل ہی عامی حضرات کو ہم بتائیں کہ فاضل مصنف اپنے شیخ کی اندھی عقیدت اور دیوبندیوں کی دشمنی میں خدا اور دنیا کی شرم کو بالکل ہی بالائے طاق رکھکر قرآن کو قطعاً فراموش کر بیٹھے ہیں۔ آل عمران کا پانچواں رکوع دیکھئے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ	اور انہوں نے (اگمراہوں نے) مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا۔ تو اللہ زیادہ بہتر مکر کرنے والوں میں ہے۔

سورہ نحل کا چوتھا رکوع پڑھیے۔ اللہ فرماتے ہیں۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ	اور انہوں نے مکر کیا اور ہم نے مکر کیا اور وہ بے شعور ہیں۔

اب فرمائیے۔ اگر بقول احمد رضا خانصاحب مکر عیب ہے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا جہل و گستاخی ہے بیچارے اسماعیل شہیدؒ پر کیا الزام کہ اللہ تعالیٰ تو خود اس کی نسبت اپنی طرف صریح الفاظ میں کر رہے ہیں۔

نعوذ باللہ اصل الزام جہالت و گستاخی تو خود اللہ پر جاتا ہے۔ مزا یہ ہے کہ خانصاحب نے الزام کو زیادہ سے زیادہ بھیانک بنانے اور جہلا کو مشتعل کرنے کے لئے "مکار" کا مبالغہ آمیز لفظ خود ہی تراشا اور وہابیوں کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ اسماعیل شہیدؒ کی نقل کردہ عبارت میں یہ لفظ نہیں ہے اور انہوں نے بس اسی لفظ "مکر" کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے جو جوں کا توں قرآن میں اللہ کی طرف منسوب موجود ہے۔ اب انصاف کیجئے یہ ایک ہی الزام کیا یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ الزام لگانے والے الکشنی سطح سے بھی کچھ نیچے ہی پہنچے ہوئے ہیں۔ انھیں اتنی بھی حیا نہیں ہے کہ قرآن میں کید و مکر کی نسبت اللہ کی طرف صریحاً موجود ہوتے ہوئے بھی ہماری اس طرح کی الزام تراشی دنیا کی نظر میں کس درجہ اندھاپن ٹھیرے گی۔

اور دیکھئے۔ دوسرا الزام ہے۔

"وہابیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔"

اس کے ثبوت میں "وہابیہ" کے چند فقرے نقل کئے ہیں۔ اب اس بددیانتی اور بازاری پن کا کیا علاج ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جھوٹ بول سکنے اور نہ سکنے کا جو خالص خیالی اور فلسفیانہ نکتہ قدماء میں زیر بحث رہا ہے اس کے علمی تذکرے سے خانصاحب نے ایک عامیانہ انداز کا الزام اخذ کر کے وہابیہ پر جڑ دیا۔ حالانکہ "امکان کذب" نہ کوئی اعتقادی مسئلہ ہے نہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس امکان کو تسلیم کرنے والے یہ احمقانہ تصور کر سکتے ہیں کہ یہ امکان کبھی معرض وقوع میں بھی آسکتا ہے۔ اس کی تسلیم تو محض اس بنیاد پر بھی کہ کسی بھی امر میں اللہ کا بے قدرت ہونا ثابت نہ ہو۔

چند الزام بلا کسی تبصرے کے ملاحظہ فرمائیے۔

الزام ۴: وہابیہ کے نزدیک فرشتوں کو نہ مانو

الزام ۵: وہابیہ کے نزدیک قرآن پاک کلام الٰہی نہیں بلکہ آپس کی باتیں ہیں۔

الزام ۹ — وہابیہ کے نزدیک انبیاء کرام بے خبر اور نادان ہیں۔

الزام ۱۲ — وہابیہ کے نزدیک انبیاء کرام چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

الزام ۱۹ — وہابیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر علم بچوں پاگلوں جانوروں کو بھی ہے۔

الزام ۲۳ — وہابیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کروڑوں اور ہو سکتے ہیں

الزام ۲۶ — وہابیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی رشید احمد گنگوہی ہے۔

الزام ۲۷ — وہابیہ کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کا ثانی گنگوہی جی کا لاغلام ہے۔

امید ہے ان الزامات کے مطالعہ سے ناظرین کی طبیعت صاف ہوگئی ہوگی۔ ویسے ان الزامات کے ثبوت میں حضرت اسماعیل شہیدؒ اور دیوبندی علماء کی عبارات کے فقرے نقل کئے گئے ہیں لیکن جیسا کہ ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے ان میں اور الزامات میں اکثر جگہ تو وہ ادنیٰ ربط بھی نہیں جو "تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولھو" کے روایتی فقرے میں پایا جاتا ہے۔ گراوٹ، کند ذہنی اور بے حیائی کی انتہا ہے کہ الزام تراشنے والوں نے اسکی بھی پرواہ نہیں کی کہ جو بے شمار لوگ" وہابیوں" کی کتابوں کو پڑھتے ہیں اور ان کے عقائد سے اچھی طرح واقف ہیں، وہ ان لایعنی الزامات کی باڑھ مارنے والوں کی عقل، ایمان، دیانت اور شرافت کے بارے میں کتنی بری رائے قائم کریں گے۔ ان کی بلا سے دنیا کچھ کہے۔ جو جہلاان کے اندھے مقلد ہیں وہ تو بغلیں بجا ہی لیں گے۔

فاضل مصنف کی ذہنی و فکری سطح کے اس واضح تعارف کے بعد ہم بقیہ کتاب پر کچھ لکھنا فضول سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نہ صرف "الشہاب الثاقب" کا انداز تحریر واقعی غیر محمود و لائق اجتناب ہے بلکہ ہم "وہابیوں" کے اور بھی بزرگوں سے کہیں کہیں از راہِ بشریت الفاظ و انداز کی ایسی لغزشیں ہوگئی ہیں کہ انھیں قابل اصلاح کہنا چاہئے لیکن یہ محض لفظی اور جزوی ہیں اعتقادات سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جو لوگ ان کی بنیاد پر مذکورہ قسم کے واہی الزامات تراشتے ہیں وہ پرلے سرے کے ظالم، کینہ پرور خدا ناترس، بدزبان، نعرے باز اور شر پسند ہیں۔ یہ الزامات تو اتنے مضحکہ خیز ہیں کہ جس شخص میں ذرا سی عقل اور سوجھ بوجھ ہو وہ دیوبندیوں کی کتابیں دیکھے اور ان کے عقائد کا حال معلوم کئے بغیر بھی بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ سب شجرِ عناد کے پھل ہیں اور دنیا کا کوئی مسلمان ایسے احمقانہ عقائد و خیالات نہیں رکھ سکتا۔

فاضل مصنف اپنے شیخ کے ۲۸ الزامات نقل کرنے کے بعد بڑی خوشی سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رسالے کاشفِ سنیت و وہابیت میں وہابیوں کے ایسے ہی پانچسو عقائد و خیالات جمع کر دیئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ دماغ کی ایک چول ہٹ جائے تو پانچسو کیا آدمی پانچہزار ہذیان بھی ایک سانس میں نشر کر سکتا ہے۔

تعارف ختم ہوا۔ ہم مولٰنا مدنیؒ کے محبین و مقلدین چاہیں تو اس کتاب سے خاصی عبرت پکڑ سکتے ہیں۔ مولٰنا موصوف نے "الشہاب الثاقب" میں محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا۔ بعض الزامات تو ان پر اور ان کے معتقدین پر ایسے بے بنیاد جڑ دیئے تھے جیسے بریلوی ہم دیوبندیوں پر جڑ رہے ہیں اور بعض عقائد کے بارے میں علمی اختلاف کی بجائے تبرا بازی اور سب و شتم کا راستہ اختیار کیا تھا۔ گویا حمیتِ دین اور حمایتِ حق کے جذبہ میں غیر معمولی حد تک مشتعل ہو جانا اور علمی ثقاہت کو جذباتی ہیجان کی تاخت سے نہ بچا پانا انکا دیرینہ وصف رہا ہے جو بعض حالتوں میں بہت قبیح اور بعض حالتوں میں محمود کہا جا سکتا ہے۔ اسی وصف نے انھیں بعد میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بالمقابل لا کھڑا کیا اور تحقیق کا حق ادا کئے بغیر سوءِ ظن کی پوری شدت کے ساتھ انہوں نے وہ کچھ کہا کہ اب اس کا ذکر بھی کرتے دل دکھتا ہے۔ نتیجے میں ان کے معتقدین نے جماعت اسلامی کے خلاف وہی گندا چ

جو احمد رضا خانصاحب کے معتقدین دیوبندیوں کے خلاف اچھال رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض وہ جہال جنکا علم حرف شناسی سے آگے نہیں بڑھا اور جن کے فرشتوں کو بھی اعتزال و خروج کی تاریخ، تفصیل اور جغرافئے کا پتا نہیں وہ آج بس مولانا مدنیؒ ہی کی جامد تقلید اور نیاز مندی میں ایمان و عمل جیسے قدیمی علمی و کلامی مسئلے میں مولانا مودودی کو "معتزلی" فرمائے جارہے ہیں۔ اور بعض وہ "علماء" جن کے علم و فہم مکتب سے آگے نہیں گئے۔ مولانا موصوف ہی کی پیروی میں الزام تراشی و بدزبانی کی بازاری سطح پر اتر چکے ہیں۔ بارے یہ ہنگامہ اب سرد ہوا لیکن ہمیں سوچنا چاہئے کہ جو کچھ ہوا وہ کیسا تھا اور جو کچھ اب کرنا ہے وہ کیا ہے۔ کیا پتا یہ "ردِ شہاب ثاقب" ہمیں ہمارا ہی آئینہ دکھلانے کے لئے معرضِ وجود میں آئی ہو۔

معانی سخن

مرتبہ:۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
شائع کردہ:۔ ادارۂ ادبیات اردو۔ حیدر آباد دکن ● صفحات ۱۱۲۔ لکھائی چھپائی معمولی۔ قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

یہ اردو کے سب سے پہلے صاحبِ دیوان شاعر اور گولکنڈے کے پانچویں بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کے کلام کا انتخاب ہے۔ شروع میں قطب شاہ کی تصویر کے بعد فاضل مرتب کا تحریر فرمودہ مبسوط مقدمہ ہے جسمیں اردو شاعری کے مختلف ادوار پر فاضلانہ روشنی ڈالی گئی ہے پھر مرتب ہی قلم سے بادشاہ مذکور کے ضروری حالات و کوائف ہیں۔ خاتمے پر اُن الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئی ہے جو آج غیر معروف ہیں یا جن کا املا بدل چکا ہے۔

اکیڈمک قسم کی سنجیدہ اور مسلسل سرگرمیوں کے لئے "ادارۂ ادبیات اردو" کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اس کی روایات اور نوعیتِ کار کے عین مطابق ہے۔ مرتب کو ہم ان کی کاوش و تحقیق پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

صحیح فاتحہ کا طریقہ

مؤلفہ:۔ قاضی سید اسماعیل صاحب۔

ملنے کا پتہ:۔ قاضی بکڈپو۔ پنگنور ضلع چتور۔ آندھرا۔
● صفحات ۶۴ قیمت کچھ نہیں۔

یہ مفید رسالہ پہلے بھی شائع ہوا تھا اور تجلی میں اسپر تبصرہ بھی ہوا تھا۔ اب چوتھی بار مناسب ترمیم کے بعد پھر شائع کیا گیا ہے۔ آغاز میں بہت سے اہل علم کی تقریظات دی گئی ہیں۔ فاتحہ پر کچھ منتخب منظومات ہیں۔ یقیناً یہ کتاب چند مروجہ بدعات کے بارے میں نہایت معلومات آفریں نصائح سے مزین ہے۔ جگہ جگہ معتبر کتابوں کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ زبان اگرچہ منجھی ہوئی نہیں تاہم عام فہم اور سلیس ہے عوام اس سے بیش بہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ خالص تبلیغی نیت سے چھاپی گئی ہے جسکا جی چاہے ڈاک خرچ صرف آٹھ پیسے بھیجکر مفت طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف و ناشر کی سعیِ نیک کو قبول فرمائے اور کم علم عوام اس قیمتی رسالے سے دینی فائدہ اٹھائیں۔

قادیانی قول و فعل (حصہ دوم)

مؤلفہ:۔ پروفیسر الیاس برنی (بیت السلام سیف آباد۔ حیدر آباد دکن)

مطبوعہ:۔ مطبع ابراہیمیہ گشلمنڈی۔ حیدر آباد دکن ● صفحات ۱۹۲
قیمت کچھ نہیں صرف ڈاک خرچ بیس پیسے بھیجکر مفت منگا لیجئے۔

غالبًا اس کے حصہ اول پر تجلی میں تبصرہ ہو چکا ہے۔ قادیانیت کے رد میں الیاس برنی صاحب کا نام نامی اتنا شہرہ آفاق ہو چکا ہے کہ دونوں میں کسی ایک کا ذکر آجائے تو دوسرے کا نام آپ سے آپ ذہن میں آجاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ موصوف اپنا تبصرہ تو مختصر سا کرتے ہیں زیادہ مواد خود قادیانیوں کے لٹریچر سے پیش فرماتے ہیں اس سے ان کی کتاب "دستاویزی" قدر و قیمت حاصل کر لیتی ہے۔

پیش نظر کتاب میں پانچ فصلیں ہیں۔ (۱) قادیانی کہانی (۲) قادیانی چالبازی (۳) قادیانی چکر (۴) قادیانی صحیح نشانی (۵) قادیانی غلط بیانی۔ آخر میں "برنی نامہ" کے نام سے ایک ضمیمہ ہے جسمیں فاضل مؤلف نے اپنا تفصیلی تعارف کرادیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ موصوف نے علم و تحقیق کا کیا کیا کام کیا، کتنی

کتابیں لکھیں، کون کون سی خدمات انجام دیں۔ اندازِ تحریر بتاتا ہے کہ موصوف ایک انتھک آدمی ہیں اور باوجود کارہائے نمایاں انجام دینے کے زعم و استکبار سے یکسر مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دین و دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔

خاتمے پر ایک صفوان کے اشعار کا بھی ہے۔ یہ ہمیں کتاب کی لٹریری ثقاہت اور تحقیقی متانت سے ہم آہنگ محسوس نہیں ہوتا۔ ہمارا ناچیز مشورہ ہے کہ وہ اپنی شاعری کو اس طرح کی مختلف النوع تالیفات سے الگ ہی مستقل حیثیت میں رکھیں۔ کتاب صرف پانچسو چھپی ہے شائقین جلد منگالیں[۱]

ابن ماجہ اور علم حدیث

تالیف:- مولٰنا عبدالرشید نعمانی۔

شائع کردہ:- نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی۔ صفحات ۳۶۰ کتابت اچھی۔ طباعت غنیمت۔ گردپوش دیدہ زیب قیمت مجلد آٹھ روپے۔

جن لوگوں نے مولٰنا عبدالرشید نعمانی کی تحریریں دیکھی ہیں انھیں معلوم ہے کہ ان کی تالیفات و تصنیفات ہی نہیں وہ مقدمے اور دیباچے تک جو وہ بعض علمی کتابوں پر لکھتے رہتے ہیں علمی و تحقیقی مواد کے مستقل دفاتر سے کم نہیں ہوتے۔ پیش نظر کتاب بھی ان کی بلند روایات کے عین مطابق ہے۔ اس کا ہر صفحہ علم و تحقیق کے موتیوں سے مالا مال اور مستقل قدر و قیمت کا حامل ہے۔ ٹائیٹل پر بہت صحیح لکھا گیا ہے کہ

"کہنے کو یہ امام بن ماجہ کی سوانح عمری ہے لیکن در حقیقت یہ تدوین حدیث کی تفصیلی تاریخ ہے اور مسلمانوں کی اُن جانفشانیوں کا مرقع ہے جو انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لئے اٹھائی ہیں تاکہ امانتِ وحی کی ذمہ داری میں جو اس امت کے سپرد کی گئی تھی کسی قسم کا رخنہ نہ آنے پائے اور اللہ کی حجت تمام اہلِ ملل و ادیان پر تمام ہو جائے۔"

یہ دراصل فاضل مؤلف ہی کے کلمات ہیں جو کتاب کے خاتمہ سے لئے گئے ہیں۔ ان میں کوئی مبالغہ نہیں۔ امام ابن ماجہ کی مرتبت کا اندازہ عوام اتنی ہی بات سے کر سکتے ہیں کہ ان کی کتاب "سنن ابن ماجہ" حدیث کی اُن چھ کتابوں میں سے ایک ہے جنہیں "صحاح ستہ" کا معزز لقب ملا ہوا ہے۔ حق یہ ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث کے نئے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جتنی لائقِ داد حساس علماء کی وہ کتابیں ہیں جن میں دفاع و تحفظ کا مناظرانہ یا نیم مناظرانہ طرز اختیار کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ قابلِ تحسین وہ کتابیں ہیں جو ایک مثبت قسم کا تحقیقی اور اکیڈمک مواد فراہم کرتی ہیں۔ ان سے اہلِ حق کو ایک مضبوط دستاویزی استدلال مہیا ہوتا ہے اور کوئی بھی منکرِ حدیث خواہ وہ کتنا ہی متشدد اور غالی ہو لیکن اگر اسکا انکار سنجیدگی پر مبنی ہے تو یہ کتابیں ضرور اسے قابلِ لحاظ حد تک متاثر کر کے چھوڑتی ہیں۔ پیش نظر کتاب انھی وقیع کتب کے دائرے کی چیز ہے۔ ہم نے اسے بہت غور و انہماک سے پڑھا۔ یہ تو بیشک ہے کہ کتابت کی بہت غلطیاں ہیں اور متعدد جگہ طباعت ناقص ہے لیکن نفسِ مضمون اور مندرجات پر انگلی رکھنے کا کہیں موقع نہیں ملا۔ ویسے بھی ہم جیسے مبتدی اور کم علم کے بس میں کہاں ہے کہ اس اعلیٰ پائے کی محققانہ تالیف کو نقد کی ترازو میں تول سکے۔ تبصرہ کی ذمہ داری سے دیانتداری کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لئے جب ہم نے اس کے متعدد مندرجات کو حوالے کی کتب سے ملا کر دیکھا تو نہ صرف یہ کہ درست پایا بلکہ جن بعض جزئیات میں تاریخی مواد مختلف خیالات قائم کرنے کی گنجائش دیتا ہے انہیں فاضل مؤلف کا قائم کردہ اور اظہار فرمودہ خیال اجود و احسن دیکھا۔ خود ہمیں اپنی بعض معلومات پر نظرِ ثانی کرنی پڑی اور دل مطمئن ہو گیا کہ تحقیق موصوف ہی کی صحیح ہے۔

کتاب کے آخر میں جناب بشیر محمد صاحب نے بڑی کاہش سے ایک مفصل اشاریہ دیا ہے جس میں اُن

[۱] یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ اخباروں سے مولٰنا کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ افسوس ایک بڑی ہستی ہم سے جدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اُنکی قبر کو نور سے بھر دے۔ [illegible] انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

تمام اشخاص و رجال اور مقامات اور قبائل جماعات اور کتب کے نام مع حوالۂ صفحات حروفِ معجم کی ترتیب سے دیئے گئے ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ بعدہٗ تین صفحوں پر مفید نقشے ہیں اور آخر میں اغلاط کا صحت نامہ منسلک ہے۔ یہ مقابلہ ہم نہیں کر سکے کہ طباعت و کتابت کی ساری ہی غلطیاں اسمیں آگئی ہیں یا کچھ رہ بھی گئی ہیں۔

مؤلف کی طرح کتاب کے ناشر بھی محتاج تعارف نہیں۔ بلند پایہ علمی و دینی کتابیں شائع کرنے میں انہوں نے قابلِ فخر ریکارڈ قائم کیا ہے اور اگر ان کی کوئی مطبوعہ حسن صورت کے لحاظ سے داغی نظر آئے تو سمجھ لیجئے قصور ان کی سعی و جہد کا نہیں آفات و حوادث کا ہے۔

انتخاب صحاح ستہ

● ناشر:- محمد سعید اینڈ سنز۔ تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ۔ کراچی ● صفحات ۲۵۶ کاغذ سفید کتابت وطباعت بہتر۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

حدیث کی اُن چھ مبارک کتابوں میں سے جنھیں صحاحِ ستہ کا لقب حاصل ہے یعنی۔ بخاری۔ مسلم ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سے آٹھ سو الیسی احادیث منتخب کی گئی ہیں جن کی ہر خاص و عام کو ضرورت ہے۔ وقت، وسائل اور علم کی کمی کے باعث کم ہی لوگ ہوں گے جو صحاح ستہ کی ضخیم مجلدات کا مطالعہ کر سکیں۔ محروم حضرات کے لئے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ترجمے کے ساتھ متن بھی موجود ہے۔ تصحیح قابل تحسین ہے۔ شروع میں ایک مختصر لیکن مفید مقدمہ ہے جسمیں قرآن و حدیث کے زیر عنوان ضروری امور کی طرف توجہ دلا کر امام مالکؒ اور صحاح ستہ کے جامعین رحمہم اللہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔

ہم اس گرانقدر کتاب کو عوام کے لئے ایک عمدہ تحفہ خیال کرتے ہیں۔

سننِ دارمی شریف اُردو

شائع کردہ:- محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ۔ کراچی ● صفحات ۷۹۶ قیمت مجلد آٹھ روپے۔

"دارمی" حدیث کی وہ بلند پایہ کتاب ہے جسکے متعلق بعض علمائے سلف کا خیال یہ رہا ہے کہ اسے ابن ماجہ کی جگہ صحاح ستہ میں شمار ہونا چاہئے تھا۔ اسی خیال کی تصویب میں کتاب کے مقدمہ نگار جناب امجد العلی صاحب نے فرمایا ہے کہ حقیقت میں دارمی کو ابن ماجہ پر ترجیح ہے پھر اس کے وجوہ بھی مختصراً بیان کئے ہیں۔ ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے تاہم "دارمی" کی ذاتی رفعتِ شان سے اختلاف نہیں ہے۔

کتاب میں پہلا مقدمہ مولٰنا امجد العلی صاحب کا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بہت مفید اور خیال انگیز ہے۔ تاہم زبان زیادہ نکھری ہوئی نہیں۔

"یعنی اس بات کا متعین کرنا جو اسلام نے اپنے متبعین کے لئے پسند فرمایا تھا" ص ۳۹

"پسند فرمائی تھی" کا محل تھا۔

"صحابہ کرام مستغنی المزاج پاک نفس نیک ذات تھے"

جو کچھ مقدمہ نگار کے ذہن میں ہے وہ تو ٹھیک ہے لیکن "مستغنی المزاج" جیسے الفاظ اسے مناسب طور پر ظاہر نہیں کرتے۔ "نیک ذات" بھی جھولدار ہے۔

"جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ (دارمیؒ) کی وفات کی اطلاع ملی تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر رونے لگے" ص ۱۲

جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے۔ رونے کے ساتھ ساتھ امام بخاری نے اپنی عادت کے خلاف ایک شعر بھی پڑھا تھا جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔

ان تبق تفجع بالاحبۃ کلھا

(اگر تو زندہ رہتا تو جملہ احباب کی جدائی کا غم تجھی کو اٹھانا پڑتا)

دوسرا مقدمہ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی کا ہے اسمیں انہوں نے "حدیث" کی تعریف اور "تقسیم" کے بعد وہ سولہ شرائط بیان کئے ہیں جن کی موجودگی حدیث کو

اصول روایت کے نقطۂ نظر سے غیر معتبر بنا دیتی ہے۔ کاش وہ یہاں مولانا شبلی کی سیرت النبی کا حوالہ دیدیتے تاکہ جن لوگوں کو ان میں سے بعض شرائط سے اختلاف ہے ان کا ہدف خود مفتی صاحب نہ بنتے۔ ویسے ایک شرط میں تو وہ خاصے آگے بڑھ گئے ہیں۔ شرط نمبر ۱۱ کی رد کر قرطاس کے واقعہ کی روایت کو غیر معتبر ٹھیرانا ظلمانہ بات نہیں ہے۔ اس روایت کی تو بالغ نظر علماء نے ایسی توجیہات پیش کردی ہیں کہ اس سے گھبرانے اور گھبرا کر نفس واقعہ ہی سے انکار کر دینے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم ان کا مقدمہ کافی وقیع ہے اور مفید معلومات بہم پہنچاتا ہے۔

اسکے بعد ڈیرھ صفحہ پر "تذکرہ جامع دارمی" ہے جو باوجود مختصر ہونے کے وقیع ہے۔ "دارمی" اہل علم میں "مسند دارمی" کے نام سے مشہور رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصطلاحاً یہ "مسند" نہیں ہے اور "سنن" ہی کہنا ٹھیک ہوگا۔ عجیب بات ہے کتاب کے ٹائیٹل پر تو احادیث کی گنتی ۳۴۵۶ ہے اور اندر لوح پر ۳۴۵۴۔ مقدمہ نگار مولانا امجد العلی نے ۳۵۵۷ کا عدد لکھا ہے۔ یہ حقیقتاً اس نسخے کا نہیں جو ہمارے سامنے ہے بلکہ اُس نسخے کا ہے جو "ابوالوقت" سے منسوب ہے۔ پیش نظر نسخے میں ٹائیٹل ہی کا عدد صحیح ہے۔ اس کے اور ابوالوقت والے نسخے کے ابواب کا بھی شمار مختلف ہے۔

ترجمہ شگفتہ و سلیس ہے افسوس چھپائی اچھی نہیں ہوئی اور چند صفحوں میں جو عربی عبارتیں آئی ہیں ان کا بھی حلیہ بگڑا ہوا ہے۔ کچھ مصحح کی چوک کچھ "سنگ ساز" کی عنایتیں۔ نتیجہ مندرجہ ذیل نکلا ہے۔

صفحہ ۴۰۳ پر زَوَّدَكَ اللهُ التقوىٰ کے الفاظ ہیں ظاہر ہے یہ زَوَّدَكَ ہوگا۔ کچھ آگے ہے۔ اللھمّ اعوذ بك من وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلِبِ۔ اس میں کَآبَۃ کی ت کا زبر بھی غلط ہے زیر ہونا چاہئے اور "منقلب" کے لام کا زیر بھی زبر ہونا چاہئے۔ پھر ہے۔ والحور بعد الكود۔ یہ کور کا کود بن گیا ہے۔ کچھ آگے ہے۔ اِلیٰ رَبِّنَا المنقلبون۔ رب کی ب پر زیر ہونا چاہئے تھا۔

صفحہ ۴۰۴ پر ہے آئبون ان شاء الله تائبون عابدون ولربنا حامدون — یہاں لربنا غلط ہے لِرَبِّنَا ٹھیک ہوگا۔ آگے وَجَّهْتُ اس طرح لکھا ہوا ہے۔ وَجُهْتُ۔ پھر فَوَّضْتُ کا فَرَضْتُ بن گیا ہے۔ آگے ہے۔ وَالجَاْعَتُ ظَهرِی اِلَيكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيكَ یہ یوں ہونا چاہئے تھا۔ وَالْجَأْتُ ظَهْرِی اِلَيكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيكَ۔

صفحہ ۴۰۵ پر ہے۔ اللّٰھُمَّ بِكَ جَنْبِی وبك اَرْفَعُهٗ اصل "سنن دارمی" تو ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن یہ روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں اس طرح آئی ہے۔ اللھمّ وَضَعْتُ بِكَ جنبی۔ گویا وَضَعْتُ کا لفظ مزید آنا چاہئے تھا ورنہ ترجمہ ہی درست نہیں ہوتا (نہ جانے کیوں تمام عربی عبارات کو — جو اگرچہ چند ہی صفحوں پر برائے نام ہی ہیں ترجمے سے محروم رکھا گیا ہے) آگے ہے اللّٰھُمَّ اِن اَسْكُتَ نفسی۔ یہ اَسْكُتَ غالباً پریس کی کارگیری ہے ورنہ صحیح لفظ اَمْسَكْتَ کے سوا کچھ نہیں۔ آگے ہے وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفِظْهَا۔ اس میں فَاحْفِظْ کی ف پر زیر یقیناً غلط ہے۔ زبر ہونا چاہئے۔ کیونکہ حِفْظ باب سمع یسمع سے آتا ہے۔ چند سطور کے بعد ہے اللھمّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ۔ اس میں عالم کے م پر زیر غلط ہے فَاطِرَ کی طرح یہ منصوب ہی ہوگا۔ آگے رَزَقْتَنِيهِ اس طرح چھپا ہے کہ کوئی بھی عربی جاننے والا اسے صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ (رَزَقْتَنِيهِ) اسی صفحہ پر تین جگہ لفظ "صفین" آیا ہے اور تینوں جگہ نون غنّے سے!— صفحہ ۴۰۳ پر آیت قرآنی میں فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالارض میں فَ پر زیر دیا گیا ہے حالانکہ زبر ہونا چاہئے۔

یہ ہنڈی کی چندی ہم نے اس لئے نکالی کہ پوری کتاب میں بس گنی چنی عبارتیں آئی ہیں اور ان کے بلا ترجمے اندراج کا مقصود یہ ہے کہ قارئین انھیں حفظ کرلیں۔ اب ظاہر ہے کتاب عربی ناشناسوں ہی کے لئے چھپی ہے اور وہ غلط سلط ہی انھیں حفظ کرسکیں گے۔ ہماری محنت کا کم سے کم اتنا فائدہ تو ہو ہی سکتا ہے کہ جن لوگوں کی نظر سے کتاب اور تبصرہ دونوں گذریں وہ

صحت فرماکر حفظ کریں۔

تمنا رہ گئی کہ اس کتاب پر مولانا عبدالرشید نعمانی کا بھی دیباچہ ہوتا تو چار چاند لگ جاتے۔ بہرحال کتاب کے بیش بہا ہونے میں کوئی شک نہیں اور ناشر قابلِ مبارکباد ہیں کہ عربی کتب کو اُردو دانوں کے لئے ممکن المطالعہ بنانے کے کارِ خیر میں ممتاز حصہ لے رہے ہیں۔

ماہنامہ سوداگر کراچی (اشاعت خاص)

ادارۂ تحریر: سلطان رفیع، محمد اشفاق انعام الٰہی، جمیل الرحمٰن۔

بدل اشتراک:۔ سالانہ چار روپیہ اشاعت خاص ایک روپیہ آٹھ آنے۔

"سوداگر" آٹھ سال سے زبان وادب کی خدمت کررہا ہے۔ نام سے بدمزہ نہ ہوجئے۔ یہ تو دراصل نمائندہ ہے اپنے جاری کرنے والوں کی اصطلاحی حیثیت کا ورنہ خود رسالہ میں علم وادب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ علم وادب بھی وہ نہیں جو سستی واہ واہ اور غیر مقصدی فنکاری کے تحت ظہور میں آتا ہے بلکہ وہ جو مقصد اور وسائل و ذرائع دونوں کی پاکیزگی کا علمبردار ہوتا ہے۔ یہ خاص نمبر ۲۱۸ صفحات پر بکھرے ہوئے ہلکے پھلکے دلچسپ اور مفید مقالات منظومات اور افسانوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے دامن میں کتنے ہی نئے ادیب اور ابھرتے ہوئے شاعر جلوہ افروز ہیں کتابت وطباعت اچھی ہے۔ قیمت بھی خاصی کم ہے۔ لائق مطالعہ تحفہ ہے۔

باب الصحت

بواسیر ریحی

از حکیم محمد عظیم زبیری. امروہہ

اس مرض میں معدہ غذا کو صحیح طور پر ہضم نہیں کرتا ہے اور آنتیں اپنے فضلات کو پورے طور پر خارج کرنے سے عاجز ہوتی ہیں. غیر خارج شدہ فضلہ آنتوں میں سڑنے لگتا ہے جس سے ابخرات اٹھنے لگتے ہیں یہ ابخرات غلیظ اور مشکل سے تحلیل ہونے والے ریاح کی شکل میں آنتوں میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں. آنتیں اپنی کمزوری کے باعث ان کو خارج کرنے سے قاصر رہتی ہیں لہذا یہ خود کبھی نیچے کیطرف زور کرتے ہیں تو پاخانہ کے مقام پر اور رانوں میں درد ہونے لگتا ہے پنڈلیوں میں اینٹھن ہونے لگتی ہے کبھی یہ آزاد ہو کر متعلق اعضاء میں نازل ہو کر درد پیدا کر دیتے ہیں. اگر ان کا زور اوپر کیطرف ہوتا ہے تو گردوں کے ارد گرد ریڑھ کی ہڈی کے آخری مقام (دمچی) پر درد ہونے لگتا ہے کبھی یہ ریاح سینہ گردن اور گدی کے مقام پر درد کی تکلیف پیدا کر دیتے ہیں. غذا کے بعد عموماً پیٹ ابھر جاتا ہے آنتیں گڑگڑ بولنے لگتی ہیں. دل کی دھڑکن بڑھ جایا کرتی ہے اٹھتے بیٹھتے جوڑ کھنچتے ہیں جبتک ریاح خارج نہ ہوں طبیعت ہلکی نہیں ہوتی یہ بہت تکلیف دہ مرض ہے. تمام ایسی دوائیں جو معدہ اور آنتوں کو قوت بخشیں اور ریاح کا اخراج کرنیوالی ہوں اس مرض میں مفید ہیں لیکن معالج مریض کو عموماً کاسر ریاح ادویہ استعمال کراتے ہیں جن سے وقتی طور پر مریض کو سکون حاصل ہو جاتا ہے لیکن مرض سے مستقل چھٹکارہ حاصل نہیں ہوتا اگر خدانخواستہ آپ اس مرض میں گرفتار ہیں تو محض ریاح کے اخراج کیلئے دوائیں نہ کھائیے بلکہ اپنے معالج سے یہ کہئے کہ وہ معدہ اور آنتوں کی کمزوری رفع کرنے کی دوائیں استعمال کرائے یہ ضرور ہے کہ کاسر ریاح ادویہ سے فوراً سکون پیدا ہوتا ہے اور مقوی معدہ و امعاء مرکبات دیر میں اپنا اثر دکھاتے ہیں لیکن مرض سے چھٹکارہ معدہ اور آنتوں کا فعل درست ہو جانے ہی سے ہو سکتا ہے. جوارش سنبل الطیب سفوف کارب اور حب مقل میری خاص پیٹنٹ مجربات ادویہ ہیں انکو کچھ عرصہ صبر و استقلال کیساتھ مسلسل استعمال کرنیسے معدہ اور آنتوں کی کمزوری دور ہو جاتی ہے اُن کا فعل صحیح ہو جاتا ہے. دونوں وقت غذا کے بعد ادرک کا مربہ ایک ایک تولہ کھانا بھی مفید ہے. اس مرض میں گلقند اور مصطگی کا استعمال بھی نفع بخش ثابت ہوا ہے دو تولہ فصلی پھولوں کا گلقند دو ماشہ رومی مصطگی باہم ملا کر رات کو سوتے وقت سونف کے پانچ تولہ عرق کے ساتھ کھائیے. اگر گلقند اصلی دستیاب نہ ہو تو مربہ ہڑ ایک یا دو کی تعداد میں سوتے وقت کھا لیا کیجئے. مربہ کی ہڑ وزنی اور سبز رنگ کی ہونی چاہئے یہ دوائیں قبض کشا بھی ہیں اور مقوی معدہ و امعاء بھی ہیں. دوائوں کے استعمال کیساتھ ساتھ ذیل کی تدابیر پر بھی سختی سے عمل کیجئے۔ (۱) غذا بہت ہی سادہ معمولی مصالحہ اور کم سے کم گھی کی زود ہضم ہونی چاہئے۔ (۲) پیٹ بھر کر ہرگز نہ کھائیے (۳) نوالہ کو اچھی طرح چبائیے (۴) بغیر چھنے موٹے آٹے کی روٹی کھائیے (۵) غذا میں زیادہ تر بکری کے گوشت کا شوربہ، چوزہ مرغ کا شوربہ، شلغم۔ گاجر. پالک. میتھی سوئے کا ساگ. بتھوا. توری. پرول. مونگ کی دھلی دال. مونگ ارہر کی ملی ہوئی دال. تازہ پھل مثلاً خوبانی انگور. سیب. خربوزہ. پپیتہ. اور کھجور کا ضرورت کے مطابق استعمال کیجئے. گھوڑے کی سواری. میل دو میل کا گشت اس مرض میں مفید ہے حلوہ. پوری. کچوری. گوشت بھینس۔ آلو. رتالو. اروی. گوبھی بیگن اور ترش و میٹھی اشیاء بالکل ترک کر دیجئے تیل یا گھی میں تلی ہوئی کوئی چیز نہ کھائیے. دالوں کا استعمال کم سے کم کیجئے. دودھ. مکھن. دہی اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء بھی اس مرض میں مضر ہیں. زیادہ دودھ کی چاہ پی سکتے ہیں چاہ میں کم مقدار میں چینی ڈالئے. سرکہ. چٹنی. اچار. لال مرچ کے استعمال سے بھی بچئے. کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی نہ پیا کیجئے. اس سے صلاحیت ہضم کو نقصان پہنچتا ہے. جنسی فاقہ بھی کم سے کم ایک ہفتہ کا ضرور ہونا چاہئے. اگر آپ کسی جنسی مرض میں مبتلا ہیں تو مردانہ جنسی امراض کے متعلق میرا مرتب کردہ مستند اور نہایت کارآمد لٹریچر مفت منگا کر پڑھئے. ضروری نوٹ:۔ مردانہ...

رعایت:- یکم مارچ ۵۹ء سے ۱۵ اپریل ۵۹ء تک ۲ ر فی روپیہ کی رعایت ملیگی بشرطیکہ آرڈر پندرہ روپے سے زائد کا ہو۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ (الحدیث)

نفیس دینی و علمی کتابیں

علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (حدیث)

کتابیں طلب کرنیوالے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشوار، نہ ہو (۲) مجلد یا غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریبًا بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائیگی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنھیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا۔ (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے' دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے (۶) اگر آپ کو گمان ہو کہ وی پی توقع سے کچھ زائد رقم کی ہے تو اسے واپس نہ کریں' بلکہ وصول کر لیں۔ آپ کے اطلاع دینے پر مکتبہ یقینًا ہر شکایت کا ازالہ کریگا

خادم منیجر مکتبہ تجلّی دیوبند (یو۔پی)

قرآن مترجم و معریٰ

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں' مجلّد کمرنج کا ھدیہ ساڑھے بارہ روپے ـــ بہت بڑے سائز میں مجلّد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلّد کرنج کا ہدیہ ساڑھے دس روپے۔

قرآن بلا ترجمہ اچھا سفید کاغذ۔ تجلّی سائز۔ ہدیہ مجلد پانچ روپے۔

قرآن بلا ترجمہ جلی قلم' روشن حروف۔ مجلّد کا ہدیہ ساڑھے آٹھ روپے۔

قرآن مترجم ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ۔ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ ہدیہ مجلد رعایتی بیس روپے۔ (مطبوعہ لاہور)

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس' لکھائی چھپائی پسندیدہ پانچ جلدوں میں مکمل۔ ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکیگی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ کلاں سائز۔ ہدیہ مجلّد اعلیٰ بیس روپے غیر مجلّد سولہ روپے

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جاسکتی ہے۔

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلّد ساٹھ روپے دو جلدوں میں مجلد ستر روپے

● تجلی جیسا سائز تیس۳۰ پاروں میں مکمل غیر مجلد ساٹھ۶۰ روپے پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو۲ روپے۔

تفسیر حقانی

مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی اس تفسیر نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ نایاب ہو گئی تھی اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک انیس۱۹ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو۲ روپے (صرف پارہ اوّل پانچ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)

تفہیم القرآن جلد اوّل

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ مہتم بالشان تفسیر جو غیر ضروری تفصلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغزِ قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دل نشین، مستند اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اوّل مجلد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلد پندرہ۱۵ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن

مشہور تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی یہ عظیم الشان کتاب وہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحب جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ" اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات وصفات تناسخ ملائکہ جزا و سزا قبر جنت' دوزخ' نبوت' ناسخ و منسوخ' استعارہ وکنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں، صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ۱۴ روپے (مجلد پختہ سولہ روپے)

قصص القرآن

قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالا مال، عمدہ سلیس اندازِ بیان دقیع پُرمغز اور اور بے نظیر حصہ اوّل سات روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم سات روپے مکمل سیٹ منگانے پر قیمت تیئیس۲۳ روپے۔ (مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ بڑھ جائے گا)۔

لغات القرآن

قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔

جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

علم الحدیث

مؤطا امام مالک رح (مترجم عربی مع اردو)

احادیث وآثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا سلیس ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب بہتر۔ ہدیہ بارہ۱۲ روپے۔ مجلد کرمچ تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بخاری شریف (خالص اُردو)

قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری کا سلیس اُردو ترجمہ تین جلدوں میں مکمل ہدیہ چوبیس۲۴ روپے۔ مجلد پختہ ستائیس۲۷ روپے مجلد اعلےٰ تیس۳۰ روپے۔ (مجلد کا مطلب تین الگ الگ جلدیں ہیں)

مشکوٰۃ شریف (خالص اُردو)

مشکوٰۃ شریف کا بھی سلیس اُردو ترجمہ دو۲ جلدوں میں حاضر ہے۔ یہ کتاب حدیث کی گیارہ کتابوں کا وہ انتخاب ہے جس نے تمام عالم اسلامی میں بے نظیر مقبولیت حاصل کی۔ ہدیہ سولہ۱۶ روپے مجلد پختہ اٹھارہ روپے (مجلد اعلیٰ بیس۲۰ روپے)

ترمذی شریف (خالص اُردو)

سفید عمدہ کاغذ حصہ اوّل مجلد نو۹ روپے حصہ دوم مجلد نو۹ روپے۔ (دونوں حصے بیک وقت طلب کرنے پر سترہ۱۷

مشارق الانوار (مترجم)

بخاری ومسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ علوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تشریح بھی ہے اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ۱۴ روپے۔ مجلد پندرہ۱۵ روپے (مجلد اعلیٰ

بلوغ المرام

مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم (مع ترجمہ و فوائد)

امام ابوحنیفہ رحؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جسمیں مولانا

عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے قیمت مجلد

ترجمان السنۃ

احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اُردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔

اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کی خریداری آپ کے روپے کا بہترین مصرف ہوگا۔ جلد اوّل دس روپے (مجلد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلد گیارہ روپے) جلد سوم دس روپے آٹھ آنے (مجلد

معارف الحدیث

از مولانا منظور نعمانی

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب۔

اُردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ، جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ جلد اوّل مجلد سوا پانچ روپے۔ جلد دوم مجلد ساڑھے پانچ روپے۔

صحیفہ ہمام بن مُنبّہ

بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابن منبّہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے (مجلد ساڑھے چار روپے)۔

بستان المحدثین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔

بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلد پانچ روپے۔

انتخاب صحاح ستّہ

حدیث کی چھ "صحیح" کتابوں کا جستہ جستہ انتخاب اُردو۔ مجلد پانچ روپے

ابن ماجہ (اُردو)

صحاح ستّہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔ صفحات ۶۶۰ -

ہدیہ مجلد بارہ روپے

فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر

بہت مفصّل بڑی جامع اور دلچسپ ایمان افروز کتاب۔ دو حصّوں میں مکمل۔ ساڑھے چھ روپے

ابن ماجہ اور علم حدیث

مولانا عبدالرشید نعمانی کی بہترین تالیف مجلد آٹھ روپے

علم الحدیث

فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق قیمت سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

حضرت صدیق اکبرؓ

از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نہایت مفصّل و مبسوط تذکرہ جس میں آپ کے ذاتی حالات و سوانح۔ عظیم الشان کارناموں، دینی و سیاسی خدمات جلیلہ، اخلاق و مکارم اور عہد صدیقؓ کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کے علاوہ اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر بڑی جامعیت اور تحقیق سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ حق یہ ہے کہ خلیفۂ اوّل پر ایسی محققانہ کتاب کم سے کم اُردو میں پہلی بار آئی ہے۔ نفیس لکھائی چھپائی۔ عمدہ کاغذ ۴۸۰ صفحے۔ قیمت سات روپے۔ مجلد کرمچ آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)۔

الفاروق

امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ہر لحاظ سے نفیس، مستند، ایمان افروز اور گوناگوں افادیت کی حامل۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ ساڑھے پانچ سو سے زائد صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا اور متقدم ماہر قانون ابوحنیفہؒ جیسا رجل عظیم۔ سیاست جیسا پیچیدہ موضوع اور مولانا مناظر احسنؒ جیسا عالم و دانا مصنف۔ اس کے بعد کس تعریف کی ضرورت ہے

قیمت مجلد بارہ روپے

تجلّیات عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۷۱۲ صفحات جلد پر حسین سہ رنگا گرد پوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

سیرت اشرف

حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلد بارہ روپے

تجلیات مدینہ:۔ مدینے کے فضائل و مناقب اور برکات۔ ڈھائی روپے ● ہزار سال پہلے:۔ (از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) چار روپے۔

حیاتِ ولیؒ
شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ۔ مجلّد چھ روپے۔

حیات امام احمد بن حنبلؒ
مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ۔ امام احمد پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ قیمت دس روپے۔

محمد بن عبد الوہابؒ
از مولانا مسعود عالم ندوی

بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی تحقیقی تصنیف جس میں شرق و مغرب کے تمام مآخذ پوری طرح کنگھا لکر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ڈھائی روپے

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان
علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ الکرام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی
بروایت ملیح آبادی مولانا ابوالکلام آزاد کی مفصل داستانِ حیات۔ قیمت مجلّد چھ روپے۔

ردِ شرک بدعت

تقویۃ الایمان (اُردو)
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہلِ بدعت میں ہلچل ڈالدی قیمت چار روپے (مجلّد پانچ روپے)

الشہاب الثاقب (اردو)
بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت پونے دو روپے

کتاب التوحید
ردِ شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلّد

بدعت کیا ہے؟
مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلّد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا

یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث۔ ایک روپیہ (مجلّد ڈیڑھ روپیہ)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات
حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی شافی رد۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلّد دو روپے)۔

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ
یہ ضخیم کتاب علوم و معارف کی کان ہے سلیس اُردو ترجمہ مع عربی متن دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت مجلّد بیس روپے۔

خیرِ کثیر
شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب الخیر الکثیر کا اُردو ترجمہ۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے۔

فیوض الحرمین
شاہ ولی اللہؒ کے مشاہدات و تأثرات قیمت مجلّد دو روپے (مع اُردو عربی)

سیرۃ رسولؐ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور ذاتی خصوصیات، عادات، میلانات اور نسبی و حسبی رشتہ داروں کی تحقیق و تفصیل۔ ترجمہ سلیس اور عام فہم۔ بارہ آنے

تصانیف مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ

اصلاح الرسوم
مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب قیمت مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین
مسلمانوں کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے، وہ کن چیزوں سے بچے اور کن چیزوں کو اختیار کرے۔ مجلّد کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

تعلیم الدین
دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے۔

نشر الطیب
سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بڑی بڑی مجلّدات کا نچوڑ۔ قیمت تین روپے۔

دعوات عبدیت
مولانا اشرف علیؒ کے چند مواعظ کا مجموعہ، جو عرصے سے نایاب تھا اسکے اب چار حصے مکمل ہو چکے ہیں ہر حصہ مجلّد اور ہر حصہ کی قیمت

تقلید کیا ہے؟ (از مولانا اشرف علیؒ) سوا دو روپے ● فیصلہ کن مناظرہ مجلّد ڈیڑھ روپیہ ● نماز کی حقیقت: (از مولانا منظور نعمانی) بارہ آنے

عقائد و فقہ

بہشتی زیور مولانا اشرف علی کی وہ شہرہ آفاق کتاب جو روزمرہ کے تمام دینی مسائل کے علاوہ سیکڑوں مفید مضامین پر مشتمل ہے۔ قسم اوّل مکمل مدلّل مجلّد پندرہ روپے۔ قسم دوم غیر مدلّل مجلّد سات روپے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ قسم اوّل میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور قسم دوم میں حاشیہ نہیں ہے۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

دین کی باتیں اسلام، ایمان، عملِ صالح، ارکانِ اسلام، اخلاق، حقوق، سیاست اور خدمتِ دین کے طریقوں پر نہایت دلنشین اور ایمان افروز گفتگو۔ بلاک کی عمدہ چھپائی۔ قیمت پونے دو روپے۔

عقائد الاسلام قاسمی اسلام کے جملہ اصولی عقائد کو سہل زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ خطاب اگرچہ بچوں سے ہے، لیکن بڑوں کے لئے بھی کتاب بہت مفید ہے کیونکہ تمام اصولی عقائد سے بڑے بھی کم ہی باخبر ہیں۔ ڈھائی روپے

ادبیات

شاہنامۂ اسلام (جدید) حصہ اول از مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفۂ اول کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں — تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

شعلۂ طور مجموعۂ کلام رئیس المتغزلین جناب جگر مرادآبادی قیمت پانچ روپے

آتشِ گل یہ بھی جگر ہی کا مجموعۂ کلام ہے جو شعلۂ طور کے بعد طبع ہوا ہے۔ قیمت مجلّد پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کے اُردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلّد پانچ روپے۔

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

دیوانِ غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس، ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔ قسم دوم مطبوعہ تاج کمپنی کراچی ہے

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصوّر تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے۔

مختلف علوم و فنون

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بہت نفیس، مفصل، مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلّدات کے سوا اُردو میں کوئی کتابِ سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلّد دس روپے

حصن حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ قیمت مجلّد ساڑھے آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون یہ شہرہ آفاق کتاب اُردو ترجمہ ہو کر آگئی ہے۔ قیمت مجلّد پختہ پندرہ روپے (مجلّد اعلیٰ سترہ روپے)۔

اساس عربی عربی سیکھنے کیلئے عربی صرف و نحو کے فوائد کی عمدہ کتاب۔ پانچ روپے (مجلّد چھ روپے)

سیر الصحابہؓ ایسے ڈیڑھ سو صحابہؓ کے حالات جن سے عام طور پر لوگ واقف نہیں۔ قیمت مجلّد پانچ روپے

فتوح الغیب (اُردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنّت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے قیمت ڈھائی روپے

حکایاتِ صحابہؓ صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جنکے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے۔ قسم اوّل مجلّد تین روپے۔ قسم دوم سوا دو روپے

بزمِ پیغمبر۔ سوا دو روپے ● اسلامی نظریۂ سیاست۔ ڈیڑھ روپیہ۔

۵۸ اس کتاب پر حکومت نے ۱۹۵۸ء کی بہترین اُردو کتاب کی حیثیت سے

تحریکِ اخوان المسلمین

مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جس کے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کیلئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمایئے جس کا سلیس اُردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ ممالک عربیہ سے قریبی واقفیت رکھنے والے مشہور عالم اور عربی ادب کے ماہر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں کہ میرے علم میں اس موضوع پر سب سے زیادہ پُر از معلومات اور خوش سلیقہ یہی کتاب ہے۔ اس کتاب سے اخوان کی قوتِ عمل، حسنِ تنظیم اور کارکردگی کی صلاحیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے (قیمت مجلّد تین روپے)

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلق نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے ۲۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ (مجلّد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھ کر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ قیمت سوا دو روپے (مجلّد سوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات

شاہانِ عالم عرب حکمرانوں قبائلی سرداروں اور عمالوں کے نام دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

حدیث اور قرآن

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)، حدیث کا تعلق قرآن سے کیا ہے۔ دین میں حدیث کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ رسالت کسے کہتے ہیں اور اسکے تقاضے کیا ہیں؟ اس طرح کے سوالات کے دل نشیں اور مدلّل جوابات، منکرینِ حدیث کا بہترین رد۔ یہ کتاب خالص تبلیغی نقطۂ نظر سے چھاپی گئی ہے۔ چنانچہ سفید کاغذ کے ڈیڑھ سو صفحات کی قیمت صرف بارہ آنے

مکاتیبِ امام غزالیؒ

قیمت مجلّد تین روپے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

اُن اسلامی تعلیمات کی تفصیل جو ہماری روز مرّہ کی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قیمت سوا روپیہ۔

مصباح اللغات

عربی اُردو لغت کی عظیم الشان کتاب پچاس ہزار سے زائد الفاظ کی تشریح المنجد، قاموس، تاج العروس، نہایہ، منتہی الارب اور اسی پائے کی دیگر لغات کا نچوڑ۔ قیمت مجلّد سولہ روپے۔

کریم اللغات

عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی بہترین اُردو تشریح یہ لغت عمدہ اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ قیمت دو روپے (مجلّد ڈھائی روپے)

کتاب الصلوٰۃ

"نماز" پر امام احمد ابن حنبلؒ کی مشہور کتاب ترجمے کیساتھ امام صاحب کے اثر انگیز حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

اسلام کیا ہے؟

مولانا منظور نعمانی کی وہ مقبول کتاب جسے عوام و خواص سبھی پسند کرتے ہیں۔ قیمت قسم اوّل مجلّد دو روپے آٹھ آنے۔

آپ حج کیسے کریں

از مولانا منظور نعمانی — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں حج کرنے کی تفصیلات ہیں۔ قیمت مجلّد دو روپے۔

سراپائے رسولؐ

اس مقدس کتاب میں آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی کے تمام ہی گوشوں کو معتبر روایات و دلائل سے سامنے لایا گیا ہے۔ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بولنا مسکرانا، معاملات، اخلاق، عادات، مرغوبات۔ غرض آنحضورؐ کا تمام کا تمام سراپا الفاظ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے پیش لفظ سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے۔ قیمت صرف چودہ آنے

اسبابِ زوالِ امت

علامہ امیر شکیب ارسلان کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

اشرف المواعظ

مولانا اشرف علیؒ کے وعظوں کا مجموعہ۔ مکمل چار حصے۔ پونے دو روپے (مجلّد سوا دو روپے)

احکام القمار جس میں جوئے کی تعریف، اس کے اقسام اور احکام حدیث و قرآن سے پیش کئے گئے ہیں مستند عالم مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے۔ قیمت صرف چار آنے۔

غوث الاعظم یعنی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کی سوانح اور مکمل حالاتِ زندگی۔ قیمت صرف چار آنے

جلاء الابصار اُردو ترجمہ **نور الانوار شرح المنار**

یہ ترجمہ عرصہ سے کمیاب ہے۔ اس کے چند نسخے مل گئے ہیں ضرورت مند حضرات فوری توجہ دیں۔ دو جلدوں میں مکمل ہے۔ غیر مجلد کی قیمت بارہ روپے اور مجلد کی سولہ روپے۔

عربوں کی گذشتہ تجارت
اور
انگلستان کی صنعت و حرفت

اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے تجارت کی بدولت کس طرح اور کتنی ترقی کی۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

اشاعت اسلام دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملے گا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ
قیمت چھ روپے

اُردو ہندی لغت جس میں نئے دور کے پیش نظر، سائنسی، معاشرتی، صنعتی اور تجارتی، اخباری، عدالتی اور دفتری غرضیکہ ہر قسم کے مفرد الفاظوں کے ساتھ ساتھ مرکب لفظوں کی بھی ہندی دیدی گئی ہے۔ ہندی سیکھنے والوں کے لئے ایک اچھی چیز صفحات ۷۶۸
قیمت مجلد مع گرد پوش ساڑھے تین روپے۔

خلفائے راشدین (از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

دین و شریعت مولانا منظور نعمانی کی تازہ تصنیف جو بہت مفید و مبسوط مباحث پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلد تین روپے (آپ کی تین اور کتابیں بھی ہم سے مل سکتی ہیں)
(۱) اسلام کیا ہے اضافہ شدہ ایڈیشن۔ مجلد ڈھائی روپے۔
(۲) آپ حج کیسے کریں۔ مجلد دو روپے (۳) معارف الحدیث حصہ اول مجلد ساڑھے چار روپے۔ حصہ دوم مجلد ساڑھے پانچ روپے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مشہور محقق عالم مولانا مسعود عالم ندوی رح کی شہرہ آفاق کتاب حضرت سید شہید رح کی چلائی ہوئی تحریک اور ان کے کارناموں پر تبصرہ و تنقید اور غیروں کی غلطیوں کی نشاندہی اور تردید وغیرہ۔ ڈھائی روپے۔

تاریخ عالم حضرت آدم سے لیکر رسول اللہ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

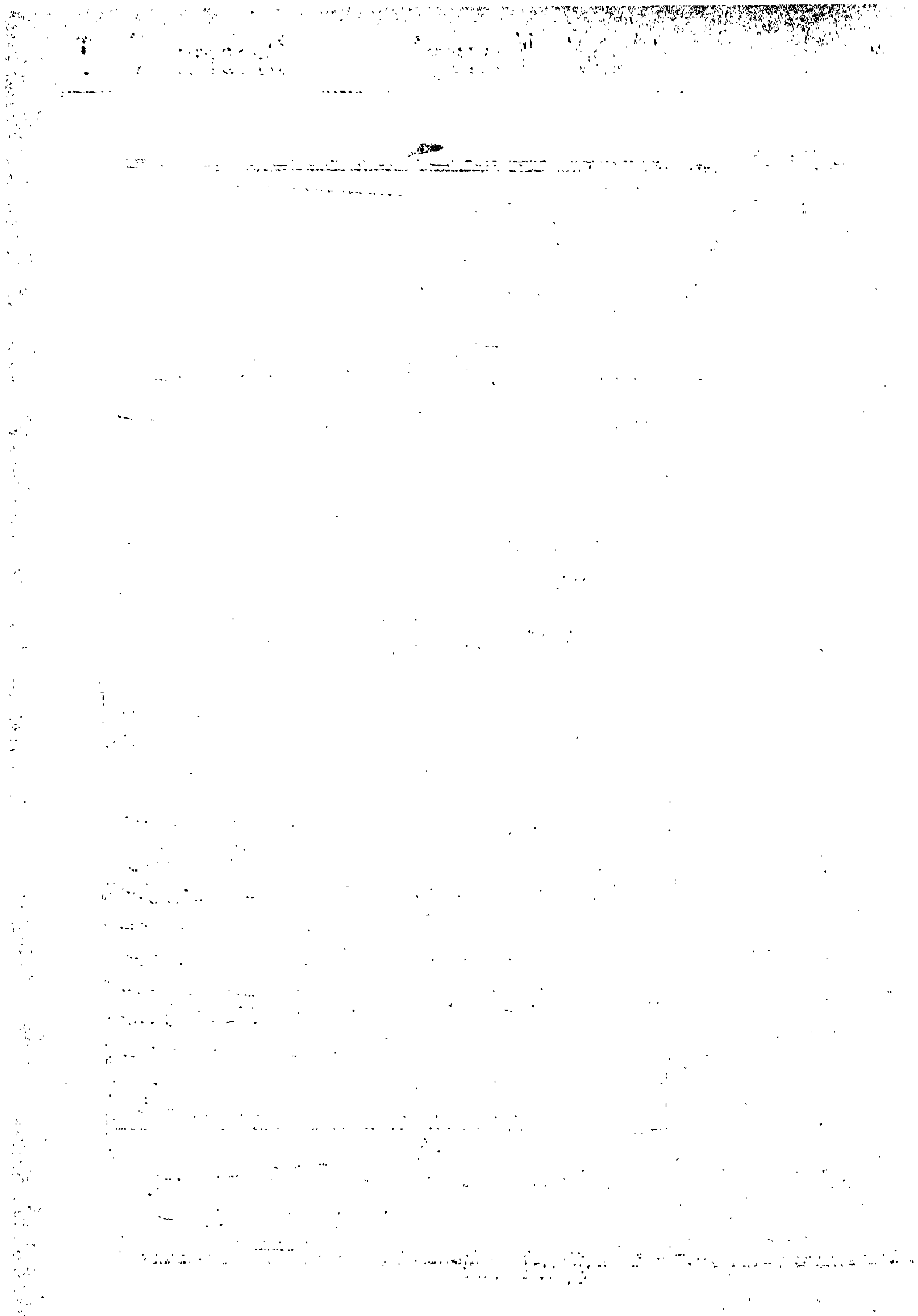
الغزالی شہرہ آفاق عالم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا شبلی نعمانی رح کی محققانہ تصنیف، نایاب شے ہے۔ قیمت دو روپے۔

اسلام اور انسانی قانون از علامہ عبد القادر عودہ شہید کی ایک نفیس کتاب ترجمہ سلیس ہے۔ قیمت صرف پندرہ آنے۔

سدِ باب ذریعہ علامہ ابن قیم کا ایک عجیب مضمون جس میں ۹۹ مثالوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس تک پہنچانے والے تمام وسائل و ذرائع کو بھی ممنوع کر دیتا ہے۔ قیمت دس آنے۔

قربانی کی حقیقت اور اسکی تاریخ مولانا فراہی کی بہترین علمی تحقیقی کتاب۔ اُردو لباس میں۔ قیمت مجلد سوا دو روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہ رح اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔



Regd. No. 982 "Tajalli Monthly" Deoband U. P.

DURR.E.NAJAF

دُرِ نجف

دمات کا سرمہ — اسمیں مضبوط شیشی — اور اسمیں سرموں کا بادشاہ — مضبوط خول



- اندھے پن کے سوا آنکھوں کی تمام بیماریوں کا تیر بہدف علاج
- دھند، موتیا، جالا، رتوندا، پڑبال اور سرخی وغیرہ کے لئے پیغام شفا۔
- بارہ سال سے بے شمار آنکھوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔
- درست نگاہ والے بھی اسے استعمال کرتے ہیں، کیونکہ یہ آخری عمر تک نگاہ کو قائم رکھتا ہے۔
- ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔ عمدہ پیکنگ مضبوط اور تازہ
- **نوٹ:-** خالص جستی کیمیائی سلائی ۲ / میں طلب کیجئے۔

چند تعریفی خطوط کی نقلیں ملاحظہ فرمائیے

شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی
صدر جمعیۃ علماء ہند

ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ کا سرمہ اس درجہ مفید ہے کہ اس کی توصیف میں آپ جو چاہیں میری طرف سے لکھدیں میں اس کی تصدیق کروں گا۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں

میں نے سرمہ نجف استعمال کیا اور دوسرے اعزاء کو استعمال کرایا قبل اسکے بہت سے سرمے میں نے استعمال کئے سب سے اچھا اور بہتر اسے پایا۔ مجھے امید ہے کہ جو شخص اسکو استعمال کرے گا وہ میرے بیان کی تصدیق صرف زبان سے نہیں بلکہ آنکھوں سے کرے گا۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں

ہم نے یہ سرمہ استعمال کیا۔ آنکھوں کو تقویت اور جلا دینے میں مفید پایا۔ امید ہے کہ اہل بصیرت اس بصارت افزا سرمہ کا استعمال کرکے اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس پر بعد تجربہ کے میں پہنچا ہوں۔

ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب ایم بی آئی ایس ایم آئی
ریٹائرڈ ملٹری سرجن لکھنؤ

سرمہ نجف آنکھوں کی بیماریوں کیلئے بہت فائدہ مند ہے میں نے بہت سے مریضوں پر استعمال کیا۔ اس کے استعمال سے آنکھوں کی روشنی میں ترقی ہوتی ہے۔

حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور

سرمہ نجف اکثر مریضوں کو دیا گیا اور اس کے استعمال سے ان کو فائدہ پہنچا۔ سرمہ نجف آنکھوں کے امراض کے واسطے نہایت مفید ہے۔ میں پبلک سے سفارش کرتا ہوں کہ اسکے استعمال سے فائدہ اٹھائیں۔

ڈاکٹر انعام الحق صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ہومیوپیتھک
ایف۔ آر۔ سی۔ بی۔ ایس۔ رئیس ماہرہ

میں نے سرمہ نجف کو اپنے بہت سے مریضوں پر استعمال کیا آنکھوں کے امراض میں مفید پایا۔ میں ہمیشہ ہر شخص کو بتاؤں گا کہ اس سرمہ کو استعمال کریں۔

سابو جوالا سرن صاحب رئیس اعظم مراد آباد و ممبر کونسل

میں نے سرمہ نجف کا استعمال کیا نہایت مفید پایا۔

خانبہادر مولوی حاجی حکیم **محمد علی خاں صاحب**
عرف مکہ میاں رئیس اعظم

سرمہ نجف بہت عمدہ سرمہ ہے۔ میں نے بہت سے شخصوں کو دیا۔ انھوں نے استعمال کیا اور بے حد تعریف کی۔

ایک تولہ پانچ روپے۔ ۶ ماشہ تین روپے
ایک ساتھ تین شیشیاں منگانے پر محصول ڈاک معاف
ایک یا دو شیشی پر ایک ہی محصول صرف ہوگا۔
یعنی جو سرمہ کی قیمت کے علاوہ ہے۔

انکے علاوہ بھی اور بہت سے خطوط موجود ہیں

ہندوستان کا پتہ:- دار الفیض رحمانی دیوبند۔ ضلع سہارنپور۔ یو۔ پی

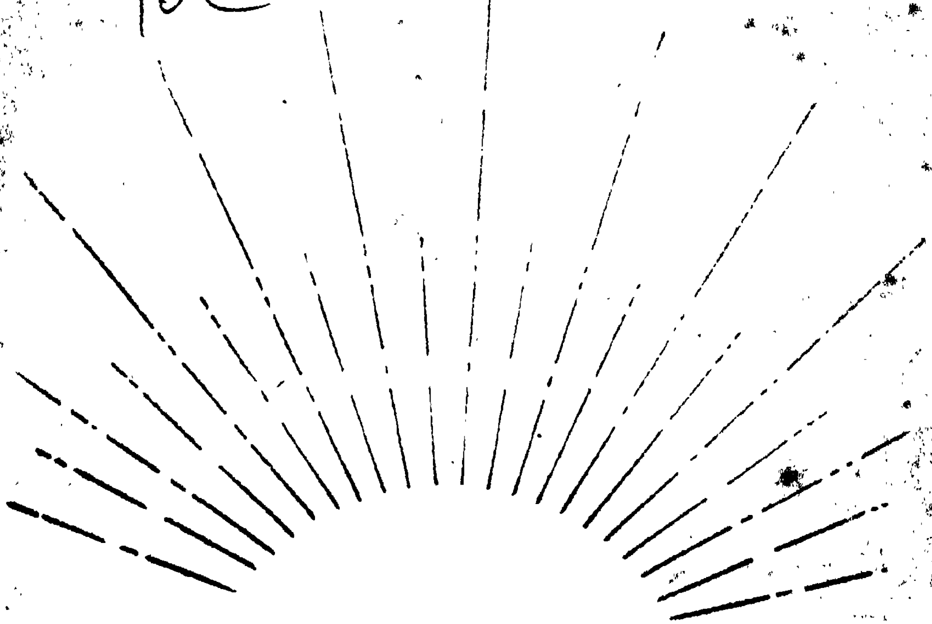
پاکستان کا پتہ:- شیخ سلیم اللہ صاحب ۵/۲۰ بی ناظم آباد کراچی۔ پاکستانی حضرات اس پتہ پر قیمت مع محصول ڈاک روانہ کرکے رسید منی آرڈر ہمیں بھیج دیں۔ مال روانہ کر دیا جائے گا۔





ماہنامہ تجلّی دیوبند

10 (2)



ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

شمارہ ۲ — جلد ۱۰

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۵ اشلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۵۹ء

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجئے یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ سکتے ہیں۔

پاکستانی حضرات

ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہوجائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:- جناب شیخ سلیم اللہ صاحب

بی-۲/۵-۲ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

جوڑے کی لعنت حیدرآباد دکن اور بہار کے بعض علاقوں میں مسلمانوں میں ایک رسم "جوڑے" کے نام سے رائج ہے۔ یہ وہی ہے جسے اہلِ ہنود میں غالباً "تلک" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ شادی سے قبل لڑکے کے سرپرست اپنے لڑکے کی ایک قیمت متعین کرتے ہیں اور ساتھ ہی مطلوبہ جہیز کی مقدار بھی۔ لڑکی کے سرپرست جب تک یہ قیمت اور مطلوبہ جہیز ادا نہ کردیں نکاح نہیں ہوتا۔ یہ قیمت سیکڑوں سے لیکر ہزاروں تک ہوتی ہے اور جہیز کی نوعیت بھی موقع کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہے۔ گویا عقل و نقل، دین، آئینِ فطرت اور عالمی اصولِ اخلاق کے بالکل برعکس لڑکا یا اس کے سرپرست لڑکی والوں سے رقم وصول کرتے ہیں، گویا اللہ اور اس کے رسول نے جو عورت کی ملکِ بُضع کی قیمت میں مرد کے ذمے مہر کے نام سے ایک رقم ڈالی تھی اس کا انتقام خود مسلمان اس طرح لیتے ہیں، گویا وہ پوری بے حیائی اور بدنہادی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کو منہ چڑاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ہزار افسوس کہ بعض اور ناپاک رسوم کی طرح یہ رسم بھی مسلمان معاشرے کے بعض حلقوں میں اس طرح مروج ہوگئی ہے کہ لڑکی والے رقم اور مطلوبہ جہیز کی ادائگی پر مجبور ہیں ورنہ لڑکیوں کی شادی ہی نہ ہوسکے۔

۱۹۵۶ء میں حیدرآباد سے آئے ہوئے بعض خطوط کے ذریعہ ہمیں اس کی اطلاع ہوئی تھی اور ہم نے دو شماروں میں اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ظاہر ہے یہ خیالات اس کے سوا کیا ہوسکتے تھے کہ یہ ذلیل رسم پہلی فرصت میں بیخ و بُن سے اکھیڑ دیے جانے کے قابل ہے۔ اس کے بعد ہم چُپ ہوگئے اور پچھلے ماہ تک کوئی وجہ سامنے نہ آئی کہ ہم پھر اس پر کچھ لکھیں، لیکن ماہِ گذشتہ ہمارے پاس کچھ حیرتناک قسم کے خطوط آئے جن میں ہمیں جی بھر کے صلواتیں سنائی گئی تھیں۔ صلواتوں کا تو کچھ نہیں حیرت اس بات پر ہوئی کہ حیدرآباد کے متعلقہ حلقوں میں ہمارے سکوت کو عجیب و غریب معانی پہنائے گئے ہیں۔ ان کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ خطوط میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ ہفت روزہ "پیام مشرق" (دہلی) میں اس موضوع پر مہینوں سے بحث چل رہی ہے۔ ہم نے اب ضروری سمجھا کہ "پیام مشرق" کا فائل حاصل کریں اور کرلیا۔ اس سے پہلے کہ ہم قرآن و سنت کی روشنی میں اس گندی رسم پر کلام کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا پس منظر بھی ناظرین کے سامنے رکھ دیں تاکہ انھیں معلوم ہوسکے کہ ایک صریح الفساد اور ذلیل و رکیک رسم کو قرآن و سنت سے باطل و فاسد ثابت کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔

پیام مشرق میں ۱۴ر ستمبر ۵۸ء سے ۷ر اکتوبر ۵۸ء تک ایک صاحب احمد محی الدین قادری نے اس رسم کی تائید و تحسین میں چار قسطوں کا مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اگر کسی صاحب کو جہالت، دھاندلی، بے غیرتی، کند ذہنی، چرب زبانی، عقل دشمنی اور بازاری خطابت کا ہذیانی شاہکار دیکھنا ہو تو اس مضمون کو دیکھے۔ پیام مشرق کے فاضل مدیر ہی کی ہمت ہے کہ انھوں نے یاوہ گوئی کے اس پلندے کو بطور مضمون اپنے موقر جریدے میں چھاپ دیا، ورنہ اس کی صحیح جگہ ردّی کی ٹوکری کے سوا کہیں نہیں تھی۔ تاہم اس کی اشاعت سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جوڑے بازوں کا پورا ذہن اور قابلیت اور مبلغِ علم

کھل کر سامنے آگیا۔ ہم اس پوزیشن میں تو ہرگز نہیں ہیں کہ قادری صاحب کے طویل ہذیانات پر بھرپور تنقید کر کے تجلی کے صفحات برباد کریں۔ اس فریضہ کو اُن متعدد مضمون نگاروں نے ادا کر دیا ہے جن کے مضامین پیام مشرق ہی میں شائع ہوتے رہے ہیں اور تادمِ تحریر شائع ہو رہے ہیں۔ تاہم چونکہ حیدر آباد کی بہت سے علماء بھی جوڑے بازی کی تائید میں لگے ہوئے ہیں اس لئے قادری صاحب کے مضمون سے چند ٹکڑے بطور نمونہ پیش کئے دیتے ہیں تاکہ دنیا دیکھ سکے کہ حیدر آباد میں کس ڈھٹائی کے ساتھ علم اور جہل، بے غیرتی اور حیا، شرافت اور کمینہ پن کو ایک کر دیا گیا ہے۔

کسی ہوشمند سے پوشیدہ نہیں ہے کہ دنیا میں کچھ بُرائیاں ایسی بھی ہیں جنھیں بُرائیاں تسلیم کرنے کے لئے کسی خاص مذہب کی گواہی اور تنبیہ درکار نہیں ہے، بلکہ انسان کی اخلاقی حِس انھیں ہمیشہ سے بُرائیاں ہی تسلیم کرتی آئی ہے۔ مثلاً چوری، بد دیانتی، جھوٹ، زِنا، اغلام، گداگری، ناجائز انتفاع و استحصال وغیرہ اب اگر کسی معاملہ کا جواز اور عدم جواز زیرِ بحث ہو تو ایسے بےحیا اور بے ضمیر لوگ کم ہی ملیں گے جو اپنی بات کی پچ میں ان متفق علیہ برائیوں میں سے بھی کسی بُرائی کو بُرائی ہی ماننے سے انکار کر دیں۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ جوڑے کی رسم کے حامی ــ جنکی ترجمانی قادری صاحب نے کی ہے بڑے فخر کے ساتھ ناجائز انتفاع بدعہدی، شقاوت اور دست طلب دراز کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ محمود و مستحسن مانے ہوئے ہیں اور اسی باطل بنیاد پر ان کے واہی دلائل کا قصرِ تعمیر ہو رہا ہے۔ مزید تماشا یہ ہے کہ وہ خدا کے خوف اور دنیا کی شرم سے بالکل بے نیاز ہو کر نہایت قطعیت کے ساتھ ایسے دعوے کئے چلے جا رہے ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں، جو لغویت کے شاہکار ہیں اور جنھیں سنکر ایک شریف و سنجیدہ آدمی کو تے آنے لگتی ہے۔ مثلاً سنئے قادری صاحب اپنے مضمون کے شروع ہی میں لکھتے ہیں:۔

"حیدر آباد دکن اور سابق ریاست حیدر آباد کے تمام اضلاع کے اعلیٰ تعلیم یافتہ شریف مسلم گھرانوں میں شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق اور بزرگانِ پاکباز کی سنت کی پابندی میں ایک نہایت مفید اور خیر و برکت کا حامل رواج ہے کہ شادی کے موقع پر دولھا کو جوڑے کے نام سے دو چار ہزار روپے کی حقیر سی رقم لڑکے کی تعلیمی اور خاندانی خوبیوں کے اعتبار سے وصول کی جاتی ہے اور جہیز پہلے سے طے کر لیا جاتا ہے تاکہ کوئی نامعقول اور تنگدل لڑکی والا عین وقت پر خراب خستہ جہیز کے ساتھ اپنی بیٹی حوالہ نہ کر دے"

سچ بتلایئے کیا کسی حد درجہ پلید الذہن شخص کے سوا بھی کسی شریف النفس سے اس طرح کی لغو گوئی متصور ہو سکتی ہے؟

ہوائی چرب زبانی کے علاوہ اس عبارت میں دو دعوے بھی ہیں اوّل یہ کہ جوڑے کی رسم شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہے۔ یہ دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ سنیما دیکھنا، تاڑی پینا، ریس کھیلنا اور جہاں سے موقع ملے رقم جھپٹ لینا شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہے۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ قادری صاحب اور ان کے نام نہاد علماء قیامت تک ایک بھی سنجیدہ دلیل اس دعوے کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے، جبکہ ہم انشاء اللہ اسکی تردید میں ناقابلِ بطلان دلائل پیش کریں گے۔

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ جوڑے کی رسم بزرگانِ پاکباز کی سنت ہے۔ یہ دعویٰ بھی ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کمزوروں کو لُوٹ لینا، مجبوروں کا مال غصب کر لینا، بھیک مانگنا اور خودداری و غیرت کو طاق پر رکھ دینا بزرگانِ پاکباز کی سنت ہے۔ حیدر آباد ہی کے کچھ بزرگ اس ناپاک رسم پر عمل پیرا رہے ہوں تو اور بات ہے لیکن جن اسلاف کو امتِ مسلمہ بزرگانِ پاکباز کہتی اور سمجھتی ہے انمیں سے تو کوئی ایسا بے غیرت، لالچی، ظالم اور دین فروش ہوا نہیں جو لڑکی والوں سے اپنے صاحبزادوں کی قیمتیں وصول کرتا ہو۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے محترم صحابہؓ، پھر تابعینؒ، تبع تابعینؒ، پھر ائمہ و فقہاء، صوفیاء و مشائخ، اولیاء و اتقیاء وغیرہم میں سے کسی ایک معروف ہستی کا تو نام لیجئے جس نے استحصال کا یہ گھناؤ ناطریقہ استعمال کیا ہو، جس نے اپنی یا اپنی نرینہ اولاد کی شادی پر لڑکی والوں سے رقم اور جہیز طلب کرنے کا گداگرانہ اقدام کیا ہو ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ قادری صاحب اور ان کے اعوان و انصار

ایک بھی — جی ہاں ایک بھی نظیر نہیں لا سکتے۔ کوئی مثال نہیں دے سکتے۔ بس اتنا ہی ان کے بس میں ہے کہ جو اندھا سیدھا منھ میں آئے کہتے چلے جائیں۔ زبان پر کون کس کی تالا ڈال سکتا ہے۔

اور اس خباثتِ نفس کو دیکھئے کہ جو بدنصیب لڑکی والا ہزاروں روپے اور قیمتی جہیز نذر نہ کر سکے وہ ان جباروں کے نزدیک "نامعقول" ہے۔ گویا جس کے گھر لڑکی پیدا ہو گئی ہے اسے لازماً اتنا متموّل ہونا ہی چاہئے کہ لڑکے صاحب کی خریداری پر ہزاروں روپے صرف کر سکے۔ پناہ بخدا۔

قادری صاحب آگے لکھتے ہیں کہ دکنی علماء و اکابر نے:۔

"سیکڑوں بار اپنی تقریروں میں واضح کیا ہے اور لاتعداد فتوے شائع کئے ہیں کہ یہ رسم عین اسلام اور واجب ہے اس لئے ہم دکنی مسلمان عہد کر چکے ہیں کہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے، مگر اپنی اس اسلامی رسم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔"

یہ تو ٹھیک ہی ہے کہ لالچی اور زر پرست لوگ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے کے قائل ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر قادری صاحب جیسے لوگ اس طرح کی مضحکہ خیز باتیں کریں۔ اور یہ بھی ٹھیک ہی ہے کہ تاریخ دین فروش عالموں اور خواہش پرست مفتیوں سے بھری پڑی ہے اس لئے آج بھی اگر حیدرآباد کے کچھ علماء اور مفتیانِ کرام ایک باطل و ناپاک رسم کو عین اسلام کہنے لگ جائیں اور فتووں کے ذریعے اسے واجب تک ٹھیرا دیں تو زبان اور قرطاس و قلم پر کون پہرے بٹھا سکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ فتوے چند حیدرآبادی علماء و اکابر کی بے بنیاد یاوہ گوئیوں کا نام نہیں، اور چند بلید الذہن مقرروں کی چرب زبانی سے کوئی باطل نظریہ عینِ اسلام نہیں بن سکتا۔ اگر قادری صاحب کو حسابِ آخرت کا ذرا بھی خوف ہے تو ان کا فرض ہے کہ اپنے ہمنوا علماء و اکابر سے زیرِ بحث رسم کے جواز کی شرعی دلیلیں دریافت کر کے شائع فرمائیں۔ پیامِ مشرق کی طرح "تجلی" بھی اس خدمت کے لئے حاضر ہے، لیکن خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ہم دلیلیں چاہتے ہیں نہ کہ فضول بکواس اور لاطائل باتیں۔ کسی شے کو اسلامی نقطہ نظر سے مستحسن یا جائز یا واجب و فرض ثابت کرنے کے لئے تمام اہلِ علم صرف ایک ہی طریقہ کو لائق اعتنا جانتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن یا حدیث یا آثارِ صحابہ یا اقوالِ ائمہ میں سے کوئی چیز پیش کی جائے اور اس کے ذریعہ جو استدلال ہو اس میں معروف و معلوم علمی اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ یہ نہیں کہ جاہلوں اور فتنہ پردازوں کی طرح خواہ مخواہ کی لفاظی کرتے چلے جائیے ویسے ہمیں آپ سے امید قطعاً نہیں کہ کبھی ڈھنگ کی بات کہہ سکیں گے، کیونکہ آپ کے اس مضمون سے اور پیامِ مشرق کے بعض اور مضامین سے ہمیں خوب معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کو نہ قرآن و سنت کے علم سے کوئی مس ہے، نہ مسلمہ برائیوں کو آپ برائیاں سمجھتے ہیں نہ خودداری اور عزتِ نفس آپ کے نزدیک کوئی چیز ہے۔ نہ آپ استدلال اور لغو گوئی کا فرق جانتے ہیں۔ نہ آپ کے قلب میں قرآن، شریعت اور پیغمبرِ اسلام کا کوئی حقیقی احترام ہے۔

ذرا قادری صاحب کا "مسخرا پن" دیکھئے۔ فرماتے ہیں:۔

"انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن دور نہیں ہے کہ اس رسم کی برکات اور فرضیت سے مطلع ہو کر سارے ہندوستان کے مسلمان اس رسم کو اپنا لیں گے۔"

افسوس "فرضیت" سے بڑا کوئی لفظ قادری صاحب کو نہ مل سکا ورنہ اس سے بھی نہ چوکتے۔ آگے یہودی صفت تاجروں کی پوری بے حیائی کے ساتھ وہ "لڑکوں" کو جنس بازاری بنا کر پیسے کی ترازو میں یوں تولتے ہیں:۔

"دوسری جنگِ عالمگیر سے پہلے ہمارے یہاں اعلےٰ خاندان کے میٹرک نوجوانوں کے مطالبہ کی شرح ایک ہزار۔ انٹر دو ہزار۔ بی۔ اے تین ہزار اور ایم۔ اے چار ہزار تھی۔ اضلاع کے نوجوانوں اور معمولی گھرانوں کے نوجوان اس سے نصف یا نصف سے بھی کم لیتے تھے۔ وہی شرح آج تک باقی ہے جب کہ ہر مال کی قیمت کم سے کم پانچ گنا بڑھ گئی ہے۔ لہذا انصاف کا تقاضا ہے کہ لڑکوں کی قیمت بھی پانچ گنی ہو جانا چاہئے۔"

دیکھ رہے ہیں آپ؟ شاید بدسے بدتر سود خوار بھی اس بے حیائی کے ساتھ انسانی خرید و فروخت کا گوشوارہ پیش نہ کر سکے گا اسے چھوڑیئے کہ علم و عقل اور شرافت و انسانیت کی بارگاہ میں یہ

باتیں کس قدر پست اور گھناؤنی ہیں۔ کم سے کم یہ تو ان "لڑکا فروشوں" سے پوچھئے کہ کیا ہر مال کی قیمت صرف لڑکے ہی والوں کے لئے پانچ گنا ہوئی ہے۔ لڑکی والوں کے لئے نہیں، شاید لڑکی والوں کو یہ جلاد نہ انسان سمجھتے ہیں نہ کسی انصاف کا مستحق۔ "انصاف" کے لفظ کو اپنی ناپاک زبان پر لانے سے پہلے ان اسلام فروشوں کو یہ بھی تو بتانا چاہئے کہ کیا گرانی کے باعث اُنھوں نے مہر کی اُس رقم کو بھی پانچ گنا کرنے کا کوئی قصد کیا ہے جو قرآن میں مردوں کے ذمّے واجب کی گئی ہے۔ یہ جوڑے کی رقم تو ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہے جس کے جواز کا اشارہ تک وہ قرآن و سنت سے نہیں لاسکتے، لیکن مہر کی رقم تو قرآن وحدیث میں منصوص ہے۔ تمام اُمتِ مسلمہ اُس پر متفق ہے۔ کوئی کافر ہی کہہ سکتا ہے کہ لڑکے پر مہر لازم نہیں ہے۔ تب کیا گرانی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ لڑکے والے پانچ گنا مہر ادا کرتے ـــــ مگر توبہ کیجئے جن کی آنکھوں پر لالچ اور ہوس زر نے گمراہی کی پٹی باندھ رکھی ہو وہ پانچ گنا تو کیا ایک پیسہ بھی مہر کے نام کا ادا نہیں کرسکتے اور جو رقم مہر کے نام پر طے پاتی ہے وہ بس اُدھار ہی رہتی ہے۔ خدا اور رسول سے تمسخر کرنے اور قرآن وسنت کے احکام کا مذاق اُڑانے کی اس سے بڑھ کر اور مثال کیا ہوگی کہ خدا اور رسول نے نکاح کے معاملہ میں عورت کو مرد سے ایک رقم وصول کرنے کا حق دار بنایا، قیمتی شے عورت کی ملک بُضع کو ٹھیرایا اور اسے اس حد تک اہمیت دی کہ اگر بلا مہر کے کوئی شخص نکاح کرلے تو نکاح ہوتا ہی نہیں۔ ہمارے حیدرآبادی فنکاروں نے اللہ اور رسول کے بالمقابل خم ٹھونک کے اعلان کیا کہ واہ صاحب! قیمتی شے تو ہمارے صاحبزادگان ہیں اور ایف۔ اے۔ بی۔ اے کی ڈگریوں کے مقابلہ میں ملک بُضع کی کیا قیمت ہے۔ مہر ہم نہیں دیں گے بس زبانی وعدہ کرلیں گے اور وہ بھی اسلئے کہ اس میں ہمارا کچھ بگڑتا نہیں، البتہ خود لڑکی والوں سے ہم خاطر خواہ رقم اور جہیز وصول کئے بغیر شادی نہیں کرینگے۔ دیکھیں آپ دونوں محترم یعنی اللہ اور رسولؐ ہمارا کیا بگاڑ لیتے ہیں!

خدا پناہ میں رکھے۔ حیدرآباد میں ابھی کچھ ہی دنوں پہلے پولیس ایکشن کی صورت میں جو عذابِ الٰہی نازل ہوچکا ہے کیا تعجب کہ دیگر اسباب کے علاوہ اس کا یہ بھی سبب ہو کہ ایک ہولناک اجتماعی معصیت کو نہ صرف رائج کرلیا گیا ہے بلکہ عالم اور پیشوا ہونے کا دعویٰ کرنے والے اسے اسلامی ثابت کرنے میں کوشاں ہیں۔ بے راہروی اور خدا فراموشی کی ایک خاص حد ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نگاہِ قہر کو جلال آہی جاتا ہے۔

اور دیکھئے۔ بدعہدی ایک ایسی مذموم حرکت ہے جس کی قباحت پر تمام دنیا متفق ہے، لیکن جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں جوڑے بازوں کے یہاں متفق علیہ خرابیاں تک خوبیاں شمار ہونے لگی ہیں۔ قادری صاحب نہایت فخر وتعریف کے ساتھ دو ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں لڑکے نے عین شادی کے وقت اپنے مطالبہ کی رقم بڑھادی اور لڑکی والوں کو مجبوراً ادائگی کرنی پڑی۔ ہیہات۔ جس طرح آج کے مغرب زدہ لوگ آوارگی، فحاشی اور جنسی انارکی کو آرٹ کلچر اور ثقافت وغیرہ کا نام دیکر خوش ہیتے ہیں اسی طرح قادری صاحب نے شقاوت آمیز بدعہدی کو "خودداری" کا خوشنما نام دیا ہے جوڑے کے خلاف جو لڑکیاں تحریک چلا رہی ہیں اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے قادری صاحب فرماتے ہیں:-

> "ایک خوددار نوجوان تو اتنا برہم ہوا کہ اس نے انتقام کی ٹھان لی۔ عین شادی کے وقت مطالبہ بڑھادیا اور بارات اُٹھانے پر تیار ہوگیا جھک مار کر لڑکی والے کو پورے پینتیس ۳۵ ہزار دینے پڑے۔"

دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں:-

> "ایک نوجوان گریجوٹ کی شادی پندرہ سو جوڑے کی رقم اور ایک ہزار کے جہیز پر طے ہوئی تھی عین محفل عقد میں لڑکے نے اپنے مطالبہ میں دوہزار کا اضافہ کردیا اور کہا کہ اگر اسی وقت تکمیل نہ ہوئی تو بارات واپس لئے جاتا ہوں۔ لڑکی والے نے اس کے پیروں میں ٹوپی ڈالدی اور خدا اور رسول اور اولاد کی قسم کھا کر کہا کہ سب کچھ تمھاری شادی میں لگادیا ہے اب اگر تم مجھ کو قتل بھی کرڈالو تو کفن کے واسطے گھر میں ایک کوڑی نہیں ہے۔ اس لئے

میری عزّت بچالو اور اپنے مطالبہ کے اضافے سے دستبردار ہوجاؤ۔ مگر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ دماغ نوجوان اِن فریبوں میں آنے والا کہاں تھا، وہ کوہ ہمالیہ کی طرح اپنے مطالبہ پر جما رہا۔ ناظرین کو یہ سُنکر حیرت ہوگی کہ جس گھر میں کفن کو ایک کوڑی نہیں تھی چند گھنٹوں کے بعد اسی گھر سے نقد پورے دو ہزار نکل کر دولھا کے دامن میں آگرے اور شادی ہوگئی۔"

دیکھا آپ نے۔ دونوں واقعوں میں ذلیل ترین بدعہدی سفّاکی اور شقاوت موجود ہے، مگر سڑے ہوئے دل و دماغ اسے خودداری اور اعلیٰ دماغی وغیرہ کے نام دے رہے ہیں۔ دوسرے واقعے کی ہولناکی کا اندازہ کیجئے۔ آپ نے سنا ہوگا بعض بادشاہ انسانوں کو اذیتیں دیکر، سانپ بچھو سے کٹوا کر، کانٹوں اور آگ کے شعلوں پر تڑپا کر خوش ہوا کرتے تھے، یہی کیفیت اس واقعہ کو فخر سے نقل کرنے والے کی ہے۔ اس میں شرافت، انسانیت، اخلاق اور شرم وغیرت نام کی کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی۔ وہ حیدرآبادی نوجوانوں کی اِس شیطانی بدکرداری پر نوحہ کرنے کی بجائے موچھوں پر تاؤ دے رہا ہے۔ وہ لڑکی والوں کی مظلومیت پر کُڑھنے کی بجائے پوری خباثتِ نفس کے ساتھ لڑکے کی توصیف میں رطب اللسان ہے۔ حق یہ ہے کہ جس طرح عادی اور مشہور قسم کے غنڈے بدکاریوں ہی کو لائقِ فخر سمجھنے لگتے ہیں اور آپس میں بیٹھ کر نہایت شان سے ڈینگیں مارا کرتے ہیں کہ ہم نے اتنا مال لوٹا، اتنی عورتوں کی آبروریزی کی، اتنے آدمیوں کو قتل کیا۔ ٹھیک اسی طرح قادری صاحب اپنے ہمنواؤں کے کارنامے بیان کر رہے ہیں اور ان کی شقاوتِ قلبی سے صاف ظاہر ہے کہ اگر خود انھیں بھی کوئی موقع مل جائے تو لڑکی والوں کا گھر تک بکوا لینے میں دریغ نہیں کرینگے۔

ذرا قادری صاحب کی ایک اور خوش فہمی ملاحظہ فرمائیے البیان کے ایڈیٹر مولانا ابو نعیم نے بھی جوڑے کی مخالفت کی تھی قادری صاحب فرماتے ہیں:۔

"ان کی مخالفت اس لئے کوئی وزن نہیں رکھتی کہ وہ ایک خاص طبقہ سے ہٹ کر مقبول عوام نہیں ہیں ان سے زیادہ تو مسلمانوں میں میں مقبول ہوں۔ میں خود عالم دین، فقیہ اور محدث ہوں۔۔۔۔"

اس طرح چورا ہے پر اپنے مُنھ میاں مٹھو بننے کی مثال تاریخ عالم میں کم ہی ملے گی۔ قادری صاحب اگر چاہیں تو خود کو امام المحدثین، رئیس الفقہا اور علامۃ الدہر بھی لکھ سکتے ہیں۔ کون ہے جو ان کا قلم پکڑ سکے، لیکن اپنے چار قسطوں کے اس مضمون میں تو وہ ایک بلید الذہن عامی سے زیادہ کچھ بھی نظر نہیں آتے۔ ہم انھیں امام المحدثین مان لیں گے اگر وہ ایک بھی صحیح حدیث جوڑے کی رسم کے جواز میں پیش کر دیں۔ رئیس الفقہاء مان لیں گے اگر چاروں اماموں میں سے کسی ایک بھی امام کا قول اپنی تائید میں سامنے لا سکیں علامۃ الدہر مان لیں گے اگر دین کے مستند مآخذ یعنی قرآن وسنت اجماعِ صحابہ یا معروف و معلوم مجتہدین کے قیاس و اجتہاد سے "جوڑے" کی ناپاک رسم پر شہادت لے آئیں۔ حالانکہ ہم انشاءاللہ اِنھی مستند اور متفق علیہ مآخذ سے ان کی تردید میں بہت کچھ پیش کرنے والے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اس شاندار خودستائی کے بعد قادری صاحب نے دسیوں علمائے حیدرآباد کے نام لکھ کر فرمایا ہے:۔

"حیدرآباد کے تمام علمائے دین جو کہ آسمانِ اسلام کے روشن ستارے ہیں وہ صرف ہمارے طرفدار ہیں، بلکہ اس رسم کے وجوب و جواز میں فتویٰ صادر فرما چکے ہیں اور سیرۃ النبی کے جلسوں میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں اور خود اپنے بزرگوں کی اس سنت پر سختی سے کاربند ہیں۔"

اگر واقعی قادری صاحب نے صورتِ واقعہ کی صحیح عکاسی کی ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ علمائے حیدرآباد کا غالباً یہی گندہ کردار تو ہے جس کے ادبار میں حیدرآباد پر پولیس ایکشن کا عذاب نازل ہوا۔ مولوی جب گرتا ہے تو دل کھول کے گرتا ہے۔ وہ ایک طرف جُبّہ و دستار پہنکر خوشنما وعظ کہتا ہے اور دوسری طرف وہ سب کچھ کرتا ہے جس سے غنڈے بھی پناہ مانگ جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعض حیدرآبادی علماء خوش کردار ہونیکے باوجود غلط اندازِ فکر کے تحت اس رسم کی تائید میں لگ گئے ہوں، لیکن گستاخی معاف ایسے علماء ہرگز اس قابل نہیں ہیں

کہ ان کی بات کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت دی جائے مسائل میں اختلافات بے شک ہوتے ہیں، کیونکہ جزئی اجتہاد و استنباط میں اختلاف کی گنجائش ہوا ہی کرتی ہے لیکن کوئی شخص اگر اتنا کم عقل اور بے بصیرت ہو کہ جوڑے جیسی صریح البطلان اور واضح الفساد رسم کے بھی جواز کا گمان کرنے لگے تو اس کی عقل و فہم پر ماتم کرکے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اسکی بے عقلیوں سے معاشرے کو محفوظ رکھے۔ رہے وہ حضرات جو جواز سے بڑھ کر "وجوب" اور "فرضیت" تک کا نعرہ لگاتے ہیں تو یقیناً وہ بدنیت اور فتنہ پرداز ہیں۔ فرض و واجب وہی فعل ہو سکتا ہے جس کا صریح حکم قرآن و حدیث میں موجود ہو اور جس کے ضروری ہونے پر ہر زمانے کے علماء کی ایک بڑی تعداد متفق رہی ہو۔ اب ظاہر ہے جوڑے کی رسم کا قرآن و حدیث سے تو کوئی تعلق ہی نہیں اور کسی بھی زمانے کا ایک بھی مستند عالم اس کی ضرورت تو ضرورت جواز تک کا فتویٰ نہیں دے گیا، لہٰذا اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی فرضیت و وجوب کا دعویٰ کرتا ہے تو بلا ریب و شک جھوٹا ہے، فتنہ پرور ہے، خدا اور رسول پر بہتان باندھنے والا ہے۔ وہ اگر سچ مچ سند یافتہ عالم ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے نفس کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں آگئی ہے اور اس کی بصیرتِ دینی کو ہوا و ہوس نے کھا لیا ہے۔ قادری صاحب اپنے ہمنوا علماء کو آسمانِ اسلام کے روشن ستارے نہیں، بلکہ آفتاب و ماہتاب بھی کہتے رہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کتنے ہی آفتاب و ماہتاب ہیں جنھیں چشمِ فلک نے ہوا و ہوس کی چوکھٹ پر سجدے گذارتے دیکھا ہے۔ سوال تو قرآن و سنت کا ہے۔ دین کا ہے۔ ان روشن ستاروں سے کہو کہ اپنے بے بنیاد فتووں کے لئے کوئی شرعی دلیل لاؤ۔ گواہی تو پیش کرو۔

یہ اجمالی معروضات قسط اوّل کے بارے میں تھیں قسط ثانی و ثالث میں قادری صاحب نے نمبروار ۲۷ محاسن و مناقب اس رسم کے بیان کئے ہیں جنھیں وہ اپنی دانست میں دلائل و شواہد سمجھتے ہیں۔ جو بھی سلیم العقل انھیں پڑھیگا اس کے سوا کچھ نہ محسوس کرے گا کہ ایک شخص نشے کی حالت میں جو منھ میں آئے واہی تباہی بکتا چلا جا رہا ہے اور اسے ہوش ہی نہیں ہے کہ میرے ہذیانات پر عقل، مذہب، شرافت و انسانیت اور معروف اخلاقی اصول و اقدار کیا فیصلہ صادر کریں گے۔ ناظرین کہیں گے ہم بڑی سخت گوئی پر اُترے ہوئے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ قادری صاحب کے ارشادات واقعۃً جس تلخ و تند جواب کے مستحق ہیں اس کا تو ابھی حق ہی ادا نہیں کر سکے۔ ہم انھیں کرپک سمجھ کر نظرانداز کر دیتے، لیکن آفت یہ ہے کہ انکی پشت پناہی علماء کر رہے ہیں اور ان کے پیش کردہ دلائل درحقیقت ان علماء ہی کے دلائل کی مختلف شکلیں ہیں جس کی وجہ سے اسلام بُری طرح مجروح ہو رہا ہے۔ کچھ نمونے آپ نے دیکھے، کچھ اور دیکھئے۔ دلیل نمبر ۲۰ دیتے ہیں:۔

> "تمام تعلیم یافتہ لڑکوں اور لڑکیوں میں سنیما بینی کا اور بعض لڑکوں میں اور خصوصاً اضلاع تلنگانہ کے لڑکوں میں مسکرات کا اتنا شوق ہوتا ہے کہ وہ اسکے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔ نلگنڈہ۔ محبوب نگر۔ کوڑنگل وغیرہ بعض مقامات میں تو مسکرات کا اتنا رواج ہے کہ آٹھ مساجد[۵۱] تک اسکے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر سیندھی نہ ملے تو سیندھی کی عادیوں کے ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں اور دم سا نکلتا محسوس ہوتا ہے۔ جوڑے کی رسم کے بغیر بے روزگاری میں ان ضروریات کی پابجالی[۵۲] کیسے ہوگی؟"

خط کشیدہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ قادری صاحب خود بھی سیندھی پیتے ہیں اور سیندھی نہ ملنے کی مصیبت بھی جھیلے ہوئے ہیں ورنہ یہ خاص کیفیت بلا ذاتی تجربہ کے کیسے معلوم ہوتی ہے۔

---

۵۱ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً "منٹ" یا "گھنٹے" ہوگا راقم الحروف نشے کے فن سے بالکل نابلد ہے اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ منٹ صحیح ہونگے یا گھنٹے یا کچھ اور۔ (تجلّی)

۵۲ یہ بھی یا تو کتابت کی یا خود قادری صاحب کی غلطی ہے۔ صحیح لفظ "پابجائی" ہے۔ (تجلّی)

خیال ہے کہ اپنا یہ مضمون بھی انھوں نے کسی ایسی ہی حالت میں لکھا ہے جب مینا بھی میسر آئے کافی دیر ہو گئی تھی اور دماغ نے کام سے انکار کر دیا تھا۔ ہوشمند جانتے ہیں کہ جس طرح شراب ایک نشہ ہے اسی طرح تشنگی اور شدتِ طلب کی وہ حالت بھی نشہ سے کم نہیں ہوتی جب عادی شرابی کو دیر سے شراب نہ ملی ہو۔ خیر دوسرا نمونہ دیکھئے۔ یہ گویا دلیل نمبر ۲ ہے:-

"ہم اہل دکن بزرگانِ دین کی روحانی قوتوں کے قائل ہیں۔ جوڑے کی رقم سے اجمیری خواجہ، خواجہ بندہ نواز اور بڑے پیر صاحب وغیرہ اولیاء اللہ کے نام کی دیگیں پکوا کر اور نذر و نیاز کر کے روزگار حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے سوائے بے روزگاری میں بزرگانِ دین کی روحوں کو خوش کر کے ان سے مدد حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے"

یہ نفیس قسم کی دلیل قادری صاحب نے غالباً ادارۂ پیام مشرق کی جذباتی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے صادر فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پیام مشرق کے فاضل مدیر بھی اولیاء اللہ کی روحانی قوتوں میں یقین رکھتے ہیں اور نذر و نیاز وغیرہ کے معتقد ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ فاضل مدیر اور ادارۂ پیام مشرق کا کوئی بھی فرد اپنے مسلک کی اس احمقانہ وکالت و شہادت پر خوش نہ ہوا ہوگا قادری صاحب کو اگر سوچنے سمجھنے، لکھنے اور کہنے کا کچھ بھی شعور ہوتا تو اس حقیقت کا احساس کرنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ مذکورہ دونوں ہی دلیلیں ان کے نام نہاد مسلک اور دعوے پر طنز و طعن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ بیچارے انھیں اپنی تائید میں پیش فرما رہے ہیں مگر فی الحقیقت ان سے اُنھی کے مسلک و موقف کا مضحکہ اُڑ رہا ہے۔

خیر یہاں تک تو عقلی قلا بازیوں کا معاملہ تھا۔ آگے اس اللہ کے بندے نے اپنی آخری پوزیشن بھی برباد کر لی ہے۔ ذرا اندازہ کیجیے یہ شخص مسلمان ہے اور عالم و فقیہ اور محدث ہونے کا بھی دعویٰ رکھتا ہے۔ پھر بھی اسے رحمتِ عالم، سرورِ کونین، سیّد الابرار، ہادیِ عالم، محبوب سبحانی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تقدیس پر اپنی ذہنی غلاظتوں کے چھینٹے اڑاتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ رقمطراز ہے:-

"جوڑے اور جہیز کی رسم کو لفظی ہیر پھیر سے ہمارے مخالف ناجائز بتاتے ہیں حالانکہ اس رسم کا اصل مقصد سسرال سے دولت حاصل کرنا ہے۔ چونکہ ہمارے سرکار دو عالم نے شادی میں رقم دی اور لی ہے اور حصولِ نفع کی غرض سے اپنی متعدد شادیاں کی ہیں۔ اسلئے اسلام میں سسرال سے دولت حاصل کرنا واجب اور ثواب ہے اور یہ ہمارا جزوِ ایمان ہے" (صفحہ ۲۶ پیام مشرق ۲۸ ستمبر) (ص۵۰)

ایمان سے کہئے۔ کیا کسی ایسے شخص سے جسے ایمان، حبِ رسول اور خوفِ خدائی ہوا بھی لگی ہو یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک ذلیل و رکیک رسم کی وکالت کرتے ہوئے اُس ارفع و اعلیٰ ہستی تک کو اپنی دریدہ دہنی کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکے گا جس کی پوری زندگی دریا دلی، فیاضی اور داد و دہش میں گذری ہو، جو دام و درم کو ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہ دیتا ہو۔ جسکی خودداری اور غنائے نفس کا دامن زمین و آسمان سے زیادہ وسیع ہو، جسکے بارے میں اس کے بدترین دشمن تک دولت کی ہوس، مال و زر کی طمع اور عیش و تنعم کی حرص کا بہتان نہ تراش سکتے ہوں۔ اِس معظم و برتر ہستی کے بارے میں بھی جو شخص یہ کہے کہ اس نے متعدد شادیاں مالی منفعت کی غرض سے کی تھیں اس سے بڑھ کر جاہل، گستاخ اور فاطر العقل کون ہو سکتا ہے۔ وا ویلا وا دریغا۔

ناظرین مطمئن رہیں ہم آگے چل کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کا حال بھی لکھیں گے۔ ذرا اِس منظر سے فارغ ہو لیں ـــ ہمیں رنج ہے کہ فاضل مدیر پیام مشرق نے ان گھناؤنی سطور کا نوٹس لئے بغیر خرافات و ہفوات کا یہ پلندہ چھاپ دیا۔ اور حیرت بالائے حیرت یہ کہ قسط نمبر ۲ پر انھوں نے یہ نوٹ دیا۔

"علمائے کرام توجہ فرمائیں!

شرعی و سماجی اعتبار سے جہیز اور دولھا کے جوڑے کے ضروری ہونے کی جو بحث "پیام مشرق" میں چل رہی ہے ضروری ہے کہ اس پر ہندوستان کے تمام علماء کرام اور اربابِ نظر توجہ فرمائیں۔ زیر نظر اشاعت میں قرآن و سنت کے حوالے سے جو باتیں کہی گئی ہیں انکا جواب دینا بہت ضروری ہے۔"

ہم نے دو دفعہ بہت غور سے مضمون کو — بشرطیکہ ہذیانات کو مضمون کہا جاسکے — پڑھا۔ ہمیں تو قرآن وسنت کے حوالے سے ایک فقرہ بھی اس میں نہ مل سکا جس پر علمی بحث ہوسکے، ہاں یہ ضرور ہے کہ قادری صاحب نے چند جگہ اسلام، دین، ثواب اور سنت جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں اور متعدد فقروں میں مکمل شقاوت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسم پاک لیا ہے تاکہ سیدھے سادے لوگوں کے دماغ اس لفظی رشوت سے ٹھنڈے رہیں۔ اب آپ بتائیے ایک جاہل وگستاخ شخص اگر چوراہے پر کھڑا ہوکر لغویات بگھارنے لگے اور بیچ بیچ میں دینی اصطلاحات بھی بے تکے طور شامل کرتا جائے تو کیا اسے "قرآن و سنت کا حوالہ" کہیں گے اور اس کی جواب دہی پر کوئی سنجیدہ آدمی خود کو آمادہ کرسکے گا؟

ہم فی الحقیقت اِس ہذیان کا جواب دینے نہیں چلے ہیں، بلکہ کہنا کچھ اور مقصود ہے۔ اس کے بارے میں تو بس مجملاً اتنا ہی اور کہیں گے کہ یہ مضمون قادری صاحب نے اس وقت لکھا ہے جب وہ نعوذ باللہ خدا اور رسول کو ان کی مسندوں سے ہٹاکر وہاں روپے پیسے کو بٹھا چکے تھے اور طے کرچکے تھے کہ خودداری، عزتِ نفس، مردانگی، عدل وانسانیت اور معقولیت نام کی کوئی چیز دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے جوڑے کی رسم کے جتنے بھی محاسن بیان کئے ہیں دلائل دیئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب ایسے ہیں کہ دنیا کے ہر اُس فعل اور ہر اُس رسم ورواج کے حق میں بغیر استعمال کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعے کچھ پیسے ہاتھ آسکیں — فرض کیجئے کچھ لوگ پیسہ کمانے کی خاطر یہ رسم جاری کریں کہ اپنی کنواری بیٹیوں سے گھر ملو انداز کی قحبہ گری کرایا کریں تاکہ ان کی شادیوں پر جو رقم خرچ آتی ہے وہ مہیا ہوسکے تو قادری صاحب کی بیان فرمودہ ساری دلیلیں اس میں حسن وخوبی کام آجائیں گی اور وہ سارے محاسن اس رسم میں بھی نظر آجائیں گے جو جوڑے کی رسم میں گنائے گئے ہیں۔ یہی نہیں — آپ گداگری، اسمگلنگ، چور بازاری اور فاحشہ عورتوں کی دلّالی تک میں اِن دلائل وحسنات سے مستفید ہوسکتے ہیں، بلکہ اِن بیش بہا دلائل کی رو سے قادری صاحب اور ان کے ہمنوا تمام مَردوں کو اس کی بھی اجازت دے سکتے ہیں کہ سعادتمند و اتم مرد ہو، عورت سے فائق ہو، بے شمار روپیہ خرچ کرکے تمغے ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ فیاضی اور ایثار کے طور پر تم لڑکیوں کو اپنی زوجگی میں لے رہے ہو لہٰذا تمھیں شرعاً، عقلاً اور انصافاً یہ حق ہے کہ اپنی نشہ بازی، سینما بینی، نذر ونیاز اور دیگر ضروریات کی خاطر بیویوں کو مجبور کرو کہ وہ جسم بیچ کر تمھاری پرورش کریں۔ انھیں سوسائٹی گرل بناؤ تاکہ تمہارے لئے پیسہ مہیا کرسکیں۔ وہ اگر تمھارے عظیم احسان کی شکرگذاری میں اپنے جسموں کو عارضی طور پر دوسروں کے حوالے کرکے روپیہ کما لاتی ہیں تو ظاہر ہے ان کا کچھ نہیں بگڑتا اور تمھیں گرانی کے اخراجات اُٹھانے کے لئے پیسہ مل جاتا ہے۔ جس کا جی چاہے قادری صاحب کے دلائل پڑھ کر دیکھ لے، ان کی رُو سے واقعی اس طرح کی تمام باتیں نہ صرف جائز بلکہ موجبِ اجر وثواب بھی ٹھیر سکتی ہیں۔ بھلا جب مادر زاد ننگا رہنے اور آزاد جنسی تعلقات قائم کرنے اور خدا کے نہ ہونے تک پر مغربی من چلوں کو وافر دلائل ہاتھ آگئے تو "جوڑے" بیچارے کے لئے اس نہج کے سو پچاس دلائل کا کیا قحط ہوسکتا ہے۔ جو شخص بھی شرم وحیا، علم واخلاق اور شرافت وانسانیت کو بالائے طاق رکھدے وہ ہر بد سے بدتر دعوے کے لئے ایک ہزار دلائل گھڑ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اجتہاد وقیاس، استدلال واستنباط اور آزادیِ رائے کے کچھ حدود معیّن کئے ہیں۔ ان حدود کو پھلانگنے والوں سے وہ سیدھے مُنھ بات نہیں کرتا، بلکہ تعزیر کے کوڑے کو حرکت میں لاتا ہے۔ افسوس آج نظامِ اسلامی ناپید ہے اور اسی لئے نہ جانے کتنے قادری اپنے افعال واقوال سے اسلام کا مضحکہ اُڑاتے آزاد پھر رہے ہیں۔

بات لمبی ہوگئی، مگر ایک دو نمونہ اور بھی سہی۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اس ناپاک اور ظالمانہ رسم کے خلاف کچھ لڑکیاں بھی تحریک چلا رہی تھیں۔ قادری صاحب منصف مزاج بننے کا طفلانہ مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"مجھے تو اس رسم کو مٹانے والی لڑکیوں سے دشمنی نہیں
ہے اور میری رائے میں ہر شخص کو اپنا مقدمہ لڑانے کا حق
ہے ہماری طرح لڑکیوں کو بھی اپنے مفاد کے تحفظ کا حق ہے

مگر میں نے نوجوانوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر لڑکیوں کی تحریک کامیاب ہوگئی تو نوجوانوں کو بڑا بھاری نقصان پہنچے گا۔ صرف حیدرآباد ہی میں ایک لاکھ سے زیادہ کنوارے نوجوان موجود ہیں اگر چار چار ہزار جوڑے اور جہیز کے فرض کرلئے جائیں تو چار پانچ لاکھ کا نقصان ہوتا ہے[۱]۔ اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں کی معاشی حالت بہت کمزور ہے اور بڑے بڑے سابقہ خوش حال گھرانوں میں چولھا سلگنا بھی مشکل ہو رہا ہے اتنا بڑا نقصان برداشت کرنا کوئی کھیل نہیں ہے....." (حوالۂ سابق)

ایمان سے کہئے۔ اگر دماغ کا کوئی اسکرو یوں ہی ڈھیلا ہو جائے تو کیا کوئی شریف آدمی اس طرح کی لغو گوئی کر سکتا ہے؟ خط کشیدہ فقرہ پر غور کیجئے۔ مسلمانوں کی معاشی حالت کمزور ہونے کا احساس کرنے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ لڑکی والوں سے رقم وصول کرنے کی سفاکی ترک کردی جائے، لیکن قادری صاحب کے نزدیک مسلمان معاشرہ صرف اُن مسلمانوں تک محدود ہے جنکے گھروں میں لڑکے ہیں۔ لڑکی والوں کو وہ مسلمان ہی نہیں مان رہے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ معاشی کمزوری کی کچھ رعایت تو وہ لڑکی والوں کو بھی دیتے۔

یہ صاحب خود کو عالم دین اور نہ جانے کیا کیا فرماتے ہیں، مگر جہل و نادانی کا شاہکار ملاحظہ فرمائیے۔ کہتے ہیں:-

"بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ لوگ اپنے بیٹوں کے جوڑے کی رقم سے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ہیں اور خود میرا ابھی یہی ارادہ ہے کہ اپنے بڑے بیٹے کی شادی میں صرف حج سے مشروط جوڑے کی رقم کا مطالبہ کروں گا، چونکہ نیک کام کرنے والے اور اس میں مدد کرنے والے دونوں کو مساوی ثواب ملتا ہے۔ اسلئے جوڑے کی رقم سے دونوں سمدھیوں کی نجاتِ آخرت کا سامان ہو سکتا ہے۔"

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خودداری، عزتِ نفس اور غیرت حمیت کو تو رکھئے ایک طرف۔ جن لوگوں کو ذرا بھی علم ہو کہ حج کیا چیز ہے، ثواب کسے کہتے ہیں اور دینی احکام و اصول کیا ہیں وہ بھولے سے بھی اس طرح کی بات زبان پر نہیں لا سکتے۔ چوری اور سینہ زوری۔ لڑکی والوں پر صریح ظلم ڈھاکر حج کی رقم لینے سے تو بہتر یہ ہے کہ آدمی ریس، یا کوئی اور جوا کھیل کر یہ رقم جمع کرے۔ جوے میں کم سے کم طرفین کی رضامندی تو ہوتی ہے۔ جیت ہار کے اُصول و قوائد اور مواقع تو دونوں کے لئے یکساں ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بھی نہیں۔ یہاں یک طرفہ جبر ہے۔ خلافِ انسانیت لوٹ کھسوٹ ہے۔ لڑکی والا سو جتن کرکے ٹھیک اسی طرح رقم ادا کرنے پر راضی ہوا ہے جس طرح ایک انتہائی ضرورت مند سود اور رشوت دینے پر راضی ہوتا ہے۔ اگر واقعی ایسے ناپاک روپے سے حج کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے تو جوے کے پیسے سے کیا ہوا حج کچھ زیادہ ہی موجبِ ثواب ہوگا۔

افسوس ہم ارادہ نہ رکھنے کے باوجود قادری صاحب کے بعض فرموداتِ عالیہ پر ہلکا سا تبصرہ کر گئے۔ ذکر اصل میں بعض ان تفصیلات کا کرنا ہے جو پیام مشرق میں شائع شدہ عزیز الدین صاحب حیدرآبادی بی۔ اے کے مضمون سے معلوم ہوئی ہیں۔ انکی پہلی ہی سطر چونکا دینے والی ثابت ہوئی:-

"جہیز اور جوڑے کے عنوان پر اب تک کوئی ایک ہزار مضمون شائع ہو چکے ہیں۔"

استغفر اللہ۔ ہم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح رشوت خوری اور چور بازاری وغیرہ رواج پائے ہوئے ہیں مگر ان کے عدم جواز پر بحث کی کوئی گنجائش نہیں اسی طرح "جوڑے" کی رسم بھی حیدرآباد کے کسی محدود طبقے میں رواج پاگئی ہے اور کم سے کم مسلمانوں کی حد تک اس کے فاسد و باطل ہونے میں بحث کی گنجائش نہ ہونی چاہئے۔ مگر واہ رے مسلمان، تو ڈوبتا ہے تو اتنا گہرا ڈوبتا ہے کہ پاتال تک سراغ نہیں ملتا۔ پتا چلا کہ اس رسم کا قضیہ کوئی سرسری قضیہ نہیں ہے۔ نہ ایسا ہے کہ یہ تھوڑے سے بدکردار لوگوں کی عملی بے راہروی کا نتیجہ ہو، بلکہ حیدرآباد کے متعدد معروف و مشہور علماء، پروفیسر اور مرشدین تک اسے فکری و ذہنی غذا پہنچا رہے ہیں اور خدا کے دین کو ہوائے نفس کی چھری سے ذبح کرنے میں جبہ و دستار کا بھی پورا پورا ہاتھ ہے

[۱] قادری صاحب کی حسابی قابلیت ملاحظہ ہو۔ اگر ایک لاکھ آدمیوں کو فی کس چار ہزار روپے دیئے جائیں تو ان کے نزدیک چار پانچ لاکھ ہی بنتے

پناہ بخدا - اہل ہنود کے بھی بعض حلقوں میں جوڑے کی رقم تلک اور ہنڈی اور روکڑ وغیرہ ناموں سے جاری رہی ہے اور شاید آج بھی ہے۔ ہندووں کے باشعور اور فہیم افراد قدرتاً اس کے مخالف ہونے ہی چاہئیں، کیونکہ یہ تو کھلی بے انصافی، شقاوت اور بدکرداری ہے۔ چنانچہ روزنامہ ملاپ حیدرآباد نے بھی اس کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنے صفحات اس بحث کے لئے پیش کئے۔ عزیز الدین صاحب کے مضمون سے معلوم ہوا کہ تنہا ملاپ میں ہی سات آٹھ سو مضامین شائع ہوئے اور یہ بھی کہ

"اس رسم کے حامیوں نے اپنے مضامین میں اس قدر مغلظات کا استعمال کیا کہ بڑی قلم زدگیوں کے بعد وہ (ایڈیٹر ملاپ) صرف پانچ فیصد مضامین شائع کر سکے اور موصوف کو مضمون نگاروں سے دائرۂ تہذیب میں رہنے کی بار بار اپیل کرنی پڑی"

اس کے باوجود

"اس رسم کے جواز پر ایسے ایسے دلائل نظر آتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر تہذیب و شرافت سر پیٹ لیتی ہے اور اسلام کا نام بہت بُری طرح کھوٹا ہوتا ہے" (پیامِ مشرق)

اور آخر ہو بھی کیا سکتا تھا۔ جو لوگ کھلے ظلم، صریح بےغیرتی، واضح شقاوت اور غیر مشتبہ بدکرداری کے جواز پر دلائل لائیں گے وہ بدزبانی، سب وشتم، یاوہ گوئی اور بکواس کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔

خیر۔ عزیز الدین صاحب نے پہلے تو کافی تفصیل سے یہ دکھلایا ہے کہ اس رسم پر حیدرآباد میں مخالفت و موافقت کا کیا کچھ ہنگامہ برپا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:-

"پھر جولائی ۱۹۵۸ء میں ماہنامہ "تجلّی" دیوبند نے فتوے کی شکل میں اس رسم کی بڑی سخت مذمت کی اور لڑکیوں کی حمایت میں اپنے اوراق کی پیشکش کی جسکو ملاپ نے "جوڑے کی لعنت" کے تحت موٹی موٹی ذیلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا جس سے مقامی علماء دا کابر بوکھلا گئے....."

تجلّی نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بھی اس سلسلہ کا ایک استفتاء مع جواب شائع کیا تھا۔ موصوف کچھ آگے لکھتے ہیں:-

"تجلّی کی حمایت اور پیشکش علماء کے واسطے ایک خطرہ بن گئی تھی، لیکن چونکہ لڑکیاں جماعت اسلامی پر سخت نکتہ چینی کر چکی تھیں لہٰذا اس کے (یعنی جوڑے کی رسم کے۔ تجلّی) حامیوں نے اعلان کیا کہ تجلّی جماعت اسلامی کا اشتہار ہے ہم اس کو بدلوا دیں گے پھر "تجلّی" کا رنگ بدل گیا۔ اس نے کوئی اداریہ یا مضمون اس موضوع پر نہیں لکھا اور بعض فتووں کے جواب میں اس رسم کی مذمت کی تو اس میں بھی اپنی بددلی کا پورا پورا اظہار کیا حالاں کہ اس رسم کے جواز کے دلائل میں اسلام اور نبی کریم صلعم کی بہت بری طرح توہین کی جاتی تھی اور اب تک کی جارہی ہے مگر واقعی ایڈیٹر صاحب تجلی نے ناموس شریعت اور ناموس رسول کو ناموسِ مولانا مودودی کی برابر وقعت نہیں دی۔"

ان سطور میں ایڈیٹر تجلّی کا جو حلیہ نظر آتا ہے وہ آئینہ کا محتاج نہیں اور آخری فقروں میں طنز کا نشتر جتنا تیز ہو گیا ہے وہ بھی ظاہر ہی ہے۔ تاہم فدوی کو عزیز الدین صاحب سے کوئی شکایت نہیں ہے انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے جو کچھ کہا ہے وہ خلوص ہی پر مبنی ہے اور اپنے صدقِ نیت کا اظہار انھوں نے آگے کے ان فقروں میں کر بھی دیا ہے:-

"جب تجلّی نے اس معاملہ کو مذہبی اور قومی قرار دینے کے بجائے صاف لفظوں میں دکن کا مقامی قضیہ قرار دیکر اس پر بحث کرنے کو تجلّی کے اوراق کا ضائع کرنا قرار دیا تو لڑکیوں کے مخالفین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ شاید ایڈیٹر صاحب تجلّی کی نیت پاک ہو اور کسی غلط فہمی سے انھوں نے ایسا کیا ہو جس پر لڑکیوں کے مخالفوں نے حاشیہ چڑھا دیا ہو....."

صاف ظاہر ہے کہ بحث و جدل کے جس طوفانی اور ہنگامہ خیز ماحول کا موصوف نے اپنے پورے مضمون میں نقشہ کھینچا ہے اس میں انھیں قدرتی طور پر ہی فدوی کے طرزِ عمل سے بدگمانی کا موقعہ تھا۔ تاہم میں ان کی اور ان جیسے دوسرے دوستوں کی بدگمانی

رفع کرنے کے لئے اپنی خموشی کے وجوہات عرض کئے دیتا ہوں۔
اوّلاً یہ کہ ۱۹۵۷ء میں جب بعض خطوط سے مجھے جوڑے کی رسم سے واقفیت کا موقع ملا تو میں یہی سمجھتا رہا کہ حیدرآباد کے کسی خاص حلقے میں یہ رسم رائج ہوگئی ہے اور اس کا پھیلاؤ اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا اب معلوم ہوا۔ پھر دو اشاعتوں میں میں نے اس کے متعلق واشگاف طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو اسکے نتیجے میں مخالفین کے جو بھی خطوط مجھے ملے وہ بے حد گندے، احمقانہ اور ناشائستہ تھے جن سے یقین کرلینا پڑا کہ اس بحث کا ایک فریق قطعاً جاہل، بدشعار اور پست ہے جسے سنجیدہ علمی طریقے پر کوئی بات نہیں سمجھائی جاسکتی۔
ثانیاً یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ فریق ثانی کے تمام ہی افراد اگر جاہل و عامی نہ ہوں بلکہ کچھ ایسے لوگ بھی اسکے ساتھ ہوں جو اپنے آپ کو عالم، پروفیسر اور ہادی و رہنما وغیرہ کہتے ہیں تب بھی اس مسئلہ پر متین علمی و عقلی بحث کا کوئی موقع نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے تمام تر دعوۂ ہمہ دانی کے باوجود کوئی شخص جوڑے کی صریح البطلان رسم کے حق میں قرآن، سنت، اسوۂ صحابہ اور اقوال ائمہ سے کوئی دلیل نہیں لاسکتا۔ جو بھی اس کا اثبات کریگا محض چرب زبانی، یاوہ گوئی اور بے تکی زباں درازی سے کریگا۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں کوئی سنجیدہ پرچہ کیونکر اور کہانتک اس وادی میں بھٹک سکتا ہے۔ چنانچہ ہم نے اکتوبر ۱۹۵۷ء میں بھی عرض کردیا تھا اور اب بھی عرض کرتے ہیں کہ یہ جنگ نظریات و اصول کی نہیں ہے۔ یہ اختلاف علمی اندازِ فکر کا نہیں ہے۔ یہ تنازع اجتہاد و تفقہ کا نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک فریق صرف ہوائے نفس، غرض پرستی اور شیطنت کی راہ میں دوڑ رہا ہے جس طرح آپ اخبارات و رسائل میں چوری، رشوت ستانی اور عیاشی کی دینی و عقلی قباحتوں پر مقالے چھاپ چھاپ کر چوروں اور راشیوں اور عیاشوں کو ان کی حرکات سے باز نہیں رکھ سکتے اسی طرح جوڑے کی رسم بھی تجلی اور بعض اور پرچوں میں فتوے اور مقالے چھاپ کر نہیں بند کی جاسکتی بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے کہ علماء اور رہنما عملی اقدام اٹھائیں، ترغیب و تبلیغ کی حکیمانہ سرگرمیوں سے کام لیں اور حالات کی نبض ٹٹول کر منظم جدوجہد فرمائیں۔ اسی طرح کی مسلسل کاوشوں سے اصلاح ممکن ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ ملت کا درد اور اصلاح کا حقیقی فکر رکھنے والی ہستیوں سے پیشوائی کی مسندیں خالی ہوچکیں چند افراد بھی نہیں ہیں کہ ہر طرح کے ذاتی مفادات اور سیاسی نفع اندوزیوں سے بالاتر ہوکر خالصۃً لوجہ اللہ کسی مصلحانہ جد و جہد میں اپنی زندگی کھپادیں، چند سینے بھی نہیں ہیں جو ظلم و طغیان کی ہولناکیاں دیکھکر نصرتِ مظلوم کے جذبے سے پھٹ پڑیں۔ تہجد گذار بہت ملیں گے، لوگوں کو کلمہ پڑھانے کیلئے قریہ بہ قریہ پھرنے والے بھی کم نہیں ہیں، دلکش واعظوں اور خطیبوں کی بھی کمی نہیں۔ چلّہ کش بھی ہیں۔ مرتاض بھی ہیں، مگر نہیں ہیں تو وہ دردمند نہیں ہیں جو ظلم و طغیان کے مقابلے میں سینہ تان کر آگے بڑھیں اور اس غم میں ان کی نیندیں حرام ہوجائیں کہ انھی کے چند بہن اور بھائی جبر و عدوان کی چکّی میں پیسے جارہے ہیں۔ واحسرتا۔
ثالثاً ہمارے یوپی میں اس رسم کا کوئی چرچا نہیں ہے۔ کبھی کہیں سے اس کا ذکر کانوں میں نہیں پڑتا۔ دفتر تجلی میں جو سو سوا سو پرچے آتے ہیں ان میں بھی کبھی اس موضوع پر کچھ نظر نہیں آیا، حیدرآباد کا ملاپ یا کوئی اور اخبار بھی یہاں نہیں آتا۔ "پیامِ مشرق" سے بھی تبادلہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے ایڈیٹر تجلی کو قطعاً معلوم نہ ہوسکا کہ حیدرآباد میں کیا ہنگامہ برپا ہے اور تجلی کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کی ۱۹۵۷ء میں لکھی ہوئی دو مختصر تحریروں کو کوئی بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اگر وہ اور کچھ لکھتا رہے تو اس کی مظلوم بہنوں کو واقعتہً کافی تقویت پہنچ سکتی ہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ حیدرآباد کے مسلمان ــــ نہ صرف عام مسلمان بلکہ نام نہاد علماء، واعظین اور پروفیسر صاحبان اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت و عظمت سے بر سر عام وہ گھناؤنا کھیل کھیلیں گے جس کا علم اسے اب پیامِ مشرق کے مضامین پڑھ کر ہوا ہے۔ ورنہ عزیز الدین صاحب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ ایڈیٹر تجلی نے ناموس شریعت اور ناموسِ رسول کو ناموسِ مولانا مودودی کی برابر وقعت نہیں دی!
العظمۃ للہ۔ ایڈیٹر تجلی کے نزدیک اگر مولانا مودودی کا

ناموس وقیع رہا ہے تو اس کے بنیادی سبب پر بھی تو غور کیجئے۔
وہ پوری دیانت کے ساتھ یہ سمجھتا رہا ہے اور اب بھی سمجھتا ہے کہ جوڑے کی رسم ہو یا دیگر اخلاقی مفاسد، معاشرے کی تطہیر اور برائیوں کی بیخ کنی صرف اُسی ہمہ گیر نظامِ اسلامی کے نفاذ و نصب سے ہو سکتی ہے جس کی دعوت مولانا مودودی نے برپا کی ہے۔ یہ وہی دعوت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک مجددین وصلحاء برپا کرتے آئے ہیں اور جب وہ مولانا مودودی کی حمایت کرتا ہے تو حقیقتاً وہ اسی مقدس دعوت اور اس کے برپا کرنے والے مقدس بزرگوں کی حمایت ہوتی ہے۔ تب یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے ناموسِ شریعت اور ناموسِ رسول عزیز نہ ہو۔ یہ دونوں ناموس تو وہ ہیں کہ ان پر جان تک قربان کر دینا سعادت وخوش بختی کی معراج ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا پیامِ مشرق کے مضامین پڑھنے سے پہلے ہمیں تصور نہیں تھا کہ جوڑے کی جاہلی رسم کے پڑھے لکھے حامی بھی اس ارذل سطح پر اُتر آئیں گے کہ شریعت اور پیغمبر تک کا ناموس ان کی دریدہ دہنیوں سے نہ بچ سکے گا۔

رابعاً تجلّی کے قارئین میں سے دس پانچ نے بھی ہمیں کبھی نہیں لکھا کہ "جوڑے" کے موضوع پر ۵۷ء میں کچھ لکھنے کے بعد خاموش ہو جانا انھیں گراں گذرا ہے اور انھیں انتظار ہے کہ کچھ اور لکھا جائے۔ اگر ملک کے دیگر حصص میں اس رسم قبیح کے نہ پائے جانے کے باعث وہاں کے لوگوں نے اس بحث دلچسپی نہیں لی تو کم سے کم حیدر آباد کے حلقوں سے تو اس دلچسپی کا اظہار ہونا ہی چاہیئے تھا۔ تجلّی وہاں کافی جاتا ہے۔ وہاں سے بھی جب کسی قسم کی تحریک نہیں ہوئی تو ہمارا یہ سمجھ لینا قدرتی ہی تھا کہ حیدر آباد کے بھی سنجیدہ لوگ اس بحث کو علمی دائرے کی چیز نہیں سمجھتے اور تجلّی کے صفحات کو اس سے معمور دیکھنے کے خواہشمند نہیں ہیں۔

یہ تھے وہ اسباب جن کے قدرتی نتیجے میں تجلّی کا رشتہ اس بحث سے منقطع رہا اور چونکہ جوڑے کے حامیوں نے سیاسی شاطروں کے انداز میں یہ دعویٰ اچھال دیا تھا کہ تجلّی کو ہم بدلوا دیں گے اس لئے ہمارے سکوت کو بدگمانی کا ہدف بنانا ممکن ہو گیا اور سمجھا گیا کہ کسی نہ کسی دباؤ یا رشوت سے تجلّی کے ہونٹ سی دیئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کیا گیا۔

"تمام علماء متفقہ طور پر اس رسم کی تائید کرتے ہیں۔
تجلّی اپنی غلطی کو محسوس کر کے اس بحث سے ہاتھ اُٹھا چکا ہے....." (ص ۳۳ ۱۲ر نومبر ۵۸ء)

اس اعلان کے دونوں ہی ٹکڑے کذبِ صریح اور فضول گوئی کا شاہکار تھے۔ جہاں تک علماء کا تعلق ہے تاریخ گواہ ہے کہ بارہا باطل سے باطل تر موقف کو بھی ہوا پرست اور بے ضمیر علماء کی تائید میسر آتی رہی ہے۔ اگر آج ہی حیدر آباد کے بعض علماء نفس کی پیروی یا علم وفہم کے بحران میں "جوڑے" کے وکیل بنے ہوئے ہیں تو انھی کی وکالت کو تمام علماء کی متفقہ تائید کہہ دینا بے معنی بات ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں چند مستند ادارے بھی ایسے نہیں نکلیں گے جو اس باطل رسم کے وجوب و فرضیت تو کجا اباحت وجواز ہی کا فتویٰ دیدیں۔

اور جہاں تک تجلّی کے اس بحث سے ہاتھ اُٹھانے کا سوال ہے تو اس کے وجوہ ہم عرض کر ہی چکے اب ہمیں عزیز الدین صاحب کے مضمون سے یہ معلوم کر کے بڑا صدمہ ہوا کہ آندھرا پردیش کی اسمبلی میں جوڑے اور جہیز کے نام پر لین دین کی ممانعت کا بل پیش ہو گیا تھا مگر مسلم ممبرانِ اسمبلی نے اس کے دائرے سے مسلمانوں کو یہ کہہ کر خارج کرا دیا کہ یہ ان کے مذہب میں مداخلت ہے! نیز جمعیۃ العلماء حیدر آباد نے بھی حکومت میں اس رسم کے حامیوں ہی کی تائید کی۔

جمعیۃ العلماء کے بارے میں ہم اس وقت کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص "جوڑے" کی نام نہاد رسم کو مسلمانوں کا مذہبی معاملہ قرار دے وہ چاہے جمعیۃ العلماء کا رکن ہو یا دنیا بھر کا علامہ اور لیڈر، لیکن اس کے اس قول کی خدا اور رسول کے یہاں کوئی وقعت نہیں ہے۔ اسے یا تو پتا ہی نہیں ہے کہ "مذہبی معاملات" کس چڑیا کا نام ہیں، یا اس کی اخلاقی حس کو وقتی اور ذاتی مفادات نے ماؤف کر دیا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ شب برات میں آتشبازی چھڑانا اور عید بقرعید پر پتنگ اُڑانا مسلمانوں کا مذہبی معاملہ ہے

بلکہ جوڑے کی رسم کو مذہبی کہنا اس سے کہیں بڑھ کے فساد انگیز ہے کیونکہ یہ رسم اپنے عواقب و نتائج کے اعتبار سے انتہائی ظالمانہ ہے اور اسلام سے اس کا انتساب اسلام دشمنی کے مرادف ہے۔

عزیز الدین صاحب نے اس قضیے کے سلسلہ میں غیر مسلم حضرات کا قول بھی نقل کیا ہے کہ:۔

"مسلمانوں کا قرآن موم کی ناک ہے جدھر چاہو موڑ دو۔
اس میں بیٹی والے کا گھر لوٹنے میں ثواب بھی لکھا ہے،
اور بیاہا باپ بھی دونوں گروہوں کو اس میں اپنے اپنے
مطلب کا لیکھ مل جاتا ہے۔"

سوچئے یہ بات غیر مسلم حضرات نے کیوں کہی ہوگی۔ اسی لئے نا کہ جبہ و دستار پہن کر خطبہ و وعظ کہنے والے علماء نے مسجدوں اور سیرۃ النبی کے جلسوں وغیرہ میں قرآن کی نہ جانے کن کن آیات کو توڑ مروڑ کر جوڑے کی تائید و تحسین میں پیش کیا ہوگا۔ بیچارے غیر مسلمین کیا جانیں کہ ان ہرزہ سراؤں کے سروں پر شیطان سوار ہے اور قرآن اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ ظلم، بے غیرتی اور سفاکی کی تعلیم دے۔ قرآن شادی بیاہ کے معاملہ میں کیا تعلیم دیتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل کن ہدایات کا آئینہ دار ہے اسے ہم ابھی پیش کرنے والے ہیں۔ تاہم "جوڑے باز" گروہ سے ایک خاص بات عرض کر دیں۔

پیام مشرق کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ جوڑے کے حامیوں نے پوسٹروں اور تقریروں میں زور شور سے یہ بات کہی کہ تجلی "وہابی" ہے اس لئے اس کی باتیں اور فتوے سراسر ناقابل اعتبار ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ دلیل و حجت میں شکست کھا جانے کے بعد فتنہ پسند لوگ اصطلاحی گالیوں ہی پر اتر آتے ہیں کسی کمیونسٹ کے سامنے وجودِ باری وغیرہ کے دلائل پیش کر کے دیکھئے فوراً چیخے گا۔ یہ رجعت پسند ہے، سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے، بورژوا ہے۔ روس میں جسے بھی فنا کرنا ہوتا ہے بلا تکلف اسی طرح کی اصطلاحی گالیاں داغ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح کسی بدعتی کے سامنے قبر پرستی کی قباحتیں اور من گھڑت مشاغل کی شناعتیں بیان کر کے دیکھئے فوراً دہاڑے گا یہ وہابی ہے، دیوبندی ہے، اولیاء کا دشمن ہے۔ سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما

جیسے مجاہدینِ حق تک کو ان کے زمانے کے کتنے ہی نام نہاد علماء نے وہابی اور نہ جانے کیا کیا کہا اور آج تک یہ جاہلانہ نعرے گونج رہے ہیں تو تجلی کو وہابی کہہ دینے سے کوئی بات نہیں بنتی۔ چلئے ہم وہابی ہی سہی۔ اس سے بھی شوقِ دشنام کی تسکین نہ ہو تو کافر و مشرک کہہ لیجئے۔ اور کوئی بُرے سے بُرا نام دیجئے۔ مگر خود جنابِ عالی جس قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں ہم تو اسی سے آپکے دعوے کی دلیل چاہتے ہیں۔ آپ —— یعنی ہمارا خطاب جوڑے کے تمام حامیوں سے ہے —— اہل سنت والجماعت سہی، فقیہ و محدث سہی، علامہ و امام سہی، لیکن شاید ایسا تو کوئی منصب ماں کے پیٹ سے لیکر پیدا نہیں ہوئے ہوں گے کہ جو کچھ آپ فرما دیں وحی بن جائے۔ ہم وہابیوں کو جہنم میں ڈالئے۔ خود آپ جس خدا اور جس رسول کو برحق مانتے ہیں انھی کے فرمودات میں سے کوئی فرمودہ لائیے جو آپ کے دعوے کی تحسین و تائید کر سکے۔ خدا اور رسول پر آپ کو زیادہ بھروسہ نہیں تو چلئے کسی ایسے فقیہ، محدث، شیخ، عالم یا مجتہد ہی کا قول و عمل پیش کیجئے جسے مسلمانانِ عالم سند مانتے ہوں۔ ان دونوں باتوں میں سے کوئی نہ کر سکیں تو یہ فرمائیے کہ آپ دین و مذہب کس چیز کو سمجھتے ہیں، ثواب و عذاب کا کیا مطلب لیتے ہیں اور کونسے اصول و قواعد ہیں جن کی رو سے آپ کسی فعل و عمل کے جائز یا حرام یا مستحب یا مکروہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں؟ آخر دین آپ کی یا میری جائداد تو نہیں ہے۔ نہ وہ کسی خاص شہر یا ملک کے رسم و رواج کا نام ہے۔ وہ تمام عالمِ انسانی کی دولت ہے۔ اس کے دو ہی مسلّمہ سرچشمے ہیں۔ قرآن اور سنت۔ ایڈیٹر تجلی اور بعض دوسرے لوگ اگر آپ کے نزدیک وہابی، گمراہ اور ناقابل اعتبار ہیں تو ان پر خاک ڈالئے لیکن قرآن و سنت پر تو خاک نہیں ڈالی جا سکتی۔ آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا کوئی پرائیوٹ قرآن ہے جس میں "جوڑے" کی فرضیت درج ہے اور ہماری کچھ نجی حدیثیں ہیں جن میں "جوڑے" کو موجبِ ثواب ٹھیرایا گیا ہے۔ لائیے کوئی آیت۔ کوئی حدیث یہ ناممکن ہو تو چلئے معروف و معلوم کتبِ فقہ میں سے ہی کسی کا حوالہ دیجئے۔ یہ بھی نہ بنے تو عقل و منطق ہی سے کوئی دلیل مانگئے۔ اگر اس میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار نہیں فرمائیں گے تو پھر یہی واضح

فرما دیجیئے کہ کیا واقعی جناب کو بیسویں صدی کی نبوّت حاصل ہو گئی ہے کہ جو فرما دیں دین بن جائے ؟

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اس مطالبے کے جواب میں جوڑے باز حضرات سوائے تبرّا بازی کے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ اپنی باطل مکروہ رسم کی تحسین میں انھیں دین کے معروف سرچشموں سے ایک کلمہ بھی نہ مل سکے گا۔ اُن کا یہی کام رہے گا کہ اوٹ پٹانگ دلائل سے کم علم عوام کو بہکاتے رہیں اور جو لوگ جوڑے بازی کے خلافِ حق ہونے کا احساس کر چکے ہوں گے وہ بھی اپنے بیٹوں کی قیمت اسی طرح وصول کرتے رہیں گے جس طرح ایک رشوت خور رشوت کو بُرا سمجھتے ہوئے اور ایک نشہ باز نشہ بازی کی قباحت کو جانتے ہوئے بھی نفس کی خواہشات کے آگے سر جھکائے رہتا ہے۔ حقیقتاً یہ مسئلہ علمی یا فکری اختلاف کا ہے ہی نہیں بلکہ لڑکے والوں کے منھ کو خون لگ گیا ہے اور جب تک حالات یا قانون کا دباؤ ان کے ناجائز استحصال کا راستہ نہیں روکے گا اسوقت تک وہ باز نہیں آئیں گے۔

ہمارے بس میں اتنا ہی ہے کہ خدا کی کتاب اور رسول ؐ کی سنت خلق کے سامنے پیش کر دیں۔ اس مرتبہ کافی جگہ پس منظر نے لے لی انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں یہ فریضہ ادا کیا جائیگا اور اس سے فارغ ہو کر کچھ مشورہ بھی دیں گے کہ اس ناپاک رسم کو مٹانے کی کیا تدبیریں کرنی چاہئیں۔ جو افراد یا جماعتیں جوڑے کی رسم کو مٹانے کی تڑپ رکھتی ہوں انھیں اگلی اشاعت کو حاصل کرنے کا انتظام کر لینا چاہئے اور لڑکی والوں کو اپنی بے بسی پر قناعت کر کے مایوس نہیں ہو جانا چاہئے۔ بُرائی مٹ سکتی ہے بشرطیکہ ہمت، ایثار اور مسلسل جد و جہد سے کام لیا جائے۔

بازگفت پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ حیدر آباد میں جمعیۃ العلماء نے بھی جوڑے کی رسم کو مسلمانوں کا دینی معاملہ قرار دیا۔ ہو سکتا ہے یہ درست ہو کیونکہ جماعتوں میں غیر ذمّہ دار عناصر کی کمی نہیں ہوتی۔ تاہم ۹ر مارچ ۵۹ء کے الجمعیۃ میں ایڈیٹر الجمعیۃ مولانا عثمان فارقلیط نے جو شذرہ "جہیز کے خلاف بل" کے عنوان سے لکھا ہے وہ بھی دیکھ لیجئے۔ فرماتے ہیں:-

"راجیہ سبھا میں وزیر قانون نے اطمینان دلایا ہے کہ حکومت خود جہیز کے خلاف ایک بل پیش کرے گی اور اس رسم پر پابندی لگائے گی! جہیز کی رسم ہندستان کے لئے بڑی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک قدیم رسم ہے جس کی بیخ کنی طاقت کے بغیر ممکن نہیں ہم بہتیرا چاہتے ہیں کہ حکومت کو سماج کے نجی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن سماج کی بعض بُرائیاں ایسی ہیں جن کا استیصال صرف قانون کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہندوستانی سماج قانون کا احترام کرے اور قانون شکنوں کو بُری نگاہ سے دیکھے۔ ایک مصیبت یہ ہے کہ اُونچے طبقے میں جہیز کی رسم خود ختم ہو رہی ہے۔ لیکن نچلے طبقے میں اسے زیادہ شدت کے ساتھ اختیار کیا جا رہا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ جہیز کی بیخ کنی کے لئے جلد سے جلد قانون بنائے اور غریبوں کو اس عذاب سے نجات دے!"

فرمائیے کیا اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ جمعیۃ العلماء کے نزدیک جوڑے کی رسم مسلمانوں کا مذہبی معاملہ ہے؟

تفہیم الحدیث — آغاز بخاری کی تفہیم (کتاب الوحی)

قسط ۱۳

سلطان روم ھرقل نے ابوسفیان کو ان کے ساتھیوں سمیت دربار میں بلایا۔ ساتھ ہی ترجمان بھی فراہم کیا تاکہ اس کے توسط سے باہم گفتگو ہو سکے۔

فَقَالَ اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ قَالَ اَبُوْسُفْيَانَ فَقُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ نَسَبًا فَقَالَ اَدْنُوْهُ مِنِّيْ وَقَرِّبُوْا اَصْحَابَهٗ فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ قُلْ لَهُمْ اِنِّيْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ فَاِنْ كَذَبَنِيْ فَكَذِّبُوْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ اَنْ يَّاْثُرُوْا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ اَوَّلُ مَا سَاَلَنِيْ اَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ قُلْتُ هُوَ فِيْنَا ذُوْنَسَبٍ قَالَ فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهٗ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَاَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ قُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ قُلْتُ بَلْ يَزِيْدُوْنَ قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ سَخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِيْ مُدَّةٍ لَا نَدْرِيْ مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّيْ كَلِمَةٌ اُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئًا غَيْرُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ اِيَّاهُ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ سِجَالٌ يَّنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ قَالَ مَاذَا يَاْمُرُكُمْ قُلْتُ يَقُوْلُ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَاؤُكُمْ وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ۔

ترجمہ وتفہیم: — اپنے معمول کے خلاف ہم یہاں پہلے لفظی ترجمہ نہیں پیش کر رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ اس حدیث میں خود ابوسفیان نے ضمیرِ متکلم سے بیان کیا ہے اور لفظی ترجمے میں وہ روانی اور شگفتگی نہیں رہے گی جو معمولی سی تبدیلی سے آسکتی ہے۔ تبدیلی یہ کہ ہر قول کے قائل کا نام شروع میں دیدیا جائے جیسا کہ اُردو میں عموماً مروّج ہے۔ درمیان میں بطور تفہیم کچھ تفصیل بھی دیتے جائیں گے جو خطوطِ وحدانی (بریکٹ) میں ہو گی۔

ہرقل بہت زیرک اور فہیم بادشاہ تھا۔ اس کے ایما پر ترجمان نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے سوال کیا کہ تم میں سے کون اُس شخص سے سب سے زیادہ نسبی قربت رکھتا ہے جس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں نبی ہو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ابوسفیان بولے۔ ان سب میں مَیں ہی زیادہ قربت رکھتا ہوں (ابوسفیان کا نسب عبدِ مناف پر جاکر یعنی چوتھی پشت میں حضورؐ سے مل جاتا ہے جب کہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی یہ قربت حاصل نہ تھی۔ حضورؐ کا نسب یوں ہے محمد بن

عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف
ابوسفیان کا یوں ہے صخر (یہ ابوسفیان ہی کا نام ہے) بن حرب
بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف)

ہرقل نے کہا کہ اچھا اس شخص کو (ابوسفیان کو) میرے نزدیک بٹھاؤ اور اس کے ساتھیوں کو قریب ہی اس کی پشت پر بٹھا دو۔ (اس حکم کی تعمیل کی گئی تو) اس نے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں کے گوش گذار کر دو کہ میں اس شخص سے مدعیِ نبوّت (حضورؐ) کے بارے میں کچھ سوالات کروں گا۔ اگر یہ جوابات میں دروغ بیانی کرے تو تم لوگ اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دینا۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ واللہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ میرے ساتھی واپس مکے جاکر لوگوں سے میری دروغ بیانی کا تذکرہ کرینگے تو میں پیغمبر کے بارے میں غلط سلط باتیں بتاتا۔ (اُس وقت کے عرب کی یہ خصوصیت تھی کہ جھوٹ کو بدسے بدتر جرم و گناہ سمجھتے تھے۔ ایک شخص اسے تو کچھ زیادہ سخت نہیں سمجھتا تھا کہ لوگ اسے زانی، قاتل اور سیاہ کار کہتے پھریں مگر یہ بات برداشت سے باہر تھی کہ جھوٹا اور کاذب کہلائے)۔

اب دونوں کا مکالمہ شروع ہوا۔

ھرقل:- یہ دعوۂ نبوت کرنے والے شخص کا نسب تم میں کیسا سمجھا جاتا ہے؟

ابوسفیان:- (بادلِ ناخواستہ) نسب کے اعتبار سے تو یقیناً وہ بہتر ہے۔ (حضورؐ تھے ہی اشرف الاشراف)

ھرقل:- کیا اس کے خاندان میں اس کے سوا بھی کسی نے کبھی دعوۂ نبوّت کیا ہے؟

ابوسفیان:- جی نہیں۔

ھرقل:- کیا اس کے خانوادے میں کبھی کوئی بادشاہ بھی ہوا؟

ابوسفیان:- نہیں۔

ھرقل:- اس کے دین کو جن لوگوں نے قبول کیا ہے وہ کیا شرفاء اور معزز لوگ ہیں یا بے حیثیت غریب اور کمزور؟

(اس سوال سے ابوسفیان خوش ہو گئے کہ اس کے جواب میں تو اپنے مطلب کی بات نکلتی تھی جھٹ سے بولے):-

"اجی اشراف کہاں۔ محض گرے پڑے لوگ اس کے پیچھے جارہے ہیں"۔

ھرقل:- اچھا اس کے ماننے والے زیادہ ہوتے جارہے ہیں یا کم؟

ابوسفیان:- ماننے والے تو خیر زیادہ ہی ہوتے جارہے ہیں۔

(بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر ابوسفیان نے کہا کہ لا انہ واللہ ساحر کذاب یعنی بخدا وہ تو جادوگر جھوٹا ہے۔ اس پر ہرقل غضبناک ہوا اور کہا کہ میں نے تمھیں اسلئے نہیں بلایا ہے کہ کسی پر گالیوں کی بوچھار کرو۔ جو میں پوچھ رہا ہوں بس اسی کا جواب دو۔ ہم متعدد وجوہ سے اس روایت کو لائقِ اطمینان نہیں سمجھتے)

ھرقل:- کیا اس کا کوئی ماننے والا اس کے دین کو بُرا جانکر پھر بھی گیا ہے؟

ابوسفیان:- نہیں۔

ھرقل:- یہ تو بتاؤ دعوۂ نبوّت سے قبل تم میں سے کسی نے اسے جھوٹا بھی قرار دیا ہے؟

ابوسفیان:- نہیں۔

ھرقل:- وہ کبھی قول و قرار سے بھی پھرا ہے؟

ابوسفیان:- اب تک تو نہیں پھرا مگر ابھی ہمارا اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے معلوم نہیں اسے وہ نبھاتا ہے یا توڑتا ہے۔

(بعض اور روایات میں تفصیل آئی ہے کہ ابوسفیان کے اس جواب نے ہرقل کو خاصا برہم کر دیا وہ تلخ لہجے میں بولا کہ جب آج تک وہ شخص قول و قرار کے معاملہ میں صادق رہا ہے اور کبھی خلافِ عہد نہیں کیا تو تمھیں اس خواہ مخواہ کی زبان درازی کی کیا ضرورت تھی کہ موجودہ معاہدے کو وہ نہ جانے نبھائے یا توڑ دے! اس پر ابوسفیان نے کہا کہ جناب خفا نہ ہوں بات یہ ہے کہ ہمارے حلیفوں میں سے ایک شخص نے ان کے حلیفوں میں کا ایک آدمی مار ڈالا ہے۔ پتا نہیں اس کی اطلاع پانے کے بعد وہ معاہدے پر قائم رہیں گے یا نہیں۔ ہرقل یہ سنکر بھڑک اٹھا۔ جھلا کے بولا:-

"اگر تمھاری ہی طرف سے خلافِ عہد قتل کا اقدام ہوا ہے تو اغادر (وعدہ خلاف) تمھی ہو۔ اب عہد کہاں رہا جب

تم نے ہی اس کی خلاف ورزی کی۔ فریق ثانی اس پر جو بھی کارروائی کرے خلافِ معاہدہ نہ ہوگی۔ غدر کہتے ہیں عہد شکنی کو اور اسکے مرتکب خود بھی ہوئے ہو)۔

ونحن منه فی مدة لا ندری ما هو فاعل فیها (اور فی الوقت ہمارے اس کے مابین ایک عہد ہوا ہے پتا نہیں وہ اسے پورا کرے گا یا نہیں) ابوسفیان کہتے ہیں کہ اپنے جواب میں بس اتنی ہی بات میں بڑھا سکا زیادہ نہیں۔

ھرقل:۔ تم نے اس شخص سے جنگ بھی کی ہے؟

ابوسفیان:۔ ہاں کی ہے۔

ھرقل:۔ اس کا انجام کیا رہا؟

ابوسفیان:۔ جنگ ہمارے درمیان ڈانوا ڈول رہی ہے کبھی وہ جیتے کبھی ہم۔ (یہ بات اگرچہ ابوسفیان نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہی تھی کہ اگر وہ شخص نبی ہوتا تو ہمیشہ جیتتا۔ ہارا بھی ہے اسلئے نبی نہیں ہے لیکن یہ بات جھوٹ نہیں تھی۔ بدر میں مسلمانوں کو فتح کامل حاصل ہوئی تھی تو غزوۂ اُحد میں وہ عارضی وہنگامی طور پر ہار بھی گئے تھے اور ابوسفیان کو کہنے کا موقع ملا تھا کہ آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا)۔

ھرقل:۔ اچھا وہ شخص تمھیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے۔ اس کا پیغام کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ وہ کہتا ہے کہ اکیلے خدا کی پرستش کرو۔ کسی کو اسکا شریک مت ٹھیراؤ۔ جو کچھ تمھارے باپ دادے کہتے آئے ہیں اُسے مت مانو اور کہتا ہے کہ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ جنسی بے راہروی سے بچو۔ عزیزوا قربا اور اہلِ تعلق کے ساتھ نیکی، رحم، مہربانی اور فیاضی کا برتاؤ کرو۔

(ابوسفیان نے جو یہ کہا کہ یقول واترکوا ما یقول آبائکم وہ شخص کہتا ہے کہ جو کچھ تمھارے باپ دادے کہتے آئے ہیں اسے چھوڑ دو، تو اس میں اعتذار کا بھی ایک لطیف پہلو تھا اور ہرقل کی جذباتی ہمدردی بھی حاصل کرنی مقصود تھی۔ گویا وہ یہ واضح کر رہے تھے کہ صاحب یہ شخص تو قابلِ احترام آباؤ اجداد کی نافرمانی سکھاتا ہے۔ بھلا آپ ہی سوچئے ہم کیسے اس فتنہ انگیز تعلیم کو قبول کرلیں۔ خود آپ ہی سوچئے اگر یہ خود آپ ہی کو یہ تعلیم دینے لگے تو کیا آپ اپنے آباؤ اجداد کی ایسی بے وقعتی گوارا فرمائینگے؟)

عبرت کیجئے۔ آج بالکل یہی جواب عموماً اہل بدعت بھی دیتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی مشرکانہ رسوم اور واہی معتقدات کے لئے جب کوئی محکم دلیل نہیں رہتی تو وہ یہی غل غپاڑہ مچاتے ہیں کہ ’دیکھو لوگو یہ وہابی مردود ہمارے بزرگوں کے طور طریق کو گمراہی بتا رہا ہے‘ دیکھو فلاں بزرگ قبروں پر عرس کرتے تھے‘ فلاں شیخ قوالی سنتے تھے‘ فلاں ولی مزاروں سے مدد چاہتے تھے‘ فلاں قطب رسول اللہؐ کو حاضر و ناظر کہتے تھے وغیر ذالک۔

شرک فی العبادت

بات اگرچہ زیرِ تفہیم حدیث سے پوری طرح وابستہ نہیں ہوگی لیکن نفعِ عام اور نصرتِ دین کی خاطر یہاں کچھ گفتگو اس موضوع کی کرتے ہیں کہ شرک فی العبادۃ کا کیا مطلب ہے اور تنہا اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت و پرستش کسے کہتے ہیں۔

اگر شرک کے معنی یہ لئے جائیں کہ غیر اللہ کو اللہ کے برابر اور بالکل اُن جیسا سمجھنا تو اس معنی میں وہ مشرکینِ عرب بھی مشرک نہیں ٹھیریں گے جنھیں اللہ و رسول نے صریح لفظوں میں مشرک کہا ہے اور جو بہت سے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے اور نہ آجکے بت پرست مشرک کہلائیں گے کہ آج تو علم و عقل کی ترقی نے ایک معمولی عقل کے بے علم آدمی کو بھی اتنا سادہ اور غبی نہیں رہنے دیا ہے کہ وہ جس پتھر کی مورتی کو دو چار یا سو پچاس روپے میں بازار سے خرید کر لا رہا ہے‘ یا جس مورتی کو سنگ تراشوں نے خود اس کے سامنے تراشا ہے اسے سچ مچ خدا سمجھ لے۔ اس کے بجائے پہلے مشرکینِ عرب بھی اور آج کے بت پرست بھی کسی نہ کسی تاویل سے ”بڑے خدا“ کو ایک ہی مانتے ہیں، چنانچہ قرآن ہی میں اس کی وضاحت ہے مشرکین کہتے تھے لیقربونا الی اللہ زلفی یہ بت تو اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہمیں اللہ کا تقرب حاصل ہو جائے۔ وہ جو تلبیہ پڑھا کرتے تھے اس کا بھی مضمون صاف ہے۔

لا شریک لک لبیک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک۔	اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں ہے جو تیرے شریک ہیں تو انکا بھی مالک ہے اور ان سب چیزوں کا بھی مالک ہے جنکے یہ شرکاء مالک ہیں۔

گویا شرکاء کو بھی ان مشرکین نے خدائے واحد کا مساوی نہیں قرار دیا اور اپنے مزعومہ شرکاء کو بحیثیتِ مجموعی اسی کا مملوک و منقاد ہی مانا۔ تب یہ بات واضح ہوگئی کہ شرک کے مذکورہ معنی درست نہیں ہیں اور آج کل جو مشرکین و مبتدعین کہتے ہیں کہ ہم اولیاء اللہ کو خدا جیسا تھوڑی مانتے ہیں وہ اللہ اور رسول کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور آیاتِ قرآنی سے کھیل کرتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من ذٰلک۔

تو پھر کیا شرک کے یہ معنی ہیں کہ جو معاملہ اللہ کیساتھ کیا جاتا ہے وہی غیر اللہ کے ساتھ کیا جائے؟ مثلاً سجدہ کہ تذلل اور اظہارِ عجز کی آخری شکل ہے اور خدا ہی کیلئے مخصوص ہے کسی غیر اللہ کو کر لیا جائے۔

بظاہر یہ معنی درست اور جامع معلوم ہوتے ہیں، لیکن گہرائی سے سوچئے تو ان میں بھی جھول ہے۔ خالی سجدہ چاہے کتنی ہی بڑی بدعت اور معصیت ہو، لیکن جب تک ساجد کے قلب وذہن کی کیفیت اور سجدے کا سیاق وسباق سامنے نہ آئے فیصلہ کن طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ سجدہ لغیر اللہ مطلقاً شرک ہے۔ بھڑکئے نہیں۔ یہ لطیف بات ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے کے قابل ہے۔ آپ جانتے ہیں اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو اور ابلیس کے علاوہ سب نے کیا بھی تھا۔ کون دیوانہ ہے جو اس سجدے کو شرک کہہ رہے گا۔ اس سجدے کے سیاق وسباق نے اسے شرک کی حد سے نکالکر عین توحید بنا دیا کیونکہ اس کے ادا کرتے وقت فرشتوں کی قلب و ذہن میں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی تعمیلِ حکم اور بندگی کا داعیہ تھا، خود مسجود یعنی آدمؑ کی اُلوہیت کا شائبہ تک نہ تھا، نہ یہ تصور تھا کہ آدم بھی کسی نہ کسی حد تک خدا ہی کی طرح ذاتی اور مستقل قوتوں کے مالک ہیں۔

اسی طرح برادرانِ یوسفؑ نے یوسفؑ کو سجدہ کیا آپ جانتے ہیں اس سجدے کو باری تعالیٰ نے شرک قرار نہیں دیا۔ کیوں؟ اسی لئے نا کہ خدائے علیم جانتا تھا کہ یہ سجدہ محض تعظیم کی خاطر ہے اور ابھی تک ان سجدہ گذاروں کو یہ علم نہیں ہے کہ سجدہ سوائے ہمارے اور کسی کو نہ کرنا چاہئے۔ اور بعد میں جب نوع انسانی طفولیت کے مختلف مراحل سے گذر کر شعور کی پختگی کو پہنچ گئی تو آخری نبی بھیجا گیا اور اس کے ذریعہ صاف طور پر بتا دیا گیا کہ سجدہ خدا کے سوا کسی کو نہ کیا جائے۔

تو آخر شرک پھر کسے کہیں گے؟

اس کا بہترین جواب حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ میں اس باب کے تحت ملتا ہے جس میں انھوں نے شرک کی قسمیں بیان کی ہیں اور تعظیم و تعبد کا لطیف فرق واضح کیا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ایمان، شرک، کفر اور عبادت وغیرہ کا اصلی تعلق قلب وذہن کی کیفیات اور انسان کی فکری حالت سے ہے۔ ظاہری افعال واعمال بس مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ظاہری تذلل، عجز اور اطاعت کے ساتھ قلب میں بھی کیفیتِ عجز و تذلل اور نیتِ عبادت موجود ہو تب عبادت کا تحقق ہوگا ورنہ اگر قلب ظاہری افعال کی روح اور منشاء سے خالی ہے تو یہ افعال محض دکھاوا اور نمائش ہوں گے جنھیں بارگاہِ خداوندی میں عبادت کا درجہ نہ مل سکے گا۔

قلب کی کیفیت عجز و تذلل سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کی ہے کہ جس ہستی کے لئے آدمی ظاہری افعالِ تذلل کر رہا ہے مثلاً سجدہ گذار رہا ہے اس کے لئے وہ اپنے قلب وذہن میں یہ تخیل رکھتا ہو کہ یہ ہستی تکوین، یا تشریع یا تنفیذ میں بقاءً یا حادثاً کوئی اختیارِ مستقل رکھتی ہے۔

تکوین سے مراد یہ ہے کہ طبعی وفطری قوانین پر مشتمل جو یہ کارخانۂ قدرت چل رہا ہے اس میں بھی اُس ہستی کے کسی دخل واختیار کا تخیل موجود ہو۔ مثلاً یہ خیال کیا جائے کہ وہ ہستی لاولد کو اولاد بخش سکتی ہے، بنجر زمین میں باغ نمودار کر سکتی ہے۔ موت کے وقتِ معینہ کو ایک پل بھی ادھر سے اُدھر ہٹا سکتی ہے وغیرذلک اس طرح کا خیال یقینی شرک ہے۔

تشریع سے منشا یہ کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول نے انسانوں پر کچھ افعال وامور کو لازم وواجب کر دیا ہے، کچھ کو حرام ٹھیرایا ہے۔ کچھ کے کرنے میں استحباب رکھا ہے۔ یعنی ایک شریعت انسان کو دیدی ہے اس طرح اس ہستی کے بارے میں بھی یہ گمان

لیا جائے کہ مذکورہ شریعت کے علاوہ بھی وہ ہم پر کوئی شئے واجب، حرام کرسکتی ہے اور کسی ایسی چیز کو باعثِ ثواب یا وجہ عذاب قرار دے سکتی ہے جسے شریعت نے ایسا قرار نہیں دیا۔ یہ گمان بھی شرک ہے۔

تنفیذ کا مطلب یہ کہ قانون اور حکم تو اللہ ہی کا سمجھا جائے، لیکن یہ خیال قائم کرلیا جائے کہ بعض قوانین واحکام کے نافذ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار اس ہستی کو ملا ہوا ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ اولاد کا دینا نہ دینا تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے اور بچے حکمِ الٰہی سے ہی پیدا ہوتے ہیں مگر اس ہستی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بعض اشخاص کے حق میں اس حکم کو نافذ ہونے دے یا خود نافذ کردے اور بعض کے حق میں روک لے۔ یہ خیال بھی شرک ہے۔

بقاء ابداً حدوثاً کی تشریح یہ ہے کہ وہ اختیار ہمیشہ کے لئے مانا جائے یا عارضی مدت کے لئے۔ دونوں حالتیں شرک ہی کی ہیں یہاں ترمذی کی اس حدیث کی یاد تازہ کرلینا مفید ہوگا جس میں بیان ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :-

اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ — بنالیا اہل کتاب نے اپنے علماء
وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ — اور فقراء وغیرہ کو خدا اللہ کے
دُوْنِ اللّٰهِ۔ — علاوہ۔

تو عدی بن حاتم نے (جو پہلے نصرانی تھے) عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں تو خود نصرانی تھا۔ کسی نے بھی عالموں اور درویشوں وغیرہ کو خدا نہیں بنایا۔ لہٰذا یہ آیت تو (نعوذ باللہ) خلافِ واقعہ نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا 'کیا نصرانیوں میں یہ نہیں ہے کہ ان کے احبار و رہبان جس چیز کو حلال کہدیں وہ حلال ہوجاتی ہے اور جس کو حرام کہدیں وہ حرام؟ عدی بن حاتم نے کہا ہاں یارسول اللہ یہ تو بے شک ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بس یہی خدا بنانا ہے۔

تو حاصلِ کلام یہ نکلا کہ کوئی بھی فعل و عمل شرک جبھی ہوگا جب قلب وذہن میں منشائے شرک موجود ہو۔ حتیٰ کہ سجدہ بھی اسی زمرے میں ہے۔ مشرکانہ تصورات سے قطعاً خالی الذہن ہوکر اگر محض اور محض تعظیم کے لئے کسی انسان کو سجدہ کیا گیا تو اگرچہ اس کے معصیتِ کبیرہ ہونے میں کوئی شک نہیں مگر اسے شرک نہیں کہہ سکتے۔ ہاں بت یا آگ یا چاند سورج وغیرہ کو سجدہ کرنا ہر حال میں شرک مانا جائے گا اور اس کے مرتکب سے کافر و مشرک کا سا معاملہ کیا جائے گا خواہ وہ اپنے عقائد اور نیت کی کتنی ہی مناسب توجیہ کرے کیونکہ یہ شعارِ کفر ہے اور تمام اُمت دلائلِ قویہ کے تحت اس کے شرک ہونے پر متفق ہے۔

آپ کہیں گے کہ اس بحث سے تو راقم الحروف نے اُن سجدوں کے لئے ایک راہِ تاویل نکالدی ہے جو پہلے بھی غیر اللہ کے لئے کئے جاتے رہے ہیں اور آج بھی بعض حلقوں میں کئے جاتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ ہماری معروضات سے بعض اُن سجدوں کے لئے تو راہِ تاویل نکل سکتی ہے جو آج سے بہت پہلے بعض امراء اور بادشاہوں کے آگے کئے گئے' لیکن اُن سجدوں کے لئے کوئی راہ نہیں نکل سکتی جو آج کسی پیشوا' کسی مزار یا کسی تصویر کے آگے کئے جاتے ہیں۔ امراء اور بادشاہوں کو ظاہری اعتبار سے رعایا پر جو اقتدار اور تسلط حاصل رہا ہے اس کے بل بوتے پر انھوں نے اپنے احساسِ برتری اور جذبۂ نخوت کی آسودگی کے لئے سجدۂ تعظیمی کا طریقہ رائج کیا اور جو لوگ ضعیف الایمان تھے' دنیا پرست تھے' چھوٹے چھوٹے مفادات پر جان دینے والے تھے انھوں نے اس طریقہ کو بطورِ خوشامد اور بطورِ اظہارِ نیازمندی قبول کرلیا۔ قبول کرنے والوں میں کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جن کے قلب میں بادشاہ کے لئے کسی بھی صفتِ اُلوہی کا وہم تک موجود نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بادشاہ ہماری ہی طرح ایک انسان ہے جس کے قبضے میں مادی قوت واقتدار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بس چونکہ وہ مادی طاقت کے سہارے ہمیں ذلیل یا باعزت کرنے پر قادر ہے اس لئے کوئی حرج نہیں اگر ہم اس کے احساسِ برتری کی تسکین کے لئے سجدہ کرکے اپنے دنیاوی مفادات کا تحفظ کرلیں۔ یہ اندازِ فکر خواہ کیسا ہی پست اور شرمناک ہو' لیکن بہرحال عملی بدکرداری سے بڑھ کر شرک کے حدود میں داخل نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں کہ باطن کے احوال جاننے والا ربُّ العزت اس اندازِ فکر کے حاملین کو مشرک ہی کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کردے۔ ہاں ان

لوگوں کی دیکھا دیکھی اگر کچھ اور لوگ سجدہ گذاری پر مائل ہو گئے ہیں اور ان کا ذہن مشرکانہ تصورات سے پاک نہیں رہ سکا ہے تو ان کے شرک کی بھی کچھ نہ کچھ ذمہ داری ان الذاکر پر عائد ہوگی اور اس کے وبال میں ان کی سزا نہ جانے کتنا طول کھینچ جائے۔

یہ تو ماضی کی بات تھی۔ اب آج اگر کوئی شخص کسی پیر، کسی پیشوا یا کسی مزار کو سجدہ کرتا ہے تو اس کی کوئی ایسی معقول توجیہ ممکن ہی نہیں جو شرک سے پاک ہو مادی اقتدار کا ساز و سامان پیروں اور پیشواؤں کے پاس نہیں ہے اور اہلِ مزارات کے لئے تو اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تب اگر کوئی شخص سجدۂ تعظیمی ادا کرتا ہے تو اِس تعظیم کے لئے لازماً وہ اپنے ذہن میں کچھ خاص تصورات رکھتا ہوگا۔ یہ تصورات سوائے شرک کے کچھ نہیں ہو سکتے۔ بادشاہوں کے حضور میں تو سجدہ گذاری ایک ایسا عمل تھا جسے آج کی زبان میں "مسکا لگانا" کہا جا سکتا ہے یعنی چاپلوسی اور خوشامد کا مظاہرہ کر کے دنیاوی مفادات کا تحفظ کرنا بادشاہ اپنے کو مسجود دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے اور یہ احمقانہ مسرت انھیں لطف و کرم پر مائل کر دیا کرتی تھی اور یہ لطف و کرم تمام تر اُمورِ ظاہری و مادی ہی سے متعلق ہوا کرتا تھا۔ لیکن اگر کسی زندہ پیشوا، کسی ولی یا صاحبِ قبر بزرگ کے بارے میں سجدہ کرنے والے کا یہ خیال ہو کہ وہ اپنے کو مسجود دیکھ کر خوش ہوں گے تو یہ خیال دیوانگی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ جو لوگ سچ مچ خدا پرست اور نکوکار رہیں ان کے قلب و ذہن تو غرور و استکبار کے سائے تک سے محفوظ ہوتے ہیں اور جن کے اندر اس حد تک غرور و نخوت ہو کہ خود کو سجدہ کرا کے خوش ہوں وہ ہرگز ہرگز خدا پرست اور نکوکار نہیں ہو سکتے۔ پھر تعظیم کا مظاہرہ کر کے کسی زندہ یا مردہ بزرگ کو خوش کرنے کا مقصود اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ تعظیم کرنے والا کچھ ضرورتیں اور خواہشیں رکھتا ہے جنھیں پورا کرنا اس کی دانست میں اس بزرگ کے قبضے میں ہے۔ یہ مقصود بھی مشرکانہ تصورات کے پس منظر سے خالی نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فی زمانہ سجدہ لغیر اللہ کے شرک ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ہاں ایک صورت ہے جسے مستثناء کر سکتے ہیں وہ یہ کہ فرض کیجئے زید کی کوئی بڑی حاجت دنیا بکر کے قبضے میں ہے بکر اسے حکم دیتا ہے کہ مجھے سجدہ کر، تب تیری یہ حاجت پوری کروں گا۔ اس پر زید سجدہ کر گذرتا ہے، تو اس سجدے سے زید فی الحقیقت مشرک نہیں بن جاتا۔ کیونکہ بدترین قسم کی گراوٹ اور ہولناک قسم کی معصیت ہونے کے باوجود اس سجدے کے پیچھے مشرکانہ تصورات کی کارفرمائی نہیں ہے۔ یہ ایک کاڈبلدی سجدہ ہے جس میں مسجود تو اپنی احمقانہ نفسانیت کی سیرابی کا خبط پورا کر رہا ہے اور ساجد محض مطلب براری کی خاطر جسم کو ایک خاص طرح کی شکل دے رہا ہے جس کے پیچھے دلی جذبات کی کوئی تحریک نہیں۔ جو فی الحقیقت اپنے مفہوم و منشاء کے اعتبار سے سجدہ ہے ہی نہیں۔

(باقی آئندہ انشاء اللہ)

ماہنامہ تجلی کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہری طنطاوی، علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبر آبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ

ربیع الاول نمبر رسول اللہ صلعم کی ولادتِ مبارکہ پر علامہ شبلی، مولانا آزاد، علامہ موسیٰ جار اللہ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے فاضلین کے مقالاتِ جامعہ۔ سوا دو روپے (مجلد تین روپے)

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آدابِ مجلسی جیسے اہم مضامین قیمت ایک روپیہ

پیغمبر اسلام رسول اللہ کے بارے میں ۲۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہارِ عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقامِ بلند محمد اجمل خاں، مولانا مہر خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین قیمت سوا روپیہ

کراماتِ صحابہؓ روایات کے حوالوں کے ساتھ صحابہؓ کی کرامتوں کا بیان، مولانا تھانویؒ کے قلم سے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

تاریخ مشائخ چشت غیر مجلد بارہ روپے۔

عربی آسان نصاب

عربی سیکھنے کے لئے ایک عمدہ نصاب۔

عربی زبان کا قاعدہ	چھ آنے
علم الصرف اولین و آخرین	ایک روپیہ دو آنے
علم النحو	دس آنے
عوامل النحو	چھ آنے
عربی گفتگو نامہ	بارہ آنے
عربی صفوۃ المصادر	بارہ آنے
روضۃ الادب	سوا روپیہ
اساس عربی	پانچ روپے

پورے نصاب کی یکجائی قیمت ساڑھے نو روپے
اس نصاب کی ہر کتاب الگ بھی مل سکتی ہے اور "اساس عربی" کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں منگائیں تو مجموعی قیمت ساڑھے چار روپے ہوگی۔

فارسی نصاب

فارسی سیکھنے کے لئے ایک عمدہ نصاب۔

معین فارسی	سات آنے
دروس فارسی	آٹھ آنے
اصول فارسی	بارہ آنے

تصانیف مختلف مصنفین

حل المشکلات	مجلد	سوا روپیہ
رسول اللہ کی دعائیں	مجلد	ایک روپیہ
برکات الصالحین	″	پونے دو روپے
رسول اللہ کے معجزے		ایک روپیہ
رسول اللہ کی نعتیں اور سلام		بارہ آنے

اسلام (مستند تاریخ)	مجلد	سات روپے
مسلمان خاوند	″	سوا روپیہ
مسلمان بیوی	″	ایک روپیہ چھ آنے
خدا کی جنت	″	بارہ آنے
حضرت خدیجہؓ کی سوانح		ایک روپیہ
نادر شاہ		چھ آنے
رستم		ایک روپیہ
خدا کا ذکر		بارہ آنے
رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئیاں		ایک روپیہ
اصحابِ صفہ		چھ آنے
حالاتِ جہنم		چھ آنے
سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ	مجلد	تین روپے
چھ باتیں		چھ آنے
نصائح نبوی		چھ آنے

جماعت اسلامی کے خلاف

چار کتابوں کے مدلل جوابات

فتویٰ دیوبند کا جائزہ	سوا روپیہ
رحمانی تبصرہ کا جائزہ	چھ آنے
نور توحید کا جائزہ	چھ آنے
کشفِ حقیقت کا جائزہ	سوا روپیہ

ان چاروں کی یکجائی قیمت پونے تین روپے

تین تنقیدی کتابیں

بھارت میں اسلامی نظام کی دعوت	سات آنے
کیا ہندوستانی ترقی کر رہا ہے؟	آٹھ آنے
معاش کا مسئلہ اہم کیوں ہوا؟	سات آنے
ان تینوں کی یکجائی قیمت	سوا روپیہ

سیرۃ عمر بن عبد العزیز عبرت آموز، مستند اور آسان زبان میں۔ قیمت مجلد

تجلی کی ڈاک

سوال ۱ :- از رفیق الدین - علی گڑھ - بچکانی باتیں

مفتی صاحب نے سیرۃ النبی پر تقریر کی اور آخر میں یہ فرمایا کہ کسی اسلامی قانون کے ماتحت نہیں، بلکہ جذبۂ محبت کے ماتحت ہمیں کچھ عقیدت کے پھول پیش کرنا چاہییں یہ کہتے ہوئے خود بھی کھڑے ہوئے اور جملہ حاضرین سے کھڑے ہونے کے لئے حکم فرمایا۔ چنانچہ سب نے کھڑے ہو کر سلام پڑھا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قانون سے بالاتر ہو کر انکا یہ جذبۂ محبت کیا صحیح ہے؟

الجواب ۱ :- یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ اور رسول کی محبت عام دنیاوی محبت جیسی نہیں ہے کہ جو جی میں آئے کر گذریئے۔ انھوں نے جو آداب اور حدود متعین کر دیئے ہیں انھی کی پاسداری محبت کرنے والوں پر فرض ہے۔ اگر انسے تجاوز کیا تو یہ محبت کے نام پر بغاوت ہوگی اور آخرت میں اسکا محاسبہ کیا جائے گا۔

سلام پڑھنے کے موقع پر کھڑے ہونے کو منع کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل سے یہ غلط اور گمراہ کن تصور اشاعت پاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور جہاں کہیں ان پر سلام پڑھا جائے وہ تشریف لے آتے ہیں۔ اب یہ فعل کوئی جذبۂ محبت کے تحت کرے یا کسی اور عقیدے کی بنیاد پر بہر حال اس سے گمراہی خیال ہی فروغ پاتی ہے اور نتیجۃً اس کا کچھ بھی حاصل نہیں ہے

مفتی صاحب اور آج کل کے دیگر مدعیانِ محبت غالباً صحابۂ کرامؓ اور محدثین عظامؒ اور ائمہ ومشائخ سے زیادہ تو عاشق رسول نہ ہوں گے۔ ان حضرات نے کبھی اظہار محبت کا یہ سستا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ تب آج اس کی کیا ضرورت ہے جبکہ مشرکانہ اور متوہمانہ عقائد کی ہر طرف بہتات ہے اور بگڑے ہوئے ذہن عجائب پرستی کا بہانہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

سوال ۲ :- از خریدار ۲۹۱۵ - حلقۂ ذکر

یہاں چند لوگ جن میں شکل وصورت کے لحاظ سے بعض متشرع اور بعض غیر متشرع ہیں، ہفتہ میں ایک مرتبہ پابندی کیساتھ ایک جگہ بیٹھتے ہیں۔ جس کمرہ میں بیٹھا جاتا ہے وہاں گھپ اندھیرا کر دیا جاتا ہے اور سب لوگ ملکر "اللہ ہو اللہ ہو" کی آواز لگاتے ہیں۔ یہ آوازیں دھیرے دھیرے شروع ہو کر انتہا درجہ بلند ہو جاتی ہیں اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو جاتا ہے۔ آخری بلندی کو پہنچنے کے بعد یہ آوازیں کم ہوتی جاتی ہیں اور پھر لوگ آہستہ آہستہ اللہ ہو اللہ ہو کہتے ہوئے تقریباً خاموش ہو جاتے ہیں۔ پھر زور ہوتا ہے۔ غرض دو چار گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جو لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں وہ اسے صوفیوں کا طریقہ بتاتے ہیں۔ عرف عام میں اسے "حلقہ کرنا" کہتے ہیں۔ وہ لوگ اسے ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ حلقہ کرنیسے تمام ہفتہ کے گناہ دھل جاتے ہیں اور دل آئینہ کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا طریقہ کو عین عبادت سمجھ کر اور مسنون طریقہ جان کر انجام دینا جائز ہے یا نہیں

الجواب ۲ :-

آپ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی نیا طریقہ نکلا ہے۔ نہیں بھائی یہ تو صوفیاء کا پرانا طریقہ ہے۔ اگرچہ اسے مسنون کہنا جہالت ہوگا کیونکہ پیغمبر اسلام سے قولاً یا عملاً اس کا ثبوت نہیں ملتا اور عبادات کی تفصیل بتانے والے ائمہ ومجتہدین نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن بعض حضرات پر اگر تجربہ سے یہ منکشف ہوا ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ حلقہ کرنے سے پورے ہفتے کے گناہ دھل جاتے ہیں اور دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو کیا حرج ہے اگر ہم اسے روحانی

سائنس کا ایک قابلِ فخر کارنامہ تسلیم کرلیں اور کیا مضائقہ ہے کہ ناک بھوں چڑھانے کی بجائے پاکباز موجدوں کو ہدیۂ تبریک پیش کریں۔ کون نہیں جانتا کہ ایجاد و اختراع انسان کا پیدائشی حق ہے۔ ہر شعبۂ زندگی میں ایجادات کے انبار لگے ہیں تو مذہب، روحانیت اور تزکیۂ نفس کا شعبہ ہی کیوں ویران رہے۔ اسلامی شریعت آدمی کو آدمی بنانے میں پہلے کبھی کافی ہوتی ہوگی مگر بعد میں یہ ناکافی ہوگئی یا انسان ہی بدل گیا۔ دونوں صورتوں میں ضرورت تھی کہ قوتِ ایجاد سے کام لیکر شریعت کی کمی پوری کی جائے اور بدلے ہوئے انسان کو نئے حربوں سے قابو میں لایا جائے یہی ضرورت ہے جسے صوفی حضرات نے پورا کیا اور کر رہے ہیں۔ روحانی عظمت اور ولایت کی بسم اللہ اب تصوف کی ت سے ہوتی ہے۔ تصوف کا رنگ نہ ہو تو بڑے سے بڑا شریعت پرست سپاٹ کہلاتا ہے۔

آپ کہیں گے یہ جواب کیا ہوا، بات کیا بنی۔ عام عرض کرے گا کہ تصوف کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھنا بیکار ہی ہے۔ یہ علم کتابی نہیں ہے سینہ بسینہ ہے اور ہم جیسے کتابوں کے کیڑے اس پر خاک رائے زنی نہیں کر سکتے۔

سوال[۳] :— از خریدار ۲۹۱۵۔ ڈھاکہ۔ خیالی پڑازیں

آنحضور صلعم کی طرف اوصافِ خداوندی اور الطاف خداوندی جیسے الفاظ منسوب کئے جا سکتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑے عالم نے یوم النبی کے موقع پر ایک جلسہ میں آنحضور صلعم کی پیدائش کا حال بیان کرتے وقت ایسے الفاظ بیان کئے تھے کہ اوصاف خداوندی اور الطاف خداوندی تو آنحضورؐ میں موجود تھے ہی صرف تقاضۂ بشریت کی خاطر آپؐ کی پیدائش کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے وہی تجویز کیا جس طرح تمام انسان پیدا ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ آنحضورؐ کو مسلمانوں کی بدعملی سے صدمہ پہنچتا ہے۔ آپؐ کو اپنی اُمت کا سب حال معلوم رہتا ہے چنانچہ جب بھی مسلمانوں سے خلاف اسلام اور خلاف سنت کوئی کام ہوتا ہے آپؐ کو تکلیف پہنچتی ہے۔

ان خیالات سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ واضح طریقہ پر تحریر فرمائیں۔

الجواب[۳] :—

واعظوں کی کچھ نہ پوچھئے۔ وہ گرمیِ محفل اور کمالِ فن کی خاطر جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔ خدا اُس واعظ کی حالت پر رحم کرے جو یہانتک کہہ گذرا کہ "حضور میں اوصافِ خداوندی موجود تھے"۔ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اگر آپ کو مسدّس حالی مل سکے تو اسے پڑھئے۔ حالی نے اس موضوع پر خوب لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس ذہن نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنایا تھا ٹھیک وہی ذہن ذرا بھیس بدل کر بے شمار مسلمانوں کے کاسۂ سر میں گھس آیا ہے اور یہ نادان جہاں بس کھلی بت پرستی ہی کو شرک سمجھتے ہیں وہیں اپنے آپ کو سرمایۂ توحید کا بھی بلا شرکتِ غیرے مالک خیال کرتے ہیں کہ چاہے کچھ کہیں کوئی بھی عقیدہ رکھیں سرمایۂ توحید جوں کا توں رہے گا۔

مختصر یہ ہے کہ حضورؐ میں اوصافِ خداوندی کا قول یا عقیدہ شرکِ جلی ہے اور یہ سمجھنا بھی شرکِ جلی ہے کہ دنیا بھر کی ملتِ مسلمہ کے تمام احوال سے حضورؐ آپ سے آپ باخبر رہتے ہیں بعض روایات کی بنیاد پر صرف یہ کہنا ممکن ہے کہ امت کے خاص خاص حالات سے بعض فرشتے آپؐ کو مطلع کرتے ہیں اور اگر یہ قول مطابقِ واقعہ ہو تو مسلمانوں کی بدعملی سے آپؐ کا رنجیدہ ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے۔ تاہم یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کردار و اعمال کی اصلاح پر توجہ دلانے کی بجائے واعظانِ کرام اس طرح کی بے محل باتیں کیوں چھیڑتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص مشن کی تکمیل کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے اسے آپ نے پورا کیا اور دنیا سے تشریف لیگئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بات حق ہے کہ وصال کے بعد بھی آپؐ غم و اندوہ سے نہ بچ سکیں اور اُمت کی بداعمالیوں کی اطلاع سے آپؐ کو پے بہ پے دُکھ پہنچتا رہے تو بہرحال اللہ مالک و خالق ہے وہ جس کے ساتھ جو چاہے کرے مگر ہمیں کس حکیم نے بتایا ہے کہ اس طرح کی دقیق اور مخفی حقیقتوں کو بے محل طور پر عوامی محفلوں میں بیان کرتے پھریں۔ صرف گرمیِ محفل، ہاؤ ہُو اور بس۔

در اصل جسے تلخ حقائق اور ٹھوس واقعات سے گریز کرنا ہوتا ہے وہ اسی طرح کی خوش وقتیوں میں زندگی گذارتا ہے اور سمجھتا

ہے کہ اس نے خدا اور بندوں کا حق ادا کر دیا۔

سوالؒ :- از محمد سلیمان اعظمی۔ بنارس۔ **فتنہ**

ہفتے بھر سے چند اہلِ حدیث حضرات مجھے پریشان کئے ہوئے ہیں اور مسئلہ رفع یدین۔ آمین بالجہر۔ فاتحہ خلف الامام وغیرہا میں اُلجھائے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان مسئلوں میں کسی ایک مسئلہ پر صحیح حدیث کا ثبوت دیدو ہم مان لیں گے۔

اب تک جتنے بھی دلائل ان مسئلوں کے بارے میں میری نظر سے گزرے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ان میں ساری حدیثیں ان لوگوں کی حدیثوں کے مقابل ضرور ضعیف معلوم ہوتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا مذہبِ احناف کی ساری دلیلیں کیا ضعیف حدیثوں ہی پر منحصر ہیں یا یہ اہلِ حدیث حضرات اس پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں۔ میری نظر میں آپ سے زیادہ کوئی معتبر شخص نہیں جس سے ہم رائے لے سکیں۔ لہٰذا عرضِ تحریر یہ ہے کہ مجھے ان حدیثوں اور دلیلوں سے مفصّل طریقے سے آگاہ کریں تاکہ ہم انھیں جواب دیکر لاجواب کردیں۔ ہم نے پل نگش کی شائع کردہ کتاب منگا کر ان لوگوں کے سامنے پیش کی اور ان لوگوں نے ساری دلیلوں کو رد کر دیا۔ بلکہ مذاق بھی اُڑایا۔ میرے دل پر پے بہ پے ٹھیس لگی ہے۔ اب چاہے مجھے آپ احناف میں رکھیں یا اہلِ حدیث میں۔

الجوابؒ :-

اپنے سوال کا جواب سُننے سے قبل اُن علمائے حق کی دُوراندیشی اصابتِ رائے اور حزم و احتیاط کی داد دیجئے جنھوں نے اسی طرح کے فتنوں سے مامون رکھنے کے لئے عوام کو مشورہ دیا تھا کہ فقہی مسائل میں معروف ائمہ میں سے کسی امام کی تقلید کو لازم پکڑلو۔ اگر نہیں پکڑوگے تو یہی ہوگا کہ ہر مدعی تمھارے جہل یا کم علمی سے فائدہ اُٹھا کر جو چاہے گا تمھارے بھیجے میں اُتار دیگا جس عقیدے میں چاہے گا زلزلہ ڈال دے گا، جس طرح چاہے گا تمھارے یقین و طمانیت اور دین و ایمان کا مُثلہ کرتا چلا جائے گا۔ تم قرآن و حدیث سے ناواقف ہو، ان عظیم اُصولوں سے بے خبر ہو جن کی مدد سے قرآن و حدیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے، اُن مبسوط بحثوں کی تمھیں کچھ خبر نہیں جو ماہرینِ فن ائمہ و مجتہدین نے فقہی مسائل میں کی ہیں، جو بھی تمھیں ایک رُخ کے چند حسین دلائل سُنا دے گا تم بے بس ہو کے رہ جاؤ گے کہ دوسرے رُخ سے تم قطعاً آشنا نہیں بہت تیر مارا تو پل نگش کی یا کہیں اور کی کوئی اُردو کتاب اٹھالاؤ گے اور اسے بھی مدعی نے رد کر دیا تو ایڈیٹر تجلّی کو آوازدینے لگو گے۔ کیا حاصل۔ یوں کہاں تک کام چلے گا۔ عافیت اسی میں ہے کہ اُن شہرہ آفاق ائمہ پر اعتماد کرو جن کی مہارتِ فن، للّٰہیت، تدیّن، دقّتِ نظر، علمی تبحر اور عظمت و رفعت سورج کی طرح روشن ہے۔

اب اپنے سوال کا جواب سُنئے کہ فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کے مسائل پر ماضی قریب و بعید میں اتنی مفصّل بحثیں ہو چکی ہیں (اور ان میں سے اکثر کتابوں کے صفحات پر موجود ہیں) کہ انھیں یکجا کر دیا جائے تو بلا مبالغہ کئی ہزار صفحات کا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ کوئی خفی و جلی پہلو ایسا نہیں بچا جس پر دادِ تحقیق نہ دی گئی ہو۔ اب یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ ہر کس و مہ کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لئے تجلّی یا کوئی اور پرچہ پھر سے یہ دفتر کھول کے بیٹھے۔ کتنے ہی احمقوں کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ ان پرانے مسائل میں نئے سرے سے گرما گرمی پیدا کرنے کے لئے چیلنج بازی تک کی لغویت اختیار کئے ہوئے ہیں اور یہ تو عام بات ہو گئی ہے کہ بعض کوتاہ عقل اُس بندر کی طرح جو ہلدی کی گانٹھ ملجانے پر پنساری بن بیٹھا تھا چند کتابیں پڑھ کر کم علم عوام کو یہ تأثر دیتے پھرتے ہیں کہ ائمہ و مجتہدین۔ خصوصاً امام ابو حنیفہؒ حدیث و قرآن سے بے بہرہ تھے۔ ان کے اجتہادات کی بنیاد حدیث و قرآن نہیں ہیں، محض قیاس و تخمین کے ذریعہ یہ مسائل نکالا کرتے تھے اور ہم رسول اللہؐ کے سچے عاشق، حدیث کے مخلص پیرو اور اجتہاد کے بہترین ماہر ہیں۔ ہمارے پیچھے چلو۔ ہمارا ہی مسلک حق ہے۔

حالانکہ ان کوتاہ نظروں کو نہیں معلوم کہ ایسی گمراہ کن تعلیاں اور زباں درازیاں امت کے کن کن اساطینِ علم و فن اور اعاظمِ رجال کی تحقیر و تخفیف کا باعث بن رہی ہیں۔ بظاہر بہت معصوم سی بات ہے کہ صحیح حدیث کا ثبوت دیدو ہم مان لیں گے۔ لیکن اس کے بین السطور میں کیا اس کے سوا بھی کچھ ہے کہ جو لوگ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں، رفع یدین کو ناپسند کرتے ہیں، آمین زور سے نہیں کہتے ان کے پاس اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث نہیں۔ عوام تو یہی جانتے ہیں کہ دین قرآن و حدیث سے

نکلاہے۔ جب بعض اُمور کے بارے میں انھوں نے یہ سن لیا کہ ان کا حکم قرآن وحدیث میں نہیں ہے تو ان اُمور کا حکم دینے والوں کے متعلق لازماً ان کا تصور یہی ہوگا کہ یہ لوگ یا تو حدیث وقرآن سے ٹھیک طور پر واقف نہ تھے یا اپنی عقل اور قیاس کو حدیث و قرآن پر ترجیح دیتے تھے۔ چلئے چھٹی ہوئی۔ امام ابوحنیفہ اور وہ بے شمار عوام وخواص گمراہ، نابلد اور خودپسند ٹھیرے جو اِن اُمور کے حامل تھے۔

بات مختصر مقصود ہے۔ مذکورہ تینوں مسئلوں میں سے کسی ایک پر بھی اگر ہم شرح وبسط سے کلام کرنے لگیں تو بیسیوں صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔ صرف ایک مسئلے ۔ فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں ہم چند اشارات دیئے دیتے ہیں جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ مسلک حنفی کو منھ چڑانے والے کہاں کہاں تک مار کر رہے ہیں۔

سن لیجئے اور کان کھول کر سن لیجئے کہ تابعین وائمہ کا نہیں، بعد کے فقہاؤ مجتہدین کا نہیں، میرا اور آپ کا نہیں اُن جلیل القدر ہستیوں کا ذکر ہے جنھیں اُمت "صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین" کہتی ہے۔ ان میں سے اسّی حضرات ایسے تھے جو امام کے پیچھے کچھ پڑھنے کو غلط قرار دیتے تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔

چاروں خلفائے راشدینؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ جابر بن عبداللہؓ۔ عبداللہ ابن عباسؓ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ ابوالدرداءؓ۔

امام محمد نے اپنی مؤطا میں حضرت سعدؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔

"کاش امام کے پیچھے پڑھنے والیکے منھ میں پتھر ہو۔"

حضرت سعد بن وقاصؓ کا یہ فرمودہ بیان کیا ہے:۔

"میں یہ پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منھ میں آگ ہو۔"

بعض صحابہ کا تو یہ تک فرمانا نقل کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کا کچھ پڑھنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، لیکن احناف نے اس قول سے کہ بہرحال جوازِ قرآت کا قول نقل کرنے والے بھی موجود ہیں رواداری اور عدل کا تقاضا یہ سمجھا کہ فسادِ نماز کا تو فیصلہ نہ دیا جائے۔ مگر قرآت مکروہ تحریمی قرار دی جائے۔

صحابہ کے بعد جن رفیع الشان علماء وائمہ نے امام کے پیچھے پڑھنے کو بُرا جانا ان کی تعداد بے شمار ہے۔ چند کے نام یہ ہیں:۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف، امام داؤد بن علی، امام احمد بن حنبل، امام ابراہیم نخعی، امام زہری، امام ثوری، امام لیث بن سعد، امام عبداللہ ابن مبارک، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ، امام سفیان بن عینیہ، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی، شاہ ولی اللہ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جو سرّی نمازوں میں (جن میں امام بے آواز قرآت کرتا ہے) مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھ لینے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن جہری نمازوں میں (جن میں امام آواز سے پڑھتا ہے) ان سب کے نزدیک مقتدی کا پڑھنا نادرست ہے۔

امام شافعی، کہ جن کی طرف مقتدی کے لئے قرآۃ ضروری ہونے کا خیال منسوب کیا جاتا ہے ان کے بارے میں بھی لائقِ گفتگو پہلو موجود ہے۔ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے شاگرد امام موفق الدین ابن قدامہؒ نے مغنی ابن قدامہ میں امام شافعی کی طرف یہ قول منسوب فرمایا ہے:۔

"جس شخص نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی یہ حدیث عام ہے مگر جہری نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

امام شافعیؒ اپنی کتاب الاُم میں خود ہی فرماتے ہیں:۔

"ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرآت کر رہا ہو جو سنی نہ جائے تو مقتدی کو ایسی نماز میں قرآت کرنی چاہئے۔" (جلد ۷)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے کیا ہی عمدہ بات کہی:۔

"امام کے زور سے قرآت کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ پڑھے اور مقتدی سُنیں۔ یہی باعث ہے کہ امام جب ولاالضالین کہتا ہے تو مقتدی آمین کہتے ہیں اور سرّی نمازوں میں چونکہ مقتدی نہیں سُنتے اسلئے آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی قرآت کر رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھ رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو سُننے کے لئے

آمادہ نہیں اور ایسی قوم کے سامنے وعظ کہو جو توجہ نہیں کرتی اور یہ ایسی کھلی حماقت ہے جس سے شریعتِ مطہرہ کا دامن پاک ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص خطبۂ امام کے وقت باتوں میں مشغول ہو اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ ایسے ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآت کر رہا ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲)

یہی ابن تیمیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"یہی جمہور اور اکثر صحابۂ کرام کا مسلک ہے کہ مقتدی پر نہ سورۂ فاتحہ کی قرآت ضروری ہے نہ کوئی اور سورت امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کے پیروکاروں میں جو بڑے ماہر تھے۔ مثلاً امام رازی اور امام ابن عبدالسلام ان کا بھی یہی قول ہے اور اسی کو انھوں نے پسند فرمایا ہے کیونکہ جہرِ امام کے وقت مقتدی کا پڑھنا قرآن وسنت کے بھی خلاف ہے اور فی نفسہ بھی برا ہے اور اکثر صحابۂ کرامؓ کے تعامل کے بھی سراسر خلاف ہے (تنوع العبادات)

قرآن نے کہا ہے:۔

إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا — جب قرآن پڑھا جائے تو خوب اچھی طرح اسے سنو اور اس پر دھیان دو۔

یہ بات بے شمار دلائل سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز ہی کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کے بعد صحابہ نے امام کے پیچھے پڑھنا ترک کر دیا مسلکِ احناف کے لئے یہ آیت ایک ناقابلِ شکست فولادی بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ جب بحث ونظر کے بعد قائلینِ قرآت کے لئے اس کی زد سے بچنا ناممکن ہو گیا تو انھوں نے امام کے لئے سکتے نکالے۔ یعنی امام کچھ دیر خاموش یونہی کھڑا رہا کرے اور مقتدی اس دوران میں فاتحہ پڑھ لیا کریں۔ یہ ایک کھلی پسپائی تھی قائلینِ قرآت کی کیونکہ سکتوں کا کوئی ثبوت روایات و آثار میں نہ تھا۔

حدیث کو دیکھئے تو یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ملیگی کہ۔

من کان له إمام فقرأة الإمام له قرأة۔ — جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرآت ہی خود اسکی قرآت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے تو اسے صرف تین واسطوں سے روایت کیا ہے اور پہلے راوی ہیں حضرت جابر بن عبد اللہ۔ ایک روایت یوں بھی ہے کہ کسی شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں حضورؐ کے پیچھے قرآت کی۔ اس پر ایک شخص نے اشارے سے منع کیا۔ بعد میں بحث چل نکلی تو حضورؐ نے اس پر مذکورہ بالا فقرہ فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ عصر یا ظہر کی نماز میں کسی نے حضورؐ کے پیچھے کچھ پڑھا تو فراغتِ نماز کے بعد حضورؐ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے پڑھا تھا۔ پڑھنے والے نے اعتراف کیا کہ حضورؐ میں نے۔ پھر آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے:۔

لقد رأیتك تنازعني — میں نے دیکھا کہ گویا تو مجھ سے قرأت میں جھگڑ رہا ہے

یا یہ فرمایا:۔

تخالجني القرآن — مجھے خلجان میں ڈال رہا ہے۔

دوسری جگہ حدیث میں الامام ضامنٌ کے الفاظ آتے ہیں۔ ضمانت کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ امام کی قرآت مقتدی کی قرآت کو بھی شامل ہے۔ اس کے بعد اس روایت کا مطلب بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ:۔

لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب۔ — جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

خود حضورؐ ہی نے فرما دیا کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے تو یہ محض دھاندلے بازی ہی ہوگی کہ کچھ نہ پڑھنے والوں کی نمازوں کو اس روایت کے ذریعہ فاسد بتایا جائے۔

یہ محض اشارے ہیں جن پہ تفصیلی گفتگو کی جائے تو مسلک حنفی پہ معصوم مکاری کے ساتھ حادیث طلب کرنے والوں کی کوتاہ فہمی اور بے علمی کا ہر گوشہ واضح ہو جائے گا۔ سوچئے خلف الامام فاتحہ نہ پڑھنے کو غلط سمجھنے اور سمجھانے والے لوگ اور اس مسلک کا حقارت کے ساتھ مضحکہ اڑانے والے چیلنج باز کس طفلانہ حد تک قرآن، سنت اور صدہا مشاہیر کے دامن پر کیچڑ اچھالنے کی احمقانہ کوشش کر رہے ہیں۔ اگر کسی کی گدی میں عقل ہے تو اسے فاتحہ خلف الامام ہی کے ایک مسئلے سے متعلق مذکورہ بالا اشارات بقیہ مسالکِ حنفی کی حیثیت اور قوت محسوس کرانے کیلئے کافی ہونگے عقل نہیں تو دفتر بھی بے کار ہیں جس شخص کی سمجھ میں یہ سیدھی سی

بات بھی نہ آتی ہو کہ آج کل کے علماء و مجتہدین کے مقابلہ میں پہلی دوسری اور تیسری صدی کے رفیع الشان علماء پر اعتماد کرنا ہر لحاظ سے زیادہ مفید، محفوظ اور مبنی بر سعادت ہے وہ دقیق و لطیف علمی بحثوں کو کیا سمجھے گا۔ حق یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا نہ کبھی ہوگا، لیکن جو شخص یہ چاہے کہ ہر مسئلہ کو براہِ راست قرآن و حدیث ہی سے نکال کر لائے اور بس اپنی ہی قوتِ استنباط و اجتہاد کو فیصلہ کن سمجھے اسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسی صلاحیتیں، اوصاف اور خصوصیات پیش کرنی چاہئیں۔ بے پناہ دماغی استحضار، قوی ترین حافظے، جامع و وسیع علم، اعلیٰ ذکاوت و فہم، مضبوط دیانت و امانت، اور علمی تقوے اور دینداری کے بغیر تمام ہی مسائل میں تقلیب کا انکار اور ذاتی استنباط و اجتہاد کا دعویٰ کرنا ایک نعرے کی حیثیت میں خواہ کتنا ہی دلفریب ہو مگر تحقیقی افادیت کے اعتبار سے محض مذاق اور مجہولیت ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ بطور اشارہ جو دلیلیں ہم نے دی ہیں وہ کسی کے منہ میں تالا نہیں ڈال سکتیں پہلے بھی ان پر رد و قدح کی یلغاریں کی گئی ہیں اور اب بھی کی جائیں گی، لیکن دنیا میں کونسی ایسی دلیل ہے جس پر لے دے نہ کی جاسکتی ہو، کونسا موقف ایسا ہے جس کے حق میں زورِ بیان صرف کرنا ناممکن ہو۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ فتنہ پرداز لوگ مسلک حنفی کے بارے میں بے دلیل اور خلافِ حدیث ہونے کا جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ کس درجہ کذب و فریب پر مبنی ہے۔ بات اگر صرف اتنی ہی ہو کہ کچھ لوگ احناف کے دلائل کو مضبوط نہ سمجھتے ہوئے فاتحہ خلف الامام ہی کو صحیح سمجھیں تو اس پر ہمیں کوئی شکوہ نہیں وہ رفع یدین کئے جائیں، آمین پکارے جائیں ہم ہرگز نہیں کہیں گے کہ ان کی نماز فاسد ہوئی یا وہ گمراہ ہوئے یا وہ بے دلیل یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اپنی اپنی سمجھ ہے۔ ہر پہلو پر بحثیں ہو چکیں جس کی جو سمجھ میں آئے کرے، لیکن افسوس اور تکدر اس پر ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے حق میں بازاری باتیں کہتا ہے، فقرے کستا ہے، مضحکہ اڑاتا ہے حالانکہ دوسرے فریق کی دلیلیں پہاڑ کی طرح مضبوط ہیں۔

سوال ۵: — از حافظ احمد بن محمد۔ جونا گڑھ۔ طلاق

زید کی عورت محمودہ اپنے میکے رکنے یا بیٹھنے کیلئے گئی ہوئی تھی۔ اس درمیان میں زید نے اپنی عورت محمودہ کو طلاق لکھی، مگر طلاق روانہ کرنے سے پہلے ہی یا جیب میں پڑی رہی اور محمودہ آگئی تو پھر طلاق نامہ جو لکھا تھا دیا نہیں تو اب محمودہ کو طلاق پڑی یا نہیں؟

الجواب ۵:—

اس صورت میں طلاق تو واقع ہو گئی بشرطیکہ طلاقنامہ شوہر نے اپنے قلم سے لکھا ہے، لیکن بیوی کی آمد پر اگر اس نے طلاق کا ارادہ بدل دیا اور حسب سابق بیوی بنا کر رکھ لیا تو رجعت ہو گئی۔ اب نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔

سوال ۶: — (ایضاً) حدیثوں کا تعارض

زید نے محمود کو امانت رکھنے کو دی۔ اب محمود امانت ہضم کر گیا اور دینے کو بھی انکار کرتا ہے اور اس کا شغل بھی یہی ہے۔ تو اب محمود کے پیچھے نماز پڑھنی کیسی ہے۔ جب کہ بہشتی زیور حصہ ۷ میں باب "وعدہ اور امانت پورا کرنا" میں لکھا ہے کہ حدیث: جس کے پاس وعدہ نہیں اس کے پاس کوئی دین نہیں اور جس کے پاس امانت نہیں اسکے پاس ایمان نہیں۔

اور دوسری حدیث: — رسالہ "عقائد الاسلام" صفحہ ۵۷ میں لکھا ہے کہ صلوا خلف کل برو فاجر۔ تو اب یہ دو حدیثیں ٹکرا رہی ہیں۔ اب اس حالت میں محمود کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ۶:—

جن حدیثوں میں بعض اعمالِ قبیحہ اور صفاتِ رذیلہ کو بے ایمان اور بے دین ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے انکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اِن اعمال و صفات کا حامل آئینی اعتبار سے بھی خارج از دین ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے فرمودات کا منشا بعض مکروہ ترین اعمال و صفات پر شدت سے تنبیہ کرنا ہوتا تھا اور حقیقت کے اعتبار سے بھی یہ بات ٹھیک ہی ہے کہ بدعہدی، خیانت، سنگدلی، کذب و افترا اور زنا وغیرہ ایمان کی ضد ہیں، لیکن علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بدترین برائیاں آدمی کو مرتد نہیں کر دیتیں اور اس اتفاق کی بنیاد وہ

صریح و صحیح احادیث ہیں جن سے یقینی طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ
بعض معاصی کے مرتکب کو حضورؐ کا بے ایمان اور بے دین کہنا
فیصلے اور فتوے کی حیثیت سے نہیں تھا۔ بلکہ ان معاصی کی بدترین
اصلیت پر متنبہ کرنا مقصود تھا۔

اس کے بعد دونوں روایتوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں رہتی
اور ٹھیک ہی ہے کہ ہر گناہ گار کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے
بشرطیکہ وہ دورانِ نماز ہی میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔

سوال :- از محمد عبدالرشید۔ محبوب نگر۔

مولوی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کتاب زاد السعید
الصلوٰۃ علی النبی تیل المصطفےٰ ۔ ونیل الشفاء صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں
کہ طریق توسّل کا بہتر یہ ہے کہ۔ اخیر شب میں اُٹھ کر وضو کرکے تہجد
جس قدر ہوسکے پڑھے۔ اس کے بعد گیارہ بار درود شریف۔ گیارہ
بار کلمہ طیبہ۔ گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقشہ (نقشہ دیا گیا ہے)
کو باادب اپنے سر پر رکھے اور جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے
کہ الٰہی میں جس مقدس پیغمبر کے نقشہ نعل شریف کو سر پہ لئے ہوں۔
ان کا ادنیٰ درجہ کا غلام ہوں۔ الٰہی اس نسبت غلامی پر نظر فرماکر
برکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمادے۔
مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے۔ پھر سر پر سے اس کو
اُس کو اُتار کر اپنے چہرے پہ ملے اور اس کو بوسہ دے اور انشاء اللہ
تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

اور اسی کتاب صفحہ ۳۰ خواص و آثار نقشہ نعل شریف
بیان ہیں اور اقوال بزرگانِ دین درج ہیں مثلاً (۱) علامہ
محدث حافظ تلمسانیؒ کتاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں فرماتے
ہیں کہ اس نقشہ شریف کے برکات ایسے کھلم کھلا ہیں کہ بیان کی
حاجت نہیں (۲) اور ان کے ابوجعفر کہتے ہیں کہ ایک طالبعلم
کے لئے ایک یہ نقشہ بنوادیا تھا، میرے پاس ایک روز آکر کہنے لگا کہ
میں نے گذشتہ شب میں عجیب کیفیت و برکت دیکھی کہ میری بی بی
کو ایسا شدید درد ہوا کہ قریب تھا کہ مریضہ ختم ہوجائے یہ نقشہ شریف
درد کی جگہ رکھ کر عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو صاحب نعل شریف کی برکت
دکھلادے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفاء عنایت فرمائی۔ اور
اسی قسم کے بہت سے برکات و فضائل نقشہ نعل شریف درج ہیں۔
آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

الجواب :-

مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم تھے۔
انھیں ہم سے زیادہ معلوم تھا کہ قرآن و سنت، آثار صحابہ و اجتہادات
ائمہ میں ایسی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس پر توسل کے مذکورہ
طریق کی عمارت اُٹھائی جاسکے اور یہ بھی انھیں معلوم تھا کہ صحابہؓ
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچ مچ کے جوتوں کو بھی کبھی سر پر
رکھ کر دعائیں نہیں کیں جن کی مصنوعی نقلوں میں جوتوں کی تصویر
کھینچکر سر پر رکھنا قرین قیاس سمجھا جاسکے پھر بھی انھوں نے بعض
صوفیاء کے اختراع کردہ اس طریقے کی تحسین و تصویب کر ڈالی،
تو اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت موصوف صرف
عالم ہی نہیں تھے صوفی بھی تھے۔ اُونچے درجے کے صوفی، بدعات
سے متنفر، زہد و تقویٰ کے دلدادہ اور نمایاں حد تک حقیقت پسند
لیکن اشیاء کے فطری خواص بدلنا کسی کے لئے ممکن نہیں ۔۔۔
تصوف کی فطرت ہی یہ ہے کہ جب وہ آئے تو روحانی ایجادات
اور ناقابلِ قیاس اختراعات کی بہت سی قاشیں ساتھ لے کر
آئے۔ جب تصوف کی نسیم بہار ذہن و قلب کے گلشنوں میں چلتی ہے
تو کچھ نئے اور نرالے شگوفے ضرور کھلتے ہیں۔ مولانا اشرف علیؒ
کیسے فطرت کی نمود کو روک دیتے۔ وہ انسان ہی تھے اور انسان
بہرحال فطرت، ماحول اور جذبات کے آگے کہیں نہ کہیں ہتھیار
ڈال ہی دیتا ہے۔

جہاں تک مذکورہ طریقے کے بابرکت، مفید اور خوش آثار
ہونے کا تعلق ہے اس سے بھی صریح انکار مشکل ہے۔ بتوں سے
لیکر قبروں، جانوروں اور درختوں کے پجاری تک کون ہے جو
فائدے اور برکت و فضیلت کی کہانی نہیں سُناتا، کون ہے جو یوں
کہتا ہو کہ ہماری نیازمندیاں بیکار گئیں پھر آپ کیسے جھٹلائیے گا
کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اگر اس طریقے سے مطمئن ہوں
تو ضرور آزما کے دیکھیں اور نہ مطمئن ہوں تو معاملہ اللہ کے حوالے
کردیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مولانا اشرف علیؒ نے جو کچھ فرمادیا
ہے وہ نقش کالحجر ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم جیسے اطفالِ
مکتب ہر معاملہ میں ٹانگ اڑائیں مسمریزم اور جادو کی طرح مروجہ

تصوف بھی ایک عملی اور تجرباتی علم ہے نہ کہ نظری اور منطقی۔ اس کے فارمولوں کو عقل ومنطق کے پیمانوں سے ناپنا ایسا ہی ہے جیسے ہوا کو گز سے اور خوشبو کو گلاس سے ناپا جائے۔ عافیت اسی میں ہے کہ اپنے کام سے کام رکھئے اور ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کیجئے۔

رسائل و مسائل

دین میں حکمتِ عملی کا مقام

یاد آیا ہے! پاکستان کے فوجی انقلاب سے پہلے جب وہاں آنے والے انتخابات کی ہماہمی شباب پر تھی تو ہماری جماعت اسلامی نے بھی انتخاب میں شرکت کا فیصلہ کر لیا تھا اس پر جو پاکستان کے مخالفِ جماعت کیمپوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں وہ تو ہوئیں مگر ہمارے ہندوستان میں بھی بعض حلقے اس طرح خم ٹھوک کر سامنے آئے جیسے جماعت کچھ انکے بھی حصے میں سے چھین کر لیجانا چاہتی ہے۔ قیادت کا فخر جماعت اسلامی کے ایک سابق رکن حضرت مولٰنا منظور نعمانی کو حاصل رہا جنھوں نے خود بھی ایک طویل مضمون لکھا اور ان کے عالی قدر صاحبزادے بھی ماہنامہ الفرقان کے صفحات میں مصروف تگ وتاز رہے حتیٰ کہ انہوں نے مولٰنا مودودی کے کچھ فقروں اور دعووں کے رد میں مسلسل چار قسطوں میں (از جولائی ۵۸ء تا اکتوبر ۵۸ء) ایک تنقید شائع فرمائی جس پر راقم الحروف کا بھی کچھ لکھنے کا ارادہ تھا لیکن اس کی آخری قسط آنے سے پہلے ہی پاکستان میں انقلاب آگیا اور وہ قصہ ہی ختم ہو گیا جو بحث کی عملی بنیاد تھا اب مجھے تو کچھ نہیں لکھنا فاضل مدیرِ الفرقان کی تنقید کو جس کا جی چاہے پڑھکر دیکھ لے اسے خوب اندازہ ہو جائے گا کہ جب افراد یا گروہوں کے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں اور عزم و اقدام کی صلاحیتیں زنگ کھا جاتی ہیں تو وہ جنگاہِ زندگی سے فرار کے لئے کیسے حسین راستے نکالتے ہیں۔ علم کی پُرامن مسند پر بیٹھکر وہ عروسۂ فکر کی زلفوں کو کیسے کیسے پیچ و خم دیتے ہیں کس کس شائستگی سے درازی عطا کرتے ہیں۔ لطف و تحیر کیا کیا انبار لگاتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ خود انھیں بھی ایک مصنوعی اطمینان ہوتا ہے کہ ہم بڑا مبارک کام کر رہے ہیں اور بہت سے تماشائی بھی زلفِ عنبریں کے پیچ و خم میں برضا و رغبت الجھ کے رہ جاتے ہیں —— یہی ہے وہ کھیل جو ماضی میں بھی بہت کھیلا گیا ہے اور مآل آپ کے سامنے ہے۔ فتوحاتِ اسلام کے معیاری ادوار میں علمی نکتہ سنجیوں اور خیالی اڑانوں کی بہتات آپ کو بالکل نہیں ملیگی بلکہ یہی نظر آئے گا کہ بہت منضبط، محدود، ٹھوس اور قصیر الذیل اصول و عقائد کی بنیادوں پر عزم و جرأت اقدام و عمل جہد و کاہش اور مجاہدانہ تب و تاب کے رفیع الشان محل کھڑے کر دیئے گئے ہیں اور غیر معیاری ادوار میں آپ علمی موشگافیوں خیالی پروازوں اور فکری نکتہ تراشیوں کی سمندر امنڈے ہوئے پائیں گے، ایک ایک لفظ کی پچاس پچاس تفسیریں دیکھیں گے۔ سیدھی سادھی باتوں کو فلسفہ و منطق کے معرکتہ الآرا مسائل کی فہرست میں ملاحظہ کرینگے ایک ایک عقیدے پر دفتر کے دفتر آپ کے سامنے ہونگے اور آپ محسوس کریں گے کہ جو یقین و اطمینان آپ کو قلتِ علم کی حالت میں حاصل تھا وہ کثرتِ علم نے برباد کر کے رکھدیا ہے۔ جو داعیہ آپ کے اندر اعلاءِ حق کی عملی جد و جہد کے لئے تھا وہ زلفِ علم کی مصنوعی درازی کے بعد گہری نیند سو گیا ہے۔

بہر حال الفرقان کی مذکورہ تنقید کے سلسلہ ہی کا ایک سوال و جواب ہم ماہنامہ ترجمان القرآن بابت دسمبر ۵۸ء سے نقل کرتے ہیں۔ سائل کا نام درج نہیں مجیب خود مولٰنا مودودی ہیں۔ چونکہ "ترجمان القرآن" ہندوستان میں کمیاب ہے، اسلئے تجلی ہی کے ذریعہ یہ سوال و جواب کچھ لوگوں تک پہنچ جائے تو مضائقہ نہیں۔ (عامر عثمانی)

سوال. "دین میں حکمتِ عملی کے مقام" سے متعلق ایک لمبا چوڑا مضمون رسالہ "الفرقان" لکھنؤ میں نکل رہا ہے جس کی آخری قسط تازہ الفرقان میں آچکی ہے۔ پتہ نہیں مضمون مذکور آپ کی نظر سے گذر رہا ہے یا نہیں لیکن میں اس سے متعلق دو ایک باتوں پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

گو کہ مضمون مذکور سے مجھے اکثر جگہ اختلاف رہا ہے لیکن "ائمۃ من قریش" اور مئی کے ترجمان میں "کیا دین کے سب ہی اصول بے لچک ہیں" والے مضمون کے تحت دی گئی ہوئی دو مثالوں پر تنقید جاندار معلوم ہوئی۔ فاضل مضمون نگار نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کی دی ہوئی مثالیں محض شخصی اجازتیں، رُخصتیں اور اضطراری رعایتوں کے تحت آتی ہیں اور ان کا اساسی اقامتِ دین سے کوئی علاقہ نہیں۔

مضمون کی ایک اور بات سے مجھے اتفاق ہے وہ یہ کہ گو آپ نے حکمتِ عملی والی بات چند جزئی امور جیسے "امیدواری سسٹم" اور دیگر جماعتوں سے تعاون وغیرہ کے سلسلے میں کہی ہے لیکن آپ نے جس انداز سے ان پر اسوۂ رسول کے دلائل دیئے ہیں (جو صاحبِ مضمون کے نزدیک تمام کی تمام غیر متعلق ہیں) اُن سے غیر سنجیدہ، مفاد پرست طبقہ کے لئے دین میں کتر بیونت کا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے اور یہ بہت سے فتنوں کا دروازہ کھول دے گا۔ اپنے اس شبہ کے ثبوت میں مضمون نگار نے رسالہ کے اسی شمارہ میں "المنیر" کے حوالہ سے" ووٹوں کی خریدی سے متعلق ایک عملی مثال بھی دی ہے جس میں کہ ایک صاحب نے "المنیر" کے ایڈیٹر صاحب کو لکھا تھا کہ حضور "تالیف القلب" کے سلسلے میں جب لوگوں کے ایمان خریدتے تھے تو اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں ووٹوں کی خریدی برحق ہے اور یہ کہ اُن صاحب کو ایک خزانہ ہاتھ آجائے تو تمام لوگوں کے ووٹ خرید کر اسلامی نظام کے قیام کی کوشش فرمائیں۔ فاضل مضمون نگار کا کہنا ہے کہ آپ کے حکمتِ عملی والے مضمون سے متاثر ہو کر لوگ اتنی پستی تک بھی گر سکتے ہیں تو ــــــ آئندہ ایسے فلسفوں کی مختلف طریقے سے توجیہ کر کے دین کی کئی اہم قدروں کو منہدم کر سکتے ہیں۔

آپ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں توحید رسالت اور دیگر اہم اصولوں کے استثناء سے دوسرے نسبتاً کم اہم اصولوں کو موقع کی نزاکت کے لحاظ سے قطع نظر کیا جا سکتا ہے جبکہ ان پر اصرار کرنے سے دیگر اہم اصولوں کو نقصان پہنچ رہا ہو ــــــ

جماعت کے معترض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر دین کا قیام ہو گا تو اپنے پورے اصول برقرار رکھتے ہوئے ہو گا ورنہ ایسی کسی جدوجہد میں کسی بھی اصول کو قربان کیا گیا تو وہ اقامتِ دین کی جدوجہد نہیں ہے اور اگر یہ جدوجہد کامیاب ہو بھی گئی تو اسلامی نظام کے بجائے کسی کے خود ساختہ نظام کا قیام عمل میں آئیگا۔ اور اگر حالات کا دباؤ ایسا ہو بھی تو دعوتِ دین کے شیدائیوں کو چاہئے کہ دین کو اپنے تمام اصولوں کے ساتھ قائم کرنے پر مصر رہیں یا دعوتِ دین سے دستبردار ہوں، غرضیکہ صاحبِ مقالہ کا استدلال یہ ہے کہ احکامِ دین میں استثناء کی گنجائش شخصی اضطرار اور ذاتی مصالح کے لئے تو ہو سکتی ہے لیکن دینی مقاصد اور دینی مصالح کی خاطر اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چونکہ مسئلہ کا تعلق "دعوتِ دین اور اُس کے طریقۂ کار" کے بنیادی امور سے ہے اس لئے بہت سے حضرات جو جماعت کے بہی خواہ ہیں نہ اس کے غالی مخالف' اس کو فی الواقع سمجھنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کے دسمبر اور مئی والے ترجمان کے رسائل و مسائل کے تحت دیئے ہوئے جوابات پوری طرح تشفی بخش نہیں ہیں۔ اسلئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک مفصل مضمون جو قرآن، حدیث اور اسوۂ صحابہ کی مثالوں سے جو صرف اقامتِ دین کی جدوجہد سے علاقہ رکھتی ہوں مشرح ہو، ترجمان القرآن میں رقم کیا جائے تو جہاں یہ بہت

سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ہوگا وہاں بہت سے تعلق خاطر رکھنے والے حضرات کے اضطراب کے لئے تشفی بخش ہوگا۔ جماعتی لحاظ سے ہٹ کر بھی اس کی خالص علمی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت ہے۔

جواب:۔ "الفرقان" کی جس بحث کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کے موقع ومحل اور انداز سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اصل بنائے بحث بجائے خود یہ مسائل نہیں ہیں بلکہ دل کا ایک پرانا بخار ہے جو مدتوں سے موقع کی تلاش میں دبا پڑا تھا اور اب اس کو نکالنے کے لئے کچھ مسائل بطور حیلہ ڈھونڈ لئے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرکے بیٹھ جائے کہ کسی کو متہم کرنا ہے تو دنیا میں کوئی نہیں ہے جو ایسے شخص کی مار سے بچ جائے۔ آپ جس بڑے سے بڑے قدیم یا جدید مصنف کا نام چاہیں لے لیں، میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ متہم کرنے کا ارادہ کر لینے کے بعد اس کے ہاں سے کیسے کیسے سخت الزامات کی بنیادیں برآمد کی جاسکتی ہیں۔ دوسروں کو چھوڑئیے، اگر خدا کا خوف اور ایک ایک لفظ پر اس کے حضور بازپرس کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بطور نمونہ بتاتا کہ خود ان حضرات کو ضال اور مضل ثابت کردینا، بلکہ انہیں دین اور ملت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ٹھیرا دینا کتنا آسان ہے اور آدمی تقویٰ وخشیت کا لباس زیب تن کرکے کیسی کچھ باتیں خود ان لوگوں کے خلاف بنا سکتا ہے۔

میرا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی تنقید میں مجھے اس طرح کے محرکات محسوس ہوتے ہیں تو میں اس کا جواب دینے سے پرہیز کرتا ہوں، کیونکہ وہ تو اپنے مقصد کی خاطر ہر وادی میں بھٹکتا پھرے گا، میں اپنا مقصد چھوڑ کر اس کے پیچھے کہاں کہاں بھٹک سکتا ہوں۔ اور آخر اس طرح کتنے لوگوں سے الجھ کر میں پھر اور کسی کام کے لئے وقت بھی کہاں سے لا سکتا ہوں۔ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات پندرہ پندرہ سولہ سولہ برس سے مسلسل مجھ پر حملے کر رہے ہیں، اور ابھی چند سال سے تو کچھ لوگوں نے میرے خلاف الزام تراشیاں کرنا اپنا مستقل مشغلہ ہی بنا رکھا ہے مگر میں نے کبھی ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا، یا حد سے حد اگر کبھی ضرورت بھی تو اپنی پوزیشن کی وضاحت کردی اور اس کے بعد انہیں چھوڑ دیا کہ جب تک چاہیں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتے رہیں۔

آپ "الفرقان" اور "المنیر" کے مضامین سے اگر دھوکہ کھاتے رہیں گے تو میرے لئے یہ سخت مشکل ہوگا کہ وہ آئے دن آپ کے دل میں ایک نیا وسوسہ ڈالیں اور میں اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر آپ کے وسوسے دور کرنے میں لگا رہوں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ صبر کے ساتھ دونوں طرف کی چیزیں پڑھتے رہیں۔ اگر آپ کی سمجھ میں حقیقت حال آجائے تو اچھا ہے، ورنہ جہاں اور بہت سے لوگ ان وسوسہ اندازیوں کے شکار ہوئے ہیں وہاں ایک آپ بھی سہی۔

تاہم چونکہ آپ نے پہلی مرتبہ مجھ کو ان کے ڈالے ہوئے وساوس کے بارے میں لکھا ہے اس لئے میں صرف ایک دو باتوں کی وضاحت کئے دیتا ہوں تاکہ بات سمجھنے میں آپ کو مدد مل سکے۔

(۱) اختیار اَہون کے اصول کی وضاحت میں جو مثالیں میں نے دی ہیں ان کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان سے صرف شخصی مشکلات اور بندوں کو پیش آنے والی حاجات ہی میں اضطرار کے موقع پر رخصت کا ثبوت ملتا ہے، رہا اقامت دین کا کام تو اس میں اس قاعدے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب ذرا آپ خود سوچیں کہ اگر بات یہی ہے تو آخر حدیث کی جرح وتعدیل کے سلسلے میں محدثین نے بے شمار زندہ اور مردہ راویوں کی جو غیبت کر ڈالی۔ اس کا باعث آخر کونسا شخصی اضطرار تھا؟ دوسری مثالوں کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیجئے، صرف یہی ایک مثال اس امر کے ثبوت میں کافی ہے کہ بڑے مفسدے سے بچنے کے لئے چھوٹے ناگزیر مفسدے کو اختیار کر لینا، اور بڑی بھلائی کی خاطر چھوٹی بھلائی کا نقصان بقدر ضرورت گوارا کر جانا، صرف شخصی حاجات ہی کے لئے جائز نہیں بلکہ خالص دینی مصالح

کے لئے بھی جائز ہے، اور اس قاعدے کے معاملے میں بندوں کی ضروریات اور محض اقامتِ دین کی ضروریات کے درمیان جو فرق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ محدثین نے ہزار ہا راویوں کے عیوب کی پردہ کشائی اپنے "پیشے" کی ضروریات، یا اپنی تصنیف و تالیف کے مقاصد کی خاطر تو نہیں کی تھی۔ یہ صریح حرام، بلکہ قرآن کی تعبیر کے مطابق نہایت گھناؤنا کام انہوں نے صرف اس دلیل کی بنا پر کیا تھا کہ اگر اس برائی کا ارتکاب نہ کیا جائے گا تو اس سے بہت زیادہ بڑی برائی یہ لازم آئیگی کہ دین میں بہت سی وہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے داخل ہو جائیں گی جو حضور نے نہیں فرمائیں اور اس طرح دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جائیگا کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خالصۃً اقامتِ دین کے سلسلے کا ایک نہایت اہم اور نمایاں کام نہ تھا۔ اس میں تو شخصی مصالح و حاجات کے کسی شائبے تک کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی اور یہ وہ کام ہے جسے ایک قابلِ معافی جرم نہیں بلکہ کارِ ثواب سمجھ کر امت کے اگلے پچھلے تمام فقہاء اور محدثین نے بالاتفاق کیا اور تمام امت نے بالاجماع اسے کارِ ثواب مانا، حالانکہ فی الاصل اس کے غیبت ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) دین کے کسی قاعدے کو بیان کرنے میں یہ احتمال کہ ایسے مفاد پرست لوگوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا، بظاہر بڑا اہم محسوس ہوتا ہے، لیکن غور کیجئے، کیا اس اندیشے سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے اور امت کے اہلِ علم نے کسی ضروری چیز کو بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے؟ قرآن، حدیث اور فقہ کے صفحات میں بکثرت باتیں ایسی موجود ہیں جن سے اگر کوئی جاہل اور بدنیت آدمی ناجائز فائدہ اٹھانے پر اتر آئے تو فسق و فجور اور گمراہی کی آخری حدوں کو بھی پار کر جائے۔ لیکن ان اندیشوں سے نہ خدا نے، نہ اس کے رسولؐ نے اور نہ علمائے امت نے کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کیا جو اپنے صحیح محل میں درست ہو اور جس کا بیان کرنا دین کی پیروی کرنے والے نیک نیت لوگوں کی رہنمائی کے لئے ضروری ہو۔ اب اگر وہ باتیں جو میں نے زیرِ بحث مضامین میں کہی ہیں، بجائے خود درست ہیں اور ایک ایسے قاعدے کی نشاندہی کرتی ہیں جو واقعی دین میں موجود ہے، تو آپ خود سوچ لیں کہ ان لوگوں کی باتیں کیا وزن رکھتی ہیں اور مجھے ان کو کیا وزن دینا چاہئے جو ان پر مجھے متہم کرنے کے لئے یہ احتمال پیدا کرتے ہیں کہ ان امور کے بیان کرنے سے فتنوں کا دروازہ کھلے گا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں خود فتنے میں پڑنے اور دین کے نام سے بے دینی کی خدمت کرنے کے لئے یہ دروازے کھول رہا ہوں اس کا جواب تو یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی صبر کے ساتھ اپنا کام کئے جائے اور ان لوگوں کو جو کچھ بھی یہ کہنا چاہیں کہنے دے۔

(۳) "ووٹوں کی خریداری" کے موضوع پر جو کچھ "المنیر" نے لکھا اور "الفرقان" نے اس کے صفحات سے نقل کیا، اس سے مقصود اس امر کا ثبوت بہم پہنچانا ہے کہ جس فتنے کو دروازے کھلنے کا وہ احتمال ظاہر کرتے تھے وہ تو پہلے ہی کھل چکا ہے اور میرے ہی کھولے کھلا ہے۔ یہ کرتب جو کمال درجہ تقویٰ کے ساتھ دکھائے جا رہے ہیں صبر کے ساتھ ان پر خاموش ہی رہنا مناسب سمجھتا تھا، کیونکہ یہ الزام تراشیاں اور دوسرے کو متہم کرنے کے لئے یہ سرگرمیاں اور بے تابیاں اپنے اندر جو روح رکھتی ہیں، میں ہر وقت خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان کی مدافعت کی کوشش کہیں مجھے بھی اس کی چھوت نہ لگا دے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ جیسے سادہ دل حضرات آدمی کو صبر سے خاموش بھی نہیں بیٹھنے دیتے اور ان باتوں پر جواب طلبی شروع کر دیتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ معاملے کی اصل حقیقت کیا ہے اور پھر خود مجھے بتائیے کہ ان چیزوں کی آخر کیا جواب دہی کی جا سکتی ہے۔

پہلے "المنیر" نے مجھ پر یہ سراسر جھوٹا الزام لگایا کہ میں روپے کے ذریعہ سے ووٹ خریدنے کو جائز رکھتا ہوں اور

سے "مؤلفۃ القلوب" کی مد میں شمار کرتا ہوں (حالانکہ اس بیان میں صداقت کا شائبہ تک نہ تھا، یہ بات میری زبان پر آنا تو درکنار کبھی میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آئی تھی، اور اس چیز کو "المنیر" کے صفحات میں دیکھنے سے ایک سیکنڈ پہلے تک بھی میں نہ سوچ سکتا تھا کہ مجھ پر یہ الزام بھی کبھی لگایا جا سکتا ہے) پھر اسی المنیر نے کسی دوسرے صاحب کا ایک خط شائع کر دیا جس میں وہ اپنی دانست کے مطابق ووٹوں کی اس خریداری کے حق میں کچھ دلائل پیش کرتے ہیں (اور یہ بالکل ان کا اپنا ہی عمل ہے۔ مجھ سے اس معاملے میں نہ ان کا نہ کسی اور شخص کا سرے سے کوئی تبادلۂ خیال ہوا ہی نہیں، اور ان کے استدلال و خیالات کا مجھ سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہے)۔ اس کے بعد جناب "الفرقان" اس سارے معاملے کو میرے سر تھوپ کر لوگوں کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ دیکھو، یوں اس شخص کے خیالات سے متاثر ہونے والے لوگ اخلاقی قیود کو بالائے طاق رکھے دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ میں نے کب یہ کہا یا لکھا تھا کہ روپیے سے ووٹ خریدنا جائز ہے؟ یہ ایک خالص بہتان تھا جو صاحب "المنیر" نے محض اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے خود ہی گھڑا اور شائع کر دیا۔ اب اگر ایک بالکل غیر متعلق شخص اس جھوٹی روایت پر اپنے کچھ خیالات پیش کرتا ہے تو کیا میں اس کی بھی جواب دہی کرتا پھروں؟ صرف یہ بات کہ وہ شخص اپنے خیالات پیش کرنے کیساتھ میری تعریف میں بھی کچھ کلمات لکھ دیتا ہے، کیا اس کے لئے کافی ہے کہ مجھے اسکی ہر بات کا ذمہ دار ٹھیرا دیا جائے؟ یہ طرزِ مواخذہ اختیار کیا جائے تو اگلے پچھلے علماء و مشائخ اور بزرگان دین میں سے کون بچ جائے گا جس کے معتقدین و مداحین کی ہر غلطی اس کے سر چپیک کر اسے سرچشمۂ ضلالت ثابت نہ کیا جا سکے۔ شاید بگڑی ہوئی حکومتوں کے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر بھی لوگوں کو ماخوذ کرنے میں یہ سرگرمی اور چابکدستی تو نہ دکھاتے ہوں گے۔

(۴) الائمۃ من قریش کے متعلق جو مفصل بحث میں نے رسائل و مسائل حصہ اول میں کی ہے اگر اسے آپ نے پڑھ لیا ہوتا تو شاید آپ "الفرقان" کی تنقید میں وہ وزن محسوس نہ کرتے جس کا اظہار آپ نے کیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر احادیث میں کوئی چیز تو ایسی تھی جس کی بنا پر صدرِ اول سے لیکر شاہ ولی اللہ صاحب کے دور تک بالعموم فقہائے اسلام خلافت کے لئے قرشیت کو قانونی شرط کے طور پر بیان کرتے رہے۔ اگر حضور کے ارشادات سے یہ منشا سرے سے ظاہر ہی نہ ہو رہا ہوتا کہ آپ کے بعد خلافت قریش کے لوگوں کو دی جائے تو کیا فقہاء اتنے نادان تھے کہ محض پیشین گوئیوں کو بالاتفاق حکم سمجھ بیٹھے اور موجودہ دور کے بعض حضرات سے پہلے کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ یہ تو محض خبریں ہیں، ان کا منشا یہ ہے ہی نہیں کہ خلیفہ قریش میں سے ہو۔

"الائمۃ قریش" حکم ہے یا خبر، اس کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ملاحظہ ہو۔

"واز انجملہ (یعنی من جملہ شرائط خلافت)، آنست کہ قریشی باشد باعتبار نسب آباء خود، زیرا کہ حضرت ابوبکر صدیق صرف کردند انصار را از خلافت بایں حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند الائمۃ من قریش۔"
(ازالۃ الخفاء مقصد اول، صفحہ ۵)۔

اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ شاہ صاحب اس حدیث کے معنی الائمۃ قریش میں سے ہوں گے سمجھ رہے ہیں یا قریش میں سے ہوں؟ اگر بالفرض اسے اور اس معنی کی دوسری احادیث کو لفظاً خبر بھی قرار دیا جائے تو فقہاء و محدثین نے عام طور پر اس خبر کو امر ہی کے معنی میں لیا ہے۔ بخاری کی حدیث لا یزال ھذا الامر فی قریش کے متعلق علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ "یہ حدیث مشروعیت کی خبر دیتی ہے، یعنی امامت کبریٰ منعقد نہ ہوگی مگر قرشی کے لئے" ابن المنیر کہتے ہیں" اس کا مقتضیٰ جنسِ امر کا قریش میں محصور ہونا ہے گویا حضورؐ نے دراصل یہ فرمایا کہ لا امر الا فی قریش، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حضورؐ کا یہ ارشاد کہ الشفعۃ فی مالم

یقیمو" اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں" یہ حدیث اگرچہ خبر کے الفاظ میں ہے مگر امر کے معنی میں ہے۔ گویا حضور کا ارشاد یہ تھا کہ خاص طور پر قریش ہی کو امام بنا ؤ۔ حدیث کے باقی طُرُق اسی معنی کی تائید کرتے ہیں، اور صحابہ نے بالاتفاق اس کو حصر ہی کے مفہوم میں لیا بخلاف اُن لوگوں کے جو اس معنی کا انکار کرتے ہیں، اور اسی بات کی طرف جمہور اہل علم گئے ہیں کہ امام کے لئے قریشی ہونا شرط ہے" (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۹۶ - ۹۷)۔

علاوہ بریں علماء کی اس رائے کا انحصار بعض اُن احادیث پر ہی نہ تھا جو خبر کے الفاظ وارد ہوئی ہیں یا جن کے اندر محض خبر ہونے کا احتمال ہے، بلکہ متعدد احادیث امر کے الفاظ میں بھی مروی ہیں، مثلاً قدموا قریشا ولا تقدموها (قریش کو آگے کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو) جسے بیہقی، طبرانی اور امام شافعی نے نقل کیا ہے[۵۳] اور قریش قادۃ الناس (قریش لوگوں کے لیڈر ہیں) جسے امام احمد نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے۔

دراصل اس مسئلے کے متعلق مختلف الفاظ میں کثرت سے جو ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہوئے ہیں ان کا مجموعی اثر یہ تھا کہ علمائے اسلام صدیوں تک بالاتفاق خلافت کے لئے قرشیت کو ایک قانونی شرط کی حیثیت سے بیان کرتے رہے ہیں اور خوارج و معتزلہ کے سوا کسی نے اس معاملہ میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ قاضی عیاض تو اس معاملہ میں اجماع تک کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:-

"امام کے لئے قرشیت کا شرط ہونا تمام علماء کا مذہب ہے اور انہوں نے اسے اجماعی مسائل میں شمار کیا ہے سلف میں سے کسی سے اس کے خلاف کوئی رائے منقول نہیں ہوئی ہے اور اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی امصار مسلمین میں سے کہیں کے علماء نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے" (فتح الباری، حوالۂ مذکور)[۵۵]

اب اس کا کیا علاج کیا جائے کہ بات اطفالِ مکتب تک پہنچ چکی ہے جو بے تکلف دعوے کرتے ہیں کہ یہ تو محض خبر تھی جس میں امر کا شائبہ تک نہ تھا۔ گویا پچھلی صدیوں میں جہالت اتنی عام تھی کہ خبر اور امر کا فرق بھی کسی کی سمجھ میں نہ آیا اور اس کے امر ہونے پر سب اتفاق کر بیٹھے اور صدیوں تک اتفاق کئے رہے۔ ان جسارتوں پر حال یہ ہے کہ یہی لوگ دوسروں پر الزام دھرتے ہیں کہ ان کی تحریروں سے سلف کا اعتماد و احترام ختم ہوا جا رہا ہے اور عوام اس غلط فہمی میں پڑ رہے ہیں کہ دین ان سے پہلے کسی نے نہ سمجھا۔

میری رائے اس مسئلے میں اب بھی وہی ہے جس کی وضاحت میں اس سے پہلے "رسائل و مسائل" میں کر چکا ہوں، اور اب تک کوئی ایسی علمی بحث میرے سامنے نہیں آئی ہے جس سے مجھ کو اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو۔ میرے نزدیک یہ

---

[۵۴] علامہ ابوالحسن ماوردیؒ نے بھی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں شرائط امامت کے تحت لکھا ہے۔

"امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ قریشی ہو کیونکہ الائمۃ من قریش اس بارے میں نص ہے۔ دوم یہ کہ امت اس پر اجماع کر چکی ہے۔"

پھر فرمایا ہے

یہ حدیث قدموا ولا تقدموها کا حکم مسلّم اور متفق علیہ ہے۔ سید محمد رشید رضا مدیر المنار (مصر) "الامامت العظمیٰ" میں فرماتے ہیں۔

"قریشی ہونے کی شرط پر نقل اور عمل کے ذریعہ اجماع ثابت ہو چکا ہے جسے ثقات محدثین نے روایت کیا اور متکلمین و فقہائے اہل سنت نے اسی سے استدلال کیا ہے۔ اسی پر تعامل رہا"

انہوں نے قرشیت کے شرط ہونے پر (نہ کہ خبر ہونے پر) متعدد صفحے لکھے ہیں۔ اگرچہ جملہ دیگر شرائط سے متصف قریشی کی عدم موجودگی میں یہ شرط بالیقین کالعدم ہو جاتی ہے لیکن دکھانا تو صرف یہ ہے کہ جس مفہوم کو غلط بتا کر مدیر "الفرقان" نے مولانا مودودی پر جرح کی ہے اسی مفہوم کو..... [illegible] اپنا لکھے تحت بحث الٹ کر پیش کیا (تجلی)

ثابت ہے کہ حضورؐ نے قریش ہی کو منصب خلافت دیئے جانے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یقیناً یہ آپ کا حکم تھا، محض پیشگوئی نہ تھی۔ مگر اس حکم کی بنیاد یہ نہ تھی کہ شرعاً خلافت ایک خاص قبیلے کا حق تھی جس کے سوا کسی دوسرے قبیلے یا نسل کا کوئی شخص اس منصب کا سرے سے مستحق ہی نہ ہو سکتا تھا، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ عملی سیاست کے نقطۂ نظر سے حضورؐ کے بعد صرف قریش ہی کی خلافت کامیاب ہو سکتی تھی جس کے وجوہ حضورؐ نے خود اپنے متعدد ارشادات میں واضح فرما دیئے تھے اس لئے آپ نے حکم دیا کہ خلافت قریش ہی میں رکھی جائے تاکہ اسلامی نظام حکومت مشکلات میں مبتلا نہ ہو اور مسلمان محض اسلامی اصول مساوات کا مظاہرہ کرنے کے لئے کسی غیر قریشی کو خلیفہ بنا کر اُن نتائج سے دوچار نہ ہو جائیں جو ایک با اثر گروہ کے مقابلے میں کسی بے اثر یا کم اثر گروہ کے آدمی کو خلیفہ بنا دینے سے پیش آسکتے تھے۔

فقہاء اسلام نے اگر حضورؐ کے اس حکم کو مستقل دستوری قانون کے معنی میں لیا تو یہ بھی بے وجہ نہ تھا۔ حضورؐ کے بعد قریش کی وہی پوزیشن برقرار رہی جس کی بنا پر آپ نے ابتداءً یہ حکم دیا تھا۔ اس لئے قرناً بعد قرن فقہاء اس بات کو کہ "خلیفہ قریشی ہونا چاہیئے" ایک دستوری قاعدے کے طور پر بیان کرتے چلے گئے۔ لیکن حضورؐ کے وہ ارشادات اُس زمانے میں بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھے جن سے یہ ایماء نکلتا تھا کہ یہ حکم قریش کے ایک خاص نسل سے ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ چند اوصاف کی بنا پر ہے جو ان میں پائے جاتے تھے اور اس وقت تک کے لئے ہے جب تک ان میں اس منصب کی اہلیت باقی رہے۔ مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ ما اقاموا الدین (جب تک وہ دین قائم کرتے رہیں) اور ما اذا حکموا فعدلوا وعدوا فوفوا واسترحموا (جب تک وہ اپنے فیصلوں میں عدل کرتے رہیں اور اپنے وعدے وفا کرتے رہیں اور خلق خدا پر رحم کرتے رہیں)۔ یہ ارشادات خود ظاہر کر رہے تھے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط ایک دائمی دستوری قاعدہ نہیں ہے۔ اسی بات کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں واضح فرمایا تھا کہ ان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ واستقاموا علی امرہ (یہ حکومت قریش ہی میں رہے گی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرتے رہیں اور اس کے حکم پر ٹھیک ٹھیک چلتے رہیں) مزید براں حضرت عمرؓ نے اپنے اس قول سے کہ "اگر میری موت کے وقت ابوعبیدہ زندہ نہ ہوں تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤں گا" یہ بات کھول دی تھی کہ خلافت محض نسل و نسب کی بنا پر قریش کا کوئی مستقل قانونی حق نہیں ہے۔

تجلی اس سوال و جواب کو مدیر الفرقان نے بھی اپنے نقد و استدراک کے ساتھ جنوری ۱۹۵۹ء کے الفرقان میں چھاپ دیا ہے۔ بحالت موجودہ ہم اس بحث کو ایک خیالی رزم آرائی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ نا سے آگے لیجانا چاہتے ہیں۔ مرتب الفرقان جناب عتیق الرحمٰن صاحب نے ریکھا، اور لوگ اگر یہ تحریر کرتے ہیں کہ مولانا مودودی مہر بار اور رسوا کر دیئے گئے ہیں تو ہمیں اس پر بھی اعتراض نہیں۔ بار یہ ضرور کہیں گے کہ مرتب الفرقان نے اپنے اظہار خیال میں لطف نہیں بلکہ ایسا وجدان سوز انداز اختیار کیا ہے کہ دل پژمردہ ہو جاتا ہے۔ برادر عزیز کو اپنے علم و فضل، فہم و ذکی اور تبحر و تدبر پر کتنا ہی زعم ہو مگر ان کی زبان سے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ اے مولانا مودودی

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو (۹۹؟)

یا یہ کہنا کہ مولانا مودودی کی طرف سے "بات کو گول کر دیا گیا ہے" یا ان کے طرز کلام پر "لیپا پوتی" کا اطلاق کرنا وغیرہ۔ خیر بد لے ہوئے حالات نے اس ناگوار بحث کو اب خود ہی تہہ کر کے رکھ دیا ہے۔

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

از
ملا ابن العرب مکی

تاریخ نوشت:- ۱۲ مارچ ۱۹۵۹ء

خبر ہے کہ

"پیکنگ (چین) میں ایک منگول جنگجو کی نعش ملی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چار پانچ سو سال پرانی ہے۔ نعش اچھی حالت میں ہے۔ ایک کمبل میں لپٹی ہوئی ہے۔"

کاش یہ ہندوستان میں ملتی تو جانتے ہیں آپ کیا ہوتا؟ - مزار بنتا، نذرانے چلتے، عرس ہوتا، نیاز دی جاتی، پھول چڑھتے اور عاشقانِ اولیاء دور دور سے یہ کہتے ہوئے آتے کہ شاہ جنگجو اولیاء کے در سے جھولی بھر بھر مرادیں لینے آئے ہیں۔ صوفی بدھو علی فرماتے

"حضور جنگجو رضی اللہ عنہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے منجھلے پیر تھے۔ ان کی کرامات بے حد وحساب ہیں۔ سلطان جب بھی کفار نابکار پر حملہ کرتے ان کا تعویذ دائیں بازو پر باندھتے تھے۔ ایک دفعہ نہیں باندھا تھا تو چھکے چھوٹ گئے تھے۔۔۔"

خواجہ بلبل میاں نقشبندی سرد آہ کھینچکر فرماتے

"ارے تعویذ تو اک بہانہ تھا۔ شیخ منہاج الدین طبریزی کی "بستان الکرامات" میں لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے وزیر باتدبیر سے خود یہ بیان کیا کہ جب میں کفار لعین پر حملہ کرتا تھا تو حضور جنگجو رحمۃ اللہ علیہ ایک بارہ پیروں والے نورانی گھوڑے پر سوار ہمیشہ میرے آگے آگے نظر آتے تھے۔ ایک دفعہ فرنگی بدبختوں نے کئی ہزار من کا توپ کا گولہ پھینکا۔ شاہ ولایت علی نے لکھا ہے کہ خواجہ شمس الدجیٰ نے خود دیکھا کہ توپ کا گولہ سلطان سے بس ایک گز کے فاصلہ پر تھا کہ حضور جنگجو اولیاء نے شہادت کی انگلی اٹھا کر نعرہ مارا "لوٹ جا" یہ گولہ یکلخت رُک گیا۔ تھوڑی دیر دم بخود رہا پھر چیخ مارتا ہوا فرنگیوں ہی کی طرف لوٹ گیا اور ان کے خیمہ و خرگاہ کے بیچ میں سے ہوتا ہوا سیدھا سپہ سالار کے خیمے میں گھس گیا۔ سپہ سالار مردود اس وقت شراب پی کر میموں کا ناچ دیکھ رہا تھا ساتھ ہی ایک ناپاک گانا گا رہا تھا۔ گولہ سیدھا اس کے منہ میں گھس کر پیٹ میں اتر گیا اور وہاں جو پھٹا ہے تو میاں کے ایسے پرخچے اڑے ہیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ بوٹی بوٹی سارے لشکر میں پھیل گئی۔ لشکریوں نے سمجھا کہ عیسیٰ مسیح نے آسمانی کھانا بھیجا ہے بھون بھون کے کھا گئے۔۔۔۔"

اب آپ چکرا کے کہتے

"کئی ہزار من کا گولہ منہ میں کیسے گھس گیا، خواجہ شمس الدجیٰ کونسی مخلوق تھے کہ دشمن سپہ سالار کے خیمے کا اندرونی حال بھی دیکھتے رہے وغیرہ۔۔۔۔"

زہریلی آواز میں جواب ملتا

"وہابی، بدعقیدہ، مودودیہ۔۔۔۔"

آپ اپنا سا منہ لیکے رہ جاتے اور اس سے بڑھ چڑھ کے تاریخی واقعات سجادے صاحبان اور صوفیائے عظام زائرین کو سنایا کرتے، سننے والے سر دھنتے، فاتحہ دیتے، نذر چڑھاتے زنانِ عاشقانِ اولیا کا گانا سنتے، ناچ دیکھتے اور دین دنیا سب کچھ سمیٹ کر لے جاتے۔

شاہ جنگجو تو پھر اشرف المخلوقات تھے۔ آپ نے سنا ہوگا دہلی میں ایک محلہ ہے "چتلی قبر" ——— جامع مسجد کے قریب واقع ہے۔ یہاں واقعۃً ایک قبر ہے جسے "چتلی قبر" کہتے ہیں اس پر سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ بعض بہت ہی فلک

رسیدہ اور باخبر حضرات بیان کرتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہاں ایک جھونپڑی تھی۔ کوئی شاہ صاحب اس میں مقیم ہوئے جن کے پاس ایک عنبر ملکی گدھا تھا اس کے یہ پیر دھار ان تھیں۔ شاہ صاحب اس گدھے کو بہت شفقت سے رکھتے تھے۔ ورنہ تب پرست اپنی طریقت کے لئے اس نئے قسم کے گدھے میں بڑی کشش تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بہت پہنچا ہوا ہے اور بعض تو قسم کھا کے کہتے تھے کہ یہ گدھا تو بس ظاہر میں ہے فی الحقیقت کچھ اور ہی ہے ــــــ اس "کچھ اور ہی" کا مطلب وہ ہمیشہ ذومعنی اشاروں اور کنایوں میں بیان کیا کرتے تھے۔ پھر شاہ صاحب کو اس سے جس قدر تعلق خاطر تھا اس کے پیش نظر اکثر عقیدتمندوں نے تاڑ لیا تھا کہ ان میں آپس میں کوئی گہرا روحانی رشتہ ہے بسوئی جنگ ملی کا دعویٰ تھا کہ اہل معرفت گدھا تو گدھا، چوہے اور مچھر تک سے روحانیت کشید کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب خیر گدھے کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اک دم پردہ کر گیا۔ یعنی مر گیا۔ ممکن ہے اس کے مرنے کی وجہ یہ ہی ہو کہ شاہ صاحب نے اس کی ساری ہی روحانیت نچوڑ لی ہو اور بیچارہ بغیر روح کے جینے کی ہمت نہ کر سکا ہو۔ بہر حال اسی جھونپڑی میں اس کی قبر بنادی گئی اور شاہ صاحب بڑی ماحتا سے اس کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ صوفی رمضان بیگ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب قبر کو نہ صرف پھولوں اور خوشبوؤں سے مہکائے رہتے تھے بلکہ اس کا طواف بھی کرتے تھے۔ خواجہ گلاب شاہ نے بتایا کہ اس زمانے میں ایک بہت بڑے سیٹھ تھے۔ ان کی کوئی دلی مراد تھی جو بر نہ آتی تھی۔ کسی نے سمجھایا کہ حج کو جاؤ اور کعبہ کا پردہ پکڑ کے دعا مانگو۔ وہ تیار ہو گئے لیکن کسی اور نے یہ مشورہ دیا کہ پہلے شاہ صاحب کی خدمت میں ہو آؤ ممکن ہے نظر کرم ہو جائے تو حج کے لمبے چکر سے بچ جاؤ گے۔ وہ حاضر خدمت ہوئے تو شاہ صاحب نے گرج کے کہا تھا

"آنکھوں کے اندھے! دل کی آنکھیں کھول!"

سیٹھ پیروں میں گر کے گھگھیائے تھے

"شاہ جی دل ہی نابکار کے ہاتھوں تو بے حال ہو رہا ہوں۔ آپ پر سب روشن ہے۔ نرگسی بانو کے فراق میں دل جگر سب ستیاناس ہو گیا ہے۔"

شاہ صاحب دہاڑے تھے

"اٹھ طواف کر لے ــــ تیری مراد ہم دیں گے۔"

فوراً سیٹھ نے گدھے کی قبر کے سات طواف کئے۔ جیسے ساتویں پھیرے پر جھونپڑی میں عجیب طرح کا نور سا پھیل گیا تھا اور پردہ غیب سے ایک حسین مہ جبین نازنین فی الفور نمودار ہوئی تھی

"بول" شاہ صاحب ڈنکارے تھے "یہی ہے تیری نرگسی بانو؟"

"یہی ہے... قسم اولاد کی یہی ہے......"

"توبہ تیری ہوئی ــــ حاجت ہو گیا ــــ دل کا بوجھ اتر چکا ہے جیب کا بوجھ بھی اتار پھینک...."

سیٹھ نے نوٹوں کی گڈیاں شاہ صاحب کے قدموں میں ڈال دی تھیں اور ٹھیک عشرے کے دن نرگسی بانو سے ان کا عقد مسنون ہو گیا تھا۔

"یہ نرگسی بانو کون تھیں؟" میں نے پوچھا تھا۔

"ارے... آپ نرگسی بانو کو نہیں جانتے!" خواجہ گلاب شاہ نے سخت حیرت سے کہا تھا جیسے میں نے پوچھا ہو کہ جارج پنجم کون تھے، ملکہ وکٹوریہ کون تھیں وغیرہ۔

"افسوس میں سوء ہضم کا مریض ہوں۔ یہ بھی نہیں یاد رہتا کہ صبح کیا کھایا تھا۔"

"کچھ حرج نہیں" وہ مسکرائے تھے "میرے پاس چار دن قل کی ٹکیاں ہیں سب مرضوں کو فائدہ دیتی ہیں۔ دوں؟"

"دیدیجئے.... اور.... آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں.."

"نہیں تکلیف کی کیا بات ہے۔ ایک روپے میں تین ہیں دو درجن کافی رہیں گی۔"

"باپ رے.... م.... میرا مطلب ہے ضرور لوں گا مگر وہ نرگسی بیگم؟"

"اجی صاحب یہی پونا کی مرجان بائی ہے نا جسے بہت سال ہوئے کلیر شریف میں نواب بھرے بھرے سے کو ناک چنے چبوائے تھے اسی کی لڑکی تھی پری جمال نرگسی بانو۔ وہ رنگ آیا تھا کہ اپنے زمانے میں بڑوں بڑوں کو ستر کنوئیں جھکواتی تھی۔ عرسوں میں شاہ گلدم اور شاہ رس بھری جیسے قلندروں سے بھری محفل میں ٹکر

لیتی تھی . . . . . ہا . . . ہا . . . چلبلی اور جوبن اب ایسے کہاں"۔
ان کا چہرہ کملا گیا تھا۔ میں نے چور رنگ ہو کے پوچھا تھا
"آپ نے کہاں دیکھا ہوگا یہ تو کافی پرانی بات ہے"۔
"پرانی سے کیا ہوتا ہے مست بغدادی نے اس کا سارا قصہ اپنی مشہور کتاب "جنت کی چڑیا" میں لکھ دیا ہے۔ بخدا رنگ روپ بدن کا وہ نقشہ کھینچا ہے کہ مجال ہے کوئی کسر رہ جائے۔ تصویر کھینچ کے رکھ دی ہے، ہم نے تو کئی دفعہ خواب میں بھی دیکھا ہے"۔
میرا جی چاہا تھا کہ کپڑے پھاڑ کے سر کے بل ناچنے لگوں مگر شیروانی نئی تھی اور سر میں آج ہی تیل ڈالا تھا مجبوراً دم گھونٹ کے رہ گیا۔ بتایہ رہا تھا کہ چلبلے گدھے کی وہی قبر اب مزار شریف ہے۔ اس پہ سال بہ سال عرس ہوتا ہے۔ خوش عقیدہ مرادیں مانگتے ہیں اور ملتی ہیں جنھیں نہیں ملتیں وہ تیل مالش کے ذریعہ مقدر کی مرمت کرکے ڈبل نیاز دیتے ہیں، چراغ جلاتے ہیں اور مقدر جھک مار کے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ نہیں ہوتا تو کسی اور مزار شریف پہ قسمت آزمائی کرتے ہیں

تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی

آپ کہیں گے کہ گدھے کی قبر تو پاگل ہی پوج سکتے ہیں۔ میں عرض کروں گا کہ آپ ہیں وہابی، بدعقیدہ، دشمنِ اولیا۔ گدھا ہو یا گھوڑا مرنے کے بعد سب میں بزرگی آجاتی ہے بلکہ گدھا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اس کے مزار سے لوگوں کو حد درجہ عقیدت ہو کیونکہ مزاروں کو پوجنے والوں کی ذہنی سطح سے کسی بھی جانور یا انسان کی ذہنی سطح اتنی مطابقت نہیں رکھتی جتنی گدھے کی۔ خدا مغفرت کرے بڑا ہی سعادتمند جانور ہے۔ علیہ ماعلیہ۔
اور ہاں آپ گدھا لئے پھرتے ہیں۔ حیدرآباد کی طرف تو بے شمار ایسی بھی قبریں مرجع خلائق ہیں جن میں کچھ بھی دفن نہیں ہوتا جنھیں شاید "چلہ" کہتے ہیں اور جنھیں پوجنے والے یہ جانتے ہوئے پوجتے ہیں کہ ان میں کوئی دفن نہیں ہے۔ بس مٹی ابھار کر قبر کی شکل بنالی اور شروع کردی ڈنڈوت۔ پھر کیا مجال کہ اس کی برکت سے بےاولادوں کو اولاد، بے روزگاروں کو روزگار، مجرموں کو خلاصی اور عاشقوں کو وصالِ جاناں نصیب نہ ہو۔
کبھی سنا جاتا تھا

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
اب طے ہو گیا ہے
گنبد مزار کا ہے قومی نشاں ہمارا

اور واقعی ایک دم توڑتی ہوئی، پامال و مجروح، قوالی زدہ امت کا قومی نشان "قبر" سے بہتر ہو بھی کیا سکتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔



۲۳ مارچ سنہ ۵۹ء :۔ مولانا بدیع الزماں بختیاری اور مولوی خشیۃ اللہ نقشبندی سر جوڑے بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہروں سے نور اور داڑھیوں سے صبر جھڑ رہا تھا "بڑے نازک حالات ہیں" اول الذکر نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا "صوبائی شاخیں تو گئیں بھاڑ میں۔ مرکز تک تنخواہیں بانٹنی مشکل پڑ گئی ہیں۔ مردود قوم کے بے حس افراد جیبوں میں تالے ڈالے بیٹھے ہیں"۔
"میرا خیال ہے زکوٰۃ فنڈ میں سے دو چار ہزار ادھار لے لئے جائیں" مؤخر الذکر نے گہری آواز میں مشورہ دیا۔
"وہ تو لئے جا چکے۔ ان سے کیا ہوتا ہے۔۔۔ میرے یہاں سوختہ تک نہیں ہے"۔
مولوی خشیۃ اللہ کی آنکھیں فکر مند ہو گئیں۔ کچھ دیر سوچتے رہے پھر اچانک خوش ہو کر چہکے
"بھائی صاحب حکمتِ عملی کے بغیر کام نہیں چلے گا۔۔۔۔ ملایئے ہاتھ سے ہاتھ۔۔۔"
مولانا بدیع الزماں نے ہاتھ آگے کر دیا مگر ساتھ ہی بیزاری سے بولے
"صاف صاف کہو، میرا تو دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ کیسے چلیگی یہ گاڑی۔۔۔۔"
"اچھی طرح چلیگی۔۔۔۔ آپ جانتے ہیں مسلمانوں میں جتنے سیٹھ قسم کے لوگ ہیں ان کی اکثریت قبر پرستی کی دلدادہ ہے۔ ہم نے اب تک خواہ مخواہ ان کی نظروں میں خود کو وہابی بنا رکھا ہے۔ اگر تھوڑا سا طرز بدل دیں تو ان سیٹھوں کی تھیلیوں کے منہ ہمارے لئے بھی کھل سکتے ہیں۔۔۔ سمجھ رہے ہیں نا؟"
مولانا بدیع الزماں کے چہرے کی بیزاری اب ایک طمانیت

آمیز تبسم میں تبدیل ہوگئی۔ ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور صاف معلوم ہوا کہ کانوں میں پڑنے والے چند فقروں نے ذہن کی کوئی پرانی گرہ کھولدی ہے۔

"بالکل سمجھ رہا ہوں" وہ کڑاکے دار لہجے میں بولے" اور آپ بھی سمجھ لیجئے کہ اتحاد بین المسلمین کے نام پر ہماری کوئی بھی اس طرح کی کروٹ بہت ہی برمحل ہوگی..... واللہ آپ بھی خوب سوچتے ہیں.... مگر چلئے باقی گفتگو گھر ہوگی یہاں موقع نہیں ہے"۔

دونوں شیوخ نے ہوٹل کی بینچ چھوڑ دی۔ تھلے سے گزرتے ہوئے مولنا بدیع الزماں نے مالک ہوٹل سے کہا

"حلوہ اور چائے سب ہمارے حساب میں لکھنا...."

اور راہ گیروں کا سلام لیتے ہوئے سامنے کی گلی میں گھس گئے۔ مولنا کا مکان گلی کے خاتمہ پر تھا۔

"میں نے فوری اقدام کا خاکہ بنالیا ہے" مولنا نے راستہ میں کہا۔

"فوری کے بغیر کیا کام چلیگا" مولوی خشیتہ اللہ دردمندی سے بولے "چار سو تو خود مجھے اس مہینے کے آخر میں چاہئیں۔ لڑکی کی فیس دینی ہے۔ جمال میاں کے دو سوٹ بننے ہیں۔ یہ فرنگی تعلیم بڑا ہی پیسہ چاہتی ہے"۔

"جی ہاں مگر اس کے بغیر چارہ بھی کیا ہے۔ مولوی بنا دو تو سوائے نکبت و افلاس کے کچھ حاصل نہیں...."

اتنے میں مکان آگیا اور دونوں حضرات اندر داخل ہوئے اب فدوی کے فرشتے بھی ان کی خلوت میں پر نہیں مار سکتے تھے۔ دروازے ہی میں ایک خوفناک کتا تشریف فرما تھا جسے مولنا نے شاید ہم ہی جیسے خلل اندر معقولات کرنے والوں کے لئے پال رکھا تھا۔ میں نے اس کی بڑی خوشامد کی کہ برادرم! مجھے اندر جانے دو مگر اس نے دانت نکال کر کچھ اس طرح کا جواب دیا۔

"بدتمیز! مجھے برادرم کہتے ہو۔ تم جیسے کمینوں کے برادر صرف چوہے یا مچھر ہوسکتے ہیں کتے نہیں"۔

اور پھر اتنی زور سے بھونکا کہ میں بے تحاشہ بھاگ پڑا۔

اس واقعے کو خاصا عرصہ گزر چکا ہے۔ آئیے میں آپ کو ایک فرحت ناک خبر سناؤں کہ ابھی مارچ ۱۹۵۹ء کے آغاز میں جمعیتہ علماء بمبئی کی شاندار اسٹیٹ کانفرنس منعقد ہوئی ہے "جمعیتہ علماء" میں نے بغیر الف لام کے جو لکھا تو اسپر خفا مت ہوئیے کہ یہ میری لغزش نہیں ہے بلکہ عظیم قوم پرستی کے موجودہ عظیم ماحول میں خود جمعیتہ ہی نے یہ غیر ملکی الف لام نکال پھینکا ہے خیر سننے کی بات یہ ہے کہ اس کانفرنس کی صدارت کی ہے خواجہ غریب نواز اجمیر شریف کے سجادہ نشین صاحب معلی بالقابہ نے۔ جناب صدر صاحب کا خطبۂ صدارت روزنامہ الجمعیتہ میں ۱۱ر مارچ سے قسط وار چھپ رہا ہے۔ پہلی قسط میں نام یوں چھپا

۱؎ تقدس مآب شیخ المشائخ دیوان سید عنایت حسین صاحب

"تقدس مآب" کے لقب پر داد دیجئے — مجھے نہیں عالی دماغ علمائے کرام کو۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ اظہار نیاز مندی کے لئے ایسا نور علی نور لقب کوئی بے چربی کا دماغ ایجاد نہیں کرسکتا۔ اس میں بڑی ندرت ہے۔ سارا اسلامی لٹریچر چھان مارئیے یہ بیش بہا لقب نہ کسی شیخ کے لئے ملیگا نہ عالم کے لئے، نہ مجدد کے لئے، نہ صحابی کے لئے نہ پیغمبر کے لئے۔ ہاں کلیسائی حلقوں میں پوپ اور سقف کے لئے ضرور مل جائے گا۔ واقعی علمائے حق بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ "سجادہ نشینی" اسلامی دائرے کی چیز تو ہے ہی نہیں وہ اپنی خصوصیات اور خمیر کے لحاظ سے پاپائیت ہی جیسی شے ہے جیسے آپ چاہیں تو کلیسا تک رہنے دیں اور چاہیں تو برہمن ازم سے جوڑ لیں، اسلام سے بہرحال وہ نہیں جڑتی۔ بس باریک بین ذہانت کا یہی تقاضا تھا کہ اس کے لئے "تقدس مآب" جیسا ٹکسال باہر لقب لایا جائے پس لایا گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

لیکن معلوم ہوتا ہے یہ لقب بھی اونٹ کی داڑھ میں زیرہ ہی رہا یعنی شوق قصیدہ طرازی کی پیاس اس سے بھی نہیں بجھی۔ یا خود سجادے صاحب نے بالواسطہ اسے ناکافی قرار دیا ہوگا۔ اگلے دن سے یوں لکھا جانے لگا۔

۲؎ حضرت تقدس مآب شیخ المشائخ مولانا دیوان سید عنایت حسین صاحب دامت برکاتہم

واقعی شروع میں "حضرت" نہ ہو تو لمبے سے لمبا نام بے فاتحہ

کا قرآن معلوم ہوتا ہے۔ پھر "مولنا" بھی اشد ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر لوگ باگ موصوف کو بھی کوئی ویسا ہی کوئی پرائمری پاس سجادہ گمان کر سکتے تھے جیسا کہ فی زمانہ قریب قریب ہر سجادہ ہوتا ہے۔ نام کے خاتمے پر ذات گرامی کی مزید عظمت واہمیت کے اعتراف میں دامت برکاتہم سے بھی نمایاں آن بان پیدا ہوسکتی تھی لہٰذا پیدا کی گئی۔ اب بفضلہ تعالیٰ نام نامی اس قدر مکمل مدلل ہے کہ نہ پڑھا ایک پارہ نام تلاوت کر لیا۔ اللھم زد فزد۔

عاجز کو اعتراف کرنے دیجئے کہ عالی جناب سجادے صاحب کا خطبۂ صدارت بوجہ لبریز ہونے معارفِ بسیطہ ولطیفہ سے اتنا ہی صوفیانہ ہے جتنا کہ حق ہے صوفیانہ ہونے کا ظلم کرتا ہے جو شخص اس خطبہ کے زیر سایہ ہونے والی مقدس محفل کو "کانفرنس" کا نام دیتا ہے۔ یہ خطبہ جن روحانی مطالب و معارف اور قبرستانی نکات ورموز سے لبالب ہے ان کے پیش نظر تو اس پاکیزہ محفل کو "بزمِ روحانی" یا "محفل تصوف" کہنا چاہئے۔ اور اگر "کانفرنس" ہی کا لفظ ضروری ہو تو "ولایت کانفرنس" نہایت موزوں رہے گا۔ فرماتے ہیں

"ہزاروں اولیاء اللہ اسی پاکیزہ زمین پر (ممبئی) جو باب الہند ہے بحر عرب کی موجوں میں جھولتے ہوئے اترے اور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام انسانیت ومحبت اس ملک کے کونہ کونہ میں پہونچایا۔ وہ پیغام جو زمینِ ہند کے عارفوں، سنتوں اور یوگیوں کے مزاج کے عین مطابق تھا۔"

یعنی اسلام بیچارے کو مصر وعرب میں بڑی مشکل پیش آئی تھی وہاں کے لوگ مزاج کے اعتبار سے نہ سنیاسی تھے نہ جوگی۔ وہ لڑتے تھے، حکومتیں قائم کرتے تھے، خالی قرآن وسنت کی رٹ لگاتے تھے۔ عرس وقوالی سے بے بہرہ تھے۔ قبروں کو سنسان رکھ چھوڑا تھا۔ نذر ونیاز کی ذرہ برابر توفیق نہیں تھی، وجد وحال، رمز وحکایت، عرفان وتصوف سے عاری تھے۔ بارے اسلام کی مشکل ہندوستان میں پہنچکر حل ہوئی۔ یہاں اسے کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ یہاں سب بھائیوں میں خیر سلا تھی۔

توحید شرک سے گلے ملی۔ شریعت میں طریقت کا شگوفہ پھوٹا، عبادت کی کوکھ سے رہبانیت نے جنم لیا جس کا پیارا پیارا نام رکھا گیا تصوف۔ اور آج بفضلہ تعالیٰ ہمیں جمعیۃ العلماء کے توسط سے دنیا کا یہ آٹھواں عجوبہ سننے کی توفیق ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہند، سنتوں اور یوگیوں کے مزاج کے عین مطابق تھا!

آگے فاضل صدر نے "توحید وجودی" کے کچھ ایسے اسرار وحکم بیان کئے ہیں کہ "وحدۃ الوجود" پر بحث کرنے والے تمام اکابر کو قبروں میں پسینہ آگیا۔ اس کے بعد "صوفی" کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے

"ہوسکتا ہے کہ آپ کی نظر میں وہ پوری طرح عامل با شرع نہ ہو لیکن حدود وقیود شرع کی بے حرمتی کبھی نہیں کرتا۔"

فدوی کے خیال میں جناب صدر نے تکلف برتا ہے ورنہ تصوف تو وہ لاثانی نعمت ہے کہ جس کے ساتھ چپک گئی بس چپک گئی۔ اب وہ ہزار بے عمل بلکہ بدعمل ہو تب بھی ڈنکے کی چوٹ صوفی رہتا ہے۔ شریعت بیچاری ہیچ کیا ہے۔ جیسا کہ خود آپ نے فرمایا تصوف کی منازلِ حیرت میں کتابی علم اور تمام لکھا پڑھا حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے۔ پھر بھلا اس کا کیا سوال کہ کونسا عمل قرآن وسنت کے خلاف ہے اور کونسا موافق۔

اور آگے جناب صدر نے یہ دکھلایا ہے کہ دیوبند کے بھی جملہ اکابرین دربار اجمیری سے ہماری طرح وابستہ اور ہمارے ہی جیسے عقیدت کیش رہے ہیں۔ جو واقعات انہوں نے بیان فرمائے ہیں وہ چاہے ہم جیسے دیوبندیوں کے لئے ثبوت طلب ہوں لیکن حقیقت میں سو فیصدی صحیح ہیں کیونکہ ان پر آسمان کے ستاروں کی گواہی ہے۔ ظاہر ہے ستارے اربہا ارب ہیں اتنے گواہوں کی گواہی کون جھٹلا سکتا ہے تاہم ایک واقعہ بڑا پرلطف ہے۔ مولنا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"احمد آباد جمعیۃ کانفرنس جس سال ہوئی ہے اخبار الجمعیۃ میں پروگرام یوں شائع ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام

احمد آباد جاتے ہوئے اجمیر ٹھہریں گے۔ حضرت
شیخ نے جب اخبار ملاحظہ فرمایا تو ناراض ہوئے
کہ میرے سفر اجمیر کو احمد آباد کے ضمن میں رکھا گیا
میں یہاں سے سیدھا اجمیر جا رہا ہوں۔ زیارت
کروں گا، وہاں ٹھہروں گا اور پھر وہاں سے احمد آباد
کا قصد کروں گا۔ کسی نے کہا کہ حضرت آپ زیارتِ
مزار کے لئے شدِّ رحال کریں گے؟ حضرت نے
غصہ سے فرمایا کہ بے شک میں شدِّ رحال کرونگا۔"

"شدِّ رحال" بالاارادہ سفر کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر یہ واقع صحیح ہے۔ اور قیاس یہی ہے کہ صحیح ہوگا کیونکہ اربوں ستاروں کی گواہی کیسے جھوٹی ہو سکتی ہے تو مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے "غصہ" کو فخریہ بیان کرنا بڑے ہی دل گردے کی بات ہے۔ کیونکہ یہ غصہ کسی اور کے نہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا۔ حضور ہی کا ارشاد بخاری اور مسلم میں نقل ہوا ہے کہ تین مساجد کے سوا کسی متبرک مقام کی طرف شدِّ رحال مت کرو۔ یہ تین مقام ہیں۔ مسجد نبوی۔ مسجد حرام۔ اور مسجد اقصیٰ۔ غالباً اجمیر کی درگاہ ان تینوں میں سے کسی کے اندر واقع نہیں ہے۔ مولانا مدنی سے گزارش کرنے والے کا اشارہ اسی حدیث کی طرف تھا اور دیوبندی اکابرین کبھی اتنے بہادر نہیں ہوئے تھے کہ حدیث تک سے استہزا کرنے لگیں لیکن جمعیۃ العلماء کے بزرگوں کو خوش ہونا چاہئے کہ فاضل سجادے صاحب کے ذریعہ نہیں سابق صدر جمعیۃ مولانا مدنیؒ کی ایک انوکھی شجاعت کا علم ہوا ہے۔

خیر خطبے کے لطائف تو اللہ کے حوالے کیجئے کہ ہم اور آپ جیسے تصوف ناشناس انھیں کیا سمجھیں گے۔ آیئے اُس دعوت نامے کی کچھ جھلکیاں دکھا کر آپ کی عاقبت روشن کروں جو اجمیر سے ہر سال چھپتا ہے اور اب کی بھی چھپا ہے۔ عنوان ہے

"شرف زیارت وحل مشکلات کا عظیم تحفہ"

گویا عنوان ہی سے واضح ہو گیا کہ کون مخلوق کس مخلوق سے خطاب کر رہی ہے۔ اس کے بعد ذیلی عنوان میں حضرت معین الدین اجمیریؒ کو "اشرف اولیاءِ روئے زمین" لکھا گیا ہے۔ گویا گدی نشین صاحب نے جو اپنے خاص الخاص روحانی آلے سے تمام روئے زمین کے اولیاء کی پیمائش کی تو صحابہ سے لیکر تابعین، ائمہ مجتہدین اور جملہ مشائخ تک سبھی حضرت اجمیری کے آگے بونے نظر آئے۔ آگے ہے۔

"امسال عرس شریف تاریخ مندرجہ بالا
پر ہوں گے۔ یہ ایام خاص فیضیابی کے ہیں
شرکت فرمائیں۔ اگر کسی وجہ سے حاضر نہ
ہو سکتے ہوں تو بذریعہ اس گدی کے حتی المقدور
برائے فاتحہ توشہ منی آرڈر بھیجکر تحریر فرمائیں
تاکہ یہ فقیران کے نام پاک سے بموقعہ فاتحہ
خاص گذران کر ہمیشہ کے لئے دعا ہوتی رہے
اور رجسٹر میں نام درج ہوتا رہے۔"

دعاؤں کی یہ علی الاعلان خرید و فروخت چشم فلک نے شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ منی آرڈر فارم بھی دعوت نامے کے ساتھ لگا ہے جس پر گدی نشین صاحب کا پتہ اور کوپن کی عبارت انگریزی میں چھپی ہوئی ہے۔

یہ تو محض دکانداری تھی۔ اب کمالِ توحید بھی ملاحظہ کیجئے۔ عنوان دیا ہے۔

عمل برائے ہر مشکلات

پھر ذیلی عنوان ہے۔

"اسماءِ اعظم حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن چشتی سلطان الہند غریب نواز کے ۹۹ اسم پاک کا وظیفہ۔"

سچ بتایئے کیا تاریخ میں ایسے شاندار اسلامی شرک کا کوئی اور نمونہ بھی ملتا ہے؟ حدیث میں اللہ جل شانہ کے ۹۹ نام بیان ہوئے ہیں۔ گدی نشین صاحب نے خم ٹھوک کے فرمایا کہ ہائیں خواجہ اجمیری کیا اللہ سے کم ہیں جو ان کے ننانوے سے کم نام ہوں۔ فوراً ۹۹ نام سامنے کر دیئے۔ غنیمت ہے انہوں نے اللہ میاں کی لاج رکھ لی ورنہ جس انداز کے نام انہوں نے دیئے ہیں اس انداز کے تو نو سو ننانوے بھی ایک ہی نشست میں گھڑے جا سکتے تھے اور اللہ میاں کو بہ آسانی شکست دی جا سکتی تھی۔

نمونہ ملاحظہ ہو

میر معین الدین ایک نام. مخدوم معین الدین دو نام فرزند مرتضٰے معین الدین تین نام. جگر گوشۂ رسول معین الدین چار نام. فنافی اللہ معین الدین پانچ نام. عارف باللہ معین الدین چھ نام. درویش معین الدین سات نام. دلریش معین الدین آٹھ نام دائم معین الدین نو نام. قائم معین الدین دس نام. ناظر معین الدین گیارہ نام. میراث اللہ معین الدین بارہ نام. نکر اللہ معین الدین تیرہ نام. امیر اللہ معین الدین چودہ نام. واجد معین الدین پندرہ نام۔

یہ سوا درجن آپ کے ہوش ٹھکانے لگانے کے لئے کافی ہوں گے. اسی کو البیٹی کے ننانوے ناموں والا وظیفہ ظاہر ہے مفت کا مال نہیں ہو سکتا چنانچہ اس کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے

"جو صاحب اس عمل کو پڑھے گا وہ زیارتِ خواجہ بابا سے مشرف ہوگا اور مقصد میں بہرہ یاب مگر شروع کرنے سے پہلے اس پر توشہ دینا واجب ہوتا ہے جس کی مقدار مبلغ سوا پانچ روپے ہے. وہ ہدیہ بذریعہ منی آرڈر اس گدی کے پتے پر ارسال فرما کر اجازت حاصل کرلیں بغیر اجازت پڑھا تو تقصیر ذمہ دار نہ ہوگا. یہ عمل ہر مرد عورت پڑھ سکتے ہیں. اہل ہنود صاحب (اسی طرح لکھا ہے. ملاؔ) کو پاس رکھنا ہی کافی ہے"

کہئے کچھ آیا سمجھ شریف میں. کمائی کے آپ نے بہت سے طریقے سنے اور برتے ہوں گے. ممکن ہے جوا بھی کھیلا ہو، سٹہ سے بھی شوق فرمایا ہو. زنانِ بازاری کی دلالی بھی کی ہو بلکہ تکلف برطرف چوری اور غبن کے بھی مزے لوٹے ہوں مگر ایمان سے کہئے کیا ان تمام اعمالِ صالحہ کا مجموعی ثواب بھی اس عظیم ثواب واجر کی برابری کر سکتا ہے جو اللہ میاں کو للکارنے والے اس وظیفے کی تجارتِ صالحہ سے حاصل ہونے کی توقع ہے. کبھی نہیں. قیامت تک نہیں۔

تو مبارک ہو کہ اجمیری درگاہ کے عالی مقام سجادہ صاحب کی رہنمائی میں اب ہماری جمعیۃ العلماء ایک نئے دورِ ارتقا کی طرف قدم بڑھا رہی ہے امید ہے کہ آنے والی نسلوں کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔

کھرے کھوٹے

تبصرہ کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تذکرۃ الاولیاء اس کتاب میں ۱۹ مشہور اولیاء و صوفیاء کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنے عالی مقام اسلاف کے تذکرے امت کی روحانی بالیدگی اور ایمان و یقین کے فروغ میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں — لیکن ساتھ ہی اس المناک حقیقت کا بھی ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ اولیاء و صوفیاء کے جتنے بھی تذکرے بازار میں ملتے ہیں وہ بلا استثناء سب کے سب نظر ثانی کے لائق ہیں کیونکہ ان کی تدوین و ترتیب میں "خدمت اسلام" اور "حقیقت پسندی" سے کہیں زیادہ اُس مبالغہ آمیز عقیدت کیشی اور خیال پرستی کو دخل رہا ہے جو عقل و درایت کے دریچوں پر تحیّر و گم گشتگی اور روایت کے سیاہ پردے کھینچ دیتی ہے۔ شاید ایک بھی تذکرہ نگار ایسا نہیں ہے جس نے اسلام کے صحیح تعارف کی نیت اور عملی تعلیم کے نقطۂ نظر سے اولیاءِ کرام کے حالات مدوّن کئے ہوں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ کسی بھی تذکرے کے خد و خال سے اسلام کی جو تصویر بنتی ہے وہ قرآن و سنت کی پیش کردہ تصویرِ اسلام سے مطابقت نہیں رکھتی اور اگر اسی تصویر کو صحیح اور معیاری خیال کرلیا جائے تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے ابتدائی پیرؤوں نے — یعنی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے اسلام کے دائرے میں جو اُسوے اور خاکے پیش کئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ معیاری نہیں ہیں بلکہ بعد کے اولیاء و صوفیاء کے پیش کردہ اسووں اور خاکوں سے بداہۃً فروتر، ناقص اور بے مایہ ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

پیش نظر تذکرے کے مرتب جناب مفتی ولی حسن ٹونکی نے اگرچہ کافی احتیاط اور حقیقت پسندی سے کام لیا ہے لیکن پھر بھی وہ پوری طرح ذہنی توازن قائم نہیں رکھ سکے ہیں اور ایسی روایات لے ہی آئے ہیں جو قارئین کے ذہنی مزاج کو بگاڑنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔ مثلاً صفحہ ۱۷ پر

"جب خواجہ (معین الدین حسن سنجری) نے انتقال کیا تو آپ کی پیشانی پر لوگوں نے یہ الفاظ لکھے دیکھے حبیب اللہ مات فی حب اللہ یعنی خدا کا دوست خدا کی محبت میں فنا ہوگیا۔"

یا مثلاً صفحہ ۵۰ پر

"تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ بیعت کے بعد وہ (خواجہ بختیار کاکیؒ) رات دن میں پچاس ۱۵ رکعت نماز ادا کرتے تھے اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ شادی کی ابتدائی راتوں میں اپنے معمولات کو ادا نہ کرسکے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس احمد نامی ایک بزرگ کو خواب کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ وہ بختیار سے دریافت کریں کہ یہ بے نیازی کیوں؟ یہ سن کر حضرت نے اسی وقت بیوی کو طلاق دیدی حالانکہ شادی کے کل تین دن گذرے تھے۔"

تذکرہ نگاروں کو اور ان سے نقل کرنے والے مفتی ولی حسن صاحب کو اللہ معاف کرے نامعقول قسم کی روایت پرستی کی رَو میں انھوں نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ یہ روایت نہ صرف خواجہ بختیار کاکیؒ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کے دامنِ صافی کو کس درجہ داغدار کرتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ روایت صحیح ہو تو کیا اس کے ذکر و بیان سے خواجہ بختیار کی عظمت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے؟ — واقعہ یہ ہے کہ شخصیتوں سے اندھی عقیدت، اچھے اچھے سمجھداروں کو بچہ بنا دیتی ہے ورنہ کسی شخص کا محض اس لئے بیوی کو طلاق دیدینا کہ وہ دن رات عبادت کرنا چاہتا ہے اتنی صریح رہبانیت ہے کہ قرآن، سنت، اسوۂ صحابہ اور دین و دنیا کے کسی بھی قانون کی رو سے اسے سراہنا اور مستحسن قرار دینا بقائمی ہوش و حواس ممکن نہیں ہے۔ ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ

روایت صحیح ہے تو خواجہ بختیار کاکیؒ کا یہ فعل اس لائق ہے کہ اسکے تذکرے تک سے پرہیز کیا جائے اور خدا سے اس کی معافی کی دعا کی جائے۔ مانا کہ انھوں نے یہ شوق بندگی ہی میں کیا ہوگا مگر یہ تو رسول اللہ کے اسوے اور تعلیم کی عین نقیض ہے۔

یا مثلاً صفحہ ۶۷ پر

"شیخ بدرالدین غزنویؒ کہتے ہیں کہ جس رات شیخ کا انتقال ہوا میں وہاں موجود تھا جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو مجھے یوں ہی غنودگی آگئی اس غنودگی میں دیکھتا ہوں کہ شیخ اپنے مقام سے نکل کر آسمان کی طرف جاتے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں بدرالدین! خدا کے دوستوں کو موت نہیں آتی۔ جب میں بیدار ہوا تو شیخ اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے"۔

یہ روایت اُس مشرکانہ ذہنیت کے نشوونما میں مدد دیتی ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں پرستشِ اولیاء کے رنگ میں رواج پاگئی ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انبیاء تک تو عام انسانوں ہی کی طرح معروف "موت" کی دستبرد سے نہ بچ سکیں اور اولیاء و صوفیاء کو "موت" چھو نہ سکے! شیخ بدرالدین غزنوی نے غنودگی کے عالم میں جو کچھ دیکھا اگر وہ خود انھی کے ذہن و تخیل کی کارپردازی نہیں تھی بلکہ سچ مچ کوئی چیز آسمان کی طرف روانہ ہوئی ہے تو یہ کوئی خاص بات نہیں۔ بالکلیہ فنا تو کوئی بھی انسان نہیں ہوتا اس کی روح آسمان ہی کی طرف کہیں جاتی ہوگی اور عالمِ مثال ہی میں سہی مگر جسم و روح کا بھی کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہتا ہوگا ورنہ عذابِ قبر کے کوئی معنی نہیں۔

یا مثلاً صفحہ ۸۳ پر

"بابا فریدؒ نے اس راہ معرفت کے طے کرنے میں بڑی محنتِ شاقہ کی۔ کئی کئی سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہے نہ بیٹھے نہ سوئے...."

اگر یہ سچ ہے تو پھر ہمیں شرم سے گردن جھکا لینی چاہئے کہ ہمارے بزرگوں نے ریاضت کیشی میں بڑے بڑے راہبوں اور سنیاسیوں کو مات کر دیا۔ آخر "رہبانیت" اور کس چیز کا نام ہے؟۔

صفحہ ۵۹ پر تو حد ہوگئی ہے۔ سنیئے اور سر دھنیئے۔ حضرت مخدوم صابر کلیریؒ کی شادی ہوتی ہے۔

"نکاح کے بعد جب رات ہوئی تو دلہن کو آپ کے حجرے میں پہنچا دیا۔ جب خدیجہ بیگم (بیوی) کمرے میں داخل ہوئیں تو آپ عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے اس لئے وہ خاموش بیٹھ گئیں اور آپ بدستور نماز و عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو خدیجہ بیگم سے پوچھا تو کون ہے؟ انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ میں آپ کی بیوی ہوں حضرت مخدوم نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا خدا تو فرد ہے بیوی سے اسے کیا واسطہ۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ زمین سے آگ پیدا ہوئی جس نے دلہن کو جلا کر خاکستر کر دیا"۔

کیا اس پر کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ ہم اسے ناممکن تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ سائنس کے نئے انکشافات نے اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب حقائق سے روشناس کرایا ہے اور دور کیوں جائیے۔ ہسٹریا کی مریض بعض عورتوں کو دیکھئے۔ وہ دورے کی حالت میں نہ صرف یہ کہ کئی کئی مردوں کی مجموعی قوت سے زیادہ قوت کا مظاہرہ کرتی ہیں بلکہ مسمریزم کے معمول کی طرح پسِ دیوار رکھی ہوئی گھڑی کا ٹائم ٹھیک بتا دیتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر ودیعت کی گئی صلاحیتیں عجیب و غریب ہیں۔ کوئی عجب نہیں کہ بعض ریاضتوں کے نتیجے میں کوئی شخص پھونک ڈالنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو جائے لیکن کیا اس کا کوئی تعلق بزرگی اور دینداری سے بھی ہوگا؟ — کاش کوئی بتاتا کہ ایک جیتی جاگتی نئی دلہن کو جلا کر بھسم کر دینے کے قاتلانہ فعل پر پولیس نے بھی ایکشن لیا تھا یا نہیں۔ اور مقتولہ کے والدین نے بھی کچھ احتجاج کیا تھا یا نہیں!!

صفحہ ۱۲۰ پر بیان ہوا ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا جی چاہا کر جنگل بیابان میں جا کر عبادت و ریاضت میں لگ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خواہش بداہتہً ایسی تھی کہ اگر حضرت موصوف اس کے بارے میں قرآن و سنت سے استصواب کرتے تو کھلا جواب مل جاتا کہ یہ تو رہبانیت ہے۔ لیکن انہوں نے قرآن و سنت پر دھیان نہیں دیا بلکہ امیر خسرو کے واسطے سے اپنے مرشد حضرت محبوب الٰہی سے اس کی اجازت طلب کی۔ گویا عملاً یہ ثابت کیا کہ پیری مریدی کے دائرے میں بس پیر ہی اللہ اور رسول کا مقام رکھتا ہے۔ وہ اجازت دے تو "سجادے" کو "مے" سے رنگین کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور وہ اجازت نہ دے تو لقمہ توڑنا بھی حرام ہے۔ خیر ہمیں توقع تھی کہ حضرت محبوب الٰہیؒ اس اجازت طلبی پر قرآن و سنت کا حکم بیان فرمائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بقول تذکرہ نویس ان کا جواب یہ تھا۔

"تجھے مخلوق کے درمیان رہنا چاہیئے اور لوگوں کے ظلم و ستم برداشت کرنا چاہئیں"۔

جواب مآل کے اعتبار سے ٹھیک ہے لیکن یہ تأثر ضرور دیتا ہے کہ اس کی بنیاد رہبانیت کی ممانعت پر نہیں بلکہ مرشدانہ مصلحت پر ہے۔

صفحہ ۱۲۳ پر انہی حضرت چراغ دہلویؒ کے بارے میں ہے۔

"اپنے پیر و مرشد کی طرح تعلقات زنا و شوئی[۱] سے پاک رہے"۔

گویا میاں بیوی کا تعلق کوئی ناپاک چیز تھی جس سے "پاک" رہنے پر اظہار فخر کیا جا رہا ہے۔ افسوس یہی فاسد طرز فکر ہے جو صوفیا کے ہر ہر فعل و عمل کو بلا تنقید سند مان لینے سے پیدا ہوتا ہے۔

صفحہ ۲۵ پر امام حسینؓ کو "سید الکونین" کہا گیا ہے۔ اس افراطِ عقیدت کو شاعری کے سوا کیا کہیں۔

صفحہ ۳۱ پر بتایا گیا ہے کہ خواجہ معین الدین حسن کو اجمیر جا کر اقامت گزیں ہونے کا حکم خود رسول اللہ نے دیا۔ لیکن صفحہ ۳۴ پر کہا گیا ہے کہ اجمیر جیسے سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحب کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ ان کی غیر معمولی خود مختاری کا بھی آئینہ دار ہے۔ بھلا پہلی روایت صحیح ہے تو قیام اجمیر کے لئے خواجہ صاحب کی قوتِ فیصلہ اور عزم و ہمت کے آگے خراجِ تحسین پیش کرنے کا کونسا موقع تھا۔ اور یہ "خود مختاری" کیا چیز ہے؟

مروجہ سماع کے قائلین کے لئے اس کتاب میں چند سبق آموز چیزیں ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۲۲ پر ہے

"ایک روز حضرت نصیر الدینؒ کے کسی پیر بھائی کے گھر میں مجلس قوالی تھی آپ بھی اس مجلس میں موجود تھے باجے کے ساتھ سماع شروع ہوا تو آپ وہاں سے اٹھکر چلے بعض دوستوں نے کہا تشریف رکھئے آپ نے کہا میں نہیں بیٹھوں گا کیونکہ باجے کے ساتھ گانا خلاف سنت ہے۔ ان میں لوگوں نے کہا کہ سماع سے انکار کرتے ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے طریقے سے پھر گئے آپ نے فرمایا یہ کوئی دلیل نہیں کتاب و سنت سے دلیل چاہئے۔ سب سے مقدم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے جب یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا "وہ سچ کہتے ہیں اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں"۔

صفحہ ۱۱۶ پر ان خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے چند شرائطِ سماع بیان کئے گئے ہیں جن کے مزار پر آج فاسق و فاجر قوال ہارمونیم اور طبلے پر فلمی دھنوں میں فاسد مضامین کی قوالیاں الاپتے ہیں۔

"جو چیز سنی جائے وہ تمام لغویات سے اور خلاف شرع امور سے پاک ہو۔ جو سُنے خدا کے لئے سُنے۔ بجانے کے آلات جیسے ڈھول چنگ و رباب وغیرہ نہ ہوں"۔

صفحہ ۱۲۵ پر حضرت چراغ دہلویؒ کا فرمودہ نقل کیا گیا ہے۔

"باجوں کے ساتھ گانا مباح نہیں ہے۔ اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم اسکو شریعت میں تو

---

[۱] یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح لفظ "زن و شو" ہے یعنی میاں بیوی کے تعلقات۔ تجلی

رہنا چاہیئے اگر وہ شریعت کا بھی نہ ہوگا تو پھر کہاں جائے گا اور کس طرح نجات پائے گا۔
اول تو گانے میں علماء کا اختلاف ہے اگرچہ بعض شرائط کے ساتھ اسکو مباح کہا گیا ہے لیکن باجے تو بالاتفاق حرام ہیں۔"

گویا قائلینِ سماع جن بزرگوں کی سند سے جوازِ سماع پر حجت پکڑتے ہیں وہ بھی باجے اور طبلے کے ساتھ سماع کو حرام ہی کہتے آئے ہیں۔ اب آج جس سماع پر نام نہاد صوفیاء جان و دل نثار کر رہے ہیں وہ تو بغیر ہارمونیم اور طبلے کے منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اس کتاب کو محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی نے شائع کیا ہے۔ صفحات ۱۹۲ ہیں اور قیمت دو روپے ہے۔

آزادی کی طرف

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روٹی، کپڑے اور معاشی مساوات کے چند خوشنما نعروں ہی کا نام "کیمونزم" ہے وہ اُس بچے سے بھی زیادہ بے خبر اور بے شعور ہیں جو یہ سمجھتا ہے کہ بیار ایک زرد رنگ کی بڑی سی تھالی کا نام ہے جس میں کئی سیر مٹھائی سما سکتی ہے۔ اور جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ روس میں کمیونزم نے عوام کو واقعی زندگی کی بنیادی ضروریات عطا کر کے خوشحال زندگی، مسرت، اور قوت سے ہمکنار کر دیا ہے وہ اُس دیہاتی سے بھی زیادہ نادان اور بے علم ہیں جو یہ تصور رکھتا ہے کہ سورج چاہے کتنا ہی بڑا ہو مگر میرے گاؤں سے بڑا نہیں ہو سکتا۔

روس کے ایک بڑے سرکاری افسر ہیں وکٹر کراف شینکو۔ انھیں ایک ماہر انجینیر کی حیثیت سے اُس زمانے میں امریکہ بھیجا گیا تھا جب ہٹلر کے مقابلہ پر روس اور امریکہ و برطانیہ میں وقتی اتحاد ہو گیا تھا۔ یہ منصب اور تنخواہ کے اعتبار سے اگلی صفوں میں تھے۔ پھر امریکہ سے واپسی پر انھیں بہت کچھ ترقی ملنے والی تھی۔ لیکن خوفناک روس کے خون آشام جبڑوں میں واپس جانے کے مقابلہ میں انہوں نے ہزار درجہ بہتر سمجھا کہ ایک غریب آدمی کی حیثیت سے امریکہ کی پناہ میں زندگی گذاریں، اونچے عہدوں پر لات ماریں اور اپنی محبوب بیوی، اپنے بھائی اور اپنے ماں باپ تک سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائیں جنھیں وہ روس چھوڑ آئے تھے۔ انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ امریکہ کی دی ہوئی زبان و قلم کی آزادی سے فائدہ اٹھا کر روس میں ہونے والے اس ناقابل قیاس ظلم و طغیان، ہولناک جبر و تشدد، ہمہ گیر سفاکی و بے رحمی اور بے مثال جور و قہرمانیت سے دنیا کو مطلع کریں جسے خود انہوں نے اوپر سے نیچے تک نہ صرف دیکھا ہے بلکہ آزمایا اور سہا ہے جسکا شمہ برابر ذکر تک روس کے اندر رہتے ہوئے کسی کے لئے ممکن نہیں اور جس پر سرتاسر غلط پروپیگنڈوں کے ظاہر فریب نقاب ڈال دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اسی ضرورت کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ مصنف کی اپنی داستانِ حیات ہے جو روس کے حقیقی چہرے سے نقاب اٹھاتی ہے۔ مصنف ان ہزاروں کمیونسٹوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے زار کے بالمقابل پرولتاری انقلاب کو سچ مچ ایک مفید، ترقی پسندانہ اور صالح انقلاب خیال کر کے انقلابی دستوں کا ساتھ دیا تھا۔ وہ نیک نیتی اور طبعی شرافت کی رو میں ایک ترقی یافتہ خوشحال اور آزاد "روس" کے خواب دیکھتے ہوئے ان مصنوعی نعروں اور دلفریب اصطلاحوں کے دھوکے میں آ گئے تھے جنکی بے حقیقتی اور مضحکہ خیزی اُن پر اُس وقت کھلی جب پورا روس ایک جابر و قاہر پولیس اسٹیٹ بن چکا تھا۔ خوابوں کا طلسم ٹوٹنے پر انھیں جو کچھ نظر آیا وہ اتنا ہولناک تھا کہ دنیا کی کسی بھی زبان کا کوئی لفظ۔ بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کے سارے خوفناک اور رکیک الفاظ مل کر بھی اس کی ہولناکی، گراوٹ اور قہرمانی کی مکمل تصویر کشی نہیں کر سکتے۔ خدا کا انکار تو محض ایک نظریہ ہے جو بادی النظر میں بہت زیادہ ہولناک نہیں اور اس کے خلاف ہم مذہبی اصطلاحوں میں چاہے کتنی ہی لے دے کر لیں لیکن اس سے اُن لرزہ خیز شقاوتوں اور خوں آشام بے رحمیوں کا ادنیٰ سا بھی اندازہ نہیں ہو سکتا جنھیں روسی منکرین خدا کی با اقتدار پارٹی نے اپنے مسلسل اور غیر منقطع عملی اقدامات سے جنم دیا ہے پہلے بھی بہت سے منکرینِ خدا گذرے ہیں اور ہر زمانے میں الحاد ایک نظریہ کی حیثیت سے موجود رہا ہے لیکن روسی الحاد اپنی ذیلی نوعیتوں کے اعتبار سے اور ہی شے ہے۔ انہیں ان تمام

اخلاقی قدروں کا انکار ہے جسپر ازل سے آج تک تمام عالمِ انسانیت متفق رہا ہے۔ اس میں انسانیت، شرافت، رحم، دیانت اور ہر وصفِ محمود کا انکار ہے ـــ اس میں اُن جذبوں اور جبلتوں کا بھی انکار ہے جو انسانی فطرت کا ناقابلِ تنسیخ جز ہیں اور جن سے انکار کا تصور تک دنیا کے بڑے سے بڑے ملحد ظالم و جابر اور ستم شعار نے کبھی نہیں کیا۔

یہ محض الزامات نہیں حقائق ہیں جن کے دلائل زیرِ تبصرہ کتاب میں شرح و بسط سے موجود ہیں۔ یہ کتاب امریکہ، فرانس، انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، اٹلی، ہالینڈ، اسپین، پرتگال، چین، ارجنٹائن، اور کنیڈا میں بھی چھپی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آج کی دنیا کے ہر شخص کو اسے ایک بار ضرور پڑھ لینا چاہئے، جو پڑھ نہ سکتا ہو پڑھوا کر سن لے۔ یہ کوئی کہانی نہیں ہے۔ بے حد دلچسپ ہونے کے باوجود یہ ایک خوفناک حقیقت ہے جس کا مطالعہ کرنا ایک ایسے دور میں بے حد ضروری ہے جب کمیونزم کا دیو گمراہ کن پروپیگنڈے کا نقاب ڈالے فریب انگیز نعرے لگاتا اور جعلی آمیز اصطلاحیں اچھالتا پوری دنیا کو اپنی ناپاک گرفت میں لینے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ روٹی، کپڑا، مشترکہ کھیتی، مساوات ـــ یہ تو محض چھلکے ہیں۔ ان کے پیچھے جو جہنم بھڑک رہا ہے اس میں جھانک کے دیکھو۔ اذیت، غلامی، زخم، کراہیں، خوف، بھوک، نامرادی، ذلت ـــ یہ سب الفاظ بہت ہلکے ہیں۔ انھیں بار بار ضرب دیکر دیکھو تب شاید اس عذابِ الیم کا ہلکا سا تصور آسکے جس کی چکی میں کمیونزم کے دیوتا انسانیت کو پیس رہے ہیں۔ تب شاید جبری محنت کے اُن کیمپوں کا کوئی خاکہ تمہارے ذہن میں ابھر سکے جسکے تنگ و تاریک اور سیلے حجروں میں لاکھوں انسان جانوروں سے بدتر ـــ کئی گنا بدتر زندگی گذارتے رہے ہیں، اور گذار رہے ہیں ـــ جانوروں کو پیٹ بھر چارہ تو دیا جاتا ہے۔ موسم کی شدتوں سے بچانے کا انتظام کیا جاتا ہے، ان کی طاقت کے مطابق کام لیا جاتا ہے۔ لیکن جبری کیمپوں کا فلسفہ ہی اور ہے، وہاں پیٹ بھر کھانا، ضرورت بھر کپڑا اور بساط بھر کام بدترین جرم ہے کیونکہ اس طرح وہ ہولناک دہشت اور بے پناہ خوف کیسے باقی رہ سکتا ہے جسکی بقا ہی کمیونزم کے شیطانی اقتدار کی بنیاد ہے۔ اس خوف کو قائم و دائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بھوک، سردی، مرض اور تھکاوٹ سے لوگ مکھیوں کیطرح مرتے رہیں، سسکتے رہیں اور ان کی جگہ خفیہ پولیس نئے قیدی لاتی رہے۔ ہزار نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں کی تعداد میں غلام مہیا کئے گئے تاکہ فیکٹریوں اور کارخانوں کو دن رات چلا کر مرکزی اقتدار کو قوی سے قوی تر کرتے رہیں اور یہ سب کون تھے ـــ اپنے ہی وطن کے وہی کسان، مزدور جن کی نجات اور خوشحال زندگی کے دعوے پر کمیونزم کا مرکزی نعرہ ترتیب دیا گیا تھا، وہی تاجر، ادیب، صنعت کار اور عام لوگ جنھیں ذاتی ملکیت سے محروم کرکے ہوائی خواب دکھائے گئے تھے اور جن کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کمیونسٹوں کی لچھے دار باتوں پر اعتماد کرلیا تھا۔

تماشا یہ ہے کہ خود کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بھی چین سے نہیں ہیں۔ بڑے سے بڑا ممبر بھی ہر دم لرزاں و ترساں ہے کہ نہ جانے کب موردِ عتاب ہو جائے، نہ جانے کب خفیہ پولیس کے پراسرار جلاد اسے گھسیٹتے ہوئے اپنی گاڑی میں ڈال کر لے جائیں اور اس کے اہل و عیال زندگی بھر رونے پیٹنے کے باوجود نہ معلوم کرسکیں کہ وہ کہاں گیا، اس کا کیا قصور تھا، یہ خوف ہر شخص کی زندگی کا ایک لازمی جز بنکر رہ گیا ہے کیونکہ وہ چاہے کسی محلے میں رہتا ہو ضرور چند بار یہ منظر دیکھ چکا ہوتا ہے کہ اس کے کئی پڑوسی اچانک پکڑ لئے گئے ہیں۔ انہیں وہ بھی تھے جو سالوں سے کمیونسٹ پارٹی کے ممبر رہے ہیں، وہ بھی تھے جنھیں اونچے عہدے حاصل ہیں، وہ بھی تھے جن کی تعریف سے کمیونسٹ اخبار (اور روس میں اخباروں کی بس یہی ایک قسم ہے) بھرے رہتے ہیں، وہ بھی تھے جنھیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ بھی تھے جن کی حکومت دوستی مسلمات میں سے تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی خفیہ پولیس کے اُس بے رحم اقدام کا راستہ نہ روک سکی جس کے دم قدم سے جبری محنت کے کیمپ آباد ہیں۔ جب یہ بھیانک صورتِ حال سامنے ہو اور جبری کیمپوں کی بدترین زندگی کا تصور قلب و ذہن میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہو تو ظاہر ہے پارٹی ممبر ہو کر بھی چین اور اطمینان کسے نصیب ہو سکتا ہے۔

آخری جنگ عظیم میں نازیوں پر روس کی فتح ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس نے کمیونسٹوں کے پُرفریب پروپیگنڈے کو عالمی میدان میں آپ سے آپ کئی گنا تقویت دیدی ہے۔ بس۔ یہ نظریاتی اختلاف رکھنے والے بھی یہ گمان کرنے پر مجبور ہو گئے کہ کچھ بھی ہو اسٹالن کی رہنمائی میں روس واقعۃً ایک عظیم اور ناقابلِ تسخیر قوت بن گیا ہے یہ فتح گویا کمیونسٹوں کے طرزِ فکر، طریقِ کار اور نظریات کے حق میں ایک عظیم استدلال بن گئی اور جنگ جیتنے کا سارا کریڈٹ کمیونزم اور اسٹالنی حکمت وتدبر کے ہاتھ آیا۔ لیکن حقیقت کیا ہے۔ اسے زیرِ تبصرہ کتاب میں نہایت دلنشین پیرائے میں واضح کیا گیا ہے۔ تمام وجوہ تو کتاب کے مطالعے ہی سے آپ پر منکشف ہوں گے۔ صرف ایک بڑی اور بہت بڑی وجہ سن لیجئے کہ روس ہرگز ہرگز نہ جیتتا اگر ہٹلر کی فوجوں میں انسانیت اخلاق اور شرافت کی ذراسی رمق بھی ہوتی۔ ہوا یہ کہ نازی فوجوں نے روس کی جن جن بستیوں پر قبضہ کیا وہاں وہ وہ ہوشربا مظالم ڈھائے کہ اُن سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ زنا، اغلام بے رحمی، شقاوت اور سفاکی کی انتہا کر دی۔ ان بستیوں سے بھاگ بھاگ کر آنے والے روسیوں نے جب چاروں طرف ان چشم دید مظالم کی داستانیں سنائیں اور روسی عوام کو یقین ہوگیا کہ حملہ آور نازی قساوت وجلادی میں ان کے اپنے آقاؤں سے پیچھے نہیں ہیں تو قدرتاً انھیں یہی بہتر معلوم ہوا کہ غیر ملکی جلادوں کے طوق وسلاسل پہننے کے عوض اپنے ہی ہموطنوں کی قید وبند پر قناعت کرلیں۔ اپنے بہرحال اپنے ہیں ہوسکتا ہے کبھی نرم ہی ہوجائیں۔ یہ خیال انھیں سرفروشی کی راہ میں بڑھائے گیا اور ساتھ ہی انہوں نے ایک اور دھوکا کھایا۔ کمیونسٹ حکمراں پارٹی نے اس خاص وقت میں اپنے پچھلے نعرے تہہ کرکے رکھدیئے تھے اور نئے نعرے ایجاد کئے تھے جن میں عوام سے مذہب اور وطن پرستی کے نام پر اپیلیں کی گئی تھیں۔ عوام یہ سمجھے کہ حکمراں پارٹی وطن پروری اور مذہب کے خلاف اپنی مستقل پالیسی کی غلطی محسوس کرکے قبولِ اصلاح پر آمادہ ہوگئی ہے اور جنگ جیت لی تو ملک کی فضا پہلی سی نہیں رہے گی۔ گویا نازی ظلم وجبر کی نفرت اور خوف کے ساتھ ایک مثبت امید بھی انھیں حملہ آوروں کے خلاف جان کی بازی لگانے پر آمادہ کرگئی۔ ادھر روس کی برفانی سردی نازی سپاہیوں کے لئے ایک ایسی قیامت تھی جسکا ان کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔ سردی سے سکڑ سکڑ کر وہ روزانہ کثیر تعداد میں مر رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہار گئے اور تاریخ کی اس سب سے بڑی ستم ظریفی نے ظہور لیا کہ فتح کا سہرا اُس اسٹالنی تدبر اور اُن تباہ کن نظریات وتصورات کے سر بندھ گیا جنھیں رتی برابر دخل فتح میں نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کریڈٹ اسٹالنی تدبر کو دیا جاسکتا ہے کہ اس نے عین وقت پر کچھ چھوٹے نعرے گھڑے اور عوام اس جھوٹ کا شکار ہوگئے لیکن یہ بھی حقیقت میں بیکار ہی رہتا اگر نازی فوجیں اپنے عمل سے روسی عوام کو یہ باور کرا دیتیں کہ وہ ان کے آقاؤں سے کم ظالم ہیں اور انسانیت وشرافت کی تھوڑی سی بھی مقدار ان کے پاس موجود ہے مگر وہ تو خود ایک بے اندازہ فرعونیت اور بے نہایت بربریت کے نشے میں چور تھیں روسی عوام کس توقع میں ان کا خیر مقدم کرتے۔

مختصر یہ کہ زیرِ تبصرہ کتاب نہ صرف خود پڑھنے کے لائق ہے بلکہ دوسروں کو پڑھانے اور پھیلانے کی مستحق ہے صفحات ہیں ۴۸۶۔ مترجم ہیں جناب ستیہ نند ساگر۔ ترجمہ کی زبان ذرا جھولدار ہے، تاہم مفہوم کی صراحت اور داستان کی دلچسپی میں حارج نہیں۔ قیمت ہے تین روپے (لائبریری ایڈیشن ساڑھے چار روپے) چھاپنے والے ہیں۔ مہتمم نیشنل اکاڈمی۔ ۹ انصاری مارکیٹ، دریا گنج دہلی۔ مکتبہ تجلی سے بھی مل سکتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس نوع کی کتابوں کو بیچنا، خریدنا اور پھیلانا انشاء اللہ عظیم ثواب کا موجب ہوگا بشرطیکہ نیت درست ہو۔ وللہ عاقبۃ الامور۔

سالنامہ بتول

ماہنامہ بتول عورتوں کا اصلاحی پرچہ ہے جو تقریباً سوا سال سے خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا مشن پورا کر رہا ہے۔ اسوقت اس کا دیدہ زیب سالنامہ ہمارے سامنے ہے۔ سفید کاغذ کے دو سو صفحات کا یہ سالنامہ لکھائی چھپائی کے اعتبار سے تو بہت زیادہ دلکش نہیں مگر معنوی حسن سے مالا مال ہے مفید ووقیع مضامین

مقصدی افسانے، اچھی غزلیں اور نظمیں ترتیب باسلیقہ ٹائیٹل نسوانی ذہن و مزاج کی "سطحی پیچیدگی" کا اشاریہ۔ ویسے بھی بات یہ ہے ٹائیٹل کا پورا مطلب ہم نہیں سمجھ سکے تاہم تین رنگوں کا امتزاج بھلا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ قیمت سوا دو روپے زیادہ نہیں ہے۔ ہر صاحب ذوق کے لئے اس کا مطالعہ نشاطِ خاطر کا باعث ہوگا:- مدیرہ حمیدہ بیگم اور رخشندہ کوکب۔ پتہ یہ ہے۔ دفتر ماہنامہ "بتول"۔ ۴ لے۔ ذیلدار پارک اچھرہ۔ لاہور۔ سالانہ چندہ پانچ روپے اور عام شمارہ ۸ کا ہوتا ہے۔

لغات القرآن جلد ششم۔

ندوۃ المصنفین دہلی کی "لغات القرآن" علمی حلقوں میں یک جانی پہچانی چیز ہے۔ اس کے پانچ حصے چھپ چکے ہیں اور یہ چھٹا ہے جس پر کتاب مکمل ہوگئی ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ سب لظر افروز اور معیاری اردو کی حد تک حسنِ صورت کا یہ اعلیٰ معیار آج کی کتابی مارکیٹ میں نایاب نہ سہی تو کمیاب ضرور ہے۔ ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ کتاب کی معنوی اہمیت اور نعت سے ظاہری جمال و دلکشی کو ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ تصحیح بہت عمدہ ہے کہ صفحے کے صفحے دیکھ جائیے زیر زبر تک کی غلطی نہیں ملیگی۔

اردو میں قرآنی الفاظ کی کوئی بھی مبسوط شرح اس کتاب کے پائے کی موجود نہیں ہے۔ اس میں نہ صرف نحوی و صرفی تفصیلات کا محققانہ التزام کیا گیا ہے بلکہ کسی لفظ کی شرح میں اگر بعض احادیث کا بیان ضروری ہوا تو اس پر بھی پوری توجہ کی گئی ہے مستند اہل لغت اور ائمۂ لسان و ادب کی آراء بھی موقعہ بہ موقع مذکور ہیں۔ بعض علمی مباحث بھی خاصی تفصیل سے آگئے ہیں۔ ہر لفظ کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ قرآن میں کہاں کہاں آیا ہے۔ غرض بڑی تحقیق بڑی محنت اور بڑی کاوش کی گئی ہے۔ اس حصہ (ششم) کے مؤلف جناب مولانا سید عبدالدائم الجلالی ہیں صفحات ۴۳۲ لمبی تقطیع۔ قیمت مجلد ساڑھے پانچ روپے۔ شائع کردہ۔ ندوۃ المصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

متاعِ کلیم

یہ گجرات کے ایک سن رسیدہ بزرگ کے اشعار کا منتخب مجموعہ ہے جو بفضلہ تعالیٰ ابھی حیات ہیں شروع میں متعدد مقدمے اور دیباچے ہیں جن میں آپ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اعجاز صدیقی صاحب (سیماب اکبرآبادی کے صاحبزادے اور شاعر کے مدیر) کا دیباچہ خاصا مفصل اور کتاب کے شایان شان ہے۔ ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ انہوں ہی نے اس مجموعہ کا انتخاب کیا ہے جگہ کی تنگی اور تبصرہ کی کتابوں کی کثرت کے باعث یہ تو مشکل ہی ہے کہ اس کتاب پر بھی حسب عادت لمبا تبصرہ کریں تاہم فرض تو ادا کرنا ہی ہے۔

پوری کتاب دیکھنے کے بعد ہم اعجاز صاحب کی اس بات سے متفق ہیں کہ

"متاعِ کلیم" میں جہاں واردات حسن و عشق اور احساسات و جذباتِ محبت کی سچی تفسیریں موجود ہیں وہیں ایسے اشعار بھی بکثرت مل جاتے ہیں جو فکر و تجربہ کے بغیر جنم نہیں لے سکتے۔"

لیکن اس بات سے متفق نہیں ہیں کہ اس فکر و تجربہ کو کلیم صاحب نے "نہایت پختہ کاری" کے ساتھ جامۂ شعر پہنایا ہے۔ اگر "فکر و تجربہ" کے الفاظ انہوں نے اسی اصطلاحی مفہوم میں بولے ہیں جو ادبِ حاضر میں معروف ہے تو ہم کہیں گے کہ کلیم صاحب کی شاعری میں فکر و تجربہ کی چھاپ بہت ہلکی ہے اور اس کا شعری قالب بھی اتنا ماہرانہ نہیں ہے کہ اسے "نہایت پختہ کارانہ" کہا جا سکے۔ مثلاً

سچ ہے کلیم لذتِ کون و مکاں کے بعد
کرتا ہے کون سوزِ غمِ جاوداں قبول

اس میں وہ اپنے مافی الضمیر کے قابلِ فہم بیان میں ناکام رہے ہیں۔ "لذتِ کون و مکاں" کوئی بات نہیں ہوتی اور دوسرا مصرعہ بجائے تشریح کے مزید اغلاق پیدا کر رہا ہے۔ یا مثلاً

ہونگے نہ ختم حادثۂ دورِ زندگی
دیوانگی کو دل کے مقابل کئے بغیر

اس سے قطع نظر کہ مفہوم میں ابہام ہے لفظ "حادثہ" واحد بے محل استعمال ہوا ہے۔ جمع کا موقع تھا تعجب ہے یہ شعر

اعجاز صاحب نے دیباچے کے منتخب اور معیاری اشعار میں نقل کیا ہے

اس طرح کی بہت مثالیں کتاب میں موجود ہیں۔ تاہم اعجاز صاحب کی یہ بات بالکل درست ہے کہ

"وہ اگر بہت زیادہ گہرائیوں میں نہیں پہنچے ہیں
تو ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کے خیالات محض
سطح پر تیر رہے ہوں۔ ان کے فکر کی صحت مندی
اور گہرائی سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

خوشی کی بات ہے کہ لمبی تقطیع کے ۱۷۶ صفحات کی "متاعِ کلیم" کے ذریعہ شائقینِ شعر و ادب کو ایک اچھے شاعر سے متعارف ہونے کا موقع ملا ہے۔ لکھائی چھپائی غنیمت ہے۔ قیمت چار روپے ہے جو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ٹائیٹل کافی دلکش ہے لیکن کتاب سے اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ اس پر بنی ہوئی صراحی ستار اور حسینہ کی تصویر کلیم صاحب کے ذہنی میلانات اور فکری رخ کا بالکل غلط اشاریہ ہے اور گستاخی معاف کہن سال شاعر کی اس تصویر کے لئے تو ٹائیٹل کا یہ آرٹ ایک خندۂ استہزا بن گیا ہے جو کتاب کے آغاز ہی میں منسلک ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شاعری پر عیاشی ہی کا لیبل چسپاں کیا جائے۔

ناشر ہیں۔ کلیم بکڈپو۔ خاص بازار۔ احمد آباد۔

باب الصحت

غیر معمولی مُٹاپا

از بیگم حکیم محمد زبیری۔ امروہہ ضلع مرادآباد

یہ شکایت عموماً اُن لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو مٹھائیاں. گھی۔ دودھ. مکھن. بالائی. آلو چقندر. گوبھی سیم. مٹر. ماش کی دال. کیلا انگور. بادام اور دیگر اسی قبیل کی مرغن و نشاستہ دار اشیاء حد اعتدال سے زیادہ استعمال کرتے ہیں لیکن ورزش اور محنت نہیں کرتے نسبتہً عورتیں زیادہ اس شکایت میں گرفتار ہوتی ہیں بعض کا جسم جوانی میں چھریرا ہوتا ہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ بھدا اور موٹا ہوتا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب منتھلی کورس (ماہواری) کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے یا کسی سبب (سوائے حمل) سے منتھلی کورس رُک جاتا ہے تو بھی بدن موٹا ہونے لگتا ہے۔ بعض عورتوں میں موٹاپے کے سبب منتھلی کورس بند ہوجاتا ہے کیونکہ موٹی عورتوں میں چربی کی فراوانی ہوتی ہے گرم خون پیدا نہیں ہوتا برودت اور رطوبت کے غلبہ کے سبب بلغم کی پیداوار بھی بڑھ جاتی ہے۔ برودت بذات منتھلی کورس میں کمی کرنے والی ہے پس مٹاپے کے سبب منتھلی کورس رُک جاتا ہے۔ مختلف امراض مثلاً دردِ سر. چکر. ہولدلی. خفقان وغیرہ پیدا ہوجاتے ہیں ایسی موٹی عورتوں کے اولاد بھی پیدا نہیں ہوتی لیکن جو موٹی عورتیں گھر کا کام کاج خوب کرتی ہیں اُنکی حالت کاہلی کی زندگی بسر کرنے والی عورتوں کی نسبت بہتر ہوتی ہے باوجود مٹاپے کے منتھلی کورس اُنکو ہوتا ہے اولاد بھی پیدا ہوتی ہے اگر منتھلی کورس کی کمی وغیرہ کی کوئی شکایت ہوتی ہے تو ایسی محنت و مشقت کے کام کرنے والی موٹی عورتوں میں آسانی سے دفع ہوجاتی ہے۔

مٹاپے کے سبب منتھلی کورس اگر بند ہوجائے تو منتھلی کورس جاری کرنیوالی ہر دوا سے جاری نہیں ہوتا۔ اس کے مخصوص ہی مرکبات ہیں۔ اگر ایسی شکایت ہو تو اناڑی دائیوں۔ اور ناتجربہ کار نرسوں کا علاج کرنے کی بجائے کسی ہوشیار لیڈی ڈاکٹر یا حکیم کا علاج کریں. بلا سوچے سمجھے عجلت میں آپریشن بھی نہ کرائیں۔ مرد ہوں یا عورتیں جب مٹاپا روز بروز غالب ہوتا نظر آئے تو کھانے پینے. سونے اور ورزش کرنیکے طریقوں پر اصول و ضابطہ کے ساتھ عمل کریں جو غذائیں میں نے اوپر لکھی ہیں بالکل ترک کردیں اگر ایسا نہ کرسکیں تو کمی کے ساتھ کھائیں محنت و ریاضت کریں۔ موٹے آدمیوں کیلئے کریلا۔ لوکی. ککڑی. ٹنڈا. توری. بھنڈی میتھی پالک سویا. سرسوں کا ساگ بتھوا. سوائے ماش کی دال کے ہر قسم کی دالیں. گوشت بھنا ہوا۔ انڈا۔ مفید غذائیں ہیں پھلوں میں خربوزہ۔ ارنڈ خربوزہ (پپیتہ) موسمی. سنترہ استعمال کرسکتے ہیں۔ روٹی ایسے آٹے کی کھانی چاہیئے جس میں چوکر (بھوسی) زیادہ ہو. مکھن نکلا ہوا دودھ استعمال کریں کم دودھ کی چائے پیا کریں۔ اور بجائے چینی کے سکرین اُس میں ڈالیں۔ غذا پیٹ بھر کر نہ کھائیں لیکن غذائی کمی کے ساتھ ساتھ اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں کہ جسم میں وٹامنز اور معدنیات مناسب مقدار میں پہنچتے رہیں تاکہ وزن کم ہونے کے ساتھ ساتھ تندرستی قائم رہے خون طاقتور پیدا ہو جسم میں توانائی آتی رہے۔ ایسا مرکب کسی ڈاکٹر سے تجویز کرا کے ضرور استعمال کریں جو لوگ یونانی دوا استعمال کرنا چاہیں وہ حب فولاد کیلشیم والی استعمال کرسکتے ہیں. حب فولاد کیلشیم والی میری مخصوص ایسی دوا ہے جسمیں معدنیات شامل ہیں خون اچھا طاقتور پیدا کرتی ہیں۔

غیر ضروری بلغم کو چھانٹتی ہیں۔ شہد کا استعمال بھی مفید ہے جب معدہ خالی ہوا تولہ دو تولہ خالص شہد چاٹ لیا۔ مناسب غذا۔ روزانہ ورزش۔ آرام میں اعتدال. مٹاپا دور کرنے کا قدرتی بہترین علاج ہے اگر دوا کھانی ہی ضروری ہو تو سونف ا تولہ زیرہ سیاہ اصل ا تولہ لک مغسول دو تولہ مرزنجوش چھ ماشہ بورہ ارمنی تین ماشہ ان سب کو کوٹ چھان کر رکھ لیں. صبح و شام نیم گرم پانی کے ساتھ جس میں شہد دو تولہ حل کرلیا گیا ہو استعمال کریں یاد رکھیئے چربی و بلغم کی کمی چند روز دوا کھانے سے دور نہیں ہوتی ہے۔ ماہواری کی تکالیف میں مبتلا موٹی عورتوں کو بھی اپنا علاج تین چار ماہ مستقل مزاجی سے کرنا چاہیئے تب ہی ماہواری کا نظام درست ہوسکتا ہے۔

ضروری نوٹ:۔ مردانہ و زنانہ امراض کیلیئے مفید کارآمد لٹریچر مفت منگوائیے. مردانہ و زنانہ اور بچوں کی ہر قسم کی بیماری میں مفت مشورہ حاصل کیجیئے۔ لیکن جواب کے لئے ٹکٹ یا لفافہ رکھنا نہ بھولیئے۔ پتہ یہ کافی ہے۔ بیگم عظیم زبیری۔ امروہہ ضلع مرادآباد۔ یو۔ پی)

رعایت:- یکم مارچ ۵۹ء سے ۱۵ اپریل ۵۹ء تک ۲ فی روپیہ کی رعایت ملیگی بشرطیکہ آرڈر پندرہ روپے سے زائد کا ہو۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ (الحدیث)

نفیس دینی و علمی کتابیں

علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (حدیث)

کتابیں طلب کرنیوالے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد یا غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائیگی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنہیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا۔ (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے، دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔ (۶) اگر آپ کو گمان ہو کہ وی پی توقع سے کچھ زائد رقم کی ہے تو اسے واپس نہ کریں، بلکہ وصول کر لیں۔ آپ کے اطلاع دینے پر مکتبہ یقیناً ہر شکایت کا ازالہ کریگا

خادم منیجر مکتبہ تجلّی دیوبند (یو-پی)

قرآن مترجم و معریٰ

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں مجلد کمینج کا ہدیہ ساڑھے بارہ روپے ــــ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلد کمینج کا ہدیہ ساڑھے دس روپے۔

قرآن بلا ترجمہ اچھا سفید کاغذ۔ تجلّی سائز۔ ہدیہ مجلد پانچ روپے۔

قرآن بلا ترجمہ جلی قلم روشن حروف۔ مجلد کا ہدیہ ساڑھے آٹھ روپے۔

قرآن مترجم ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ ہدیہ مجلد رعایتی بیس روپے۔ (مطبوعہ لاہور)

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس، لکھائی چھپائی پسندیدہ پانچ جلدوں میں مکمل۔ ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکیگی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس روپے غیر مجلد سوا روپے

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے۔

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے دو جلدوں میں مجلد ستر روپے

تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل۔ غیر مجلد ساٹھ روپے پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی

مولانا عبدالحق محدث دہلوی رح کی اس تفسیر نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ نایاب ہو گئی تھی اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک انیس پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اوّل پانچ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)

تفہیم القرآن جلد اوّل

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ مہتم بالشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغزِ قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دل نشیں، مستند اور ذہن میں اُتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اوّل مجلد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلد پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن

مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلوی رح کی یہ عظیم الشان کتاب وہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحب رح جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہو لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات وصفات تناسخ ملائکہ جزا و سزا' قبر جنت' دوزخ' نبوت' ناسخ ومنسوخ' استعارہ وکنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں، صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ روپے (مجلد پختہ سولہ روپے)

قصص القرآن

قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالامال، عمدہ سلیس اندازِ بیان دقیق پُرمغز اور بے نظیر حصہ اوّل سات روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم سات روپے مکمل سیٹ منگانے پر قیمت تیئیس روپے۔ (مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ بڑھ جائیگا)۔

لغات القرآن

قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔

جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

علم الحدیث

مؤطا امام مالک رح (مترجم عربی مع اردو)

احادیث وآثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا' سلیس ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب بہتر۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد کریچ تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بخاری شریف (خالص اردو)

قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری کا سلیس اُردو ترجمہ تین جلدوں میں مکمل ہدیہ چوبیس روپے۔ مجلد پختہ ستائیس روپے مجلد اعلےٰ تیس روپے۔ (مجلد کا مطلب تین الگ الگ جلدیں ہیں)

مشکوٰۃ شریف (خالص اردو)

مشکوٰۃ شریف کا بھی سلیس اُردو ترجمہ دو جلدوں میں حاضر ہے۔ یہ کتاب حدیث کی گیارہ کتابوں کا وہ انتخاب ہے جس نے تمام عالم اسلامی میں بے نظیر مقبولیت حاصل کی۔ ہدیہ سولہ روپے مجلد پختہ اٹھارہ روپے (مجلد اعلیٰ بیس روپے)

ترمذی شریف (خالص اردو)

سفید عمدہ کاغذ حصہ اول مجلد نو روپے حصہ دوم مجلد نو روپے۔ (دونوں حصے بیک وقت طلب کرنے پر سترہ

مشارق الانوار (مترجم)

بخاری ومسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تشریح بھی ہے اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بلوغ المرام

مشہور امام فن حافظ ابن حجر رح کی یہ کتاب بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم (مع ترجمہ و فوائد)

امام ابوحنیفہ رح کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جسے ہیں مولانا

...کی باتیں :- سوا روپیہ۔

عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے۔ قیمت مجلد

ترجمان السنۃ

احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اُردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔

اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کی خریداری آپ کے روپے کا بہترین مصرف ہوگا۔ جلد اوّل دس روپے (مجلد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلد گیارہ روپے) جلد سوم دس روپے آٹھ آنے (مجلد

معارف الحدیث

از مولانا منظور نعمانی

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب۔

اُردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ، جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ جلد اوّل مجلد سوا پانچ روپے۔ جلد دوم مجلد ساڑھے پانچ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ

بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے (مجلد ساڑھے چار روپے)۔

بستان المحدثین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔

بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلد پانچ روپے۔

انتخاب صحاح ستہ

حدیث کی چھ "صحیح" کتابوں کا جستہ جستہ انتخاب اُردو۔ مجلد پانچ روپے

ابن ماجہ (اُردو)

صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔ صفحات ۶۶۰۔

ہدیہ مجلد بارہ روپے

فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر

بہت مفصل بڑی جامع اور دلچسپ ایمان افروز کتاب۔ دو حصوں میں مکمل۔ ساڑھے چھ روپے

ابن ماجہ اور علم حدیث

مولانا عبدالرشید نعمانی کی بہترین تالیف مجلد آٹھ روپے

علم الحدیث

فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق قیمت سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

حضرت صدیق اکبرؓ

از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے حضرت ابوبکر صدیقؓ

کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ جس میں آپ کے ذاتی حالات و سوانح، عظیم الشان کارناموں، دینی و سیاسی خدمات جلیلہ، اخلاق و مکارم اور عہد صدیقؓ کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کے علاوہ اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر بڑی جامعیت اور تحقیق سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ حق یہ ہے کہ خلیفۂ اوّل پر ایسی محققانہ کتاب کم سے کم اُردو میں پہلی بار آئی ہے۔ نفیس لکھائی چھپائی۔ عمدہ کاغذ صفحات ۴۸۰ صفحے۔ قیمت سات روپے۔ مجلد کپڑا آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)۔

الفاروق

امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ہر لحاظ سے نفیس مستند، ایمان افروز اور گوناگوں افادیت کی حامل۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ ساڑھے پانچسو سے زائد صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا اور متقدم ماہر قانون ابوحنیفہؒ جیسا رجل عظیم۔ سیاست جیسا پیچیدہ موضوع اور مولانا مناظر احسنؒ جیسا عالم و دانا مصنف۔ اس کے بعد کس تعریف کی ضرورت ہے

قیمت مجلد بارہ روپے

تجلیات عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر اُردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۴۱۲ صفحات۔ جلد پر حسین سہ رنگا گرد پوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

سیرت اشرف

حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلد بارہ روپے

تجلیات مدینہ۔ مدینے کے فضائل و مناقب اور برکات۔ ڈھائی روپے ● ہزار سال پہلے۔ (از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) چار روپے۔

حیاتِ ولی — شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد و اساتذہ کا تذکرہ۔ مجلد چھ روپے۔

حیات امام احمد بن حنبل — مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اردو ترجمہ۔ امام احمد پر سوانحی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ قیمت دس روپے۔

محمد بن عبدالوہابؒ — از مولانا مسعود عالم ندوی۔ بارھویں صدی ہجری کے مشہور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف جس میں مشرق و مغرب تمام ماخذ پوری طرح کنگھال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ڈھائی روپے

حیات امام ابو حنیفہ (یعنی) سیرۃ النعمان — علامہ شبلیؒ نے تقیہ الامام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کے مفصل حالات زندگی دلچسپ اور ایمان افروز۔ قیمت تین روپے (مجلد چار روپے)

آزادی کی کہانی خود آزاد کی زبانی — بروایت شیخ آزادی مولانا ابوالکلام آزاد کی مفصل داستانِ حیات۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

ردِ شرک و بدعت

تقویۃ الایمان (اردو) — شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں کھلبلی ڈال دی۔ قیمت چار روپے (مجلد پانچ روپے)

الشہاب الثاقب (اردو) — بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب۔ قیمت پونے دو روپے

کتاب التوحید — رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد [illegible]

بدعت کیا ہے؟ — مولانا عامر عثمانی اور دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائدِ بدعیہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث۔ ایک روپیہ (مجلد ڈیڑھ روپیہ)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات — حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی شافی رد۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)۔

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ — یہ ضخیم کتاب علوم و معارف کی کان ہے۔ سلیس اردو ترجمہ مع عربی متن دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت مجلد بیس روپے۔

خیر کثیر — شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب الخیر الکثیر کا اردو ترجمہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

فیوض الحرمین — شاہ ولی اللہؒ کے مشاہدات و تاثرات۔ قیمت مجلد دو روپے (مع اردو عربی)

سیرۃ رسولؐ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور ان کی خصوصیات، عادات، میلانات اور نسبی و حسبی رشتہ داروں کی تحقیق و تفصیل۔ ترجمہ سلیس اور عام فہم۔ بارہ آنے

تصانیف مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ

اصلاح الرسوم — مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین — مسلمانوں کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے، وہ کن چیزوں سے بچے اور کن چیزوں کو اختیار کرے۔ مجلد کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

تعلیم الدین — دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

نشر الطیب — سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بڑی مجلدات کا نچوڑ۔ قیمت تین روپے۔

دعوات عبدیت — مولانا اشرف علیؒ کے چند مواعظ کا مجموعہ، جو عرصے سے نایاب تھا اب چار حصے مکمل ہو چکے ہیں ہر حصہ مجلد اور ہر حصہ کی قیمت

تقدیر کیا ہے؟ (از مولانا اشرف علیؒ) سوا دو روپیہ ● فیصلہ کن مناظرہ مجلد ڈیڑھ روپیہ ● نماز کی حقیقت: (از مولانا منظور نعمانی) بارہ آنے۔

عقائد و فقہ

بہشتی زیور مولانا اشرف علی کی وہ شہرۂ آفاق کتاب جو روزمرہ کے تمام دینی مسائل کے علاوہ سیکڑوں مفید مضامین پر مشتمل ہے۔ قسم اوّل مکمل مدلل مجلد پندرہ روپے۔ قسم دوم غیر مدلل مجلد سات روپے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ قسم اوّل میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیے گئے ہیں اور قسم دوم میں حاشیہ نہیں ہے۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

دین کی باتیں اسلام، ایمان، عمل صالح، ارکانِ اسلام، اخلاق، حقوق، سیاست اور خدمت دین کے طریقوں پر نہایت دلنشین اور ایمان افروز گفتگو۔ بلاک کی عمدہ چھپائی۔ قیمت پونے دو روپے۔

عقائد الاسلام قاسمی اسلام کے جملہ اصولی عقائد کو سہل زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ خطاب اگرچہ بچوں سے ہے، لیکن بڑوں کے لئے بھی کتاب بیحد مفید ہے کیونکہ تمام اصولی عقائد سے بڑے بھی کم ہی باخبر ہیں۔ ڈھائی روپے

ادبیات

شاہنامۂ اسلام حصہ اول (جدید) از مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفۂ اول کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روشنی میں صاف ستھری زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔
قیمت مجلد تین روپے۔

شعلۂ طور مجموعۂ کلام رئیس المتغزلین جناب جگر مراد آبادی قیمت پانچ روپے

آتشِ گل یہ بھی جگر ہی کا مجموعۂ کلام ہے جو شعلۂ طور کے بعد طبع ہوا ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کے اردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

دیوانِ غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس، ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔ قسم دوم مطبوعہ تاج کمپنی کراچی ۱۰ روپے

اُردو کے چاند تارے اردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مشہور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

مختلف علوم و فنون

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بے نظیر، مفصل، مستند اور دلچسپ علمی تحقیقی کتاب۔ "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلد دس روپے

حصن حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ قیمت مجلد ساڑھے آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون یہ شہرۂ آفاق کتاب اردو ترجمہ ہو کر آگئی ہے۔ قیمت مجلد نشتہ پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سترہ روپے)۔

اساس عربی عربی سیکھنے کیلئے عربی صرف و نحو کے قواعد کی عمدہ کتاب۔ پانچ روپے (مجلد چھ روپے)

سیر الصحابہؓ ایک ڈیڑھ سو صحابہؓ کے حالات جن سے عام طور پر لوگ واقف نہیں۔ قیمت مجلد پانچ روپے

فتوح الغیب (اردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحؒ کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ جس میں مولانا عبد الماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے قیمت ڈھائی روپے

حکایاتِ صحابہؓ صحابیؓ مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جنکے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قسم اوّل مجلد تین روپے قسم دوم سوا دو روپے

بزمِ پیغمبر سوا دو روپے ● اسلامی نظریۂ سیاست۔ ڈیڑھ روپیہ۔

۵۸ اس کتاب پر حکومت نے ۱۹۵۵ء کی بہترین اُردو کتاب کی حیثیت سے

تحریک اخوان المسلمین

مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصّل جواب حاصل کرنے کیلئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمایئے جس کا سلیس اردو ترجمہ سیّد رضوان علی نے کیا ہے۔ ممالک عربیہ سے قریبی واقفیت رکھنے والے مشہور عالم اور عربی ادب کے ماہر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں کہ میرے علم میں اس موضوع پر سب سے زیادہ پر از معلومات اور خوش سلیقہ یہی کتاب ہے۔ اس کتاب سے اخوان کی قوتِ عمل، حسنِ تنظیم اور کارکردگی کی صلاحیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔

(قیمت مجلّد تین روپے)

عہدِ نبوی کے میدان جنگ

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے ۲۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ (مجلّد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھ کر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ قیمت سوا دو روپے (مجلّد سوا تین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات

شاہانِ عالم عرب حکمرانوں قبائلی سرداروں اور عمالوں کے نام دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

حدیث اور قرآن

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) حدیث کا تعلق قرآن سے کیا ہے۔ دین میں حدیث کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ رسالت کسے کہتے ہیں اور اسکے تقاضے کیا ہیں؟ اس طرح کے سوالات کے دل نشیں اور مدلّل جوابات منکرینِ حدیث کا بہترین رد۔ یہ کتاب خالص تبلیغی نقطۂ نظر سے چھاپی گئی ہے چنانچہ سفید کاغذ کے ڈیڑھ سو صفحات کی قیمت صرف بارہ آنے

مکاتیب امام غزالیؒ

قیمت مجلّد تین روپے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

اُن اسلامی تعلیمات کی تفصیل جو ہماری روز مرہ کی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قیمت سوا روپیہ۔

مصباح اللغات

عربی اردو لغت کی عظیم الشان کتاب پچاس ہزار سے زائد الفاظ کی تشریح المنجد، قاموس، تاج العروس، نہایہ، منتہی الارب اور اسی پائے کی دیگر لغات کا نچوڑ۔ قیمت مجلّد سولہ روپے۔

کریم اللغات

عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اردو میں رائج ہیں ان کی بہترین اردو تشریح یہ لغت عمدہ اردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ قیمت دو روپے (مجلّد ڈھائی روپے)

کتاب الصلوٰۃ

"نماز" پر امام احمد ابن حنبلؒ کی مشہور کتاب ترجمے کیساتھ امام صاحب کے اثر انگیز حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

اسلام کیا ہے؟

مولانا منظور نعمانی کی وہ مقبول کتاب جسے عوام و خواص سبھی پسند کرتے ہیں۔ قیمت قسم اوّل مجلّد دو روپے آٹھ آنے۔

آپ حج کیسے کریں

از مولانا منظور نعمانی — جیساکہ نام سے ظاہر ہے اس میں حج کرنے کی تفصیلات ہیں۔ قیمت مجلّد دو روپے۔

سراپائے رسولؐ

اس مقدس کتاب میں آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی کے تمام ہی گوشوں کو معتبر روایات و دلائل سے سامنے لایا گیا ہے۔ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بولنا مسکرانا، معاملات، اخلاق، عادات، مرغوبات۔ غرض آنحضورؐ کا تمام کا تمام سراپا الفاظ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے پیش لفظ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے۔ قیمت صرف چودہ آنے

اسبابِ زوالِ امّت

علامہ امیر شکیب ارسلان کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

اشرف المواعظ

مولانا اشرف علیؒ کے وعظوں کا مجموعہ۔ مکمل چار حصّے۔ پونے دو روپے (مجلّد سوا دو روپے)

احکام القمار
جس میں جوے کی تعریف، اس کے اقسام اور احکام حدیث و قرآن سے پیش کئے گئے ہیں
مستند عالم مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے۔ قیمت فی جلد چار آنے۔

غوث الاعظم
یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور مختصر حالات زندگی۔ قیمت فی جلد چار آنے

جلاء الابصار اُردو ترجمہ **نور الانوار شرح المنار**
یہ ترجمہ عمدہ اور سلیس کیا گیا ہے۔ اس کے چند نسخے مل گئے ہیں ضرورت مند حضرات توجہ دیں۔ دو جلدوں میں مکمل ہے۔ غیر مجلد کی قیمت بارہ روپے اور مجلد کی سولہ روپے۔

عربوں کی گذشتہ تجارت
اور
انگلستان کی صنعت و دولت
اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے تجارت کی بدولت کس طرح اور کتنی ترقی کی۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

اشاعت اسلام
دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ اس میں ملے گا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔
قیمت چھ روپے

اُردو ہندی لغت
[illegible] دور کے پیش نظر [illegible] سیاسی، معاشرتی، صنعتی، تجارتی، اخباری، عدالتی اور [illegible] الفاظوں کے ساتھ ساتھ [illegible] ہندی دی گئی ہے۔ ہندی سیکھنے والوں کے لئے ایک اچھی چیز۔ صفحات [illegible]
قیمت مجلد مع گرد پوش ساڑھے تین روپے

خلفائے راشدین
از مولانا عبدالشکور صاحب [illegible] خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

دین و شریعت
مولانا منظور نعمانی کی تازہ تصنیف جو بہت مفید و مبسوط مباحث پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلد تین روپے (آپ کی تین اور کتابیں بھی ہم سے مل سکتی ہیں)
(۱) اسلام کیا ہے اضافہ شدہ ایڈیشن۔ مجلد ڈھائی روپے۔
(۲) آپ حج کیسے کریں۔ مجلد دو روپے (۳) معارف الحدیث حصہ اول مجلد ساڑھے چار روپے۔ حصہ دوم مجلد ساڑھے پانچ روپے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک
مشہور محقق عالم مولانا مسعود عالم ندوی کی شہرہ آفاق کتاب حضرت سید شہید کی چلائی ہوئی تحریک اور ان کے کارناموں پر تبصرہ و تنقید اور غیروں کی غلطیوں کی نشاندہی اور تردید وغیرہ۔ ڈھائی روپے۔

تاریخ عالم
حضرت آدم سے لیکر رسول اللہ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

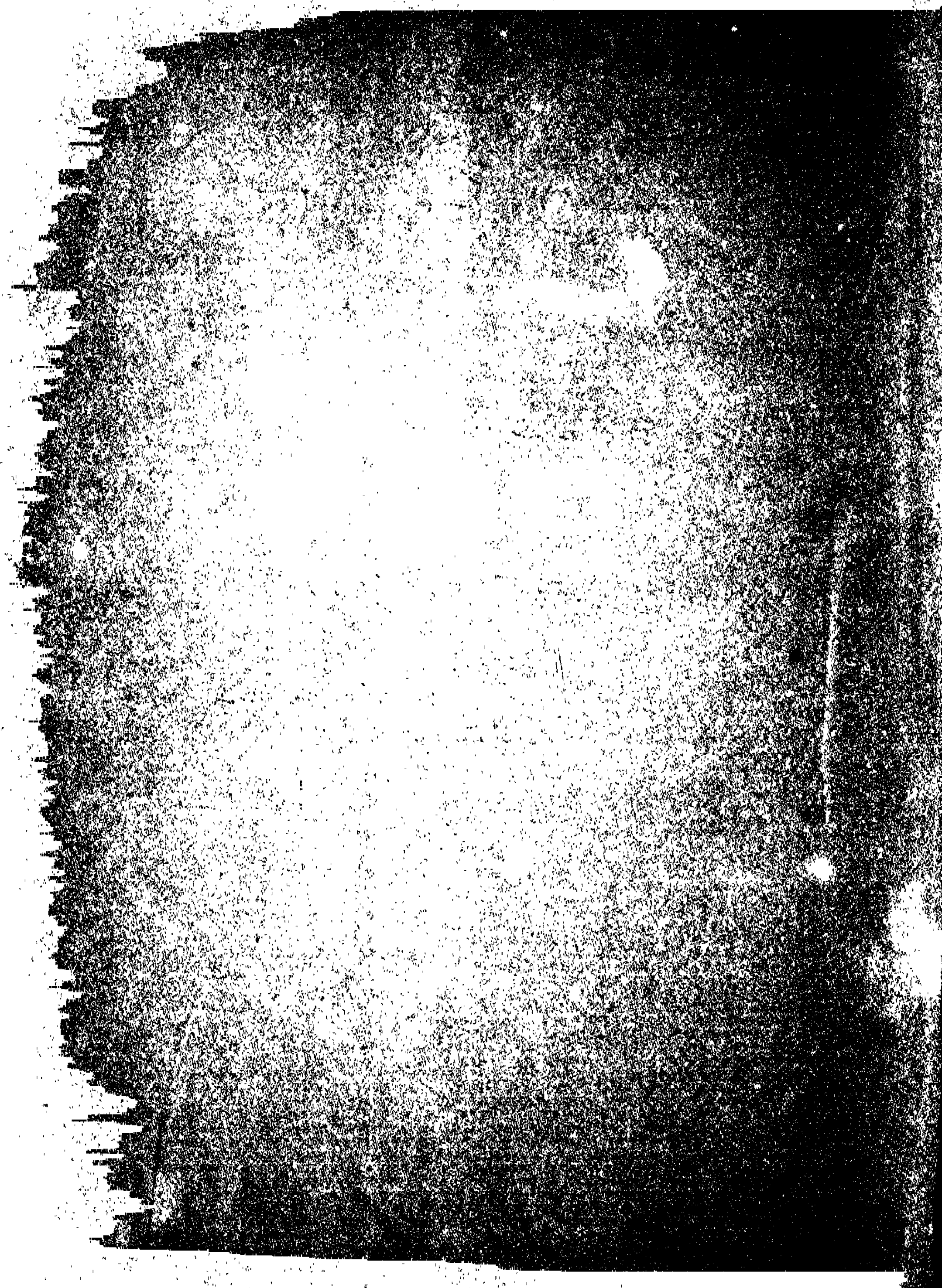
الغزالی
شہرہ آفاق عالم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا شبلی نعمانی رح کی محققانہ تصنیف نایاب شے ہے۔ قیمت دو روپے۔

اسلام اور انسانی قانون
از علامہ عبدالقادر عودہ شہید کی ایک نفیس کتاب ترجمہ سلیس ہے۔ قیمت صرف پندرہ آنے۔

سدِ باب ذریعہ
علامہ ابن قیم کا ایک عجیب مضمون جس میں ۹۹ مثالوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس تک پہنچانے والے تمام وسائل و ذرائع کو بھی ممنوع کر دیتا ہے۔ قیمت دس آنے۔

قربانی کی حقیقت اور اسکی تاریخ
مولانا فراہی کی بہترین علمی و تحقیقی کتاب۔ اُردو لباس میں۔ قیمت مجلد سوا دو روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن
بسم اللہ، الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہ رح اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔



JRR.E.NAJAF

دماغ کا مضبوط خول

اسمیں مضبوط شیشی

اور اسمیں سرموں کا بادشاہ



- اندھے پن کے سوا آنکھوں کی تمام بیماریوں کا تیر بہدف علاج
- دھند، موتیا، جالا، رتوندا، پڑبال اور سرخی وغیرہ کے لئے پیغام شفا۔
- بارہ سال سے بے شمار آنکھوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

- درست نگاہ والے بھی اسے استعمال کرتے ہیں، کیونکہ یہ آخری عمر تک نگاہ کو قائم رکھتا ہے۔
- ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔ عمدہ پیکنگ مضبوط اور تازہ
- **نوٹ:**۔ خالص جستی کیمیائی سلائی ۲ روپے میں طلب کیجئے

چند تعریفی خطوط کی نقلیں ملاحظہ فرمائیے

شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

فرماتے ہیں۔ آپ کا سرمہ اس وجہ مفید ہے کہ اس کی توصیف آپ جو چاہیں میری طرف سے لکھ دیں میں اس کی تصدیق کروں گا۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح تحریر فرماتے ہیں

میں نے سرمہ نجف استعمال کیا اور دوسرے اعزا کو استعمال کرایا تھا۔ اسکے بہت سے سرمے میں نے استعمال کئے سب سے اچھا اور بہتر اسے پایا۔ مجھے امید ہے کہ جو شخص اسکو استعمال کرے گا وہ میرے بیان کی تصدیق صرف زبان سے نہیں بلکہ آنکھوں سے کرے گا۔

قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں

میں نے سرمہ استعمال کیا۔ آنکھوں کو تقویت اور جلا دینے والا پایا۔ امید ہے کہ اہل بصیرت اس بصارت افزا سرمہ کو استعمال کرکے اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس پر بعد تجربہ کے

میں پہنچا ہوں۔

ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب ایم۔بی۔آئی۔ایس۔ایم۔آئی

زنانہ ملٹری سرجن لکھنؤ

سرمہ نجف آنکھوں کی بیماریوں کیلئے بہت فائدہ مند ہے میں نے بہت سے مریضوں پر استعمال کیا۔ اس کے استعمال سے آنکھوں کی روشنی میں ترقی ہوتی ہے۔

حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور

سرمہ نجف اکثر مریضوں کو دیا گیا اور اس کے استعمال سے ان کو فائدہ پہنچا۔ سرمہ نجف آنکھوں کے امراض کے واسطے نہایت مفید ہے۔ میں پبلک سے سفارش کرتا ہوں کہ اسکے استعمال سے فائدہ اٹھائیں۔

ڈاکٹر انعام الحق صاحب ایل۔ایم۔ایس ہومیوپیتھک

ایف۔آر۔سی۔پی۔ایس۔رئیس مارہرہ

میں نے سرمہ نجف کو اپنے بہت سے مریضوں پر استعمال کیا آنکھوں کے امراض میں مفید پایا ہیں ہمیشہ ہر شخص کو

یہ رائے دونگا کہ اس سرمہ کو استعمال کریں۔

ساہو جوالا سرن صاحب رئیس اعظم مراد آباد ممبر کونسل

میں نے سرمہ نجف کا استعمال کیا نہایت مفید پایا۔

خانبہادر مولوی حاجی حکیم محمد علی خاں صاحب

عرف مکہ میاں رئیس اعظم

سرمہ نجف بہت عمدہ سرمہ ہے۔ میں نے بہت سے شخصوں کو دیا۔ انھوں نے استعمال کیا اور بے حد تعریف کی۔

ایک تولہ پانچ روپے ۳ ماشہ تین روپے

ایک ساتھ تین شیشیاں منگانے پر سرمہ

ایک یا دو شیشی پر ایک ہی

یعنی جو سرمہ کی قیمت کے علاوہ ہے

انکے علاوہ بھی اور بہت سے

ہندوستان کا پتہ:۔ دارالفیض رحمانی دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو۔پی)

پاکستانی حضرات

ماہنامہ تجلی دیوبند

ایڈیٹر- عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

شمارہ ۳ — جلد ۱۰

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائینگے

پاکستانی حضرات

ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیج کر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر
عامر عثمانی
فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:- جناب شیخ سلیم اللہ صاحب
۴۷ بی-۵/۲ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

اس پتہ پر منی آرڈر بھیجکر وہ رسید ہمیں بھیجدیں جو منی آرڈر کرتے وقت ڈاکخانہ سے ملتی ہے ● شیخ سلیم اللہ صاحب سے براہ راست کوئی خط وکتابت نہ کیجئے۔ تمام امور دفتر تجلی دیوبند ہی کو لکھئے۔ مدیر

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا

آغازِ سخن

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

وعدے کے مطابق چاہئیے تھا کہ ہم اِس "اداریہ" میں "جوتے"
کے موضوع پر قرآن و سنّت کے احکام و ہدایات پیش کرتے، لیکن
ماہِ رمضان میں ہولی کے موقعہ پر ملک کے مختلف حصّوں میں مسلمانوں
کو جو کچھ پیش آیا ہے اس سے دل اس قدر متأثر ہے کہ یہ صفحات ہم
اس ابتلائے عظیم کی نذر کرتے ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ اس موضوع کو
ایک مستقل عنوان سے علیحدہ پیش کر کے "آغازِ سخن" میں ماہِ گذشتہ
کا وعدہ وفا کر دیا جاتا، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا جا سکا کہ
رسالے کے باقی صفحات ہولی کا ہنگامہ پیش آنے سے پہلے ہی تکمیل
کو پہنچ چکے تھے اور صرف "آغازِ سخن" ہی باقی تھا۔ اب یا تو
"جوتے" کی بحث مکمل کی جاتی یا پیشِ نظر موضوع لیا جاتا۔
ہمارے قلب و ضمیر نے فیصلہ کیا کہ جوتے کی بحث مؤخر کیجائے اور فی الوقت
اپنے ناظرین کے سامنے اُس صدمۂ عظیم کی کچھ تفصیلات رکھی جائیں جو
برادرانِ اسلام کو ماہِ رمضان میں پیش آیا ہے۔

جہاں تک خود ہماری ذات کا تعلق ہے کانگریس کی موجودہ حکومت
کے بارے میں ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں۔ وہ ایک ایسی حکومت ہے جو
کاغذ پر حسین وعدے ضرور کرتی ہے، مگر عملاً انھیں پوری طرح نبھا نہیں
سکتی۔ اس کی باتیں کافی دل کش ہیں لیکن کردار اُجلا نہیں۔ اقلیتوں
کے بارے میں وہ کاغذی الفاظ کی حد تک میٹھی گفتگو کر سکتی ہے، مگر اسکی
صفِ اعلیٰ تک میں ایسے حضرات موجود ہیں جن کے دل و دماغ حقیقی
جمہوریت، فیاضی، رواداری اور انصاف پسندی کے ارفع و اعلیٰ
اصول و اقدار کے لئے خاصے تنگ ہیں۔ وہ کچھ تو اپنے بہت سے
اراکین کی تنگ نظریوں کے باعث اور کچھ انتظامی وعملی کوتاہیوں کے
سبب اِس پوزیشن میں بالکل نہیں ہے کہ کم سے کم اقلیتیں اُس سے
بہتر توقعات وابستہ کر سکیں اور سچ مچ یہ سمجھیں کہ ہمارے لئے بھی
آزادی، جمہوریت اور عزّت کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ کہنے کو
وہ ہماری ہی حکومت ہے۔ ہماری ہی فلاح و ترقی کے لئے قائم ہوئی
ہے، لیکن کبھی کبھی تو اس کی بعض کھلی عنایتوں اور ستم ظریفیوں کے تأثر
سے بے اختیار زبان پر آجاتا ہے کہ:-

ستمگر تجھ سے امیدِ کرم ہوگی جنھیں ہوگی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

دَورِ تقسیم کی ہولناکیوں کے بعد توقع تھی کہ رفتہ رفتہ حالات
درست ہوتے جائیں گے۔ کم سے کم لہو آشامی کا شیطانی کھیل تو بند
ہو ہی جائے گا۔ چنانچہ یہ توقع اگرچہ دیر میں پوری ہوئی مگر ہوئی۔
حیوانی قتل وغارت کا طوفان رُک گیا۔ اقلیتوں نے چین کا سانس
لیا کہ کم سے کم ان کی جان تو محفوظ ہے۔ سال میں چند بار تہواروں
کے مواقع پر اگر کہیں کہیں ابتلائیں پیش آتی رہیں تو ان کی بھی اہمیت
اس حسنِ ظن کے ذریعہ کم کی جاتی رہی کہ چلو یہ تو گئے ہوئے سانپ
کی لکیریں ہیں جو جلد ہی مٹ جائیں گی۔

لیکن اس بار ہولی کے موقع پر جو کچھ پیش آیا ہے وہ بڑا حوصلہ
شکن ہے۔ کسی ایک قصبے یا شہر میں نہیں ملک کے متعدد حصّوں میں
مسلمانوں پر آفات نازل کی گئیں اور ایک دو جگہوں پر تو بہت
ہی سخت معاملہ پیش آیا۔ مبارکپور اور بھوپال کے متعلق اخبارات
میں کافی تفصیلات آچکی ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کوئی رائے زنی
نہیں کرنا چاہتے، بلکہ دو اخباروں سے کچھ اقتباسات پیش کئے
دیتے ہیں۔

یہ بتانا غیر ضروری ہے کہ جمعیۃ العلمائے ہند وہ جماعت ہے
جو نہ صرف زبانی کانگریس کے نظریات کی مکمل حامی رہی ہے، بلکہ
عملاً بھی ہر ممکن موقع پر قوم پرستانہ تصورات اور کانگریسی طرزِ فکر
کی کھلی تائید کرتی رہی ہے۔ اس کے بعض اراکین اسمبلیوں کے ممبر
بھی ہیں اور اس کے جنرل سکریٹری جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

(ممبر پارلیمنٹ) ایک محتاط ترین ـــ کم سے کم سیاسی معنوں میں محتاط ترین بزرگ ہیں جو نہ تو جذباتی ہنگامہ آرائی کو پسند کرتے ہیں، نہ مبالغہ آرائی کے خوگر ہیں، نہ سنسنی اور ہیجان انگیزی سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر بہت ہی احتیاط آمیز، ذمہ دارانہ اور علم و بردباری سے معمور ہوتی ہے۔ وہ بات بات پر نکتہ چینیوں کے قائل نہیں، بلکہ آخری ممکن حد تک حسنِ تاویل، صبر اور حسنِ ظن کو مناسب سمجھتے ہیں۔

مبارک پور کے واقعات پر بھی انھوں نے ذاتی تحقیق کے بعد مفصل بیان دیا تھا جو حد درجہ درد انگیز تھا، جس میں وہ سب کچھ تھا جو ایک حساس اور شریف آدمی کو رُلا دینے اور غم و اندوہ سے بیتاب کر دینے کے لئے بالکل کافی ہے، جو واضح طور پر یہ بتا رہا تھا کہ صرف عوام ہی نے نہیں خود پولیس نے بے رحمانہ ظلم و تشدد، لوٹ کھسوٹ اور بربریت کا کھیل کھیلا ہے، لیکن یہ سطور لکھتے ہوئے ہمارے سامنے وہ اخبار نہیں ہے جس میں سب سے پہلے براہِ راست مولانا موصوف کا بیان چھپا تھا اس لئے لفظ بہ لفظ اقتباسات پیش کرنے سے معذور ہیں۔ البتہ اُس بیان سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں جو انھوں نے بھوپال سے واپسی پر دیا ہے۔

تاہم پہلے وہ چند سطریں بھی پڑھ لیجئے جو روزنامہ الجمعیۃ کے فاضل مدیر نے ۱۱ راپریل ۵۹ء کے الجمعیۃ میں تحریر فرمائی ہیں:۔

"ہندوستان میں فرقہ واریت کے رنگ میں جتنے بھی حملے مسلمانوں پر ہوئے ان کی چند خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں۔ اول یہ کہ فساد ہونے سے پہلے ہندو مہاسبھا یا جن سنگھ کی طرف سے کوئی جلوس ضرور نکلتا ہے۔ پھر کوئی جلسہ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی بہانہ سے سخت اور دل آزار تقریریں ہوتی ہیں اور جنہیں اکثریتی طبقہ کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کیا جاتا ہے۔ یہ گویا فساد کرانے کی ایک تمہید ہوتی ہے اور پھر فساد ضرور ہو کر رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فساد کی اخباری اطلاع میں پہلے سے انتظام کر لیا جاتا ہے کہ اس کا الزام مسلمانوں پر لگے اور دنیا کو باور کرایا جائے کہ فساد کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔ مثلاً مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور انھوں نے ہندوؤں کے جلوس پر پتھراؤ کیا، جس پر دوسرے فریق نے بھی کارروائی کی۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں پر ہتھیار رکھنے کا الزام ضرور لگایا جاتا ہے تاکہ ان کی گرفتاریوں کا جواز نکل آئے۔ اگر ان پر حد سے زیادہ سختی بھی ہو تو وہ ہتھیاروں کی جھنکار میں دب کر رہ جائے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ پولیس یک طرفہ کارروائی کرکے اور چاروں کھونٹے درست کرکے پوری بے دردی کے ساتھ مسلمانوں پر برس پڑتی ہے تاکہ گربہ کشتن روزِ اول کے اصول پر انھیں اس قدر ہراساں کیا جائے کہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں اور وہ خوف زدہ ہو کر نہ تو کوئی کارروائی کر سکیں اور نہ ان پر کسی کو توجہ دینے کا موقع مل سکے ـــ ہمیں افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بھوپال کا فساد ان تمام خصوصیات کا حامل ہے اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کے بیان میں انہی کو اجمال اور احتیاط کے ساتھ روشنی میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

اب مولانا حفظ الرحمن کے بیان سے چند اقتباسات پڑھ لیجئے جو ۱۰ راپریل ۵۹ء کے الجمعیۃ میں چھپا ہے۔ جھگڑا اگر بس عوام ہی کے درمیان ہو تو بات اور ہے، لیکن جب خود حکومت کے دست و بازو شریکِ فساد ہو جائیں تو ظاہر ہے معاملہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں:۔

"اسباب و عوامل کے سلسلہ کی تیسری کڑی (افسوس کہ) خود لا اینڈ آرڈر کے ذمہ دار یا حکومت کی مشینری بھی ہے جس کے پرزوں پر ابھی تک احساسِ فرض و منصب کا نکھار پوری طرح روشن نہیں ہو سکا ہے یا جن میں فرقہ واریت کا پٹرول ابھی تک خشک نہیں ہوا ہے کہ ہر آنچ کے ساتھ وہ خود بھی تیزی کیساتھ بھڑکنے لگتے ہیں ـــ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سٹیج کا معاملہ بھی آج کی دنیا میں اہمیت رکھتا ہے۔ حکومت کے لئے یہ آسان نہیں ہے کہ وہ اس پوائنٹ کو برملا تسلیم کرلے، لیکن بھوپال کے در و دیوار کی خاموش گواہی جھٹلانا بھی دشوار ہے! افسوس کہ واقعات کی ترتیب اور ہنگاموں کی نوعیت صاف بتاتی ہے کہ مقامی حکام اور پولیس اسٹاف کی یک طرفہ دلچسپیاں ان ہنگاموں میں برابر شریک رہی ہیں!"

پھر آگے فرماتے ہیں:۔

"۲۹ مارچ کو رنگ پنچمی کا میلہ تھا، جلوس اپنے مقام سے روانہ ہوا، خود شریف اور ذمہ دار غیر مسلموں کا کہنا یہ ہے کہ شروع ہی سے جلوس کے اطوار بدلے ہوئے تھے۔ چنانچہ بہت ہی جلد جلوس میں شریک شرپسندوں نے اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔ جلوس کے مقررہ

راستوں سے منتشر ہو کر مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ ان کو ایسا موقعہ کیوں دیا گیا جب کہ اس جلوس کو پولیس کے انتظام میں اپنے مقررہ راستوں سے گذر کر اپنی منزل تک پہنچنا تھا۔ بہرحال مفسدوں کی ٹولیوں نے کھلے بندوں چاند بڈھ، بدھوارہ، چوک اور لوہا بازار سے لیکر جمعراتی بازار تک لوٹ مار اور غارت گری مچائی ـــــ دسیوں چھوٹی بڑی دوکانیں لوٹیں اور برباد کیں۔ جا بجا آگ لگائی، مسجدوں پر دست درازی کی اور نماز کی صفیں جلائیں، کلثوم بی کی مسجد اور عیدیہ مسجد کو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے بھوپال کا مشہور نیشنلسٹ پریس "علوی پریس" غارت کا ڈھیر کر دیا گیا۔

دن دہاڑے شہر میں یہ سب کچھ کیوں ہو سکا؟ خاص طور پر یہ واقعہ کہ لوہا بازار کی بعض دوکانیں جو لوٹی گئیں ان میں پشت کی جانب سے نقب لگا کر لٹیرے داخل ہوئے، پشت کے مکانوں سے گذر کر وہ دوکانوں میں کیسے نقب لگا سکے؟ اور کن لوگوں نے اس کا موقعہ دیا؟ ہزار ہا روپے کا لٹا ہوا مال، کپڑا، بیش قیمت گھڑیاں، سیونگ مشینیں، ریڈیو وغیرہ کہاں گئے اور کہاں تک پہنچے؟ کرفیو آرڈر کے نفاذ کے باوجود لٹے ہوئے مال کی سراغ رسانی اور بازیابی سے اب تک کیوں گریز کیا؟ حمیدیہ روڈ پر چھرے بازی اور قاتلانہ حملوں کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا (جیسا کہ آج بھی ہوسپٹل میں زخمیوں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے) پھر ان تمام مجرموں میں سے کتنے پولیس کی گرفت میں لئے گئے اور کیا ان کی بڑی تعداد ابھی تک پولیس کی دار و گیر سے محفوظ نہیں ہے؟ مجرموں کی تفتیش اور سراغ رسانی کے لئے کتنے اور تباہ شدگان کے بیانات پولیس نے ریکارڈ کئے؟"

کچھ آگے ہے:۔

"یہ اور بھی دکھ کی بات ہے کہ ۳۰ر مارچ کے واقعہ کے بعد پولیس کی جانب سے تشدد و سخت گیری کی تمام تانیں ایک ہی فرقہ پر ٹوٹی گئیں جس کے نہ بوڑھوں پر رحم کیا گیا نہ معذوروں پر۔ بے تحاشہ گھروں اور مسجدوں میں گھس گھس کر اس طرح بے گناہوں پر جبر و تشدد کیا کہ جس کی مثال بھوپال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

دو فرقوں کے ساتھ سلوک میں اتنا فرق اور امتیاز آخر کہاں تک جائز ہو سکتا ہے؟" ـــ بہرحال یہ ذمہ داری پھر حکومت ہی پر ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ آخر مستقبل کے لئے اس مرض کا موثر علاج کیا ہو اور کیونکر؟

جس ملک میں اقلیت و اکثریت کا چولی دامن کا ساتھ ہو وہاں حکومت کی مشینری فرقہ واریت کے زہریلے جراثیم سے پاک نہ ہو تو امن و انصاف کا نظام آخر کب تک قائم اور محفوظ رہ سکے گا!"

پولیس کی "بے حد سخت گیری اور اہانت اور ایذا رسانی" (یہ قوسین کے الفاظ مولانا موصوف ہی کے ہیں) کا دائرہ کتنا وسیع تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مولانا فرماتے ہیں:۔

"میں نے جیل میں دیکھا کہ گرفتار شدگان میں کچھ معذور، نابالغ بچے، دینی مدارس کے سیدھے سادے طلباء اور بعض راہگیر مسافر بھی تھے۔"

اور آگے ہے:۔

"مسلمانوں کو اپنے مالی نقصانات اور بربادیوں کا اتنا احساس نہیں ہے جتنا انھوں نے مقامی پولیس کی لاقانونیت اور جابرانہ تشدد و توہین کی چوٹ کو محسوس کیا ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ رمضان المبارک کے ایام تھے اور پولیس کی تمام زیادتیوں کا شکار بھوکے پیاسے روزے دار ہوئے۔"

آخر میں ہے:۔

"یہ کچھ دستور سا ہو گیا ہے کہ ہر ایسے موقع پر مسلمانوں کو جرم و قصور کے گھیرے میں کھینچنے کے لئے ان کے قبضہ سے ہتھیار برآمد کرائے جاتے ہیں۔ بھوپال میں بھی یہی ہوا لیکن آپ حیران نہ ہوں یقین کرکہ اس ایٹمی دور میں یہ ہتھیار چاقوؤں اور گھریلو استعمال کی چھریوں سے زیادہ نہ تھے۔ اسی قسم کے ہتھیار ۱۹۴۷ء میں نئی دلی کے سینٹرل سکرٹریٹ میں ایک صاحب نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو دکھائے تھے۔ بھوپال میں یوں بھی رامپوری چاقوؤں کا عام رواج ہے۔ ان کا منشا کسی کی جان لینا اور خون کی ندیاں بہانا نہیں ہوتا۔

پھر بھی ایسے موقعوں پر اسلحہ یا ہتھیار کے نام سے پروپیگنڈہ کرنا اس پست ذہنیت کی طرف غمازی کرتا ہے جو یقیناً فرقہ پرستی اور ایسے ہنگاموں کی پرورش کرتی ہے اور وہی در اصل ہمارے ملک کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔"

آئیے اب وہ اداریہ بھی دیکھ لیجئے جو سہارنپور کے حق پسند اور دیانت کیش ہفت روزہ اخبار "بیباک" نے ۷ر اپریل ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں دیا ہے۔ ہم چونکہ اس طرح کے موضوعات پر لکھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اس لئے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کئے بغیر پورا اداریہ

جوں کا توں نقل کئے دیتے ہیں:-

عید کیلئے ہولی کے "تحفے"

فرقہ وارانہ فسادات!!

"بیباک" کی پچھلی اشاعت میں ہولی کے کچھ ہنگاموں کا ذکر کیا گیا تھا، اگرچہ وہ ہنگامے بھی ہندوستان کی تہذیب و شائستگی کے چہرے پر بدنما داغ تھے اور ہولی کے مذہبی تہوار پر خود ہندؤں کے درمیان بھی کسی فتنہ و فساد کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لیکن پھر بھی دل کو سمجھانے کے لئے یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہولی کے دن آپس میں رنگ کھیلنے کے سلسلہ میں جو کشیدگی یا ہنگامہ آرائی ہو گئی وہ محض بے احتیاطی تھی اور اسی بے احتیاطی نے ہنگامی طور پر شدت اختیار کر کے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی۔ اس میں نفرت اور دل آزاری کا کوئی عنصر نہ تھا۔ صرف وقتی طور پر ہولی کھیلنے والے گروپوں میں تفریح ہی تفریح میں ناگواری اور تلخی آگئی اور بات بڑھتے بڑھتے آپس کے جھگڑے تک پہنچ گئی۔ ملک کے سنجیدہ اور ذمہ دار طبقوں کے نزدیک یہ صورت حال بھی کوئی قابل فخر بات نہ تھی اور جبکہ ایک مذہبی تہوار کے نام پر ایسے حالات پیش آئیں تو اس وقت تو ایسی حرکات کو اور بھی افسوسناک اور لائق ملامت قرار دیا جائے گا۔ مگر پھر بھی لیڈروں کی اصطلاح میں اتنی بڑی قوم اور اتنے بڑے ملک میں ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ علم و تہذیب کی لہریں جوں جوں بڑھیں گی عوام خود بخود شائستگی اختیار کرتے چلے جائیں گے۔

لیکن آزاد ہندوستان میں "ہولی" کا لطف صرف اتنی ہی سی "تفریح" میں تو مکمل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستانی قوم اپنے قومی وقار کو دوسروں کی دل آزاری اور اہانت و تذلیل کے بغیر کیسے "بلند" کر سکتی ہے اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں "ہولی" کا پوتر تہوار آئے اور اس میں فرقہ وارانہ فسادات کی رنگ آرائیاں نہ ہوں؟ — عیش و نشاط کے پیغامات آئیں اور اپنی برتری کے اظہار کے لئے دوسروں کی زندگیاں تلخ نہ کر دی جائیں۔ اور اپنے "مذہب" کی سربلندی کے لئے دوسروں کی دل آزاری ضروری نہ تصور کر لی جائے؟ یہ کمی بہرحال پوری ہو کر رہی اور دنیا کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ہندوستان کی "فیاض" اکثریت نے اس سال بھی اقلیت کے جذبات کے خون کے بغیر ہولی کا مقدس تہوار نہیں منایا اور اس بدنصیب قوم کے جس کردار کی بدولت ملک ہی نہیں، بلکہ انسانیت کے ٹکڑے بھی ہوتے، وہ کردار آزاد ہونے کے باوجود آج بھی اس کا طرۂ امتیاز بنا ہوا ہے!

چنانچہ یہ خبریں بہت تیزی سے ہمارے سامنے آگئیں کہ لکھنؤ، سنبھل، مبارکپور، بہرائچ، دت نگر ضلع میرٹھ اور بھوپال میں ہولی کی تقریب پر فرقہ وارانہ فسادات کی آگ پوری قوت سے بھڑکی اور ہندوستان کے قومی ناموس کو پھر ایک اذیت ناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا۔ بھوپال میں تین چار روز تک فسادات کا جو خوفناک سلسلہ جاری رہا (اب سکون بتایا جا رہا ہے) اس کا اندازہ کرنے کے لئے پھر ۱۹۴۷ء کی جانب لوٹئے اور دیکھئے کہ بھوپال میں خونریزی، لوٹ مار، آتش زنی اور چھرے بازی کا کھیل کس کس طرح کھیلا گیا۔ بھوپال میں فسادات کی آگ بھڑکی اور جوں جوں سرکاری کوششوں کے ذریعہ اسے دبانے کی کوشش کی گئی اس کا اشتعال برابر بڑھتا چلا گیا۔ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ بھی ہوا، کرفیو بھی عائد کیا گیا۔ اشک آور گیس بھی استعمال ہوئی اور پولیس کو اپنے "تحفظ" کے لئے گولی بھی چلانی پڑی، لیکن ان تمام تدبیروں کے باوجود فسادی طاقتیں برابر ابھرتی رہیں۔ آگ لگانے، لوٹنے اور چھرے بازی کی وارداتوں کا ۳۰ر مارچ سے ۲ر اپریل تک کوئی قابلِ اطمینان انسداد نہ ہو سکا ۳ر اپریل کی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ اب تک فساد میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تین تک پہنچ چکی ہے۔ چاقو اور دوسرے ذرائع سے جو لوگ مجروح ہو کر داخل ہسپتال ہو چکے ہیں ان کی تعداد چھپن ۵۶ ہے۔ اور ہنوز ایک ہزار افراد کی گرفتاری بھی عمل میں آچکی ہے۔ مختصراً صورتِ حال یہ ہے بقول ایک نامہ نگار کے کہ:-

> "اس وقت شہر ایک مسلح کیمپ دکھائی دیتا ہے۔ سڑک کے نکڑ پر سیکڑوں مسلح سپاہی نظر آتے ہیں اور اگر شہر میں کوئی سرگرمی اور چہل پہل نظر آتی ہے تو محض یہ کہ مسلح سپاہیوں کو لیکر لاریاں اِدھر اُدھر گذرتی رہتی ہیں۔"

بھوپال کی اس بھیانک صورتِ حال کا بنیادی سبب کیا ہے؟

ہولی کا قابلِ احترام تہوار — ! دنیا کو پنچ شیلا' بقائے باہم اور امن و سلامتی کا پیغام دینے والا ہندوستان اپنے مذہبی تہوار کس شان سے مناتا ہے۔ کاش کسی کانگریسی یا کسی کانگریس گورنمنٹ کو ملک کی اس شرمناک پوزیشن کا احساس ہوتا اور کرسیِ اقتدار پر بیٹھ کر فخر و ناز کی گردنیں بلند کرنے والے شدتِ ندامت سے زندہ رہنا گوارا نہ کرتے !

اور خود یو' پی میں مبارکپور ضلع اعظم گڈھ اور بہرائچ میں ہولی کا رنگ کیسا رہا؟

اس کا اندازہ یو' پی اسمبلی میں بحث کے دوران کمیونسٹ ممبر شری جھار کھنڈے رائے کے ان چند الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مبارکپور کے حالات کا خود مشاہدہ کرنے کے بعد کہا:-

"میں نے جیل کے اندر اور باہر جو کچھ دیکھا ہے وہ میں نے اپنی ۲۵ سالہ سیاسی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میرا خون کھول رہا ہے اور وزیر داخلہ معاملہ کو صحیح طور پر پیش نہیں کر رہے ہیں"

اور جب وزیر داخلہ مسٹر کملا پتی ترپاٹھی اپنا سرکاری بیان دیتے ہوئے یہ فرما رہے تھے کہ "لوگوں کے جو چوٹیں آئی ہیں وہ پولیس سے مزاحمت کے نتیجہ میں آئیں" کامریڈ جھارکھنڈے رائے نے دریافت کیا۔

"کیا ستر سال کے وہ بوڑھے جن کے جسم کا ایک رُواں بھی کالا نہیں ان کے تلووں پر جو زخم آئے ہیں وہ بھی پولیس کی مزاحمت میں آئے ہیں؟"

شری چندر جیت یادو (کمیونسٹ) نے وزیر داخلہ سے سوال کیا

"کیا وزیر داخلہ کو معلوم ہے کہ میں نے بی - ایس - پی کے ایک ممبر اور ایک دوسرے صاحب نے ۲۹ مارچ کو وزیر اعلیٰ کو مبارکپور سے ایک مشترکہ تار دیا تھا' جس میں حالات کا خود مشاہدہ کرنے کے بعد ہم نے لکھا تھا کہ پولیس نے گھروں میں گھس گھس کر ڈاکے ڈالے ہیں"

یو' پی کونسل کے ایک کمیونسٹ ممبر مسٹر برج بہادر سنگھ نے اپنی تحریک التوا پیش کرتے ہوئے کہا:-

"اگر میں مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کے مظلوموں پر پولیس کے ناقابلِ بیان مظالم کا ذکر کردوں تو سارا ایوان رونے پر مجبور ہو جائے گا۔ وہاں ایک فرقہ کے لوگوں' بچوں' حاملہ عورتوں اور نوجوانوں کو پولیس نے جس بیدردی سے مارا ہے اس کی آہ و بکا کا تصور بھی کرنا ممکن نہیں"

اور ان تمام بحثوں کے بعد یو' پی اسمبلی کے اسپیکر نے التوا کی ساری تحریکیں یہ کہہ کر مسترد فرما دیں کہ "یہ فوری توجہ کی مستحق نہیں" گویا مبارکپور اور بہرائچ میں ہولی کے سلسلے میں فسادی عناصر اور خود پولیس نے جو کچھ مظالم ڈھائے وہ ایک معمولی سی بات تھی اور حکومت کی اصطلاح میں ایسی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی!

ان بحثوں اور سرکاری فیصلوں کو یہیں چھوڑ کر اب موضع دت نگر ضلع میرٹھ کے فساد پر ماتم کیجئے۔ موضع دت نگر میں تقریباً ایک سال سے فرقہ پرستی کا جو برہنہ ناچ ہو رہا ہے اور اس میں پولیس کی شرکت کو بھی جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کی فریادی صدائیں صدر جمہوریۂ ہند کی بارگاہ تک بھی پہنچائی جا چکی ہیں۔ قارئین "مبیاک" کو معلوم ہے کہ موضع دت نگر کی بدنصیب مسلم اقلیت کب سے سرکاری اور غیر سرکاری فرقہ پرستی کا شکار ہو رہی ہے اور اس کی جانب سے اب تک انصاف کے کتنے دروازے کھٹکھٹائے جا چکے ہیں' مگر ان کی فریاد کس نے سُنی؟ کس نے ان کمزور اور بے بس انسانوں پر توجہ اور التفات کی نگاہیں ڈالیں؟ ان بدنصیبوں کا جرم محض یہ تھا کہ یہ دت نگر کی دو ہزار آبادی میں پانچسو افراد ہوتے ہوئے خدا کی عبادت کے لئے اپنی ہی ملکیت کے ایک چھوٹے سے قطعۂ اراضی پر ایک برائے نام مسجد کیوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور انھیں یہ حق کس نے دے دیا ہے کہ وہ ہندوستان کے سیکولرازم کا نام لے کر اس گاؤں کی مہذب ہندو اکثریت کے برابر اپنے مذہبی حقوق جتانے لگیں؟ ان کا یہی جرم تھا۔ جسے ضلع میرٹھ کی فرقہ پرستی نے کبھی برداشت نہیں کیا اور اس سلسلہ میں جو اطلاعات منظرِ عام پر آتی رہی ہیں ان سے یہ پتہ بھی چلتا رہا کہ ہماری سیکولر حکومت کی سیکولر پولیس کے نزدیک بھی مسلمانانِ دت نگر کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے ایسے حقوق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دت نگر کے مسلمانوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی شرارتیں اور ریشہ دوانیاں تو ہوتی ہی رہتی تھیں' لیکن جب اس گاؤں کے "بہادر" فرقہ پرستوں کو "ہولی" کا احساس بھی ہوا اور انھوں نے دیکھا کہ اس "موسم" سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے تو وہ ۳۰ مارچ کو

باقاعدہ گاؤں کے مظلوم مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور لوٹ مار کا ایک باقاعدہ "یدھ" بھی شروع کر دیا گیا۔ اس فساد کے بعد جمعیۃ العلماءِ ہند کا جو وفد دت نگر پہنچا' اس کی رپورٹ کے یہ الفاظ صورتِ حال کی ایک المناک تصویر پیش کرنے کے لئے کافی ہیں:۔

"جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو یہاں کے مسلمان ہمارے ارد گرد جمع ہو گئے' جو خوف زدہ اور انتہائی سراسیمہ تھے اور اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ انھوں نے رو رو کر روزِ گذشتہ کی اپنی داستان سُنائی اور زخمی جسم کو دکھایا۔ ایک عورت اللہ رکھی بھی ہمارے سامنے آئی جو حاملہ تھی اور جسے بلوائیوں نے اس کے گھر میں گھس کر شدید زدوکوب کیا تھا۔ اس کے علاوہ عزیزہ صغریٰ صدیقہ' جعفری خاتون بھی زخمی ہیں' جن کے جسموں پر لاٹھیوں وغیرہ کے نشانات دکھائے گئے۔ بچے بھی تھے جن کو بلوائیوں نے لات اور گھونسوں سے پیٹا تھا۔ ان کے علاوہ دس بارہ ضعیف العمر مرد بھی شامل تھے جن کو فسادیوں نے لاٹھی اور گھونسوں سے زخمی کیا۔"

یہ وہ لوگ تھے جو ہسپتال میں داخل نہیں تھے۔ جو لوگ شدید زخمی تھے وہ میرٹھ کے ہسپتال میں تھے اور اراکینِ وفد نے ان سے بھی ملاقات کی تھی۔

لیکن دت نگر کے اس فساد کے بعد کیا ہوا؟ فرقہ پرستوں اور فسادیوں کے خلاف کیا ایکشن لیا گیا؟ اور اس پولیس کا کیا بنا جس کی شرارت آمیز غفلت کے نتیجہ میں یہ سارے کھیل کھیلے جاتے رہے؟ ان تمام سوالات کا ہنوز کوئی جواب نہیں۔ ہاں ایک خبر میں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ ایک گرفتاری عمل میں آ گئی ہے۔

یہ وہ "سکون و اطمینان" ہے جو مسلمانوں کو رمضان شریف کے مبارک مہینے میں عطا فرمایا گیا ہے! اب عید آنے والی ہے اور ہمارے بہادر اہلِ وطن کی جانب سے عید کے لئے یہ "ہولی" کے تحفے پیش کئے گئے ہیں! کتنے قابلِ فخر "تحفے" ہیں یہ۔

وہ مجھ کو قتل نہ کرتے تو کون کرتا قتل
یہ ظلم دوست نہ کرتے تو کیا عدو کرتے۔"

خاتمہ پر وہ سطور نقل کے قابل ہیں جو الجمعیۃ کے فاضل مدیر نے اپنے ۱۱ اپریل کے اداریہ میں خاتمے پر لکھی ہیں:۔

"اب ہمیں اپنے مطلب کی طرف آنا چاہئے۔ ہمارا مقصد کسی کو اشتعال دلانا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خود ایک مفسدانہ جذبہ ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ مسلمان اپنے مجرموں کو معاف کر دیں اور انتقام کا تصور تک دماغ میں نہ لائیں' لیکن ہمیں تو یہ سوچنا ہے کہ یوپی اور بہار میں اس سال جو دس بارہ فساد ہوتے' ہم انہیں آخری تصور کریں یا یہ کہ ان کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا؟ اگر یہ آخری فسادات ہیں تو پھر انھیں بھلا دینا ہی مناسب ہوگا۔ اگر اس کی توقع نہیں کی جا سکتی اور صورتِ حال ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ فسادات کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہ سکتا ہے تو پھر مسلم سربراہوں کو اس کا کوئی مستقل اور پائدار حل سوچنا چاہئے۔ مقصد تو یہ ہے کہ ملک کے کسی گوشہ میں اقلیت کے کسی فرد کی نکسیر تک نہ پھوٹے اور اکثریت کا زاویۂ نگاہ یکسر بدل جائے۔ مگر یہ مقصد کس طرح حاصل ہو؟ بس مسلمانوں کو یہی سوچنا ہے اور اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے انھیں اپنی راہ ہموار کرنی ہے۔"

یہ سب کچھ پڑھ لینے کے بعد اب یہ بھی سن لیجئے کہ متعدد پارٹیوں کی طرف سے اس ہولناک صورتِ حال کی عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا تھا' اس کا جواب مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر کاٹجو نے صاف انکار کی صورت میں دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگرچہ حکومت ان لوگوں کو معاوضہ دینے کے سوال پر غور کر رہی ہے جنھیں اس ہنگامے میں نقصان پہنچا ہے' لیکن وہ تمام نقصانات کی ذمّہ داری لینے کو تیار نہیں ہے۔

تمام نقصانات کی ذمہ داری قبول کرنا تو ایک الگ بحث ہے اور اُصولِ انصاف کے اعتبار سے اس کی اہمیت ثانوی ہے۔

اصل نکتہ قابلِ غور یہ ہے کہ جناب ڈاکٹر کاٹجو تحقیقات تک سے انکار فرما رہے ہیں؟ گویا انھیں یقین ہے کہ اگر منصفانہ تحقیقات ہوئی تو دنیا کے سامنے بہت سے اُن حقائق کی دستاویز آ جائیگی جو ویسے تو کھلا راز ہیں لیکن کانگریس کی حکومت اُن پر کاغذی قانونوں' زبانی باتوں اور رٹے رٹائے اُپدیشوں کے پردے ڈالے

ہوتے ہے۔ اُن لوگوں کی بات تو اور ہے جو شتر مرغ کی طرح چونچ ریت میں چھپا کر آندھی کے وجود سے انکار کر دینا چاہتے ہیں، لیکن جو لوگ بیٹھی یا افتادہ حقائق سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے انھیں بتانا چاہئے کہ جمہوریت کی ناؤ اب کتنے پانی میں ہے اور یہ آزادی کیسی ہے جس میں سب سے بڑی اقلیت کی مظلومانہ فریاد تک سُننے والا کوئی نہیں۔ جس میں زخموں پر مرہم رکھنا تو کجا، یہ تک پسند نہیں کیا جاتا کہ زخم لگانے والوں کا سُراغ ہی لگا لیا جائے — یہ غالباً اسلئے ہے کہ جمہوریت کے دیوتا خوب جانتے ہیں صیاد کون ہے، دار کس نے کئے ہیں، طوفان کس کا اُٹھایا ہوا ہے۔ وہ چاہیں تو ایک ایک لٹیرا ایک ایک فسادی، ایک ایک قاتل اور جلّاد مجرموں کے کٹہرے میں آسکتا ہے، لیکن وہ نہیں چاہیں گے۔ کبھی نہیں چاہیں گے کہ مسلمان اقلیت کیساتھ وہ حقیقی اور فوری انصاف ہو جو جمہوریت کا تقاضا ہے۔ کیونکہ ان کی جمہوریت پسندی محض دکھاوے کی ہے ان کے دعوے صرف نعرے ہیں اور وہ کسی طرح مسلمانوں کو وہ حقوق اور تحفظات دینا نہیں چاہتے جو دستور نے دیئے ہیں۔

جب یہ صورتِ حال ہے تو مسلمان سربراہوں کو یا تو صاف اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمارا ہمارے بس کا نہیں رہا، امتِ مسلمہ صبر کرے اور جب تک سانس باقی ہے سسٹم سسٹم جئے جائے یا پھر سر جوڑ کر سوچنا چاہئے کہ صورتِ حال کی اصلاح کیسے کی جائے۔ محض بیانوں اور بچھے دار باتوں اور منتشر خیالیوں سے نہ کبھی کچھ ہوا ہے نہ آج ہوگا۔

ایک غلطی کی تصحیح

فروری مارچ ۱۹۶۹ء کے مشترکہ شمارے میں "تجلی کی ڈاک" کے تحت حضورؐ کے سائے کی بحث کرتے ہوئے ہم نے مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کی طرف ایک فتوے کی نسبت کی تھی۔ اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ انکا نہیں تھا، بلکہ دارالعلوم کے سابق مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کا تھا۔ ہماری غلط فہمی کا باعث یہ چیز بنی کہ فتاویٰ دارالعلوم میں اِن دونوں حضرات کے فتاویٰ کو دو الگ عنوانوں سے چھاپا گیا ہے۔ عزیز الفتاویٰ اور امداد المفتیین۔ یہ فتوے امداد المفتیین کے تحت تھا، لیکن ہم نے سہواً اسے عزیز الفتاوے کے تحت سمجھ لیا۔ اب جس کا جی چاہے ہمارے اس سہو کو واقعتہ "سہو" مان لے اور جس کا جی چاہے بد دیانتی اور خیانت وغیرہ سے تعبیر کرے۔ ہمارا ضمیر بہر حال مطمئن ہے کہ ہم نے ارادۃً یہ فعل نہیں کیا ہے اور یہ بھی اطمینان ہے کہ اس سہو سے نفسِ بحث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی بہت برسوں تک دارالعلوم دیوبند کے مفتی رہے ہیں، بہت بڑے عالم ہیں، مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں اور آج بھی انھیں پاکستان میں مفتیِ اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ ویسے اس تعارف سے مقصود اپنے خیال ورائے کی تقویت نہیں ہے کہ مسائل میں اصل اہمیت دلائل کی ہے نہ کہ شخصیات کی۔ بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ اکابرینِ دیوبند کا متفقہ طور پر یہ عقیدہ ہرگز نہیں رہا ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سایہ نہ ہونے کے قائل ہوں، مگر تنہا ان کی ذات پر "اکابرین دیوبند" کا اطلاق نہیں ہوتا۔

تفہیم الحدیث

بخاری کی تفہیم کے بعض حصّوں پر کچھ اہلِ علم دوستوں نے کلام کیا ہے۔ ہم انکے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ہماری رہنمائی کے لئے قلم اُٹھانے کی زحمت فرمائی۔ انشاء اللہ اگلی اشاعت میں ان کے فرمودات پر اظہارِ خیال کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

ایک اور فساد!

ابھی ان لفظوں کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ایک اور ہولناک فساد کی خبر اخباروں میں آئی — "فساد" کا لفظ ایسے ہنگاموں کیلئے بولنا جن میں ایک طاقتور فریق بیٹھے بٹھلائے کمزور فریقِ ثانی پر دھاوا بولدے مضحکہ خیز ہی ہے لیکن قسمت کی ستم ظریفی کو کیا کہئے کہ اسی لفظ سے ان ہنگاموں کی تعبیر عام ہو گئی ہے۔ بہر حال اب تازہ فساد سیتامڑھی (بہار) میں ہوا ہے اور چار سو بہتر[۱] مجروحین کے علاوہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۵ ہے — پس منظر ہے گائے کا ذبیحہ!

سچ پوچھئے تو ظلم وطغیان کیلئے کسی پس منظر کی ضرورت نہیں لیکن اگر واقعی کسی مسلمان نے گائے ذبح کر بھی لی ہو تو اسکی یہ ہمہ گیر پاداش سیکولرازم کی تاریخ میں لعل و یاقوت کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ دیکھنا چاہئے۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے! [۲]

۱؎ اتنی تو گویا وہ لاشیں ہیں جنھیں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے مزید کتنے شہید ہوئے ہوں گے ۱۲ ۲؎ یہ سطریں ۲۱ راپریل کو کتابت ہو گئی تھیں، ۲۳ر کے اخبار سے معلوم ہوا کہ احمد آباد میں بھی فساد ہوا ہے۔ ایک موت کی اطلاع ہے، لیکن مزید تفصیلات ابھی نہیں آئیں ۱۲

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی چند تصانیف

کتاب	قیمت
تفسیر سورۂ نور مجلد	ساڑھے چار روپے
تجدید و احیائے دین	ڈیڑھ روپیہ
نشانِ راہ	چھ آنے
قرآن اور پیغمبر	پانچ آنے
جبر و قدر	دو آنے
معراج کی رات	ایک آنہ
اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی	ڈھائی روپے
اسلامی حکومت کسطرح قائم ہوتی ہے؟	چھ آنے
مسئلہ قومیت	ڈیڑھ روپیہ
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں	بارہ آنے
حقیقتِ ایمان	چھ آنے
حقیقتِ صوم وصلوٰۃ	آٹھ آنے
حقیقتِ زکوٰۃ	سات آنے
حقیقتِ حج	چھ آنے
اسلام کا نظامِ حیات	آٹھ آنے
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر	چودہ آنے
دینِ حق	چھ آنے
اسلام اور جاہلیت	چھ آنے
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	پانچ آنے
قرآن فہمی کے بنیادی اصول	تین آنے
حقوق الزوجین	ڈیڑھ روپیہ
میلاد النبی	دو آنے
زندگی بعد موت	دو آنے
اسلام اور ضبطِ ولادت	بارہ آنے
لباس کا مسئلہ	تین آنے
انسان کا معاشی مسئلہ اور اسکا اسلامی حل	چھ آنے
سلامتی کا راستہ	پانچ آنے
قرآن اور پیغمبر	پانچ آنے
دعوتِ اسلامی	چودہ آنے
جماعت اسلامی کی دعوت	چار آنے
دینیات	ڈیڑھ روپیہ
پردہ مجلد مع ڈسٹکور	ساڑھے تین روپے
سود حصہ دوم مجلد	پونے تین روپے
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	ڈیڑھ روپیہ
جماعت کا مقصد اور طریق کار	نو آنے
تفہیمات مجلد	چار روپے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

کتاب	قیمت
حقیقتِ شرک	دو روپے
حقیقتِ توحید	ایک روپیہ
حقیقتِ تقویٰ	گیارہ آنے

مولانا ابوالکلام آزاد کی چھ کتابیں

کتاب	قیمت
آزادی کی کہانی خود آزاد کی زبانی مجلد	چھ روپے
شہیدِ اعظم (واقعات کربلا) مجلد	ڈیڑھ روپیہ
مقالاتِ آزاد 〃	دو روپے
مضامین آزاد 〃	دو روپے
مسلمانوں کا راستہ	چار آنے
ولادتِ نبوی	چار آنے

(نوٹ) چھ کتابوں کا یہ سیٹ ایکساتھ طلب کرنے پر گیارہ روپے میں دیا جائے گا۔

مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم کی تصانیف

کتاب	قیمت
کلمہ طیبہ کی تحقیق	سوا روپیہ
فطری حکومت	چار روپے
التشبہ فی الاسلام حصہ اول	دو روپے
〃 〃 حصہ دوم	دو روپے
اسلام میں مشورے کی اہمیت	دو روپے
اصول دعوت اسلام اور اسلام میں دعا کی اہمیت	ڈھائی روپے
مقالات اکابر دارالعلوم دیوبند	دو روپے
عالمی مذہب اور مقالاتِ طیبات	دو روپے
فلسفۂ نماز	ڈیڑھ روپیہ
سائنس اور اسلام	سوا روپیہ
شرعی پردہ	ایک روپیہ پانچ آنے
داڑھی کی شرعی حیثیت	سوا روپیہ
اسلام اور فرقہ واریت	ایک روپیہ
مشاہیر امت	ایک روپیہ
شانِ رسالت	ایک روپیہ

تصانیف مولانا احمد سعید

کتاب	قیمت
خدا کی باتیں	ڈھائی روپے
رسول کی باتیں	پونے دو روپے
ماہِ رمضان	ڈیڑھ روپیہ
مضامین مولانا احمد سعید	دو روپے
پہلی تقریر سیرت	پونے دو روپے
دوسری تقریر سیرت	ڈھائی روپے
جنت کی کنجی	سوا تین روپے
دوزخ کا کھٹکا	سوا دو روپے

تصانیف مختلف مصنفین

کتاب	قیمت
اخلاصِ نیت	دس آنے
احوالِ برزخ	آٹھ آنے
میدانِ حشر	ایک روپیہ
تحفۂ مبلغین مکمل مجلد	پونے دو روپے
عربی جماعتیں دربار رسالت میں	آٹھ آنے
میری نماز مجلد	ایک روپیہ

مکتبہ تجلی دیوبند

تجلیات کعبہ مدینے اور مکے اور حج و زیارت کے فضائل و برکات۔ قیمت مجلد تین روپے ■ حقیقت نفاق ... مولانا صدر...

تجلی کی ڈاک

سوال :- از اسلام اللہ۔ بنارس — حضورؐ کا سایہ

مارچ ۱۹۵۹ء کے شمارے میں آپ نے حضور رسالتمآبؐ فداہ امی وابی ونفسی کے سایہ ہونے کے ثبوت میں جو بے مثال دلیلیں ناظرین کے سامنے پیش کیں وہ قابلِ صد رشک ہیں۔ لیکن توہم پرستوں کی توہم پرستی اور فتنہ پردازوں کی فتنہ پروری اب بھی عروجِ کمال پر ہے۔

چند دن ہوئے ایک حلوے مانڈے والے پیر صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں دو دلیلیں پیش کیں۔ پہلی عقلی اور دوسری شرعی۔

پہلی دلیل سے متعلق فرمایا کہ جب چاند سورج اور ستاروں کا سایہ زمین پر نہیں آسکتا کہ جن کی ضوفشانیاں خدا کے نور سے مشابہ ہیں تو جو نورِ مجسم ہو تو پھر اس کا سایۂ اقدس زمین پر کس طرح آسکتا ہے

دوسری دلیل کو پیش کرتے ہوئے بولے کہ میں چند معتبر صحیح سند کے ساتھ احادیث پیش کرتا ہوں جس سے آپ بخوبی سمجھ لیں گے کہ حضور سرکارِ مدینہ سراپا نور تھے اور آپؐ کا نور خدا کے نور کا جزوِ اعظم تھا جس میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں — حدیثیں ملاحظہ ہوں :-

یا محمد انا انت انت انا۔ اے محمد میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔

اول ما خلق اللہ نوری۔ تمام مخلوق سے پیشتر اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری :- میں اللہ کے نور سے ہوں اور ہر شے میرے نور سے ہے

محترمی یہ حدیثیں ہیں جن کے معتبر وصحیح ہونے کا قبلہ پیر جی نے دعوہ کیا ہے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ ان حدیثوں کی دین میں کیا حیثیت ہے اور ان کی کیسی سند ہے۔ ذرا تفصیل سے تبلادیں۔

الجواب :-

مبینہ پیر صاحب کی گل افشانیاں اپنی علمی وعقلی سطح کے لحاظ سے تو اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر توجہ دی جائے۔ نہ انھیں کوئی سمجھدار آدمی "دلائل" کہہ سکتا ہے لیکن عوام بیچارے چونکہ ہوائی باتوں سے بھی بہک جاتے ہیں اس لئے واجبی جواب عرض کئے دیتے ہیں

دلیلِ اوّل جسے دلیلِ عقلی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، چٹکلے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سایہ نام ہے اُس تاریکی کا جو روشنی کی راہ میں کسی ٹھوس وجود کے حائل ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج چاند اور ستاروں کو تو عالمِ ظاہر کی روشنی کا منبع اور مرکز بنایا ہے ان کا سایہ پڑنے نہ پڑنے کا کیا سوال؟ کیا کیا پیر صاحب کے خیال میں چاند سورج کے پیچھے بھی کچھ اور اجرام ان سے زیادہ روشن ہیں کہ ان کی روشنی زمین تک آرہی ہو اور چاند سورج کے درمیان میں حائل ہو جانے سے سایہ پڑنے نہ پڑنے کی بحث پیدا ہو۔ ہم سمجھتے ہیں جو بات پیر صاحب نے فرمائی ہے اس کا مطلب ومنشا وہ خود بھی نہیں سمجھتے نہ کسی ہوشمند کو سمجھا سکتے ہیں۔ ہاں چونکہ غلو پسندی اور عجوبہ پرستی کے تحت وہ حضورؐ کا سایہ نہ ہونے کی کسی بھی دلیل کی طرف منصفانہ توجہ دینا نہیں چاہتے اس لئے پادرہوا لطیفے چھوڑ رہے ہیں۔

دلیلِ ثانی جسے شرعی کا نام دیا گیا ہے تشنہ بھی ہے مبہم بھی اور تفصیل طلب بھی۔ اگر اس کے قائل کو کوتاہیِ فہم کی رعایت نہ دی جائے تو اس کے مشرکانہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ عیسائی حضرت عیسٰی کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ پیر صاحب نے بیٹا نہیں کہا جز کہدیا کیا فرق ہوا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ تمام قرآن اس پر شاہد ہے۔ اور جملہ علمائے حق متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ نہ قدرت میں، نہ وجود میں۔ وہ واجب الوجود ہے،

مستقل بالذات ہے اور اُس کے سوا ہر شے مخلوق ہے، غیر مستقل بالذات ہے، ممکن الوجود ہے۔ ایسے شخص کو بالیقین مشرک کہا جائے گا جو سنجیدگی کے ساتھ یوں کہے کہ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا جز تھے۔

جو روایتیں حدیث کے نام سے پیش کی گئی ہیں ان میں ایک تو ایسی ہے جو نقل فرمودہ الفاظ میں بعض کتابوں میں ملتی ہے اور وہ ہے اول ما خلق اللہ نوری یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جسے اللہ نے پیدا کیا میرا نور ہے۔ اس روایت کی صحت علماء میں معرضِ بحث ہے اور صحاح ستہ یعنی حدیث کی مشہور چھ صحیح کتابوں میں سے کسی میں بھی یہ موجود نہیں۔ تاہم اسے اگر صحیح ہی مان لیں تو اس کا ادنیٰ سا بھی جوڑ سایہ پڑنے نہ پڑنے سے نہیں لگتا، بلکہ اس سے تو خود پیر صاحب کے اس لغو دعوے کی تردید ہوتی ہے کہ سرکار مدینہ کا نور اللہ کے نور کا جز تھا۔ سبحانہ عما یصفون۔ خلق یعنی پیدا کرنا سب جانتے ہیں کہ کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے کا نام ہے۔ جب اللہ نے حضورؐ کا نور خلق فرمایا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ پہلے معدوم اور لاشئ تھا۔ اللہ کا نور اپنے تمام اجزا سمیت ہمیشہ سے موجود ہے۔ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ازلی و ابدی ہے، اگر نورِ رسالت اسی کا جز ہوتا تو اس کے خلق اور پیدائش کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ جب پیدائش ثابت ہوئی تو واضح ہو گیا وہ اللہ کے نور کا جز نہیں ہو سکتا۔

رہی باقی دو روایتیں تو ہم نہیں جانتے یہ کیا ہیں اور کہاں ہیں۔ یہ پیر صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ پوری روایات مع سند بیان فرمائیں اور کتاب کا تفصیلی حوالہ دیں۔ بظاہر یہ دونوں ہی روایتیں سخت وحشت ناک مفہوم و مطلب کی حامل ہیں جن سے روحِ توحید پناہ مانگتی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے اس بات کا آخر کیا مطلب ہے کہ اے محمد میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو لرزا دینے والی فتنہ انگیز بات۔ عیسائیوں کے نقطہ نظر سے تو بہرحال حضرت عیسیٰ اللہ سے کچھ کم ہی رہے تھے کہ بیٹا باپ سے کم درجہ سمجھا گیا ہے۔ لیکن اس روایت نے اللہ اور رسول کو قطعی مساوی کر دیا! پناہ بخدا اسی طرح یہ بات کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام اشیاء میرے نور سے ہیں قرآن، حدیث اور علمائے حق کے متفقہ عقیدے کے منافی ہے۔ جو مطلب لولاک لما کے مشہور مقولے کا ہے اگر وہ مطلب لے لیا جائے تب تو خیر کسی نہ کسی حد تک بات قابلِ التفات ہو سکتی ہے، لیکن جس مقصد کے تحت پیر صاحب نے اسے پیش کیا ہے وہ کسی بھی طرح اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے من نور اللہ ہونے سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب نور اللہ بسیط ہونے کے باعث سایہ نہیں دے سکتا تو حضورؐ کا سایہ کیسے پڑے گا تو پھر دنیا میں کسی بھی چیز کا سایہ نہیں پڑنا چاہئے۔ کیونکہ روایت کی رو سے تمام اشیا نورِ محمدی کا جز ہوئیں۔ نورِ محمدی سایہ سے بے نیاز ہے تو اس سے بنی ہوئی اشیاء بھی بے سایہ ہی رہیں گی۔

اور حق یہ ہے کہ جن روایات میں حضورؐ کیلئے لفظ "نور" آیا ہے ان کے معتبر ہونے نہ ہونے کی بحث سے سائے کی بحث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضورؐ کو اگر نور کہا گیا ہے، یا ان کی تخلیق بحیثیت نور کے تمام اشیاء سے قبل ہوئی ہے تو اس "نور" کو معنوی کمال کے استعارے سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ قرآن و حدیث میں کثرت کے ساتھ لفظ "نور" ایمان و ہدایت اور کتبِ آسمانی کے لئے وارد ہوا ہے۔ اس لفظ سے ایک سائنسی مفہوم اخذ کرنا اور پھر اسے زبردستی حضورؐ کے وجودِ ظاہری پر منطبق کر دینا نہ صرف بیدانشی اور کوتاہ نظری ہے بلکہ اُس فاسد و باطل رجحان و میلان کا مظاہرہ ہے جس کے تحت مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ حضورؐ کو دیوتا بنا کر ذہنی پرستش کرنا چاہتا ہے۔ افسوس سرکارِ رسالتؐ تو یہ فرمائیں کہ لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم (مجھے بڑھاؤ چڑھاؤ مت جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا چڑھایا) اور طرح طرح سے اپنی بشریت و عبدیت کا یقین دلائیں اور قرآن بار بار صراحت کرے کہ محمد تم جیسے بشر ہی ہیں، انھیں نہ علم غیب ہے نہ آمرانہ اختیارات حاصل ہیں نہ وہ خدائی میں شریک ہیں، نہ وہ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ تم انھیں دیوتا بنا کر پوجو، بلکہ وہ تو تمہاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں جسے اللہ نے اپنی رسالتِ تامہ کے لئے چن لیا ہے اور جس کے ذریعہ ذریعہ تمھیں قولاً و عملاً حکمت و ہدایت کا سبق

نے رہا ہے۔ ان کے اسوے پر چلو، ان کے احکام کو جانو اور ان کی نشر کردہ خالص و کامل توحید کو سینوں سے لگاؤ۔ مگر ہمارا وطیرہ یہ ہو کہ ہم ان تمام واضح ہدایات کو نظر انداز کرکے بڑھانے چڑھانے کے مشغلے میں لگے رہیں۔ ذرا سا شوشہ کہیں مل جائے تو اسے پھیلا پھیلا کر پر کا کبوتر بنا دیں۔ حضورؐ کا ایسا تصور پیش کریں جو مذاہب باطلہ کے دیوتاؤں سے کم نہ ہو، ان کی خیالی تصویر کو قلب و نظر کی محراب میں سجا کر ذہنی سجدے گذاریں اور ان کا اسوۂ حسنہ، ان کی سنتیں، ان کی تعلیمات اور ان کی عملی ہدایات اس ہاؤ ہو میں گم ہو کے رہ جائیں۔

اگر محترم پیر صاحب واقعی سنجیدگی سے یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کا جسدِ اطہر سائنسی معنوں میں نور تھا یعنی ایک ایسا وجودِ بسیط و مصفّا جس میں سے روشنی گذر جاتی تھی اور سایہ نہیں پڑتا تھا تو انھیں شیشے کی مثال پر غور کرنا چاہئے۔ شیشہ ایک ایسی مصفا چیز ہے کہ روشنی اسے پار کر جاتی ہے اور عمدہ قسم کا ہو تو دھوپ میں اس کا سایہ نہیں پڑتا۔ گو ہلکی سی پرچھائیں ضرور پڑتی ہے، تاہم مانے لیتے ہیں کہ یہ پرچھائیں سائے کے ہم معنی نہ ہو۔ اب یہ بھی سب پر ظاہر ہے کہ ایسے مصفّا شیشوں سے روشنی ہی کی طرح نگاہ بھی پار ہو جاتی ہے۔ آدمی بلا تکلف اس کے دوسری طرف دیکھ لیتا ہے۔ گویا جس چیز سے یہ ہماری چاند سورج وغیرہ کی روشنی اس خوبی سے گذر جائے کہ اس کا سایہ تک نہ پڑے اس چیز سے لازماً ہماری نگاہ بھی گذر جاتی ہے۔ تو حضورؐ کا جسدِ مبارک اگر واقعی مادّی معنوں میں ایسا ہی مصفا تھا تو کیا نگاہ بھی اس سے پار ہو جاتی تھی؟ کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم آئینے ہی کی طرح اُن چیزوں کو دیکھ لیا کرتے تھے جو جسدِ مبارک کی اُوٹ میں ہوں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا ثبوت لائیے، جہاں تک ہمیں علم ہے دنیا میں آپ وہ پہلے شخص ہوں گے جو اس طرح کا دعوہ کر رہا ہو اور اگر جواب نفی میں ہے تو اس کی وجہ بتائیے کہ بس سائے ہی کی حد تک بات کیوں رہ گئی نگاہ کیوں نہ پار ہو سکی؟ ایسا عجوبہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک مادی جسم سائے کے معاملہ میں تو بسیط و مصفّا ہو جائے، مگر دوسرے تمام معاملات میں غیر مصفا ہی رہے۔

ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی دلیل خود پیر صاحب پر کارگر نہ ہوگی

یہ ہمارے زمانے کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ جو جس خیال پر جم گیا ہے اس سے ہٹنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں۔ لاکھ دلیلیں دیجئے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دے گا اور من بھر دلائل کے مقابلہ میں اپنی سیر بھر دلیلیں پیش کر کے ایسا خوش ہوگا جیسے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ خود پسندی، جمود اور ضد عام ہے اور دنیاوی مفادات کے لالچ نے بالکل ہی مٹی پلید کر دی ہے۔ جب دکان کی رونق ہی توہم پرستی، عجائب پسندی اور طلسمی موشگافی پر منحصر ہو تو دلائل کو سمجھنے اور قبول کرنے کا کیا سوال۔ تاہم طالبانِ حق بالکل مر نہیں گئے ان کے لئے ہماری معروضات مفید ہو سکتی ہیں۔

سوال ۲:۔ از محمد مصطفےٰ۔ ضلع غازی پور

چاند کے متعلق ریڈیو کی اطلاع

رویت ہلال کے مسئلہ میں علماء کے خیالات کا دھارا مختلف سمتوں میں بہہ رہا ہے بعض علماء ریڈیو سے نشر کی ہوئی رویت ہلال کی خبر کو اگر وحی منزل من السماء نہیں تصور کرتے ہیں تو بلا شبہ اس خبر کو معتبر تسلیم کرتے ہیں اور حکم صادر فرماتے ہیں کہ حسب اعلان ریڈیو قیام صوم و افطار کا وظیفہ عمل میں لایا جائے۔ بعض جیّد علماء اس خیال کے یکسر و یک ذرہ مخالف ہیں ان کے نزدیک بسلسلۂ رویت ہلال ریڈیو کا اعلان ناقابل اعتبار و تسلیم ہے علماء کے اس اختلاف رائے نے سخت دشواریاں حائل راہِ عمل کر دی ہیں۔ لہٰذا جناب سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کیجئے اور رویت ہلال کے متعلق جو احادیث مروی ہیں ان کو بھی اپنے خیال سے منطبق کیجئے۔

الجواب ۲:۔

اب تو شاید معروف علماء کی بہت بڑی تعداد ریڈیو کی خبرِ رویت کو معتبر ماننے پر متفق ہو چکی ہے، لیکن کچھ عرصہ پہلے تک اسمیں شدید اختلاف رہا ہے اور اُن علماء کی تعداد بہت کافی ہے جو لاؤڈ اسپیکر پر نماز یا اسی نہج کے دوسرے مسائل میں سختی کے ساتھ اپنی پرانی روش پر قائم اور نئے طریقوں سے محترز رہنے کا اصرار کرتے رہتے ہیں۔ جہاں تک مجھ عاجز کی حقیر رائے کا تعلق ہے مجھے کبھی اس میں شک نہیں رہا کہ لاؤڈ اسپیکر پر آذان اور نماز بلا ادنیٰ کراہت کے جائز ہیں، بشرطیکہ واقعی اس کی ضرورت ہو اور ریڈیو سے نشر کی ہوئی رویتِ ہلال کی خبر بلا کسی ریب و تأمل کے لائقِ قبول ہے

بشرطیکہ اس کا اعلان کسی ذمہ دار کمیٹی کے سربراہ کی طرف سے کیا گیا ہو۔

لیکن جن علماء کی رائے اس کے برعکس رہی ہے اور آج بھی ہے انھیں بھی جذبے اور نیت کے اعتبار سے لائق مذمت نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو وغیرہ جن موجدوں کی فکر و کاوش کا نتیجہ ہیں اور جن عملوں میں تیار ہوکر آئی ہیں اُن سے شدید بدگمانی کے معقول وجوہ موجود ہیں۔ پھر جن مقاصد کے لئے عموماً ان کا استعمال کیا جارہا ہے وہ بھی بحیثیت مجموعی کچھ ایسے ناخوشگوار ہیں کہ آخرت بیں علماء کی بدگمانی اور کراہت کو فروغ ہی دینے میں مدد دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر دین کا درد، اسلام کی محبت اور روحانیت کی لگن رکھنے والے علماء جذبات سے مغلوب ہوکر یہ خواہش کرنے لگیں کہ ان جدید آلات کا سایہ تک اسلامی عبادات و معاملات پر نہ پڑنے پائے تو یہ چاہے فکری اعتبار سے غیر منطقی ہی ہو مگر جذبے اور نیت کے لحاظ سے بہرحال محمود ہے۔ یہی جذبہ تھا جس نے ہر نئی چیز کے قبول کرنے پر اکثر علماء کو ابتداءً متامل رکھا، یہی جذبہ تھا جس نے بعض علماء کی زبان سے بوٹ اور میز کرسی وغیرہ کے استعمال کو ناجائز کہلوایا، یہی جذبہ ہے جو آج بھی بعض بعض علماء کو لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو جیسی چیزوں سے اسلامی اُمور و عبادات کا تعلق قائم کرنے نہیں دیتا۔

تاہم متوازن اور سنجیدہ بات یہی ہے کہ ایک معروف کمیٹی کی طرف سے نشر کی ہوئی رویتِ ہلال کی ریڈیائی خبر بالکل لائقِ تسلیم ہے اور کوئی شرعی دلیل ایسی نہیں ہے جو اس میں مانع ہو۔

البتہ اگر تمام علماء اب بھی اس سے اتفاق نہ کریں تو یہ اتنی زیادہ فکر و تشویش کی بات نہیں ہے جتنی بعض لوگ ظاہر کرتے ہیں اختلافات دنیا کے ہر علم و فن میں ہوتے ہیں۔ اگر چاند ہونے نہونے ہی کے معاملہ میں علماء کے مابین ایک دن کا اختلاف رہجاتا ہے تو اس سے کونسی قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ نیک نیتی سے جس گروہ کا بھی اتباع کیا جائے گا انشاء اللہ برحق ہی ہوگا، چاہے نفسِ واقعہ کے اعتبار سے اس کا فیصلہ غلط ہی ہو۔ اللہ دسترس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور افعال کی قدر و قیمت کا مدار باطن کی حالت پر ہے کہ وہاں طاعت کا جذبہ کارفرما ہے یا ہوائے نفس کی عمل داری ہے۔

سوال ۳:۔ ازابو الحسن ضلع لکھیم پور — مُردوں کا سُننا

آپ نے اپنے رسالہ تجلی میں یہ بات واضح فرمادی ہے کہ مُردے سُن نہیں سکتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کردیا ہے جس سے میری تسلی ہوگئی، مگر بخاری شریف کی یہ حدیث نظر سے گذری کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب مردے کو قبر میں مدفون کرکے لوگ واپس لوٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔" اس کا کیا مطلب ہے اور میں نے سنا ہے کہ جب کوئی آدمی قبرستان سے گذرتا ہے تو مُردوں کی روحیں اسکے پیچھے لگ جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اے بندۂ خدا کچھ ہمارے لئے بھی بخشدے۔ اس کے متعلق صحیح بات کیا ہے؟

الجواب:۔

مردے سُن سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ جس پر ہم کئی بار تجلی میں گفتگو کرچکے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ مُردے نہیں سُن سکتے اور وہ تمام روایات جن سے مردوں کے سماع پر دلیل لائی جاتی ہے اُس سماع کو ثابت نہیں کرتیں جسکا قائلینِ سماع کے ذہن میں تصور ہے اور جو ہم زندوں کے سماع جیسا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آپ یا ہم بار بار اس جھگڑے میں پڑیں ہی کیوں کہ مُردے سُنتے ہیں یا نہیں۔ سُنتے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اور نہ سنتے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ ہمیں دین میں کہیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مُردوں کے سُننے نہ سننے کے بارے میں فیصلہ کرو۔ نہ اُن مشاغل اور عقائد کی تعلیم دی گئی جو اہلِ بدعت نے سماعِ موتیٰ کی بنیاد پر گھڑ لئے ہیں سلامتی کی بات یہ ہے کہ قبرستان یا مُردوں کو ایصالِ ثواب کے بارے میں جو صریح احکام احادیث میں ملتے ہیں اُن پر عمل کیا جائے اور اُن سے زیادہ کو ناقابلِ التفات سمجھا جائے۔

سوال ۴:۔ (ایضاً) ذبیحہ

ہمارے یہاں کے بکر قصاب جب بکری ذبح کرتے ہیں تو بکری کے سر سے جو خون کی دھار نکلتی ہے وہ اس کو حلق کے ذریعہ بکری کے پھیپھڑے میں بھر دیتا ہے جو وہاں جاکر جم جاتا ہے اور پھر کسی طرح نہیں نکلتا۔ ایسا پھیپھڑا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجوابؑ:-

غالباً بھیڑے تو کوئی نہیں کھاتا۔ تاہم خون کو ذبیحے کے جسم ہی میں منجمد کر دینے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

سوالؑ:- نام و پتہ نامعلوم۔ کتابوں کی تصویریں

ہماری کورس کی کتابوں میں جو تصاویر ہوتی ہیں کیا انکا بھی گھر میں رکھنا گناہ ہے؟ اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجوابؑ:-

ان کا حکم وہی ہے جو سکّے اور نوٹ کی تصاویر کا ہے نہ اُن سے کوئی گناہ لازم آتا ہے نہ اِن سے۔

سوالؑ:- (ایضاً) نماز میں دنیاوی خیالات

حالتِ نماز میں دیگر دنیاوی و گھریلو خیالات آجاتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا اس صورت میں نماز قبول ہوتی ہے؟

الجوابؑ:-

حتی المقدور کوشش کرنی چاہیئے کہ اللہ کی طرف توجہ رہے۔ اس کے باوجود جو اِدھر اُدھر کے خیالات آئیں وہ نماز کی تکمیل میں مانع نہیں۔ ویسے قبولیت کی بات اللہ ہی کو معلوم ہے

سوالؑ:- از سید صادق علی۔ ظہیر آباد۔ عرس

ظہیر آباد سے چالیس میل دور ایک بزرگ ہستی سید شاہ اسمٰعیل قادری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار گھوڑواڑی شریف میں موجود ہے ایک غیر مسلم بھائی دو سال سے اُن کے نام کا چلّہ بناکر عرس بھراتے ہیں جس میں ہزاروں مسلم و غیر مسلم اور ایک بڑی ہستی پیر و مرشد کار ثواب کہہ کر شرکت کرتے ہیں۔ لہذا یہ چلّہ عرس اور عوام و بزرگ ہستی کا عمل جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ چلّہ کے پاس ثواب اور فائدہ حاصل کرنے کیلئے فاتحہ دینا، نذر و نیاز کرنا جائز ہے یا نہیں؟

عرض ہے کہ اس قسم کے اکثر سوالات اور جوابات آپ کے پرچے میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ پھر بھی میری گذارش ہے کہ مزید ان دو سوالات کا تفصیلی جواب دیں تاکہ ناچیز اور میرے چند دوست کی صحیح رہنمائی ہو۔

الجوابؑ:-

نہ جانے آپ کو تفصیل کس چیز کی چاہیئے تجلّی میں آئے دن ان چیزوں پر محاکمہ ہوتا رہتا ہے اور وہ شخص جسے دین کا تھوڑا بہت علم ہے اور ہوائے نفس نے اسکی عقل کو چاٹ --- نہیں لیا ہے خوب جانتا ہے کہ مزاروں کے عرس بدعت و معصیت ہیں اور ان میں جو افعالِ شنیعہ کئے جاتے ہیں ان میں سے بعض شرک، بعض زندقہ، بعض فسق اور بعض معصیتِ صغیرہ ہیں۔ ان کی حیثیت غیر مسلموں کے میلوں جیسی ہے اور ان کے خمیر ہی میں نفس کے لئے لذّت اور دلکشی پائی جاتی ہے اسی لئے غیر مسلم بھی ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جسے اپنی عاقبت عزیز ہو اُسے ان کے سائے سے بھی بچنا چاہیئے۔

تاج کمپنی (پاکستان) کے کچھ تحفے

یازدہ سورہ مترجم بڑی کلاں۔ مع دعائے گنج العرش و مع خواص وفضائل۔ رنگین چھپائی۔ چکنا کاغذ۔ تحفے میں پیش کرنے کی چیز ہے۔ مجلد تین روپے

یازدہ سورہ مترجم خورد۔ جیبی سائز بہت خوبصورت اور روشن ۵۰/۲ لکھائی چھپائی۔ دعائے گنج العرش اور درود تاج بھی شامل ہے۔ ۱۲/

سورۂ یٰس چھوٹی خوبصورت مترجم ۳/ غیر مترجم ۲/

نماز مترجم کلاں رنگین خوشنما زمین پر عمدہ سیاہ چھپائی۔ ۸/

ماہنامہ "نئی راہ" کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہری طنطاوی، علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبر آبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

ربیع الاول نمبر رسول اللہؐ کی ولادت مبارکہ پر علامہ شبلی، مولانا آزاد، علامہ موسیٰ جار اللہ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے فاضلین کے مقالات جامعہ سوا دو روپے (مجلد تین روپے)

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد، اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ قیمت ایک روپیہ۔

پیغمبر اسلام نمبر رسول اللہؐ کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ۔

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ سوا روپیہ۔

عربی آسان نصاب

عربی سیکھنے کے لئے ایک عمدہ نصاب

کتاب	قیمت
عربی زبان کا قاعدہ	چھ آنے
علم الصرف اولین و آخرین	ایک روپیہ دو آنے
علم النحو	دس آنے
عوامل النحو	چھ آنے
عربی گفتگو نامہ	بارہ آنے
عربی صفوۃ المصادر	بارہ آنے
روضۃ الادب	سوا روپیہ
اساس عربی	پانچ روپے

پورے نصاب کی یکجائی قیمت ساڑھے نو روپے
اس نصاب کی ہر کتاب الگ بھی مل سکتی ہے
اور اساس عربی کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں منگائیں تو مجموعی قیمت ساڑھے چار روپے ہوگی

فارسی نصاب

فارسی سیکھنے کے لئے ایک عمدہ نصاب

کتاب	قیمت
معین فارسی	سات آنے
دروس فارسی	آٹھ آنے
اصول فارسی	بارہ آنے

تصانیف مختلف مصنفین

کتاب		قیمت
حل المشکلات	مجلد	سوا روپیہ
رسول اللہؐ کی دعائیں	"	ایک روپیہ
برکات الصالحین	"	پونے دو روپے
رسول اللہؐ کے معجزے		ایک روپیہ
رسول اللہؐ کی تعلیم اور سلام		بارہ آنے
اسلام (مستند تاریخ)	مجلد	سات روپے
مسلمان خاوند	"	سوا روپیہ
مسلمان بیوی	"	ایک روپیہ چھ آنے
خدا کی جنت	"	بارہ آنے
حضرت خدیجہؓ کی سوانح		ایک روپیہ
نادر شاہ		چھ آنے
رستم		ایک روپیہ
خدا کا ذکر		بارہ آنے
رسول اللہؐ کی پیشین گوئیاں		ایک روپیہ
اصحاب صفہ		چھ آنے
حالات جہنم		چھ آنے

کرامات صدر ارضی — از مولانا اشرف علی ڈیڑھ روپیہ

تاریخ مشائخ چشت مجلد چودہ روپے۔

تفہیم الحدیث

آغاز بخاری کی تفہیم (کتاب الوحی)

قسط ۱۴

فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا- قُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتَسِي بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا- فَقُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا- فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللَّهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا- وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهِ مَعَ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرَى إِلَى هِرَقْلَ-

جو گفتگو ترجمان کے واسطے سے ہرقل (قیصر روم) اور ابوسفیان کے درمیان ہوتی وہ باندازِ مکالمہ آپ نے پڑھ لی۔ اب ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا:۔

ترجمہ:۔ پس ہرقل نے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہو ہم نے تجھ سے اُس شخص کا (نبیؐ کا) نسب دریافت کیا تو تُونے جواب دیا وہ ہم میں اُونچے نسب والا ہے تو سمجھ لو کہ پیغمبروں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوم میں شریف ہوتے ہیں —— اور ہم نے پوچھا کہ تم میں سے کسی شخص نے کیا کبھی اس بات کا دعویٰ کیا تھا تو تُونے کہا کہ نہیں۔ اس سے ہم نے یہ قیاس کیا کہ اگر اس سے پہلے کسی اور شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ اس شخص نے بھی اس کی نقل اور پیروی کی ہے —— اور ہم نے پوچھا کہ کیا اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ تھا تو تُونے جواب نہیں دیا۔ اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے آباء کی سلطنت واپس لینے کی کوشش کر رہا ہے —— اور ہم نے تجھ سے سوال کیا کہ کیا دعوۂ نبوت کہنے سے قبل تم لوگوں نے کبھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے تُونے جواب دیا نہیں ہم سمجھتے ہیں کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ نہیں تراشتا وہ خدا پہ کیسے جھوٹ گھڑے گا —— اور ہم نے استفسار کیا کہ اس کی پیروی کرنیوالے

تھے لوگ ہیں یا کمزور اور کمتر۔ تو نے کہا غریب ہی لوگ اس کے پیچھے چل رہے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی پیروی کرنے والے لوگ عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں ــــ اور ہم نے تجھ سے دریافت کیا کہ یہ پیروی کرنے والے بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں۔ تو نے کہا بڑھتے جا رہے ہیں تو واضح رہے کہ ایمان کا ایسا ہی معاملہ ہے۔ جب تک وہ نقطۂ عروج پر نہ پہنچ جائے بڑھتا ہی رہتا ہے ــ اور ہم نے تجھ سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہو کر پھر ناگواری کے ساتھ نکل بھی جاتا ہے تو نے جواب دیا نہیں تو حقیقتاً ایمان کا یہی عالم ہوتا ہے جب کہ اس کا کیف و سرور دلوں میں سما جاتے ــــ اور ہم نے تجھ سے پوچھا کہ وہ عہد کر کے توڑتا ہے تو نے کہا نہیں۔ تو ظاہر ہے پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ عہد شکنی نہیں کیا کرتے ــــ اور ہم نے تجھ سے پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے۔ تو نے جواب دیا وہ حکم دیتا ہے اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور منع کرتا ہے بُت پرستی سے اور دعوت دیتا ہے نماز اور سچائی اور پاکبازی کی ــــ تو یہ سب کچھ جو تو نے بتایا اگر سچ ہے تو سُن لے کہ وہ شخص تھوڑے ہی عرصہ میں اِس زمین کا مالک ہو جائے گا جو میرے ان دونوں پیروں کے نیچے ہے۔ اور مجھے معلوم تھا کہ یہ نبی پیدا ہونے والا ہے مگر یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔ پس اگر میں سمجھوں کہ اُس شخص تک پہنچ سکوں گا تو یقیناً حاضر خدمت ہونے کی سعی کروں۔ اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو بلا شبہ اس کے پاؤں دھوتا۔

پھر ہرقل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ گرامی نامہ منگوایا جو حضرت دحیہ کلبی رضؓ کے ہاتھ رئیسِ بُصریٰ کے واسطے سے اسے بھیجا گیا تھا

تفہیم :- اس حصّۂ روایت کا مفہوم اتنا صاف ہے کہ تفہیم کی احتیاج نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابوسفیان کے ظاہر کردہ حالات چاہے منطق اور قانون کی زبان میں نبوّتِ محمدی کے دلائل نہ کہلائے جاسکیں، بلکہ انھیں صرف قرائن ہی کا درجہ دیا جاسکتا ہو لیکن ایک ایسے سلیم الطبع اور حق پسند شخص کے لئے جیسا کہ یہ ہرقل تھا، ان میں یقین و اطمینان کا کافی سرمایہ موجود ہے۔ اس نے یہ بات کتنی دل لگتی کہی کہ انہ لم یکن لیذر الکذب علی الناس ویکذب علی اللہ ــ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ کسی جگہ اسی روایت کو ہم نے ان لفظوں میں بھی دیکھا ہے :-

قلتُ انہ لم یکذب فی مدۃ عمرہ اربعین سنۃ فکیف یکذب علی اللہ من لا یکذب علی الناس۔	میں کہتا ہوں وہ (بقول تیرے) اس نے اپنی تمام مدۃ العمر میں، جو اب چالیس سال ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتا کہ جو شخص بندوں کے باب میں جھوٹ نہ بولتا ہو وہ خدا کے باب میں کیونکر جھوٹ بولیگا

+ + + +

مطلب ہر حال میں ایک ہی ہے۔

ہرقل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر قطعاً مطمئن ہو گیا تھا جیسا کہ زیرِ تفہیم روایت سے ظاہر ہے، لیکن اس نے جو یہ کہا کہ "اگر میں یہ سمجھوں کہ اُس شخص تک پہنچ سکوں گا" ــــ تو اس میں اشارہ تھا اپنی اس مجبوری کی طرف کہ میں اگر اس ارادہ سے نکلا تو میری رعایا مجھے زندہ نہ چھوڑے گی۔ ظاہر ہے حضورؐ کے جو حالات ہرقل کی سلامتِ طبع کے باعث اس کے لئے دلیل اور مشعل بن گئے تھے وہ تمام قوم کے لئے تو اطمینان بخش نہ ہو سکتے تھے۔ قوم یہ دیکھ کر کہ وہ حجازی پیغمبر کی خدمت میں ہدیۂ نیاز پیش کرنے جا رہا ہے اول تو اسے مار ہی ڈالتی۔ نہ مارتی تب بھی بظاہر تخت و تاج سے محرومی یقینی تھی۔ یہی خوف تھا جس نے ہرقل کو اقرار باللسان کی سعادت سے محروم رکھا اور آج ہم اسے غیر مسلم ہی کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔

ہرقل نے ابوسفیان سے جو سوالات کئے وہ بڑے دُور رس تھے۔ اُن کے جواب میں یہ بات کھُل کر سامنے آجاتی تھی کہ پیغمبری کا دعویٰ کرنے والے صاحب کیا ہیں، کون ہیں اور ان کے دعوے کی واقعاتی اور نفسیاتی حقیقت کیا ہے۔ ابوسفیان کے جوابات سے جہاں اِن صاحب کی دیگر خصوصیات ظاہر ہوئیں وہیں یہ اہم ترین اور بنیادی حقیقت بھی کھُلکر سامنے آئی کہ اس دعوے کے پیچھے کوئی کسی طرح کی دنیاوی غرض موجود نہیں ہے، بلکہ انبیاء کے معروف معلوم طریقے کے مطابق یہ صاحب صرف اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف بلانے اُٹھے ہیں۔ یہاں وہ واقعہ یاد آتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقابلِ شکست مستقل مزاجی اور فولادی استقامت سے عاجز آکر قریش نے آپ کے چچا ابوطالب سے کہا تھا:-

"اے ابوطالب! اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ ہمیں کیوں پریشان کرتا ہے

اگر اسے اپنے ایک ہی خدا کی عبادت کرنی ہے تو کئے جائیے، لیکن یہ کیا غضب ہے کہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے اور ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے دین سے پھیر دینا چاہتا ہے۔ آخر اُسکا منشاء کیا ہے؟ اگر دنیا چاہتا ہے تو ہم اس کے لئے سب کچھ فراہم کر سکتے ہیں۔ اگر حسین عورت درکار ہے تو ہم تمام عرب میں ڈھونڈکر اس کیلئے سب سے حسین عورت لے آئیں گے۔ اگر زر و مال کا خواہاں ہے تو ہم چندہ کرکے اسے مالدار بنائے دیتے ہیں اور اگر سلطنت کا طلبگار ہے تو چلو ہم اسے اپنا بادشاہ تسلیم کئے لیتے ہیں اور بخوشی اسکی رعیت بن کر رہنے پر آمادہ ہیں!"

وہ قریش جو آسمان کے نیچے آزاد زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے جو کسی سلطان کی رعیت بن کر رہنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے، اگر اس حد تک پیشکش کر سکتے ہیں تو ظاہر ہے اس کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتھک مستقل مزاجی ہی تھی، وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ تنہا بے یار و مددگار شخص کسی بھی ابتلا اور مشقت کی پروا کئے بغیر اپنی راہ پر گامزن ہے۔ وہ راہ جس کے آخری سرے پر قریش کو اپنے نسلی تفاخر، اپنے دنیاوی تزک و احتشام، اپنے آبائی دین اور اپنی بے مہار آزادی کی قبریں نظر آرہی تھیں — بظاہر کتنی معصوم بات تھی کہ لوگو ایک خدا کی بندگی کرو، لیکن اس معصوم بات کی لپیٹ میں کیا کچھ نہیں آجاتا تھا اور اس کے لازمی تقاضے مذہب کفر کے کن کن بعید گوشوں تک تاخت نہیں کرتے تھے یہ اہلِ نظر قریش کی نگاہِ بصیرت خوب دیکھ رہی تھی۔ انھوں نے خطرات کے ازالہ کے لئے وہ آخری رشوت پیش کر دی جو وہ کر سکتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سب نے حضورؐ کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ حضورؐ اور آپ کے ساتھی پتے اور گھانس تک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے، کیونکہ اہلِ مکہ نے خرید و فروخت تک میں مکمل مقاطعہ اختیار کیا تھا۔ ایسے نازک وقت میں کس قدر کشش انگیز تھی یہ پیشکش۔ غرض مندوں کا تو کیا ذکر ہے، بےغرض لوگ بھی ایسے لمحات میں اپنے موقف پر بمشکل ہی قائم رہ سکتے ہیں، لیکن وہ عظیم پیغمبر اس کی کیا پروا کرتا جسے فریضۂ رسالت و دعوت ادا کرنے کے سوا کسی چیز سے دلچسپی ہی نہ تھی، جو پہاڑ کی طرح غیر متزلزل ارادے کے ساتھ اپنے رب کا پیغام نشر کر رہا تھا۔ وہ جواب دیتا ہے "اے چچا! معلوم ہوتا ہے آپ بھی میری حمایت سے تنگ

آچکے ہیں۔ کیا میں اس لئے کھڑا ہوا ہوں جس لئے ان لوگوں نے سمجھا ہے؟ خدا کی قسم اگر وہ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی دیدیں تب بھی میں اس راستے سے نہیں ہٹ سکتا جس پر چل رہا ہوں۔ حتیٰ کہ یا تو کامیاب ہو جاؤں یا جان دیدوں۔"

عظیم بُصریٰ یعنی حاکم بُصریٰ۔ اس کا نام حارث بن ابی شمر غسانی تھا۔ بُصریٰ مدینے اور دمشق کے درمیان خاصا بڑا شہر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی

فَقَرَأَهُ فَاِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ وَيَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

ترجمہ:- پس ہرقل نے خط پڑھا جس میں لکھا تھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اُس محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ اُس ہرقل کے نام جو روم میں صاحبِ عظمت ہے۔ سلامتی ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔ بعد ازاں میں آپ کو اسلام کیطرف بلاتا ہوں۔ اسلام لائیے تمام آفات سے محفوظ رہیں گے اور اللہ آپ کو دوہرا بدلہ دے گا۔ لیکن اگر آپ نہ مانے تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ کے سر رہے گا۔ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے مابین یکساں ہے یہ کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھیرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا معبود بنائیں۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہدو گواہ رہنا کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

تفہیم:- قابلِ غور ہے کہ اُس خط میں بھی جو سرکارِ دو عالمؐ اپنے زمانے کے ایک شہنشاہ کے نام لکھ رہے ہیں شروع ہی میں آپ نے اپنے نام کے ساتھ سب سے پہلے عبد اللہ کے الفاظ تحریر فرمائے۔ گویا آغاز ہی میں یہ تاثر دینا اور یقین دلانا ضروری خیال فرمایا کہ

رسول کوئی ایسا مافوق البشر وجود نہیں ہوتا جس میں اُلوہی اوصاف میں سے کوئی وصف موجود ہو۔ بلکہ اس کا وصفِ کمال اسکی عبدیت اور عاجزی ہی ہے۔ اس طرح جہاں اس طریقِ نبوی میں خود ہرقل پر ہلکی سی تعریض ہے کہ نصرانی کی حیثیت میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا خیال کرتا ہو گا وہاں اُمت کے لئے بھی مستقل درسِ عبرت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں دیوتاؤں جیسا تصور رکھنے والوں اور طرح طرح کے طلسمی نکتے تراشنے والوں کو اپنی ذہنی کجروی کی اصلاح کرنی چاہئے۔

یہ ذہنی کجروی اور غلو پرستی وہ بلا ہے کہ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مناسب موقع پر اپنی بشریت، عبدیت اور عجز کا برملا اظہار کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، لیکن پھر بھی عیسائی حضرات کہ جن کا ذہن اپنے پیغمبر کے بارے میں ہوائی اُڑانوں کا عادی تھا، جو رسول کا تصور بغیر اُلوہیت کے کر ہی نہ سکتے تھے، یہ کہے بغیر نہ رہے کہ معلوم ہوتا ہے آپ نبوت کا دعویٰ کر کے خود کو عیسیٰؑ کی طرح اللہ کا بیٹا منوانا چاہتے ہیں۔ اس پر حضورؐ کو فرمانا پڑا کلاّ ۔ ہرگز نہیں ۔ ۔ بھلا یہ کہاں ممکن ہے کہ کوئی دوسرا خدا، یا اس کا کوئی بیٹا ہو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔

عظیم الروم:۔ لفظ عظیم سردار اور سربراہ کے لئے غالباً بطور لقب استعمال ہوتا تھا جیسا کہ رئیسِ بصریٰ کیلئے عظیم بُصریٰ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی غیر مسلم سے بھی خط وکتابت کرتے ہوئے ہمیں اس کے معروف مرتبے اور مقام اور آدابُ القاب کا کسی نہ کسی حد تک لحاظ ضرور رکھنا چاہئے۔ ہاں ایسے القابُ آداب کا لحاظ جائز نہیں ہے جن کے مفہوم میں شرک، یا بدترین مبالغے کا رنگ ہو۔

اس خط سے یہ بھی سبق ملا کہ خط لکھنے والے کو خط کی پیشانی ہی پر سب سے پہلے (بسم اللہ کے بعد) اپنا نام لکھنا چاہئے۔ پھر مکتوب الیہ کا۔ یہ ایک طبعی ترتیب ہے جسے آج کے تجدد زدہ حلقوں میں چلا ہے دقیانوسی خیال کر کے ترک کر دیا گیا ہو، لیکن یہ حقیقت میں نہایت عمدہ اور انسب۔ مکتوب الیہ کو قدرتاً سب سے پہلے یہی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے کہ مکتوب کا راقم کون ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی سرکاری خطوط میں اسی ترتیب کو اختیار کیا جاتا ہے

بدعایۃ یہ شکایت کے وزن پر ہے بمعنیٰ دعوت بعض روایات میں بداعیۃ الاسلام آیا ہے یعنی بکلمۃ الاسلام مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

اسلم تسلم۔ یہ بشارت بھی ہے اور دھمکی بھی۔ بدقسمتی ہی کی بات تھی کہ ہرقل اپنی سلامتی طبع اور اصابتِ فکر ونظر کے باوجود یہ نہیں سمجھا کہ پیغمبر کے اِن الفاظ میں کیا بشارت ہے۔ ظاہری اسباب واحوال کے پیشِ نظر وہ یہی سمجھتا رہا کہ اگر میں علی الاعلان اسلام لے آیا تو یا تو قتل کر دیا جاؤں گا یا کم سے کم سلطنت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ حالانکہ ان پیغمبرانہ الفاظ میں اُخروی فلاح اور سلامتی کے علاوہ یہ بشارت بھی موجود تھی کہ تمھارا یہ خوف وخطر بے حقیقت ہے اور اگر تم اسلام لے آئے تو زندہ بھی رہو گے اور سلطنت بھی قائم رہے گی۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوتا اگر وہ اسلام لے آتا۔ لیکن تقدیر الٰہی تو یہی تھی کہ وہ اسلام نہ لائے اور وہ دھمکی پوری ہو جو ان الفاظ کے مفہوم مخالف میں صریحاً موجود ہے۔

مرتین تجھے دُہرا ثواب ملیگا۔ اکثر شارحین کا خیال ہے کہ وہ جو حدیث ہے کہ جو اہلِ کتاب ایمان لائے انھیں دوہرا اجر ملتا ہے اسی کی مناسبت سے یہاں ہرقل کو بشارت دیگئی ہے لیکن ہماری ناقص رائے میں اس بشارت کا اُس حدیث سے جوڑ نہیں ہے، بلکہ بات وہی اَولیٰ ہے جو محققین نے فرمائی ہے کہ یہاں دوہرے اجر کی خوشخبری ہرقل کے اہلِ کتاب ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ بادشاہ ہونے کے لحاظ سے ہے۔ بادشاہ کی ہدایت اور گمراہی بڑی دُور رس اور ہمہ گیر اثرات کی حامل ہوا کرتی ہے النّاس علیٰ دِینِ ملوکھم (عوام اپنے بادشاہوں ہی کے دین پر چلتے ہیں) کی ضرب المثل بلاشبہ ایک ٹھوس بنیاد رکھتی ہے اور اجتماعی نفسیات کے آئینہ میں آج بھی یہ اتنی ہی بے غبار ہے جتنی ہزاروں سال پہلے تھی۔ سربراہ بگڑے تو عوام بھی بگڑے سربراہ سنبھل گئے تو عوام بھی سُدھرتے چلے گئے۔ ہرقل اگر ایمان لے آتا تو قدرتی طور پر اس کی رعایا میں بھی اسلام کیطرف میلان پیدا ہو جاتا اور یہ میلان اُن مساعیِ جمیلہ کے تحت نہایت اچھے نتائج پیدا کرتا، جن کی ایمان لے آنے کی صورت میں ہرقل سے توقع تھی۔ اسی لئے حضورؐ نے اس کو دُہرے

اجر کی بشارت دی لیکن اسلام نہ لانے کی صورت میں دوہرا گناہ بھی یقیناً حق بجانب تھا، کیونکہ رعایا کی گمراہی اور اسلام سے دوری کی بھی کچھ نہ کچھ ذمہ داری بادشاہ کے سر رہتی۔ احادیث میں جو علمائے سوء کو سخت ترین سزاؤں کی خبر دی گئی ہے اس کا بھی تو سبب یہی ہے کہ علماء دوسروں کے بگاڑ اور سدھار کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگر وہ بگڑ گئے تو عوام کا بگڑنا لازمی ہے۔ علیٰ ہذا وہ سنبھلے رہے تو عوام بھی سنبھلے رہیں گے، اسی لئے علماء حق کے لئے اجر عظیم کی بشارت ہے۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بادشاہ کو دوہرا عذاب دیدیا گیا تو رعایا فرداً فرداً اپنے گناہوں کی سزا سے بچ گئی۔ یا علمائے سوء پر عذاب الیم وارد کیا گیا تو اُن افراد کی خطا معاف ہوئی جو اِن کی کجروی کے نتیجے میں بگڑے تھے۔ نہیں۔ اس طرح کی خوش فہمیوں کی جڑ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی ایک آیت سے کاٹ دی ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی (کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا) اللہ کا انصاف یہ ہے کہ جس نے کیا ہے وہی بھگتے۔ باپ کی بداعمالیاں اولاد کے لئے وجہ بادِ اش نہیں بنیں گی اور مالک کے گناہ کی سزا مملوک اور غلام کو نہیں دی جائے گی۔ ہاں جو لوگ دوسروں کی کجروی اور اور گمراہی کے لئے سبب بنتے ہیں۔ جیسے بادشاہ رعایا کے لئے علماء عوام کے لئے، والدین اولاد کے لئے، شوہر بیوی کے لئے، ان پر اللہ تعالیٰ ایک زائد عذاب الگ سے لائے گا اور خود مرتکبین گناہ کو بھی سزا دی جائے گی۔

اثم الیریسیین یہ لفظ چار طرح پڑھا گیا ہے یریسیینَ ۔ اریسیینَ ۔ یریسیّینَ ۔ اریسیّینَ ۔ چاروں صورتوں میں اس کا واحد علی الترتیب یوں ہوتا ہے یریسیؔ ۔ یریسؔ ۔ اریسیؔ ۔ اریسؔ ۔ معنی ہر حال میں کاشتکار کے ہیں ۔ اس ملک میں کثرت کاشتکاروں ہی کی تھی اس لئے تمام رعایا پر اس کا اطلاق کر لیا گیا۔

یا اھل الکتاب ۔ یہاں سے آخر تک قرآنی آیت ہے (آل عمران رکوع ۷) اس پر انشاء اللہ اگلی اشاعت میں معروضات پیش ہوں گی۔

کیا ہم مسلمان ہیں؟

شمس نوید عثمانی

مسجد کی دیوار سے ایک خوفناک گولا ٹکرایا۔ ایک دھماکہ کی آواز کے ساتھ پوری دیوار ڈھیر ہوگئی اور دیوار کا ایک سنگین ٹکڑا حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی گردن کے پاس سے گذر گیا۔ سر پہ موت کا خطرہ منڈلا رہا تھا مگر وہ سر جو اپنے خالق کے قدموں پر نماز کی حالت میں جھکا ہوا تھا اسی طرح جھکا رہا۔ اینٹ اور پتھر کی بے حس دیوار میں جس دھماکہ نے شگاف ڈال دیا تھا وہ ایک مشت خاک کے قدموں میں ہلکی سی جنبش بھی پیدا نہ کرسکا۔

شاید دنیا کی آخری محویت کا صحیح ترین نام "نماز" ہے جہاں مٹی کے انسان کی پیشانی اپنے خالق کے نادیدہ قدموں کو والہانہ سپردگی کے عالم میں چھوتی ہے اور پھر زندگی کی ساری وسعتوں کو ایک سجدہ میں طے کرتی ہوئی مقصدِ زندگی کی آغوش میں گم ہوجاتی ہے۔ کون سی طاقت ہے جو مقصدِ زندگی کے آہنی شعور سے ٹکر لے سکے؟ گولا؟ دھماکہ؟ زندگی؟ موت؟ — کوئی نہیں! — کوئی بھی نہیں! — زندگی کو موت نگل سکتی ہے مگر یہی مقصدِ حیات کو چھوتے ہی خود موت کا تاریک سایہ ابدی زندگی کی بے پناہ روشنی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

عبداللہ ابن زبیرؓ جائے نماز پر سجدہ ریز تھے۔ ایک مخلوق کی روحِ حیات وکائنات کی تمام زنجیروں کو توڑتی ہوئی اپنے خالق کے جلال وجمال کی طرف کشاں کشاں چلی جارہی تھی۔ جسم خاک کی آغوش میں تھا مگر روح ایمان کی عظیم الشان قوت سے افلاک کی ان بلندیوں سے آگے پرواز کررہی تھی جہاں مادی طاقتوں کا تصور بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ کہ اچانک — مکان کی چھت سے ایک زہریلا سانپ گرا اور قریب ہی سوتے ہوئے بچے کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ ماں نے دیکھا تو چلا اٹھی — لوگ دوڑے اور بچے کو اس زہریلے کیڑے کی گرفت سے آزاد کیا — مگر ابن زبیرؓ بدستور نماز میں تھے جس ننھی سی جان کے خوفناک نقصان کے خطرے نے سارے گھر اور تمام گردوپیش کا نظام تہ وبالا کردیا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر کی نماز نے اس کو ایک نظر بھر کر بھی دیکھنا پسند نہ کیا۔ ان کے نزدیک بیش قیمت چیز ایک ہی تھی جس کا نام ایمان ویقین ہے۔ ان کے نزدیک خطرہ صرف ایک تھا جسکو خالق اور معبود کی برہمی کہا جاتا ہے — جس کو دوسرے الفاظ میں کاروبار حیات کا دائمی گھاٹا اور آخرت اور انجام کی ٹریجڈی کہتے ہیں۔ زندگی کی کتنی دلفریب رعنائیاں اس ایمانی حسن کے سامنے خیرہ ہوکر رہجاتی ہیں — مقصدِ حیات کا شعور آخر کس قدر قیمتی دولت ہے کہ اپنے لختِ جگر کی موت کا خطرہ بھی اس کو خرید نہیں سکتا — نہیں! جس کو زمین وآسمان بھی ملکر نہیں خرید سکتے۔

نماز سے فارغ ہوکر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے چار طرف نظر ڈالی اور سوال کیا "یہ شور کی سی آواز کیسی تھی؟"

"شور!" بیوی نے جل کر جواب دیا "بچہ کی جان پر بن گئی اور آپ نے خیال بھی نہ کیا!"

"بدنصیب!" حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے کمال تاسف کے ساتھ جواب دیا "خدا کے خیال میں کسی دوسری چیز کا خیال! — یہ کیسے ممکن ہے؟"

یہی وہ لوگ تھے جن کو سفرِ حیات کی نزاکت کا علم تھا — جن کو اس منزل کی دُھن تھی، جو صرف دُور اور بہت دُور ہی نہیں، بلکہ نامعلوم فاصلوں پر نہ جانے کتنی دُور ہے! جو خوب جانتے تھے کہ نماز میں ٹپکنے والے آنسو اور سجدوں میں والہانہ سپردگی کی محویت وہ لافانی نور ہے جو اس سنگلاخ وادی کے سفر میں چراغِ راہ بنے گا۔ جس کی سماعت

میدانِ محشر کی پُر شور دار و گیر اور صورِ اسرافیل کی گرج کیلئے عالمِ
اضطراب میں گوش بر آواز ہو' وہ دنیا کے کسی نقصان پر خود چیختا تو
کیا' دوسروں کی چیخ و پکار کو سن بھی نہیں سکتا! یہ کوئی شاعری
نہیں۔ بلکہ اسی دنیا کے گوشت پوست کے انسانوں کے
وہ الفاظ ہیں جن کو عمل کی صورت میں ڈھلتے ہوئے دیکھا گیا ہے
مسلم بن یسارؒ نے بھی اپنے گھر والوں سے یہی کہا تھا کہ "تم
باتیں کر سکتے ہو' میری نماز میں اس سے کوئی خلل نہیں پڑتا
جب میں اپنے خدا سے ہم کلام ہوتا ہوں تو دنیا کی ساری
آوازیں میری دنیا سے دُور ہو جاتی ہیں۔"

یہ ان کی روح کی فطری آواز تھی جو اس وقت بھی اتنی
ہی حقیقی ثابت ہوئی' جب بصرہ کی جامع مسجد کی دیوار بھیانک
دھماکے کے ساتھ زمین پر آرہی' مگر مسلم بن یسارؒ جو اس وقت
وہاں نماز میں مشغول تھے نہ دھماکے سے چونکے اور نہ مجمع کی چیخ و
پکار کا کوئی احساس ہوا۔ حادثے بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ
زندگی کے ہوش و حواس پر تھرتھری دوڑا سکتے ہیں۔ مگر نماز زندگی
کی وہ حسین محویت ہے جہاں حادثوں کی چوٹ بھی کارگر نہیں
ہوتی۔ جہاں انسان چونکتا ہے تو محض فکرِ آل پر۔ جہاں
خوف کی تھرتھری اور شکر کی سراسیمگی کائنات کی سب سے
طاقت ور اور صرف ایک ہستی کے سامنے پیدا ہونا جانتی ہے
جس کا مقدس ترین نام خُدا ہے۔

ایک رات ریگستانِ عرب کی ایک سنگلاخ پہاڑی
پر بھی انسانیت کا یہی منظر طلوع ہو رہا تھا جب پیغمبرِ اسلامؐ کی
حفاظت کے لئے ایک مہاجر اور ایک انصاری پہرے پر
ایستادہ تھے۔ جہاں دونوں انسانوں نے نگہبانی کے فرض میں
نیند کے خطرے سے بچنے کے لئے یہ طے کیا تھا کہ دونوں نمبروار
جاگتے اور سوتے رہیں۔ نگہبانی کی ڈیوٹی پر انصاری کا پہلا نمبر
تھا۔ انھوں نے مصلّی بچھایا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ رات کی
ویران خاموشی میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا یہ انسان اپنے پروردگار
کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر تھا۔ دشمنوں کی ٹولی نے دُور
سے یہ منظر دیکھا اور اس کے وجود پر اپنے ترکش خالی کرنا شروع
کئے۔ تیر پر تیر جسم میں پیوست ہو رہے تھے مگر انصاری کی نماز
اسی خشوع و خضوع کے ساتھ جاری تھی۔ خون سے لہولہان جسم
خدا کی یاد اور پیغمبرؐ کی حفاظت کے اس عظیم الشان فرض کا بارِ گراں
اٹھائے ہوئے تھا جس کو دیکھ کر سنگلاخ پہاڑوں اور طوفانی
سمندروں نے ایک تھرتھری کے ساتھ اظہارِ عجز کیا تھا۔ تیروں
سے گھائل نماز اپنے مقررہ وقت پر ختم ہوئی اور انصاری نے
پورے سکون کے ساتھ مہاجر کو بیدار کرتے ہوئے کہا "مجھے موت
کا خوف تو نہیں ۔۔ ہاں یہ ضرور ڈر ہے کہ کہیں میری موت پیغمبرؐ
خدا کی حفاظت کے فرض کو نقصان نہ پہنچا دے۔"

درد کی گہری ٹیسیں ۔۔ موت کے خونریز سائے۔ رات کی
طویل بیداریاں اور ان سب کے مقابل ایمان و یقین کا انسانی
پیکر! ۔۔ ہم اس کا تجربہ تو کیا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن
ہم مسلمان ہیں! ۔۔ آہ ہم بھی مسلمان ہیں!! ۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیر اور یزید کے اختلافات کے سلسلے
میں جب یزید کی فوجی کارروائی عمل میں آئی اور تین دن تک
مدینہ کی سراسیمہ آبادیوں میں قتل و دہشت کا راج قائم رہا۔
جب گھروں سے باہر قدم رکھنا خود اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔
جب خوف و ہراس میں کفنائی ہوئی بستی کی مساجد میں ہُو کا عالم
طاری تھا ۔۔ اس پُر آشوب زمانہ میں بھی ایک "انسان" دیکھا جاتا
تھا جو اپنے گھر سے نکلتا اور تلواروں کے خون آشام سائے میں
قدم بڑھاتا ہوا مسجد کا دروازہ کھول کر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا
"بوڑھا مجنوں!" بنی اُمیّہ کے لوگ کہتے "یہ مسجد اب بھی
جانے کا شوق ترک نہیں کر سکا" یہی سعید بن مسیبؒ تھے' دنیا
جس چیز کو "خطرہ" کہتی تھی ان کی نظر میں ایک اس سے بڑا خطرہ
تھا جس کا نام آخرت کا گھاٹا اور روزِ محشر کا دیوالہ اور خسران ہے
لوگوں کی نظر میں جو حرکت دیوانگی تھی وہی ان کیلئے عین فرزانگی
اور ہوشمندی تھی۔ وہ ایک حقیر سے خطرے کو قبول کر کے ایک عظیم الشان
بربادی سے اپنے وجود کا دفاع کر رہے تھے۔

پھر ان کی زندگی میں جب وہ خطرناک موڑ آیا جہاں
ان کی آنکھوں کی روشنی دھندلانے لگی تو دنیا والوں نے انکو
لاکھ سمجھایا کہ آپ اپنی صحت کی بحالی کے لئے علاقہ عقیق میں

چلے جائیے۔ "مگر" وہ معصومانہ بول اُٹھے "وہاں رات اور صبح کی نمازوں کا کیا انتظام کروں گا!" وہ رات کی تاریکیوں میں چُپ چاپ اپنے بستر سے اُٹھتے اور اپنے نفس سے خطاب کرتے ہوئے کہتے "بُرائیوں اور بدی کے سرچشمے اُٹھ! میں تجھکو اس اُونٹ کی طرح تھکا کے چھوڑوں گا جو خستگی و درماندگی سے چلتے ہوئے لڑکھڑانے لگتا ہے۔" اس کے بعد تمام رات تہجد میں مشغول رہتے۔ پاؤں متورم ہو جاتے، مگر نماز جاری رہتی۔ ٹانگیں سوجھ جاتیں مگر عبادت کی محویت میں فرق نہ آتا۔ پھر جب رات ڈھل جاتی اور صبح صادق طلوع ہوتی تو وہ پھر اپنے نفس سے کمال سکون کیساتھ فرماتے "یہی ہے تیرا مقصدِ حیات! ہاں تو اسی لئے پیدا کیا گیا ہے۔" زندگی کے کامل پچاس سال ایک نصف صدی۔ اسی طرح شب بیداری میں بسر ہوئی کہ عشا کی وضو سے فجر کی نماز ادا ہوتی تھی۔

یہی آخرت کی پکڑ اور تکمیل حیات کا سوز سلیمان بن ترخان جیسے انسان پیدا کرتا ہے۔ جن کی راتیں جسم کے خواب کیلئے نہیں روح کی بیداری کے واسطے تھیں اور دن لذت و خوشی کے لئے نہیں، بلکہ روزہ کی معنی خیز بھوک اور پیاس کے واسطے تھے۔ زندگی کے چالیس سال تک ان کی نالۂ نیم شبی کی ہُوک کا سلسلہ نمازِ فجر کے سجدوں تک جاری رہا اور عشا کی وضو سے وہ فجر کی نماز ادا کرتے رہے۔ جب رات سرد اور ویران ہو جاتی تو وہ اور ان کے صاحبزادے زمین پر روزِ ازل کے دو پُراسرار سایوں کی طرح مسجد میں نوافل ادا کرتے ہوئے پھرتے تھے۔ دن میں جو کچھ ہاتھ آتا اس کا ہر ممکن حصہ خدا کی راہ میں لُٹا کر راتوں کی نیندوں کو ٹھکرا کر وہ خوابِ زندگی کی آخری بیداری کا خیر مقدم کرنے کو تیار رہتے۔ اس کے باوجود یہ خیال سوہانِ روح تھا کہ مرحلۂ آخرت جب درپیش ہوگا تو کسطرح سر ہوگا آخر!۔

"اے سلیمان!" کسی نے تاثر کی کیفیت میں کہا۔
"آپ جیسا آدمی اور کون ہوگا!"
"آہ! ایسا نہ کہو" وہ خوف زدہ ہو گئے "مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب میرے ساتھ کیا معاملہ کریگا۔ اس لئے کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ "اُن کے لئے پردۂ غیب سے وہ چیز نمودار ہوگی جس کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔"

ہم بھی انسان ہیں اور اسی لئے ہمارا بھی ایک "انجام" ہوگا۔ کون جانے کہ اس پردۂ غیب سے ہمارے لئے کیا چیز نمودار ہوگی۔ اگر یہ سوچنے اور سوچ کر تڑپ جانے کی بات نہیں تو پھر خود ہی ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ "کیا ہم مسلمان ہیں؟" — اگر ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے تو وقت اس کا فیصلہ کرے گا۔ انسان فیصلہ کرے یا تذبذب کی موت مر جائے مگر خدا کا فیصلہ اٹل ہے — آہ! نجانے وہ فیصلہ کیا ہوگا!

(مستقل عنوان)

مسجد سے میخانے تک

(از مُلّا ابن العرب مکی!)

تاریخ نوشت:- ۶ اپریل ۱۹۵۹ء۔

سنگیت یعنی گانے بجانے کے بارے میں میری اور صوفی رمز الدین بغدادی کی بحث کافی عرصہ سے چل رہی تھی۔ وہ کہتے تھے۔

"اماں توبہ کرو سنگیت کو بُرا کہتے ہو۔ کافر ہو کے اٹھو گے"۔ میں کہتا تھا

"کفر میں کیا عیب ہے۔ میرے پیر بوقلندر رحمۃ اللہ علیہ جنت کی ضمانت دے چکے ہیں"۔

"وہ بھی تو قوالی سنتے ہوں گے۔ بلکہ ہم نے تو "معجزات الاولیا" میں پڑھا ہے کہ ان کا تو دم بھی محفلِ سماع ہی میں نکلا تھا۔!"

"نہیں وہ معروف معنوں میں محفلِ سماع نہیں تھی"۔

"کیا مطلب؟"

"ایک دفعہ ان پر قبض طاری ہوا تھا تو میرٹھ چلے گئے تھے۔ وہاں زرینہ بائی کے کوٹھے پر جان دی ہے"۔

"کوٹھے سے کیا ہوتا ہے تھی تو محفلِ سماع۔ زرینہ تو مشہور سدا سہاگن گذری ہے بڑا ظالم ناچتی تھی"۔

"کیا ٹھکانے ہیں۔ میں خود موجود تھا جب پیر رحمۃ اللہ علیہ کا دم نکلا ہے۔ زرینہ سبز لیڈی منٹن کے غرارے پر پھولدار نیلون کی قمیص پہنے ہوئے تھی"۔

"نہیں..... سچ"..... وہ آنکھیں پھاڑ کے بولے تھے" اماں نیلون تو بالکل باریک ہوتا ہے"۔

"ہوا کرے نیچے بنیائن بھی تو تھا..."

"ہا.... آں یوں کہو" وہ اس طرح خوش ہوئے تھے جیسے میری تصریح سے ان کا گیا ہوا اطمینان واپس آگیا ہے۔ اصل میں وہ صنفِ نازک کے معاملہ میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے۔ یہ اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھا کہ میں یا کوئی اور کسی عورت ذات کو غیر معمولی حالات میں دیکھے اور وہ موجود نہ ہوں۔

"خیر..." وہ الجھ کے بولے تھے" ہم تو یوں کہتے ہیں کہ جب خواجہ بوقلندر سماع کے عاشق تھے تو تم کیوں سنگیت کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہو"۔

"میں ناخلف مرید ہوں" میں نے عرض کیا تھا" میرا بس چلے تو..... تو....."

آگے کی بات خطرناک تھی اس لئے گول کیجئے۔ مطلب یہ کہ میری اور اُن کی بحث جاری تھی۔ ابتدا میں میں نے مکمل سنجیدگی کے ساتھ انھیں قرآن وحدیث کے دلائل سے سمجھانا چاہا تھا کہ گانا بجانا ناچ رنگ اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں لیکن ان سب کے جواب میں انھوں نے بڑے بزرگانہ انداز میں مجھے یقین دلایا تھا کہ "ملّا صاحب قرآن وحدیث کے نکتے ہم تم کیا سمجھیں گے۔ انھیں تو سمجھ گئے سمجھنے والے۔ اب ہمیں اپنے بزرگوں کی سنت پر چلنا چاہئے۔ میں چیخا تھا۔

"کونسے بزرگ؟"

انھوں نے بغداد سے لیکر تبریز اور نیشاپور اور نہ جانے کہاں کہاں تک کے صدہا بزرگ گنوا دیئے تھے اور جب میں نے ان بزرگوں کی بزرگی کا ثبوت مانگا تھا تو منھ میں جھاگ بھر کے چیخے تھے۔

"وہابی، بے ادب، گمراہ"۔

اس کے بعد میں نے سنجیدگی کو طلاق دیدی تھی کہ اس کا

کچھ حاصل نہ تھا۔ پھر تو ہماری بحث میں وہ وہ شگوفے پھوٹتے تھے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ وہ طور ان کی کہتے میں ایران کی مایۂ ناز "معجزات الاولیا" کی طلسمی حکایات سناتے میں علی بابا چالیس چور کا گا گانا تا۔

وہ ترنج کر کہتے ———

" یہ فلم تو بخدا ہم نے بھی دیکھی ہے۔ ذرا وہ شعر تو سنانا جو پیرو مُرشد نے دمِ رخصت گایا تھا"۔

میں بھنا کے اپنی بوٹیاں نوچتا اور وہ جلدی سے بول اٹھتے۔

" یاد آگیا ..... آہا ..... مسکرا کر اک نظر ہاں مسکرا کر اک نظر ..... جانے والے مسکرا کر اک نظر ... بخدا بڑی لوچدار آواز تھی"۔

" بھئی چلئے تو اس سے ملوا دوں"۔ میں کہتا

" نہیں .... کھاؤ قسم .... تمہاری کیا شناسائی ہے"۔

" میرے پیر رحمۃ اللہ علیہ سب ایکٹرسوں کو بیعت کیا کرتے تھے۔ وہ میری پیر بہنیں ہیں"۔

ان کے چہرے پر بے پناہ مسرت کی دوپہر طلوع ہو جاتی تھی مگر فوراً ہی کملا کے کہا کرتے تھے۔

" یار تمہارا اعتبار نہیں ہے وزیرن آگرے والی کے سلسلہ میں بھی تم ہمارے سترہ روپے کھا گئے تھے۔ پیران کلیر والی گلابو کو بھی تم نے ہم سے ہی چھ روپے لیکے نذر دیئے تھے اور بات تک نہیں کرائی تھی ...."

" میں ایک ایک پیسہ مع سود کے وصول کرا دوں گا ...."

" سود تو ہم لیتے نہیں ہیں ... چلو پیسے وصول نہ ہوں مگر بات تو بنے بخدا طبیعت بڑی بے کیف جا رہی ہے۔ بھورے قوال کے گلے میں تو رس نہیں رہا۔ فریدن کالو سیٹھ سے نکاح کر کے گھر میں بیٹھ گئی .... کیسے سنیں ...."

" آپ بھی بات کرتے ہیں ایسے فلموں میں وہ وہ قوالی آ رہی ہے ..... چلئے " حاتم طائی کی بیٹی" چل رہی ہے ..."

" چلو"۔

اور ہم دونوں چار آنے کا رکشا کر کے سنیما پہنچ جاتے ٹکٹ لینا صوفی صاحب ہی کے ذمہ ہوتا کیونکہ وہ پردے کے قریب بیٹھنے کے شائق تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پیچھے بیٹھنا کفرانِ نعمت ہے، جتنا قرب زیادہ ہوگا اتنی ہی روحانیت کی کشید میں فراوانی ہوگی۔ کیو (لائن) کے رواج سے پہلے ایک دفعہ ٹکٹ گھر کی دھکا پیل میں کوئی لونڈا ان داڑھی توڑ لے گیا تھا۔ توڑنے کا مطلب یہ کہ جڑ سے نہیں اکھڑی تھی بلکہ ایک طرف کا گچھا ٹوٹ گیا تھا۔

خیر یہ باتیں تو قصۂ پارینہ ہوئیں۔ اب کچھ دنوں سے وہ یہ کر رہے تھے کہ اخبار لئے دوڑے میرے پاس آتے اور چہک چہک کر کہتے

" یہ دیکھو، فلاں وزیر نے آرٹ اور سنگیت کو قوم کے لئے ضروری بتایا ہے فلاں لیڈر نے ناچ گانے کے سماجی فائدے بیان کئے ہیں ...."

میں رو پڑتا اور آنسو پوچھنے کے لئے اُن کے کاندھے سے رومال اتار لیتا۔ پھر لچھے دار باتیں ہوتیں اور وہ رومال بھول جاتے۔ اس طرح اب تک شاید پانچ رومال دستیاب ہوئے ہیں جنھیں جوڑ کر میں نے رات کو پہننے کا پاجامہ سلوا لیا ہے۔

ابھی رمضان کے ایک جمعہ کو وہ خوش خوش آئے۔ الجمعیۃ ہاتھ میں تھا اور چہرے پر نور کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

" لو جناب" وہ دعا سلام کے بغیر شروع ہو گئے " تم بہت اسلام اسلام لئے پھرتے تھے۔ اب کہو کیا کہتے ہو حضرت مولانا ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب تو غیر مسلم نہیں ہیں"!

میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں بڑی جوانی تھی پھر چہرے کو گھورا وہ بھی بہت شاداب تھا خشک ہونٹوں کو بمشکل کھولتے ہوئے بولا۔

" یار رمضان تمہیں موافق معلوم ہوتا ہے اتنے طرار تو پہلے بھی نہیں تھے ...."

" اب بات نہ ٹالو .... میں تمہیں مسلمان بنا کے چھوڑوں گا"

" چھوڑ دوگے"؟ میں نے حسرت سے کہا

" چھوڑ ..... اماں یہ مطلب نہیں ... یہ تو محاورہ ہے"۔

" باپ رے .... تم رمضان میں بھی محاورہ بول لیتے ہو۔

"..... خیر مجھے رمضان رمضان تو کافر ہی رہنے دو....."

"استغفر اللہ کیسے بد زبان ہو۔ لو دیکھو بہار کے گورنر حضرت مولانا ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کیا فرما رہے ہیں....."

اخبار انہوں نے میری طرف بڑھایا۔ میری آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ کھوپڑی ہوا میں معلق ہو رہی تھی۔ مگر جانتا تھا کہ صوفی صاحب کو ٹرخا دینا ممکن نہیں ہے۔ مجبوراً آگے بڑھا اور اخبار لے لیا۔ مگر اخبار لیتے ہوئے دماغ بھک سے ہو گیا صوفی صاحب کے چار انچی دہانے سے حقے کی بو صاف آ رہی تھی۔ بو کہنا تو خیر بد مذاقی ہے۔ نفیس قسم کی بھینی بھینی خوشبو۔ یہ صرف اہل تحقیق ہی جان سکتے ہیں کہ حقہ نوش روزے دار کے لئے حقے کی بو کس قدر خوشگوار اور جاں بخش ہوتی ہے۔

"کیا پتیا رہے؟" میں نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کیا؟" وہ چونکے

"حقہ..... یار اصل میں رات سے پیٹ میں درد ہے۔ روزہ نہیں رکھ سکا ہوں مگر ہماری افلاطون بیوی کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ دوا کے بعد بھی چلم نہیں بھرنے دی....."

"اماں زنخے ہو تم۔ بیویوں سے کوئی ڈرا کرتا ہے۔ میں تو بیوی ہی سے بھروا کے پیتا ہوں....." انکے لہجے میں بڑا طنطنہ تھا۔

"عام دنوں میں تو میری بیوی بھر دیتی ہے مگر رمضان....."

"جاؤ بھی۔ میں خود شروع رمضان سے بیمار ہوں۔ روزہ تو صحت کا ہے وہ ہے نا آیت من کان مریضً..... مریض ..... مر..... تو قرآن کی خلاف ورزی کر کے روزہ رکھنا کہاں کا ثواب ہے جب روزہ نہیں تو حقہ کیوں نہ پئیں چلو گھر پینا....."

"ہائے..... میں وہاں بھی نہیں پی سکتا کہیں بھی نہیں پی سکتا اسے پتہ چل جائے گا۔" میں یتیموں کے انداز میں بولا۔

"کسے بیوی کو؟" وہ چونکے

"ہاں" میں نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا "ظالم اسم اعظم کی عامل ہے ہر باطن اس پر عیاں ہے..... ادھر میں نے دم مارا اور ادھر اسے پتہ چلا پھر بھلا میرا کہاں ٹھکانا ہوگا....."

"لعنت ہے تم پر..... یار مار مار کے بھرتہ نکال دیتی بیوی سسری سے اتنا ڈرتے ہو....."

"ارے..... زبان کو لگام دو....." مجھے طرارہ آگیا "وہ اپنے ایک مؤکل کو اشارہ کر دے گی تو ہم دونوں کی ہڈیاں بھی نہیں ملیں گی....."

"مؤکل..... خدا قسم کیا مؤکل تابع کر رکھے ہیں؟" وہ حیرت اور شوق کا مجسمہ بن گئے۔

"ایک..... ارے درجنوں..... چھوڑو..... ہاں اخبار میں کیا دکھانا چاہتے ہو تو خود سناؤ۔"

میں نے اخبار لوٹا دیا۔ انھوں نے صفحۂ اولیٰ ہی پر نظر ڈالکر فرمایا

"دیکھو حضرت مولانا ڈاکٹر ذاکر حسین خاں گورنر بہار نے....."

"کیا اخبار میں "حضرت مولانا" لکھا ہے؟" میں نے قطع کلام کیا

"وہ..... وہ..... لکھنے سے کیا ہوتا ہے..... بہرحال وہ تو مشہور ہادی ہیں....."

"ہادی....."

"ہاں ارے لیڈر سے مطلب ہے۔ یہ فرنگی لفظ ہم کیوں بولیں لیڈر کا ترجمہ تو ہادی ہی ہوتا ہے۔"

میں نے تھوک نگلا۔ مگر سوکھے منھ میں تھوک کہاں تھا شاید خون نگلا ہوگا۔ مگر نہیں محاورہ تو خون کے گھونٹ پینا ہے۔ پینے کا اگر کچھ بھی جواز روزے میں ہو سکتا تو بندہ سب سے پہلے حقہ پیتا۔ نگلنا بھی روزے سے جوڑ نہیں کھاتا ——— پھر..... پھر یہ کہ اپنا سر پیٹتا رہ گیا وہ کہتے رہے۔

"ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بہت پرانے مشہور ہادی ہیں اور اب تو ماشاء اللہ اپنی اعلیٰ لیاقت کے سبب بہار کے گورنر ہیں تعلیمی امور میں ان کی مہارت سارے جہان میں مشہور ہے۔ ابھی انھوں نے "بھارت میں تعلیمی تعمیر نو" کے عنوانات پر عالیشان لیکچر دیئے ہیں....."

"اس فقرے کا مطلب آپ جانتے ہیں؟" میں نے بات کاٹی۔

"کیوں نہیں جانتے" وہ بُرا مان کر بولے "یہ بیچسالہ منصوبوں

کے زور سے جو تعلیم کے لئے ہزاروں اسکول تعمیر ہو رہے ہیں انھی کا ذکر ہے۔ . . . ."

میرا دل بے اختیار چاہا کہ ہاتھ چھوڑ دوں مگر وائے رمضان . . . . بس نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹنے پر اکتفا کیا

"چلو پڑھ ڈالو جو کچھ پڑھنا ہے۔ . . . مگر گھٹا بڑھا کے نہیں جوں کا توں" اکتا کے عرض کیا

"اے ہاں بگڑتے کیوں ہو۔ تم تو کبھی مولانا کے بغیر مودودی کا نام ہی نہیں لیتے ہم نے اگر ذاکر حسین صاحب کو حضرت مولانا کہدیا تو آگ لگ گئی۔"

"آگ . . . . آگ ہوتی تو حقہ نہ بھرتے۔ ارے باوا مان لیا وہ امام الائمہ شیخ الاسلام وغیرہ وغیرہ ہیں۔ پڑھو کیا کہا ہے۔"

"ہوں . . . . فرمایا ہے۔ کہتے ہوئے زبان سوکھتی ہے . . . ."

"پٹ جاؤ گے" میں جھلا اٹھا "بخدا رمضان میں بھی پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مار سکتا ہوں . . . ."

"نعوذ و باللہ تم یار اتنی جلدی آنکھیں بدل لیتے ہو۔ کوئی بات ہے۔"

"پھر بور کیوں کرتے ہو۔ چلو پڑھو۔"

انھوں نے کھنکار کے گلا صاف کیا اور اسطرح اسٹارٹ لیا جیسے آذان شروع کر رہے ہوں۔

"زور سے نہیں" میں نے بیزاری سے کہا "میری سماعت آجکل بے حد نازک ہو رہی ہے۔"

انھوں نے برا سا منھ بنایا اور بیچارگی سے بولے

"تمہیں جو دوست سمجھے وہ الو کا پٹھا۔ کھانے کو دوڑتے ہو۔"

"میں دوڑ رہا ہوں . . . . ؟ پھر محاورہ ؟" میں نے آنکھیں نکالیں

"اُنھ . . . مجھ پہ لعنت ہے جو پھر تمہارے پاس آؤں ـــ"

انھوں نے کسی ستم زدہ بیوہ کی طرح منھ لٹکا دیا۔ میرے اللہ کیا یہ شخص مجھے پاگل بنا کے چھوڑے گا۔

"پڑھو پیارے صوفی صاحب خدا کے لئے پڑھو میں ہمہ تن گوش ہوں۔ ہاں تو گورنر بہار نے کیا فرمایا ہے۔"

"گورنر بہار تو عہدے کا نام ہے . . . . ."

"نہیں وہ میرے دادا کا نام ہے۔ خدا کے لئے پڑھ کے ختم کرو۔"

"نہیں پڑھتے۔ ہاں۔ یہ بھی کوئی بات ہے آج ہمارا نمبر آیا ہے تو سیدھے منھ بات نہیں کرتے ہو . . . . . ؟"

"کیا نمبر آیا ہے . . . . کیا اخبار میں یہ لکھا ہے کہ ملا کو الٹا لٹکا دو۔ بور کر کے مار ڈالو . . . . کھا جاؤ . . . . خدا کے لئے اپنا نمبر پورا کر لو پڑھو۔"

بمشکل تمام انھوں نے وہ مقدس فقرے پڑھے جو گورنر بہار نے فرمائے تھے۔ فدوی کے لئے تو انمیں کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی لیکن ظاہر ہے تجلی کا ہر قاری تو فدوی نہیں ہے۔ ممکن ہے اس کی عاقبت ان فقروں سے روشن ہو سکے لہذا پیش خدمت ہیں۔

> "اسکول میں آرٹ اور سنگیت گانے اور ناچ کیلئے بھی مقام ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایسی اہم ثقافتی سرگرمیاں ہیں جو طلبا کے دل و دماغ کی نشو و نما میں عمدہ حصہ لے سکتی ہیں (الجمعیۃ ۲ مارچ ۵۹ء)

انھیں پڑھ کر صوفی صاحب نے اس طرح مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا جیسے میری زبان سے اپنی شاندار فتح کا اعتراف سننے کے منتظر ہوں۔

"بس یہی سنانا تھا ؟" میں نے پوچھا

"کیوں یہ کچھ کم ہے۔ اب بتاؤ اتنا بڑا مسلمان ہادی ناچ گانے وغیرہ کی ضرورت پر کیا بلا وجہ زور دے رہا ہے۔ اگر ناچ گانا اسلام کے خلاف ہے تو کیا تم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو بھی غیر مسلم کہو گے ؟"

"نہیں۔ میں انھیں بھی اور تمہیں بھی امام المسلمین مانتا ہوں۔ کچھ اور منوانا ہو تو وہ بھی لکھ لاؤ دستخط کر دوں گا۔"

"اب کبھی تو ناچ گانے کو برا نہیں کہو گے ؟"

"یہ اخبار تو میں کل ہی پڑھ چکا تھا تبھی سے خیالات بدل گئے ہیں ثبوت چاہتے ہو تو اپنی بیوی سے جا کر پوچھ لو۔ رات تراویح کے بعد تمہارے گھر گیا تھا تو معلوم ہوا تم درگاہ میں قوالی سننے گئے ہو۔ تمہاری بیوی کو سمجھایا کہ بھاگوان ذرا تم بھی ناچ گانا سیکھ لو۔"

"آئیں . . . . کیا . . . ." وہ گھبرا گئے

"وہ کہنے لگی میں کس سے سیکھ لوں۔ میں نے کہا بت۔ وہ حافظ ہے
اُس نے کہا صوفی صاحب بگڑ گئے ہیں گئے ہیں نے کہا وہ بگڑیں گے
تو مار مار کے پرانھا بنادوں گا۔۔۔۔"
"اماں ہوش میں ہو" وہ بھڑک اٹھے "تمہیں میری بیوی سے
بات کرنے کا کیا حق تھا۔۔۔"
"کیوں نہیں تھا۔۔۔۔۔ میں اسے ناچ گانا سکھاؤں گا۔۔۔۔
معاوضہ کچھ نہیں۔۔۔۔ میں اس کے بدن کے لوچ اور گلے کو
رس سے اپنے دل ودماغ کی نشوونما میں مدد لوں گا"
"قسم قرآن کی تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ میں دیکھ لوں گا اس
چڑیل زادی کو کیسے اس نے تم سے باتیں کیں۔۔۔ خرافہ۔ کٹنی"
وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئے۔ میں نے روکا تو نہیں
مگر یہ ضرور کہا
"تم اپنی بچی کو بھی اسکول میں داخل کردو۔ وہاں ناچ گانے
کی مہارت حاصل کرکے طلبا رکے دل ودماغ کو نشوونما
دے گی۔۔۔۔ حضرت مولانا ڈاکٹر ذاکر حسین غلط نہیں کہہ
سکتے۔۔۔۔ گورنر بہار کی بات جھوٹ نہیں ہوسکتی۔۔۔۔"
یہ رمضان کا قصہ تھا۔ رمضان میں ہم جیسے اہلِ تحقیق
بسبب نہ ملنے حقے کے دن بھر مزاح وتفنن کا تصور بھی
نہیں کرسکتے، بے نقرے تمام دن تو دماغ کے کسی کونے میں نیم مردہ
پڑے رہتے۔ رات کو بعد لگ جانے دو چار کش حقے کے کھلائے
ان میں جان پڑی اور نہایت بے محل طور پر اقبال کا یہ مصرعہ
ذہن میں آیا

کہ غلامی میں بدل جاتے ہیں قوموں کے ضمیر

ظاہر ہے اس مصرعہ کا کوئی موقعہ نہیں تھا۔ غلامی انگریز کیساتھ
سات سمندر پار گئی۔ آزاد جمہوریت کا روشن سورج طلوع ہوا،
اپنی حکومت بنی، پھر یہ مصرعہ آخر کس تقریب میں وارد ہوا شاید
اس لئے کہ ذاکر حسین صاحب بھی ڈاکٹر ہیں اور اقبال بھی ڈاکٹر
تھے۔ ایک کے ذکر سے دوسرے کی یاد آجانا اسی اشتراک
کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔ کچھ بھی ہو عرض یہ کرنا ہے کہ جو کچھ گورنر
بہار نے فرمایا ہے حد بجا فرمایا۔ "گورنری" حکومت کا ایک
بڑا عہدہ ہے۔ اس عہدے پر فائز ہستی کا کمال اسی میں ہے
اور شاید خیریت بھی اسی میں ہے کہ وہ عملی اور فطری ہر اعتبار سے
اُسی لائن پر چلے جس پر حکومت کا مزاج، پالیسی، رجحان اور
پوری مشینری چل رہی ہو۔ ہماری موجودہ حکومت ناچ گانے کی
سرپرستی جس شدومد سے کررہی ہے اور جو خیالات سنگیت
اور آرٹ کے بارے میں رکھتی ہے وہ کسی پر پوشیدہ
نہیں ضروری ہے اور شاید قدرتی بھی ہے کہ نظام حکومت
میں شامل ہر فرد اپنے ذاتی فکر وعقیدے کو بالائے طاق
رکھکر انھی خیالات کو سراہے انھی کا قصیدہ الاپے، انھی
کو عملی جامہ پہنانے میں کوشاں ہو اور انھی کو اپنا حاصل زندگی
سمجھے۔ ویسے ذاتی فکر وعقیدے کی بات عاجز نے تکلفاً کہدی
ہے ورنہ حق یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے بڑے آدمیوں
کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہی ہے کہ جو کچھ وہ کہہ گئے ہیں
وہ فی الحقیقت ان کے ذاتی عقیدۂ وفکر کے خلاف ہے
فدوی سمجھتا ہے کہ موصوف نے جس ماحول میں تربیت پائی
ہے، جس فضا میں زندگی گذاری ہے، جن مشاغل سے دو
چار رہے ہیں، جس آب وہوا میں سانس لے رہے ہیں ہا
لازماً ان کا طرزِ فکر ایسا ہی بنجانا چاہیئے کہ آرٹ اور سنگیت،
ناچ اور گانے کی ثقافتی سرگرمیوں سے انھیں طلبا رکے
دل ودماغ کی نشوونما ہوتی نظر آئے۔ جیسا دیس ویسا بھیس
کی مثل چاہے کتنی ہی پرانی ہو مگر بے جان نہیں ہوئی ہے۔ میں
تو کہتا ہوں کہ اگر مجھے فلسفے میں جھک مارنے کی اجازت
دیدی جائے تو میں تو یہاں تک دعویٰ کرسکتا ہوں کہ اسکول
کالج کے لڑکے لڑکیوں کی آزاد عشق بازی بھی ان کی دماغی نشوو
نما میں کافی معاون ثابت ہوتی ہے اور جتنا جتنا انھیں فطری
تقاضوں اور جبلی جذبوں کو سیراب کرنے کا موقع میسر آتا ہے
اتنا ہی انسان کا قلب پرسکون ہوتا چلا جاتا ہے جذبے
پیاسے رہ جائیں تو اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں اور اعصاب
کمزور ہوجائیں تو پڑھائی ٹھیک نہیں ہوتی۔ پھر آزاد عشق
بازی کے نتیجے میں جو نیا انسان جنم لیتا ہے وہ فطری طور
پر ہم سے زیادہ آزادی کا دلدادہ، امن پسند، روادار
ہوتا ہے کیونکہ اسے ماں باپ سے عظیم آزادی ورثہ میں ملی

ہوتی ہے پس وہ یقیناً عظیم انسان ہوگا جیسا کہ حق ہے عظیم ہونے کا۔

مگر آپ کہیں گے کہ یہ تو بس دعویٰ ہے دلیل لاؤ۔ فدوی عرض کرے گا کہ خاکسار کو بھی کہیں کا گورنر یا چلو چھوٹا موٹا وزیر یا کلکٹر بنا دو پھر دیکھو تم خود محسوس کرو گے کہ میرا ہر دعویٰ بجائے خود دلیل ہے اور کوئی مائی کا لال میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں پوچھ سکتا کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ علم و سائنس اور تہذیب تمدن چاہے کتنی ہی ترقی کر گئے ہوں لیکن واقعات کی دنیا میں آج بھی وہی پرانا قانون چل رہا ہے کہ

طاقت سب سے بڑی دلیل ہے

بات پھیل گئی۔ مختصر یوں سمجھئے کہ ایک ڈاکٹر ذاکر حسین ہی پر منحصر نہیں۔ جو بھی آخرت کی فکر سے بے نیاز ہو کر بس دنیا اس کے مفادات اور قریبی منفعتوں ہی کو حاصل زندگی سمجھنے لگے گا وہ جب چاہے اخلاق، علم اور مذہب کے رخسار پر بے تکلف طمانچہ رسید کر دے گا آپ چیختے ہی رہیں گے کہ حضور یہ کیا کیا اور وہ جھلا کے جواب دے گا

"رجعت پسند، مذہبی دیوانے، غیر مہذب، نادان۔ ۔ ۔ ۔"

تاریخ نوشت:۔ ۷/ اپریل ۵۹ء

یوپی کے ڈپٹی ہوم منسٹر بھی رجعت پسند ہی نکلے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

"گذشتہ دو سال میں لکھنؤ اور ضلع لکھنؤ سے ۶۸ عورتوں کو جن میں سولہ شادی شدہ اور ۵۱ غیر شادی شدہ ہیں اغوا کیا گیا"

پھر اغوا کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

"ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عورتوں نے پردے کو خیرباد کہدیا ہے"

نعوذ باللہ جس حکومت کے نزدیک ناچ ایک مقدس اور مفید ترین فن ہو ——— ناچ جس میں عورت صرف اپنا سراپا ہی نہیں اپنا ایک ایک عضو اس طرح نمایاں کر کے دکھاتی ہے کہ ایک دفعہ کو تو مردہ بھی کفن پھاڑ کے جھانکے بغیر نہیں رہ سکتا ——— اور جس حکومت کے قوی ترین وزیر اعظم عورتوں کو پردے میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے ہوں ——— اور جو حکومت ثقافتی سرگرمیوں کے نام پر ناچ گانے کو دامے، درمے، سخنے فروغ دے رہی ہو اس حکومت کا ایک ڈپٹی ہوم منسٹر ایسا دقیانوسی طرز فکر رکھنے لگے۔ ہیہات ثم ہیہات۔ دیکھئے ان کے اس فرسودہ ارشاد پر فوراً ہی ایک اعلیٰ خیال کی ممبر خاتون نے طرارے میں آ کے فرمایا

"کیا حکومت یہ چاہتی ہے کہ عورتیں پھر سے پردے میں جا بیٹھیں"

نہیں میری بہن۔ حکومت بالکل یہ نہیں چاہتی۔ وہ چاہتی ہے ہتھیلی پر سرسوں جم جائے۔ وہ چاہتی ہے عورتیں اپنی تمام جنسی قہرمانیوں سمیت دفتروں، پروجیکٹوں، سرکاری اداروں، سماجی پلیٹ فارموں اور زندگی کی تمام راہوں میں مردوں کے دوش بدوش آئیں اور مرد اتنے زاہد و متقی ہو جائیں کہ ہر عورت کو اپنی ماں بہن سمجھیں۔ وہ چاہتی ہے عورت چست لباس میں نیم برہنہ ہو کر ناچے، ایک ایک عضو کو الگ الگ تھرکا کر اپنے آرٹ کا کمال دکھائے، اور مرد اس دلکش نظارے سے محض روحانی ثواب حاصل کیا کریں یا بقول ڈاکٹر ذاکر حسین دل دماغ کو نشوونما دیا کریں ——— وہ کیا آپ خود یہی چاہتی ہیں آپ سے مراد آپ کی ذات نہیں بلکہ جنس ہے۔ عورت ذات چاہتی ہے کہ وہ سولہ سنگھار کر کے سڑکوں پر نکلے اور مردوں کی کھوپڑیوں میں کوئی شعلہ نہ بھڑکے۔ وہ ہر ممکن آرائش سے نگاہوں کو دعوت نظارہ دے اور مرد بس خصی بکروں کی طرح منھ لٹکائے جگالی کیا کریں۔ آپ اگر اپنی نفسیات کے نہاں خانے میں جھانکیں تو ایک عجیب بات پائیں گی۔ فرض کیجئے آپ ——— یعنی کوئی عورت بن ٹھن کے کسی محفل میں پہنچتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے ایسا ہو کہ وہاں کے مرد اسے خصوصی توجہ سے نہ دیکھیں تو اسکا دل ڈوب جائے گا۔ اسے محسوس ہوگا کہ اس کی توہین کی گئی ہے وہ اپنے حسن و شباب کی طرف سے مایوسی کا شکار ہونے لگی ہونا بھی چاہئے، غازے، کریم، خوشنما لباس کا آخر فائدہ ہی کیا ہے

اگر جنس مخالف کے لئے کشش پیدا نہیں ہوئی۔ گویا عورت روایتی بی گلابو کی طرح بھس میں چنگاری ڈالکر چاہتی ہے کہ دور کھڑی تماشہ دیکھے اور بھڑکی ہوئی آگ کی ذرا بھی تپش اس تک نہ پہونچے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ اغوا کوئی بری چیز نہیں ہے۔ مرد وزن کی مخلوط زندگی، ناچ گانے کا فروغ، نمائش و آرائش کی فراوانی سنیما کے اسباقِ عشق وغیرہ جس منزل کے راستے ہیں اسی کا ایک لازمی مرحلہ یہ بھی ہے۔ بیج پڑے گا تو کھیتی بھی اُگے گی۔ عورت کو جنس عام بنا ؤ گے تو اغوا بھی ہوں گے۔ تماش بینی ہو یا زنا، رشوت ہو یا سود، جب اسباب وعلل کی منطق ہی سے تم نے منہ موڑ لیا، جب نفسیات انسانی کے تقاضوں ہی سے منکر ہو گئے، جب خیر و شر کے لئے چرب زبانی کے سوا کوئی اصول ہی نہیں چھوڑا تو کوئی بھی فعل برا نہیں ثابت کر سکتے۔

قدردی کو رنج ہے کہ ضلع لکھنؤ میں دو سال میں صرف ۸۰ اغوا کا ریکارڈ بہت مایوس کن ہے۔ قدم قدم سنیما، نگری نگری ناچ رنگ، دکان دکان عشقیہ افسانے ناول، گھر گھر فلمی پرچے، کوچہ کوچہ وہ زہد شکن تصویریں کہ بوڑھا دیکھے تو جوان ہو جائے۔ اور جوان دیکھے تو نوجوان ہو جائے، سڑک سڑک سجی بنی عورتوں کے پرے اور اغوا کا ریکارڈ اتنا کم؟ کوئی مضائقہ نہیں ابھی آغاز ہے۔ یورپ بھی کچھ کم دنوں میں صنعتی ترقیوں کی موجودہ بلندیوں تک نہیں پہنچا۔ ایمان و اخلاق کی ہڈیوں پر مادیت کی عمارت جتنی جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنا ہی اتنا ہمارا ریکارڈ بھی شاندار ہوتا جائے گا۔

---

۸ اپریل ۵۹ء:۔ ابھی بفضلہ تعالیٰ کانپور میں پولیس اور طلباء کے درمیان دلچسپ جھگڑا ہوا ہے۔ آپ کہیں گے جھگڑا اور دلچسپ! خادم عرض کرے گا کہ اس جھگڑے کا پس منظر بڑا رومانی اور آرٹسٹک ہے اس لئے اسے دلچسپ نہ کہنا بڑی بدمذاقی ہوگی۔ ہوا یوں کہ کانپور میں ایک دھرم شالہ ہے۔ اسکی مالی امداد کے لئے لڑکیوں کی ہاکی ٹیمیں دہلی سے بلائی گئیں اور ان کے کھیل پر ٹکٹ لگا دیا گیا۔ گراؤنڈ کے اردگرد کوئی پارک تھا بعض زندہ دل طلباء نے اس کا دروازہ توڑ کر داخلے کی کوشش کی جس پر پولیس آڑے آئی۔ طلباء بفضلہ تعالیٰ کسی غلام ملک کے سپوت تو تھے ہی نہیں۔ ایک آزاد جمہوری مملکت کے معزز شہریوں کی حیثیت میں انھوں نے پولیس کی مداخلت کا جواب پتھراؤ سے دیا۔ یعنی کہ بزرگوں کے اُس مقولے کی عزت رکھ لی جسمیں اینٹ کا جواب پتھر ہی بتایا گیا ہے۔ اینٹ اور ڈنڈے کی چوٹ میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا پولیس بیچاری نے مجبور ہو کر لاٹھی چارج کیا اور متعدد طلباء گرفتار کر لئے گئے۔

اب دو معزز ہستیوں کے درمیان بحث آ پڑی ہے کہ قصور کس کا ہے۔ ضلع مجسٹریٹ تو فرماتے ہیں کہ اس ہنگامے اور دھینگا مشتی کی تمام ذمہ داری طلباء کے سر ہے جس میں پچاس کے قریب پولیس والے زخمی ہوئے۔ ڈی۔ اے۔ وی کالج کے صدر صاحب ارشاد کرتے ہیں کہ طلباء بے گناہ ہیں پولیس نے بڑی بے رحمی کا ثبوت دیا ہے اور خوب مار پیٹ کی ہے۔

بحث کا قانونی فیصلہ تو عدالت ہی کرے گی کچھ ریمارک روزنامہ الجمعیۃ کے فاضل ایڈیٹر جناب عثمان فارقلیط نے دیا سو وہ یہاں نقل کرتا ہوں حق یہ ہے کہ جو کچھ مُلّا بھونڈ پن سے کہتا وہ موصوف نے نہایت سلیقے اور صفائی سے کہدیا ہے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

"افسوس کی بات ہے کہ جھگڑے کا یہ سلسلہ دوسرے روز بھی جاری رہا اور بہت سے طلباء دفعہ ۱۴۴ توڑنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ شاید ناظرین کرام اس ٹوہ میں ہوں گے کہ لڑکیوں کے جس میچ نے یہ سارا فتنہ برپا کیا اس کا کیا حشر ہوا؟ اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ لڑکیوں پر کوئی آنچ نہیں آئی اور کھیل ہاف ٹائم پر ختم کر دیا گیا، لیکن مشکل ہماری ہے کہ اس ہنگامہ کی ذمہ داری کس پر ڈالیں؟ آیا طلباء پر جو لڑکیوں کا میچ دیکھنے کے لئے اس قدر بے تاب ہوئے کہ دروازہ توڑ کر پارک میں داخل

ہونے لگے، یا پولیس پر جس نے جنسی طوفان کے ہیجان میں طلباء پر اپنی لاٹھی گھمائی اور آنسو گیس چھوڑی، یا ان ارباب اہتمام پر جنھوں نے دہلی سے لڑکیوں کو بلا کر میچ کرایا اور نوجوانوں کے جذبات کو آگ دکھائی یا خود لڑکیوں پر جنھیں ہاکی میچ کھیلنے کا شوق چرایا اور نوجوانوں کو دعوت نظارہ دی!

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ لڑکیوں کی موجودگی میں طلباء سے جو حرکتیں سرزد ہوئیں وہ عین توقع کے مطابق ہیں، ایسے موقع پر یقیناً ایسا ہی ہونا چاہئے، تعجب اس پر نہیں کہ ایسا کیوں ہوا، تعجب اس پر ہے کہ لڑکیوں کی جان کیسے بچی اور ان کی فتنہ سامانی کسی اور شر۔ یا حادثہ کی خبر کیوں نہ لائی؟ اگر ان لڑکیوں کی موجودگی میں یہ ہنگامہ نہ ہوتا تو ہمیں سخت حیرت ہوتی ہم سمجھتے کہ کان پور انسانوں کا نہیں فرشتوں کا شہر ہے اور طلباء کی فطرت بدل گئی ہے۔ مگر جب ہنگامہ ہوا اور پولیس اور طلباء میں تصادم کی نوبت آئی تو ہماری حیرت ختم ہوگئی۔ ہریجن دھرم شالہ کی امداد کے لئے اگر لڑکیوں کا میچ ضروری سمجھا گیا اور اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ شہر بھر کے دل پھینک ان کا زیادہ سے زیادہ استقبال کریں گے تو پھر جو کچھ ہوا اس پر حیرت کیوں ہو؟ ہریجن دھرم شالہ کی امداد دوسرے طریقوں سے آخر کیوں ہونے لگی۔ لڑکوں کا میچ ہوتا تو شاید دس فیصدی بھی ٹکٹ فروخت نہ ہوتے مگر لڑکیوں کے میچ نے سارے پارک کو گلزار بنا دیا اور جس کو وہاں پہونچنا تھا وہ پہونچ کر رہا۔ غرض یہ ہے کہ اگر آپ لڑکیوں کا کھیل کسی خاص مقصد سے کراتے ہیں تو نتائج سے آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں؟ لڑکیوں کو بلا کر آپ نوجوانوں کو دعوتِ نظارہ دیں اور جب نتائج عین توقع کے مطابق نکلیں تو پھر چیخ پکار ہو کہ طلباء نے ہڑبونگ مچائی، دروازے توڑے اور زبردستی پارک میں گھسنے کی کوشش کی، یہ آپ ہی کا کام ہے

کہ

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(کہ رام اس کو سمندر میں دھکا دو اور پھر یہ بھی کہو کہ دامن تر مکن ہوشیار باش!)

اس کے بعد فدوی کا کچھ کہنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے

امر شہید!

(ضمیر الدین احمد)

ایک طنزیہ تمثیل جو موجودہ سیاسی اور سماجی اخلاق کے آئینہ میں "سچ" کی مظلومیت اور جھوٹ کی "مقبولیت" کے خد و خال دکھلاتی ہے۔

یہ سارے واقعات آپکو اتفاقات کی ایک عجیب سی کڑی میں منسلک نظر آئیں گے۔ کیا آپ اتفاق نہیں کہیں گے کہ میں سات سمندر پار امریکہ کی ایک مشہور و معروف یونیورسٹی سے جو پاپوں کے کھروں میں ہونے والی بیماریوں پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر اسی دن الہ آباد پہنچا جس دن شہید ڈے منایا جا رہا تھا؟ کہاں امریکہ اور کہاں الہ آباد! ہزاروں میل کا فاصلہ۔ اور پھر اچانک واپسی۔ سات سال سے امریکہ میں تھا کم از کم تین سال اور قیام کرنے کا ارادہ تھا۔ سوچا تھا کہ لگے ہاتھوں پرندوں کی طرز پرواز پر بھی ڈاکٹریٹ حاصل کر لوں مگر اچانک اپنی حکومت کی طرف سے مجھے اتنا اچھا آفر ملا کہ دوسری ڈاکٹریٹ کا خیال ترک کرنا پڑا۔ اور امریکہ جیسے دلکش اور دلفریب ملک کو چھوڑ کر اپنے اس غلیظ نادار اور پس ماندہ ملک کا رخ کرنا پڑا۔ ڈھائی ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ۔ سرکاری مکان۔ سرکاری کار اور آسامی مستقل۔ میں نے تو اسی وقت فیصلہ کر لیا جس وقت ہمارے سفارت خانے کے فرسٹ سکریٹری نے حکومت کا یہ آفر مجھے دیا۔ "ایکسٹرا ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل مسائل بے روزگاران" کتنا رعب دار عہدہ اور کتنا رعب دار نام اس عہدے کا!۔

مگر یہ ضروری تو نہیں تھا کہ میں اس عہدے کو قبول کرنے اور دلکش امریکہ کو خیرباد کہنے کے بعد اسی دن الہ آباد پہنچتا جس دن شہید ڈے منایا جا رہا تھا۔ اسے بھی آپ اتفاق نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ ہو سکتا تھا کہ دس پندرہ روز قبل وارد ہو جاتا...... اور اس صورت میں گھر پر ہفتہ دس روز قیام کر کے شہید ڈے سے قبل اپنے عہدے کا چارج لینے روانہ ہو جاتا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شہید ڈے کے ایک دو دس دن بعد وارد ہوتا یعنی شہید ڈے کی اس تقریب میں میری شرکت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اس جہاز میں جگہ نہ ملتی جس سے میں امریکہ سے روانہ ہوا۔ یا اس ٹرین میں سیٹ نہ ملتی جس سے میں نے بمبئی سے الہ آباد تک سفر کیا۔ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ وہ جہاز دس بیس گھنٹے لیٹ ہو جاتا یا ٹرین دس پندرہ گھنٹے لیٹ ہو جاتی۔ اور میں الہ آباد صبح پہنچنے کی بجائے شام کو یا رات کو پہنچتا۔ پھر تو اس تقریب میں میری شرکت ناممکن ہوتی۔ لیکن آپ تو میں نہیں گیا تھا تقریر جھاڑنے۔ پروفیسر رودرا آئے تھے مجھے بلانے۔ دعوت دینے۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ پروفیسر رودرا کو میری آمد کی خبر ہو گئی۔ میرے نوکر نے ان کے نوکر سے میری آمد کا ذکر نہ کیا ہوتا۔ اور ان کے نوکر نے اپنی مالکن سے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا ہوتا۔ اور اسی مالکن نے اپنے مالک سے اس ذکر کو نہ دہرایا ہوتا تو انہیں کیسے پتہ چلتا کہ میں آگیا ہوں۔ اور وہ کیسے مجھے دعوت دینے آتے۔ لہٰذا جہاز یا ٹرین کے لیٹ ہو جانے اور میرے الہ آباد شام یا رات کو پہنچنے کی صورت میں (اگر کوئی اور اتفاق در پیش نہ ہوتا) پروفیسر رودرا کو میری آمد کی خبر نہ ہوتی۔ کیونکہ میرے نوکر کی ملاقات ان کے نوکر سے صبح کو ہوئی تھی۔

مگر میں سارا الزام اتفاقات کو نہیں دیتا۔ جو کچھ ہوا اس میں میری غلطیوں کا بھی اتنا ہی دخل ہے۔ جتنا اتفاقات کا۔ اولیں غلطی جو مجھ سے سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پروفیسر رودرا کی دعوت قبول کر لی۔ وہ بارہ بجے

کے قریب تشریف لائے۔ بغلگیر ہوئے۔ کچھ امریکہ کا حال پوچھا کچھ اپنا سنایا ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ جن کے دوران میں میں نے اپنی نوکری کا ذکر کیا جسے سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے مبارک باد دینے لگے۔

رخصت ہونے سے قبل انہوں نے اچانک کہا "امر شہید کو تو آپ اچھی طرح جانتے تھے؟"

میں نے پوچھا "کون امر شہید؟"

بولے "وہی امر شہید۔ اپنی یونیورسٹی کے۔"

میری سمجھ میں پھر بھی کچھ نہ آیا —— "میں سمجھا نہیں"

پروفیسر رورا کے چہرے کا رنگ بدلا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ وہ میری لاعلمی کا یہ مطلب نکال رہے ہیں کہ امریکہ میں سات سال رہ کر بدل گیا ہوں اور اب اپنے دوستوں کو پہچاننے سے بھی کتراتا ہوں۔ حالانکہ یہ غلط تھا مگر پھر بھی مجھے پشیمانی سی ہوئی۔ یہ سوچ کر کہ پروفیسر رورا نے شاید میرے بارے میں اتنی بری رائے قائم کر لی۔ میں نے معذرت پیش کی۔

"بات دراصل یہ ہے رورا صاحب کہ میرا حافظہ کچھ کمزور ہو گیا ہے۔"

میں نے منہ کھولا تھا۔ پروفیسر صاحب کی رائے بدلنے کے لئے مگر نتیجہ الٹا نکلا۔ اور نکلنا بھی الٹا ہی تھا کیونکہ میرے جملہ کا مطلب یہ نہیں نکل سکتا تھا کہ میں واقعی امریکہ میں سات سال رہ کر اپنے پرانے دوستوں کو پہچاننے سے منکر ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا حافظہ ذرا بھی کمزور نہیں ہوا تھا لیکن دقت یہ آن پڑی تھی کہ پروفیسر رورا جس شخص کا ذکر کر رہے تھے میں نے آج سے قبل اس کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

رورا صاحب نے میرے کمزوری حافظہ کے اعتراف کو اعتراف جرم سے کم نہیں گردانا۔

—— "حافظے کمزور ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ شخصیتیں جنہوں نے ملک و قوم کی آزادی کی خاطر اپنی جانیں لٹا دیں ان کے نام نہیں بھولتے۔"

قریب تھا کہ اس بار میں حافظہ کی بے اعتباری کا سہارا لے کر پھر کوئی ایسی بات کہہ دوں جو پروفیسر رورا کی نظروں میں مجھے قطعی ناقابل معافی ٹھہرائے کہ اچانک میرے حافظے سے زیادہ میری گھبراہٹ نے میرا ساتھ دیا۔ اور نہ جانے کیوں مجھے خیال آیا کہ شاید رورا صاحب ہری پرکاش سکسینہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

"میں بھی کتنا نالائق ہوں۔ آپ ٹھیک تو کہتے ہیں۔ چند نام ایسے ہوتے ہیں جو فراموش نہیں ہو سکتے۔ آپ ہری پرکاش سکسینہ کا ذکر کر رہے ہیں۔؟"

پروفیسر صاحب نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "میں بھی حیران تھا کہ امر شہید آپ کے کلاس فیلو تھے۔ لیکن پھر بھی . . . . ."

"آپ کی حیرت بجا ہے" میں نے کوشش کر کے پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ویسے جہاں تک مجھے یاد ہے مرحوم کو امر شہید کا لقب اس وقت تک تو نہیں ملا تھا جب تک میں یونیورسٹی میں تھا؟"

"ہو سکتا ہے۔" انہوں نے میری بات کو قابل اعتنا نہ گردانتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے۔ بہر حال میں آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ آج رات کو یونین حال میں شہید ڈے کے سلسلہ میں ایک میٹنگ ہو رہی ہے۔ اگر آپ بھی شرکت کریں تو بہتر ہو گا۔ میرا مطلب ہے اگر آپ بھی امر شہید پر کچھ کہیں تو اچھا ہو۔ آخر آپ امر شہید کے گہرے دوست تھے۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" میں نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔ اور رورا صاحب چلے گئے۔

تو یہ میری پہلی غلطی تھی۔ "کیوں نہیں" اس گھبراہٹ کے عالم میں میرے منہ سے نکل گیا تھا جس میں رورا صاحب نے مجھے پھنسا دیا تھا۔ میں ہری پرکاش کو اچھی طرح جانتا تھا مگر صرف ہری پرکاش کی حیثیت سے۔ جب اس کی موت واقع ہوئی تو میں یونیورسٹی میں تھا۔ مگر اس واقعہ کے چھ مہینے کے اندر اندر میں نے یونیورسٹی چھوڑ دی تھی۔ اور

جب تک میں یونیورسٹی میں رہا مرحوم کو امر شہید کا اعزاز نہیں بخشا گیا تھا۔ مگر پروفیسر رورا نے "امر شہید" سے میری لاعلمی کو کچھ اس حقارت سے محسوس کیا تھا کہ میں اپنے تئیں قصوروار تصور کرنے لگا تھا۔ یہ میری غلطی تھی مجھے اس آسانی سے بلاوجہ قصوروار نہیں بننا چاہیئے تھا۔ یہ بھی میری غلطی تھی کہ میں نے بلا سوچے سمجھے "کیوں نہیں" کا وعدہ کر ڈالا۔ حالانکہ ــ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ "کیوں نہیں" میں نے رورا صاحب کے جملے کے اس ٹکڑے کے جواب میں کہی تھی جس میں مجھے یاد دلایا گیا تھا کہ میں "امر شہید" کا گہرا دوست تھا۔ لیکن اس "کیوں نہیں" کا مطلب ہر صحیح الدماغ شخص یہی نکالے گا کہ میں نے رورا صاحب سے میٹنگ میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

میں مقرر نہ تھا۔ نہ ہوں۔ اور نہ ہو سکتا ہوں۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں صرف ایک بار تقریر کی ہے جب میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور میں نے ایک تقریری مقابلے میں شرکت کی تھی۔ اپنے والد صاحب کے ازحد اصرار پر اور اس شرط پر کہ تقریر وہ مجھے لکھ کر دیں گے اور میں صرف اسے رٹنے کا کام کروں گا۔ اس کا جو انجام ہوا تھا وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ صرف دس بارہ سطریں دہرانے کے بعد تقریر کا سرا کھو گیا تھا۔ اور میں چند منٹ تک بیوقوفوں کی طرح اس سرے کو ڈھونڈنے کی کوشش کرنے کے بعد رو پڑا تھا۔

بہرحال یہ غلطی ایسی نہ تھی کہ اس کے نتائج سے بچنا محال ہوتا۔ ایک آسان راہِ فرار یہ ہو سکتی تھی کہ وعدہ خلافی کر جاتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ رورا صاحب جن کا میں بڑا لحاظ کرتا ہوں ناراض ہو جاتے تو ان سے معافی مانگ لیتا۔ اور معاف نہ کرتے تو وہ اپنی ناراضگی میں خوش رہتے اور میں اپنی وعدہ خلافی میں۔ وہ تو نہ ہوتا جو ہوا۔ لہٰذا یہ ہوئی غلطی خم غلطی۔

جب میں آٹھ بجے کے قریب یونین ہال پہنچا تو میٹنگ شروع ہو چکی تھی اور ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ رورا صاحب اور یونین کے عہدے داروں نے میرا پرجوش استقبال کیا اور مجھے ڈائس پر جگہ دی گئی جہاں یونیورسٹی کے زیادہ تر اساتذہ تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے سوچا کہ آزادی کے بعد یونین کی فضا کافی بدل گئی ہے جن دنوں میں یونیورسٹی میں تھا ان دنوں شاذونادر ہی اساتذہ یونین کی میٹنگوں میں شرکت کیا کرتے تھے اس کی وجہ شاید یہ تھی ان میٹنگوں میں دھواں دھار اور کسی حد تک غیر ذمہ دار تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ جن کا موضوع اکثر و بیشتر آزادی انگریزی غلامی۔ ستیہ گرہ۔ انقلاب اور اسی قسم کے مسائل ہوا کرتے تھے چونکہ اپنا ملک اس وقت تک آزاد نہیں ہوا تھا۔ اور ہماری یونیورسٹی انگریزی حکومت کے زیر نگرانی تھی۔ اس لئے اساتذہ ان میٹنگوں میں شرکت کرنے سے کتراتے تھے۔ مگر اب زمانہ بدل چکا تھا غیر ملکی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اپنا دیس آزاد تھا۔ اس لئے پروفیسروں میں اب وہ جھجک اور ڈر باقی نہیں رہا تھا۔ جو انگریزی کی غلامی اور اس کی حکومت کا اثر تھا۔

میں جب ہال میں داخل ہوا تو ایک صاحب بڑے جوشیلے انداز میں تقریر کر رہے تھے۔ شکل صورت سے طالبعلم لگتے تھے۔ اور رورا صاحب نے جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے مجھے بتایا کہ وہ یونیورسٹی کے بہترین مقررین میں سے تھے۔ وہ "امر شہید" کی زندگی اور ان کے بلند کردار پر روشنی ڈال رہے تھے۔ میں نے رورا صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ صاحب ہری پرکاش سکسینہ یعنی "امر شہید" کو جانتے تھے تو انہوں نے کہا شاید نہیں۔ مگر جہاں تک "امر شہید" کا تعلق ہے جاننے اور نہ جاننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا "امر شہید" کی شخصیت سے یونیورسٹی کا ہر طالب علم بخوبی واقف ہے اور ان کے کارناموں کی داستانیں ہر سال اس ہال میں دہرائی جاتی ہیں۔

رورا صاحب سے گفتگو کرنے اور ہال اور سامعین

کا جائزہ لینے کے درمیان اس جوشیلی تقریر کے کچھ حصے میرے ذہن میں داخل ہوتے رہے۔

"بھائیو اور دوستو۔ میں پھر کہوں گا کہ آج بھی ہمارے دیش کو "امر شہید" جیسے نڈر جیالے اور جان نچھاور کرنے والے سپوتوں۔ جوانوں دیش سیوکوں کی ضرورت ہے۔ ان سپوتوں کی ضرورت ہے جو اس ملک کے ماتھے سے ہر کلنک کو اپنے خون سے دھو ڈالیں۔ ان جیالوں کی ضرورت ہے۔ جو دیش دیش کے کونے کونے میں اتنی کا ڈنکا پیٹ دیں۔ ان بہادروں کی ضرورت ہے..."

اس مقام پر مقرر صاحب صحیح الفاظ ڈھونڈنے کے لئے رُکے اور کھانسی کا دورہ پڑ گیا جس پر قابو پانے کے لئے انہوں نے پانی کا ایک گھونٹ پیا۔ اتنے میں میرا ذہن دیواروں پر لگی ہوئی نیتاؤں کی تصویروں کی طرف مڑ گیا۔

پھر جب میں نے تقریر کی طرف دھیان دیا تو مقرر مقرر صاحب فرما رہے تھے" اور دوستو! کتنی کٹھن تھی وہ لڑائی۔ بدیسی سامراج کی ساری شکتی اُمڈ آئی تھی اور اس کے مقابلے پر کون تھا۔ صرف ایک دیش سیوک۔ ایک رانا پرتاپ سنگھ۔ ایک شیواجی۔ ایک گرو گوبند سنگھ۔ میں جانتا ہوں اور آپ بھی جانتے ہیں کہ مجھے تو بہت سے نگران سب کی آتماؤں کا نچوڑ۔ ان کا رس امر شہید کے شریر میں اتر آیا تھا۔ اور اس ایک شریر نے لوہے کی دیوار بن کر بدیسی سامراج اور اس کے پٹھوؤں کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی آتما کا بلیدان دیکر انہیں نرکھ میں جھونک دیا۔ دیش کو سوتنترتا سے قریب کر دیا۔ اور آزادی کی اوشا کے گالوں پر اپنے خون سے گلال مل دیا۔ تو دوستو!"

میں ذرا دوراصاحب سے کچھ پوچھنے لگا اور چند منٹ بعد جب میرا ذہن پھر تقریر کی طرف پھرا تو ———

"ایک طرف انگریزی سامراج کی ساری شکتی اس کا سارا بل سپاہیوں اور بندوقوں کا روپ دھارے لوہے کی دیوار بنا کھڑا تھا اور دوسری طرف ——— کیا تھا دوسری طرف؟ ——— ایک غلام دیس کو نجتے ... مگر ور مگر جاگتی زندگی کا دینے والے نوجوانوں کی ایک لہر جیسے امر شہید ایک ہاتھ میں ترنگا جھنڈا لئے اور آگے۔ اور آگے اور آگے بڑھا رہے تھے۔ اور جب یہ لہر لوہے کی دیوار سے ٹکرائی تو ایسا لگا کہ دیوار کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ایسا لگا جیسے امر شہید نے لوہے کی اس دیوار میں ایک دو نہیں ہزاروں بڑے بڑے چھید کر ڈالے ہیں جن میں سے وہ لہر ہزاروں دھاروں کا روپ دھار کر مچلتی ہوئی تڑپتی ہوئی نکل جائے گی اور...."

اس بار میری توجہ مقرر اور تقریر سے ہٹی تو میری نظریں سامعین کا جائزہ لینے لگیں۔ ان میں زیادہ تر اسٹوڈنٹ تھے جو بجز دو ایک کے کوٹ پتلون میں ملبوس تھے۔ ان میں سے کچھ تقریر سن رہے تھے۔ کچھ ان لڑکیوں کی طرف دیکھ رہے تھے جن کے بیٹھنے کے لئے ڈائس کے قریب انتظام کیا گیا تھا (ان میں سے ایک لڑکی غضب کی خوبصورت تھی) ——— اور کچھ ڈائس پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

تالیوں کے شور نے میری توجہ کو سامعین کی طرف سے ہٹا دیا۔ ایک نئی تقریر شروع ہونی والی تھی اور نئے مقرر کا تعارف کرایا جا رہا تھا۔ تعارف کے دوران میں بتایا گیا کہ انہوں نے امر شہید پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا مطالعہ ہر دیش بھگت کے لئے ضروری ہے۔

نئے مقرر نے سارا زور بیان امر شہید کی "لا مثال" شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے پر صرف کیا۔ اور امر شہید کی مختصر مگر "مکمل" زندگی کے بہت سے واقعات بیان کئے۔ جن کا تعلق بچپن لڑکپن اور جوانی کے ایام سے تھا اور جن میں سے ہر ایک اس بات کا ثبوت تھا کہ "بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مقرر نے امر شہید کی زندگی پر کافی ریسرچ کی ہے۔ اور ان کی زندگی کے

مختلف ادوار کے ایسے واقعات کو کھود نکالا ہے جن سے
میں بھی واقف نہ تھا۔ حالانکہ میں امر شہید کا بہت گہرا
دوست تھا۔

اس تقریر کے دوران میں کسی نے پیچھے سے میرے
کاندھے پر ہاتھ رکھکر مجھے اپنی طرف مخاطب کیا میں نے
مڑکر دیکھا تو جوگندر پال مسکرا رہا تھا۔ اسے دیکھکر مجھے
خوشی ہوئی جوگندر میرا اور امر شہید کا ہم جماعت تھا۔ وہ
کرسی کھینچ کر میرے قریب آگیا اور کھسر پھسر کرنے لگا میرے
دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایم اے کرکے یونیورسٹی
میں لکچرار ہو گیا تھا۔ اور آج تک لکچرر ہی ہے۔ جوگندر بہت
ذہین لڑکا تھا۔ اس نے ہمیشہ فرسٹ ڈویژن پائی۔ اور
میری اور امر شہید کی تھرڈ ڈویژنوں کا سہرا بھی اسی کے
سر رہا۔ کیونکہ جب امتحان قریب آتے تھے تو وہ دوستی
چھوڑ کر میرا استاد بن جاتا۔ اور مجھے سال بھر کا کورس
ایک مہینے میں گھول کر پلانے کی کوشش کرتا۔

جوگندر کی کھسر پھسر جاری تھی کہ تقریر ختم ہو گئی تھی۔
اور میری باری آگئی۔ رزدا صاحب اعلان کر رہے تھے
کہ اب میں تقریر کروں گا۔ اور سامعین کو یہ بھی بتا رہے
تھے کہ میں کون تھا۔ کہاں تھا۔ کون ہوں۔ کیا ہوں۔
اور یہ بھی کہ امر شہید سے میرے بڑے گہرے تعلقات
تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ
اس وقت جبکہ امر شہید ڈے منایا جا رہا ہے میں الہ آباد
میں موجود ہوں۔ اور اس بات پر رضا مند ہو گیا ہوں
کہ اس جلسہ میں شرکت کرکے حاضرین کو اپنے "زریں
خیالات" سے مستفیض کروں۔"

کرسی سے اٹھتے وقت میرے سارے بدن میں
ایک قسم کا رعشہ آگیا۔ اور لمحہ بھر کے لئے مجھے خیال آیا کہ کوئی
بہانہ کرکے گلو خلاصی کرلوں۔ مگر بہانہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔
اور میں دو قدم چل کر مائک کے سامنے پہنچ گیا۔ میرا حلق سوکھ
رہا تھا۔ میں نے دو تین بار تھوک نگلا۔ مڑ کر جوگندر کی طرف
دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اور پھر میری نظریں اس بلا کی خوبصورت
لڑکی کی طرف اٹھ گئیں جو اب بالکل میرے سامنے تھی۔
وہ بہت انہماک سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ یکایک
مجھے احساس ہوا کہ میں اس مجمع میں سب سے خوبصورت
شخص ہوں۔ میرا سوٹ ڈیڑھ سو ڈالر کا ہے۔ میری ٹائی
دس ڈالر کی ہے۔ میں جوان ہوں۔ اور یہ لڑکی میری طرف
اس لئے دیکھ رہی ہے کہ مجھے دیکھکر اس کے دل میں
کچھ ہونے لگا ہے۔

اس خیال کا آنا تھا کہ میرے حلق کی خشکی غائب ہو گئی
اور میں نے کھنکھنا کر جو بولنا شروع کیا تو انگریزی
کے نو دس جملے لگاتار میرے منھ سے ایسے نکلے جیسے بندوق
میں سے گولی نکلتی ہے۔ میں بہت خوش ہوا۔ جملے سب کے
سب صحیح تھے۔ اور امریکن لہجہ میں ادا ہوئے تھے۔ میرا سینہ
پھولنے لگا۔ اور میں نے چار پانچ اور جملے اسی روانی سے
جھاڑ دیئے۔ مگر اس دفعہ میرے کانوں میں سامعین کی
طرف سے کچھ بھنبھناہٹ سی آئی۔ اور نہ جانے کیوں ایک
دم یہ خیال آیا یہ بھنبھناہٹ ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔
اس کے ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آیا کہ مائک کے سامنے
آنے کے بعد سے اب تک لگاتار میری نظریں اس بلا کی
حسین لڑکی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

میں نے سوچا کہ شاید میری یہ حرکت طالب علموں کو
پسند نہیں آئی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ میری تقریر کی روانی
غائب ہو گئی۔ اور میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن
پروفیسر رزدا نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا کہ لڑکے
آپ کو انگریزی میں نہیں۔ راشٹر بھاشا ہندی میں سننا
چاہتے ہیں۔ میں اور گھبرا گیا۔ اور میں نے رزدا صاحب سے
کہا کہ مجھے تو ہندی نہیں آتی۔ ہاں اردو میں کوشش کر سکتا
ہوں وہ بولے "ٹھیک ہے۔ اردو بھی ہندی ہے۔"

یہ سن کر مجھے گونہ اطمینان ہوا۔ اور میں نے اردو۔
یعنی ہندی میں بولنا شروع کیا۔ اور اپنی نظروں کو تنبیہ
کر دی کہ وہ اس بلا کی خوبصورت لڑکی کی طرف بار بار نہ
بھٹکیں۔

چند جملوں میں اپنے سامعین سے انگریزی میں تقریر کرنے کے لئے معافی کا خواستگار ہو کر میں نے اپنے اور امر شہید کے گہرے تعلقات کا ذکر شروع کیا۔

"...... تو مترو۔ میں اپنے حافظے پر زور ڈال کر آپ کو سکینہ بابو کی زندگی کے چند ایسے واقعات سناؤں گا جن کا مجھکو ذاتی علم ہے۔"

میں نے ابتدا امر شہید سے کی تھی۔ مگر تقریر میں جب ذرا روانی آئی تو امر شہید کی جگہ خود بخود سکینہ بابو نے لے لی۔ حالانکہ میں ہری پرکاش سکینہ کو نہ امر شہید اور نہ سکینہ بابو کہا کرتا تھا میرے لئے وہ صرف ہری تھے۔

میں اپنے حافظے پر زور ڈال کر واقعات کے موتی نکالتا رہا۔ اور انہیں حاضرین کے سامنے پیش کرتا رہا۔ اس طرح دس پندرہ منٹ گزر گئے۔ مگر اس دوران میں ان واقعات کا جو میں نے بیان کئے ایک مرتبہ بھی پرجوش تالیوں کے ساتھ خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ مگر میں یہ سمجھا کہ سامعین اس انہماک سے میری تقریر سن رہے ہیں کہ تالیوں اور واہ واہ کی گنجائش نہیں۔ اور میری تقریر بہتی رہی۔

"یہ ۱۹۳[illegible]ء کی بات ہے۔ جنم اشٹمی کی رات کو جھانکی دیکھنے کا پروگرام بنا ہمارے ہاسٹل کے پیچھے ایک تانگے والا رہا کرتا تھا جس کا نام کلوا تھا۔ ہم لوگ اکثر اسی کے تانگے پر سول لائنز یا شہر جایا کرتے تھے طے کیا گیا کہ کلوا کے تانگے میں آج رات سارے شہر کا چکر لگایا جائے اور جہاں جہاں جھانکی لگی ہو وہاں جایا جائے۔ جب سب جانے کے لئے تیار ہو گئے اور کلوا اپنا تانگہ لے آیا تو سکینہ بابو نے جانے سے انکار کر دیا۔ ہم لوگوں نے وجہ پوچھی تو بولے کہ میں ایک شرط پر جاؤں گا۔ وہ شرط یہ تھی کہ ہم میں سے ہر ایک کے بدن پر صرف ایک کپڑا ہو۔ کڑی شرط تھی۔ کیونکہ سردی غضب کی پڑ رہی تھی۔ مگر ہمارے گروپ میں چونکہ سکینہ بابو کی حیثیت لیڈر کی سی تھی۔ اس لئے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ فوراً ان کی شرط ماننے سے انکار کر دیتا۔ اور پھر شرط تھی بھی ذرا دلچسپ۔ لہذا مان لی گئی۔ شرط کا ایک کپڑا پتلون، دھوتی یا پاجامہ ہی ہو سکتا تھا۔ مگر ہم سب کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب سکینہ بابو اپنے کمرے سے لنگوٹ کستے ہوئے نکلے۔"

سامعین کی خاموشی ٹوٹی۔ مگر دبی بھنبھناہٹ۔

میں نے تقریر جاری رکھی "گھٹا ہوا سر۔ لمبی چٹیا۔ بدن پر تیل ملا ہوا اور کالی لنگوٹ"

یکایک مجھے احساس ہوا کہ یہ بھنبھناہٹ نہیں بلکہ سیمنٹ کے فرش پر جوتے رگڑنے کی آواز تھی جو بلند ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے غصہ آیا کہ میں تو ان لوگوں کو امر شہید کی زندگی کے ایسے واقعات سنا رہا ہوں جو انہوں نے آج تک نہ سنے ہوں گے اور یہ ہیں کہ جوتے رگڑ رگڑ کر۔

میں نے قصہ مختصر کیا اور دوسرا واقعہ بیان کرنے لگا۔ یہ واقعہ ایک لڑکے کے کمرے سے گھی غائب کرنے اور رات کو اس پر غلاظت سے بھری صراحی چھوڑنے کا تھا۔ جس میں گروپ لیڈر کی حیثیت سے امر شہید پیش پیش تھے۔ ابھی قصے کا اختتام نہیں ہوا تھا کہ ایک ٹماٹر میرے جوتوں کے پاس آ گرا۔ میں نے مجمع پر نظر ڈالی تو ایک اور ٹماٹر مجھے اپنی طرف پرواز کرتا ہوا نظر آیا۔ میں نے سر جھکا لیا۔ اور یہ ٹماٹر میرے سر کو چھوتا ہوا نکل گیا۔

میں نے گھبرا کر رودرا صاحب کی طرف دیکھا جو اپنی کرسی چھوڑ رہے تھے۔ جب تک وہ لڑکوں سے اپیل کرتے رہے کہ وہ میری تقریر کو غور سے سنیں۔ اور مہمان کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔ تب تک میں بحرِ حیرت میں غوطے لگاتا رہا۔ کہ آخر یہ لڑکے کیوں میری تقریر سے لطف اندوز نہیں ہو رہے ہیں۔ اور کیوں مجھے ٹماٹروں کا نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ کیونکہ یہ لمحہ فکر و حیرت کا نہیں فیصلے کا وقت تھا۔ ایسے فیصلے کا جو شرم و حیا کی فکر کو میلوں پیچھے چھوڑ دے۔ مگر میں وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ اور رودرا صاحب نے

اپنی اپیل ختم کر کے میرے کان میں آہستہ سے کہا میں اپنی
تقریر کو زیادہ طول نہ دوں۔ تو میں نے پھر تقریر شروع
کر دی۔ اور گلا صاف کر کے امر شہید کی شہادت کا
وہ واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا جس کا مجھے ذاتی
علم تھا۔ اور جس پر مجھے اپنی تقریر ختم کرنی تھی۔

پہلے میں نے ۱۹۴۲ء کی اسی تحریک کا ذکر کیا جسنے
یونیورسٹی کے زیادہ تر طالب علموں کو اپنی گرفت میں لے
لیا تھا۔ اور پھر اس دن کا جس دن وہ جلوس نکالا گیا تھا،
جس میں میں اور سکینہ بابو دونوں شامل تھے۔ یہ جلوس
اس جلسے کے بعد نکالا گیا تھا جو یونین ہال میں منعقد ہوا
تھا اور جس میں نہ میں تھا اور نہ امر شہید نے شرکت
کی تھی۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد طے پایا تھا کہ ایک جلوس
نکالا جائے جو شہر کی مختلف سڑکوں کا چکر لگانے کے بعد
کلکٹر کے دفتر کے سامنے مظاہرہ کرے۔ جلوس جب ہمارے
ہاسٹل کے سامنے سے گذرا تو میں اور سکینہ بابو بھی اس
کے ساتھ ہو لئے چونکہ ہم لوگوں کو کپڑے تبدیل کرنے میں
کچھ وقت لگ گیا تھا اس لئے ہم دونوں جلوس کے پیچھے
تھے۔ جلوس جب سائنس کالج کے گیٹ پر پہنچا تو وائس چانسلر
اور کئی سینئر پروفیسر راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور
منت سماجت کرنے لگے کہ جلوس یونیورسٹی کی حدود سے
باہر نہ جائے۔ تھوڑی دیر بحث ہوتی رہی لڑکے مصر تھے کہ
جلوس ضرور یونیورسٹی کی حدود سے باہر جائے۔ یکایک
میں نے اور سکینہ بابو نے جلوس کے پیچھے سے نعرہ لگایا۔

"بیڑی بیڑی کی جھنکار"

جواب ملا "انقلاب زندہ باد"

ہم نے پھر نعرہ لگایا۔ "بچے بچے کی پکار"

...... بس پھر کیا تھا۔ مانو طوفان پھٹ پڑا، سیلاب
آگیا۔ وہ اور وائس چانسلر صاحب اور پروفیسر صاحبان
کو ہمارا راستہ چھوڑنا پڑا۔ مگر جب ہم سڑک پر آئے تو ہم نے
دیکھا کہ دوسری طرف مسلح پولیس قطار باندھے کھڑی ہے
پولیس کو دیکھتے ہی لڑکوں کا جوش اور تیز ہو گیا اور "انقلاب
زندہ باد" کے پے در پے کئی فلک شگاف نعرے بلند ہوئے
کلکٹر پولیس کے ہمراہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر لوگوں سے
کہا کہ وہ واپس یونیورسٹی کی حدود میں چلے جائیں ورنہ پولیس
کو گولی چلانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ گولی کا لفظ سننا
تھا کہ لڑکے بپھر گئے۔ اور کئی اور فلک شگاف نعرے بلند
ہوئے۔ کلکٹر نے پیچھے ہٹ کر اعلان کیا کہ وہ دس تک
گنے گا اور اگر اس دوران میں لڑکے واپس نہ ہوئے تو وہ
گولی چلانے کا حکم دیدے گا۔ ایک دم سناٹا چھا گیا۔ کلکٹر نے
گنتی گننا شروع کی ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ
نو، دس۔ مگر لڑکے اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ پھر کلکٹر نے
ایک پولیس آفیسر سے کچھ کہا اور پولیس آفیسر نے سپاہیوں
کو کوئی حکم دیا جسے سن کر انہوں نے اپنی بندوقوں کو سنبھالا۔
پھر اس نے فائر کرنے کا حکم دیا۔ سارے لڑکے زمین پر اوندھے
لیٹ گئے۔ اور ساتھ ہی بہت سی گولیوں کے چلنے کی آواز
آئی۔ فائر ہوا میں کئے گئے تھے۔ کلکٹر نے ایک بار پھر لڑکوں
سے کہا کہ وہ واپس چلے جائیں ورنہ اس بار گولی ان پر
چلائی جائے گی۔ مگر لڑکے ویسے ہی لیٹے رہے۔

"میں اور سکینہ بابو پاس پاس لیٹے ہوئے تھے
میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو کلکٹر کو پھر اسی پولیس آفیسر
سے کچھ کہتے ہوئے پایا۔ میں نے سکینہ بابو سے کہا کہ کلکٹر
پولیس آفیسر کو گولی چلانے کا حکم دے رہا ہے۔ اور اب
پولیس آفیسر سپاہیوں سے کچھ کہہ رہا ہے۔ اور اب سپاہی
اپنی بندوقیں سنبھال رہے ہیں۔ اور اب وہ اپنی بندوقوں
کا رخ ہماری طرف ......

یکایک سکینہ بابو اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے
کوشش کی کہ ان کو ٹانگ سے پکڑ کر گرا لوں مگر انہوں نے
اپنی ٹانگ کو اس زور سے جھٹکا کہ میرا ہاتھ پھسل کر اس جگہ
گرا جہاں وہ لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے وہ جگہ گیلی لگی، حالانکہ
جب ہم لیٹے تھے تو زمین کا وہ حصہ بالکل خشک تھا۔ میں نے
گردن گھما کر دیکھا۔ سکینہ بابو کی پیٹھ پولیس کی طرف
تھی اور پھر ایک صرف ایک گولی چلنے کی آواز آئی۔ گولی سکینہ

کی پیٹھ میں لگی اور سکینہ بابو......"

ابھی میرا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ لڑکوں نے ڈائس پر یورش کر دی اور اس وقت تک میری سمجھ میں کچھ نہ آیا جب تک ایک مکا۔ ایک تھپیڑا اور ایک ڈھول بیک وقت میرے سر اور منہ پر نہیں پڑا۔ اس یورش کا نشانہ میں تھا۔ ردوا صاحب اور دوسرے پروفیسروں نے مجھے بچانے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود اتنے بہت سے لڑکوں کے سامنے ان کی کیا بن پڑتی۔ آن کی آن میں ڈائس پر دراز تھا۔ اور مجھ پر مکوں اور تھپیڑوں کی بارش ہو رہی تھی۔ اور ایک مرتبہ جب یورش قدرے کم ہوئی اور اپنی آنکھوں پر لمحہ بھر کے لئے ہاتھ اٹھایا تو دیکھا کہ اس خوبصورت لڑکی کا دایاں ہاتھ جس میں اس کی چپل تھی ہوا میں معلق ہے۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور دوسرے لمحہ وہی چپل چٹاخ سے میرے منہ پر پڑی۔

کوئی بیس منٹ بعد جب پروفیسر ردوا صاحب مجھ سے بہت پرخلوص معافی مانگ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ جوگن۔ رکھڑا مسکرا رہا ہے۔ اور جب وہ سہارا دیکر مجھے ہال سے باہر لئے جا رہا تھا تو اس نے میرے کان میں پچ بولنے کے بارے میں کچھ کہا جسے میں جیتے جی نہیں بھول سکتا

(سوغات)

سنگِ میل

(شمیم عثمانی)

تاریخ کی چشم بیدار نے چنگیز و ہلاکو، اسکندر و دارا اور ہٹلر و اسٹالن تو بہت دیکھے ہیں لیکن کچھ ایسے فرماں روا بھی دیکھے ہیں جن کی بے نفسی، رحم کیشی اور انصاف پسندی نے اسے ششدر کر چھوڑا۔ انھی میں کے ایک فرماں روا کا نام عمر ابن عبد العزیز تھا۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے وہ ایک دنیا دار قسم کے آدمی تھے جس کے بارے میں ایک ممتاز قسم کے کردار کا تصور بھی مشکل ہی سے کیا جا سکتا تھا لیکن جب فرماں روائی کی مسند پر بیٹھے تو کایا ہی پلٹ گئی۔ ایک آہنی عزم کے ساتھ انہوں نے پیشرو حکمرانوں کے ظلم و طغیان کی تلافی اور بے لاگ عدل کے قیام کی جد و جہد جاری فرمائی اور آغاز اپنے گھر ہی سے کیا۔ یہاں ان کی عادلانہ سرگرمیوں کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے بلکہ حسن بصریؒ کا وہ مفصل مکتوب نقل کرنا پیش نظر ہے جو انہوں نے عمر ابن عبد العزیزؒ کے رقعہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔

خلیفۂ موصوف رعایا کے فکر اور محاسبۂ آخرت کے خوف سے بہت رویا کرتے تھے۔ اسی جذباتی شدت کے عالم میں آپ نے وقت کے ممتاز بزرگ اور عالم باعمل حضرت حسن بصریؒ کو عریضہ لکھا جسکا مضمون یہ تھا۔

"سلطانِ اسلام اور امام عادل کے فرائض کیا ہیں؟ اسپر امتِ مسلمہ کی کون کون سی ذمہ داری ہے اور اسے کیسا ہونا چاہیئے؟"

جواب آیا اور بہت مفصل آیا۔ یہ جواب ایک ادنیٰ نمونہ ہے علمائے حق کی اس شجاعت مندانہ حق گوئی کا جس کی بے شمار مثالیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اور یہ جواب ایک فلک شگاف خندۂ استہزا ہے ان حکمرانوں کیلئے جو مسند اقتدار پر بیٹھکر ظلم و جبر، خود غرضی، عیاشی اور طلب منفعت کو اپنا پیدائشی حق سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور یہ جواب ایک دستاویز ہے ان اوصاف و اعمال کی جن سے کسی مسلمان بادشاہ کا دامن کرہ اما لا مال ہونا چاہیئے۔

حضرت حسن بصریؒ نے لکھا:

"امیر المومنین! امام عادل کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی کجی کے لئے استقامت، گمراہی کے لئے ہدایت، فساد کے لئے اصلاح، ضعف کے لئے قوت، مظلوم کے لئے انصاف اور بے پناہ کے لئے پناہ بنایا ہے۔"

رعیت کو خوشحال اور فارغ البال بنانیکی طرف ان خوشنما گمر جامع الفاظ میں اشارہ کیا گیا۔

"امیر المومنین! امام عادل کی مثال اس گلہ بان کی سی ہے جو اپنے ریوڑ کے لئے بہترین چراگاہ تلاش کرتا ہے اور اسے ہلاکت خیز چراگاہوں سے ہانک کر محفوظ و مامون چراگاہ میں لاتا ہے۔ درندوں سے اس کی نگہداشت کر کے پرورش کرتا ہے سردی گرمی کی تکلیف سے اسے بچاتا ہے۔

امیر المومنین! امام عادل رحمدل ماں کی طرح ہے جس نے تکلیف برداشت کر کے حمل کا بار اٹھایا درد و خلش کے ہجوم میں وضع حمل کیا، اپنے سینے کے خون سے اس کی پرورش کی، بچے کی بیداری سے اسکی نیند جاتی رہی، کبھی دودھ پلایا کبھی چھڑایا۔ اسکی تکلیف سے غمگین راحت سے خوش رہی۔ اگر بچہ کو چین ہے تو اسے بھی سکون ہے اور اگر اسے بیقراری ہے تو اُسے بھی قرار نہیں۔"

یتیموں اور بیواؤں کی نگہداشت ان کی امداد و اعانت۔ امام وقت کی صحیح پوزیشن اور خواہش و خبائث کی روک تھام میں کسقدر محتاط اور پابند قوانین ہونا ضروری ہے اس کے متعلق خط میں یہ الفاظ درج ہیں۔

"امیر المومنین! امام عادل یتیموں اور بیواؤں کا ولی اور نگہبان

ہوتا ہے۔ کمزوروں اور چھوٹوں کی پرورش کرتا ہے اور بڑوں کی امداد کرتا ہے۔

امیر المومنین! امام عادل جسم امت میں دل ہے جس کی خرابی سے امت کی خرابی اور جس کی اصلاح سے امت کی اصلاح ہوتی ہے۔ صلاح و فساد کا سرچشمہ یہی ہے۔

امیر المومنین! امام عادل بندوں اور خدا کے درمیان ایک رابطہ ہے جو اللہ کی بات سنکر دوسروں کو سناتا ہے، جو خدا کو دیکھکر دوسروں کو دکھاتا ہے اور جو خدا کی راہ پر چل کر دوسروں کو اسپر چلاتا ہے۔

امیر المومنین! خدا کی دی ہوئی سلطنت میں اس غلام کی مانند ہرگز نہ ہونا جس کے مالک نے اپنی امانت اسے سونپ دی اپنے اہل و عیال کا اسے محافظ بنا دیا۔ اس کے بعد غلام نے اپنے آقا کی امانت ضائع کر دی۔ اس کے اہل و عیال کو پراگندہ کر دیا اور اپنے آقا کا سب کچھ برباد کر کے اس کا خاندان تباہ کر دیا۔

امیر المومنین! فواحش و خبائث کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے قیود و حدود نازل فرمائی ہیں تاکہ بندے ان سے گذر کر فتنہ و فساد کی گرم بازاری نہ کر سکیں۔ اگر ان قیود و حدود کا نگراں اور ان کا نافذ کرنے والا خود ہی ان کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو پھر کیسے کام چل سکتا ہے۔ قصاص اور خونبہا میں خدا نے زندگی رکھی ہے کہ قتل و غارتگری بند ہو جائے لیکن قصاص لینے والا حاکم وقت ہی اگر قتل کا ارتکاب کرے تو پھر اس کا انجام کیا ہوگا اور نتائج کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

پھر زندگی بعد موت، روز حساب کے خوف اور دنیاوی شان و شوکت سے گریز نیز دنیا کی سرمستیوں میں غافل ہم نشینوں سے ترک تعلق کے متعلق امام بصریؒ تحریر فرماتے ہیں

امیر المومنین! امام عادل کو آخرت سے بے پرواہ نہ ہونا چاہئے۔ موت اور اس کے بعد آنیوالے وقت کو یاد کیجئے جب کہ کوئی بھی یار و مددگار نہ ہوگا۔ وہاں کی ہر چیز بیگانی ہوگی اور اس کے بعد فزع اکبر[1] کی ہولناکیاں سامنے آئیں گی۔

امیر المومنین! جس گھر میں آپ اسوقت قیام پذیر ہیں آپ کا گھر نہیں ہے بلکہ آپ کے لئے اس کے علاوہ وہ گھر (قبر) ہے جس میں آپ کا قیام طویل ہوگا۔ احباب نہیں ہوں گے تنہا ہوں گے اس دن کے لئے تیاری کیجئے جس کے لئے خدا فرماتا ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (جس دن جان چرائے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے)

امیر المومنین! یاد کرو جبکہ جو بھی کچھ قبروں میں ہو ظاہر کر دیا جائے گا جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سامنے لایا جائے گا۔ اسوقت تمام راز ایک ایک کر کے آشکارا ہوں گے۔ اعمال نامہ چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو ایک ایک کر کے جمع کئے ہوگا انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

امیر المومنین! موت سے پہلے امیدوں اور خواہشات کے تمام رشتے منقطع کر لینے کا موقع ہے۔ اس مہلت کو غنیمت سمجھئے۔

امیر المومنین! خدا کے معاملات میں ظلم و جہالت کا فیصلہ نہ کیجئے۔ انھیں ظالموں کی راہ پر نہ لے چلئے اور نہ کمزوروں پر متکبرین و جبارین کو مسلط کیجئے کیونکہ انکا یہ حال ہے کہ:۔

"وہ لوگ تمہاری دینداری اور عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہ کریں گے"۔

اگر خدا نخواستہ آپ ایسا کر دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کے اور ان کے دونوں کے گناہوں کا بوجھ آپ کے ہی سر ہوگا۔ آپ ایسے لوگوں کے دھوکے میں ہرگز نہ آئیے جو دنیا کی سرمستیوں میں غافل ہیں۔ یہ لوگ آپ کی اخروی زندگی کو ختم کر کے اپنی دنیاوی زندگی تعمیر کر رہے ہیں۔

[1] خوف عظیم۔

امیرالمومنین! امام عادل کی ذاتی زندگی سراسر بے مایہ ہے آپ اپنی قوت و طاقت کا اندازہ آجکی شان و شوکت سے نہ لگائیے بلکہ غور کیجئے کل آپ کی طاقت کتنی ہو گی جبکہ آپ موت کے جال میں ہوں گے۔ ملائکہ انبیا، مرسلین گرداگرد جمع ہونگے اور آپ خدائے قہار و جبار کے سامنے کھڑے ہوں گے وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ۔ اور تمام چہرے خدائے حی وقیوم کے سامنے ذلت کیساتھ جھکے ہوئے ہونگے

اور پھر امام وقت حضرت حسن بصریؒ کے اپنے متعلق انکساری اور خلوص سے بھرپور یہ الفاظ:-

"امیرالمومنین! مجھے اعتراف ہے کہ وعظ و نصیحت میں ئیں ارباب دین و دانش کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا مگر اس کے باوجود میں نے آپکو نصیحت کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی اور کوشش کی ہے کہ دین مبین کی سچی روشنی میں امام عادل کے اوصاف و فرائض کو بیان کردوں۔

آخری نصیحت! آپ میرے خط کو اس دوست کا خط سمجھئے جو آپکا معالج ہے اور جو آپ کی ہی صحت کے لئے تلخ و نامرغوب دوائیں استعمال کراتا ہے کیونکہ اُسے یقین ہے کہ آپ کی اخروی صحت و عافیت کے لئے یہی نسخہ مفید ہے۔

السلام علیک یا امیرالمومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

اس خط کو دیکھئے اور تاریخ کی گیلری میں سجے ہوئے شاہانِ محتشم کے مجسموں پر اُن کے اعمال و کردار کے پس منظر میں نظر ڈالتے چلئے۔ پھر دورِ حاضر کے ایوانِ مرمریں میں تشریف لے آئیے۔ کہا جاتا ہے کہ ارتقاء کے غیر منقطع عمل نے انسان کو علم و عقل کے فلکِ ہفتم پر پہنچا دیا ہے اور "جمہوریت" کے مقدس نام سے عدل و انصاف کی وہ نورانی قدریں انسانی معاشرے میں نافذ کردی گئی ہیں جن کا تصور بھی ماضی کا انسان نہیں کرسکتا تھا۔ اِس خوشنما دعوے کے بالمقابل اسلامی تصور انصاف پر مشتمل یہ خط آپ کو سراپا عبرت و عظمت نظر آئے گا اور اگر آپ کے قلب و نظر کو کھوکھلے پروپیگنڈوں نے فاسد نہیں کردیا ہے تو یہ محسوس کرنے میں آپ کے لئے کوئی دشواری نہ ہوگی کہ اسلام نے چودہ سو برس قبل عدل و انصاف کی جن قدروں اور حکمرانی کی جن ذمہ داریوں سے انسان کو روشناس کرایا تھا ان کی بلندی کو آج کی منافقانہ اور بے روح اقدار عدل چھو بھی نہیں سکتیں۔

ایک اہم گذارش

کیا آپ جانتے ہیں کہ "امام بخاری رح نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میں آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں، میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ کے اوپر سے مکھیوں کو ہٹا رہا ہوں"۔ معبّرین نے تعبیر دی کہ رسول اللہ صلعم کی طرف جن جھوٹی حدیثوں کو منسوب کیا جاتا ہے امام بخاری رح اُن کو جدا کریں گے۔ اس خواب نے امام بخاری رح کو بخاری شریف کی تالیف پر کمربستہ کردیا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ امام بخاری رح نے بخاری شریف کو مسجد حرام (بیت اللہ شریف) میں تالیف کیا اور کوئی حدیث الجامع الصحیح (بخاری شریف) میں اُس وقت تک داخل نہیں کی جب تک دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ کر کے اپنے قلب کو مطمئن نہیں کرلیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کتاب میری نجات کا ذریعہ اور حجت ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ امام بخاری نے بخاری شریف کو تین مرتبہ تالیف کیا اور سولہ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ صحیح بخاری میں دس ہزار حدیثیں ہیں جن کو چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ ایک سو ساٹھ کتاب ہیں اور تین ہزار چار سو باب ہیں۔ بہت سے مقتدر علماء سلف کا فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری شریف ہے۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ بخاری شریف ہمارا ایک ایسا مقدس و محبوب سرمایہ ہے کہ جس سے مستفید نہ ہونا ہماری بڑی بدنصیبی ہے اور جس سے روگردانی کرنا ایک عظیم الشان سعادت سے روگردانی ہے۔

ماہنامہ اسلامی دنیا دیوبند نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ ہر سال (بڑے سائز کے) تین سو صفحات اس مقدس کتاب کے اردو ترجمہ کے جناب کی خدمت میں پیش کرے گا اور ساتھ ہی مستند علماء محدثین کی تقاریر سے اخذ کر کے آسان تفہیم بھی پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔

ہم جناب سے درخواست کرتے ہیں کہ اس اہم دینی خدمت میں جناب ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور دعا کریں کہ اس اہم دینی خدمت کے سلسلہ میں ہمیں جن مالی دشواریوں اور قانونی پیچیدگیوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے، رب العزت اپنے فضل و کرم سے اُن کو دور فرما کر ہمیں ہمت و استقامت عطا فرمائے۔ ہمیں خدا کے فضل و کرم سے یہ یقین کامل ہے کہ یہ دینی خدمت انشاء اللہ ہمارے اور آپ کے لئے موجب خیر و برکت اور باعث نجات ہوگی،

اسلامی دنیا کا پہلا شمارہ ماہ جون ۵۹ء کے پہلے ہفتہ میں پیش کیا جارہا ہے جس میں امام صاحب کے احوال مختصراً شائع کئے جارہے ہیں ترجمہ کے علاوہ اسلامی دنیا میں ہر ماہ اہم، دلچسپ اور مفید ترین علمی، ادبی مضامین بھی شائع کئے جائیں گے۔ ماہ جون میں شائع ہونے والے مضامین کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرمائیں:۔ **ارشادات حکیم الامت رح** (ایک مستقل عنوان) **لطائف علمیہ** از امام ابن جوزی رح (مستقل عنوان) **ایک بڑھیا کا مکالمہ** جو ہر بات کا جواب آیات قرآنیہ سے دیتی تھی۔ **حجاج کے دربار میں ایک قیدی** ایک تابعی کا قتل کئے جانے سے پہلے عبرت انگیز مکالمہ۔ **خندۂ گل** (مستقل عنوان) بعض خبروں پر دلچسپ تبصرہ اقسام ریا۔ امام غزالی رح کے ایک اصلاحی مضمون کا ترجمہ۔ **حدیث کی تعریف، اہمیت و ضرورت اور تدوین** (از جناب امین احمد مصری) **عورت اور مرد کا نفسیاتی مطالعہ**۔ کیا عورت ایک معمہ ہے جس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا اور مرد ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے جس کو عورتیں ایک نظر میں آسانی سے پڑھ سکتی ہیں؟ (ایک یورپین خاتون کا مقالہ)

امید ہے کہ آپ آج ہی اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے اور زیادہ سے زیادہ خریدار بنا کر اسلامی دنیا کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ جن حضرات کو ہمارے بیان کی صداقت میں شبہ ہو وہ نمونہ **مفت** طلب فرما سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ:۔ پانچ روپے **فی پرچہ:۔** آٹھ آنے

پتہ:۔ ماہنامہ اسلامی دنیا دیوبند۔ یو۔ پی (انڈیا)	پاکستانی اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرما کر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں:۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ فریر روڈ۔ کراچی۔

ایک خط اور جواب خط

یہ ایک دلچسپ خط اور اس کا جواب ہے جو خط "سیاست" میں شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر سید حبیب احمد نے جواب بھی "سیاست" ہی کو بھیجا تھا لیکن یہ شائع نہیں کیا گیا تب انہوں نے تجلی کو ارسال فرمایا۔ اپنی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے اس کی اشاعت اخبار ہی میں موزوں ہوتی لیکن صرف اس بنیاد پر اسے تجلی میں شائع کرنا گوارا کیا گیا ہے کہ اس کا خاصا تعلق قرآن سے ہے چشم عبرت سے دیکھئے کہ قرآن کو اپنے مفادات و خواہشات کا کھلونا بنانے میں ہمارے بعض بھائی کس قدر بے تکلف ہو چکے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے ایک ایک لفظ کی تفسیر کے لئے ہمارے اسلاف ارشاداتِ رسولؐ فرموداتِ صحابہ اور اقوال ائمہ کی تلاش و تحقیق میں دن رات ایک کر دیتے تھے اور پھر بھی قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ڈرتے تھے کہ فلاں آیت کا حقِ تحقیق ہم نے ادا کر دیا ہے آج وہ زمانہ ہے کہ قرآن کی زبان تک سے ناواقف، احادیث سے بے خبر، تفاسیر سلف سے بے بہرہ اور علم دین سے عاری لوگ احتساب آخرت کے اندیشے سے بے خوف ہو کر اپنے طبعزاد خیالات و دعاوی کی تائید میں جس آیت کو چاہے بلا تامل کھینچ لاتے ہیں اور کوئی نہیں جو ان کے منھ میں لگام دے۔ اب مراسلہ نگار ہی کو دیکھئے کہ وہ کپڑا بننے والوں کے اختیار کردہ ناموں "مومن" اور "انصار" کی تائید و تصویب میں قرآن اٹھا لائے۔ اور پچھلے بازمقرروں کی طرح ثابت کرنا شروع کر دیا کہ ہمیں یہ نام تو اللہ اور رسولؐ نے دیئے ہیں! ہمیں اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کہ لفظ "جولاہا" سنسکرت سے آیا ہے اور یہ ہندوؤں میں نیچ برادری کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ہماری عین تمنا ہے کہ اس خطاب سے اگر پارچہ بافوں کو تکلیف ہوتی ہے تو اسے ترک کر دیا جائے اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ کوئی بھی جائز پیشہ عند اللہ باعثِ ذلت نہیں ہے حتیٰ کہ ایک ایماندار جوتے گانٹھنے والے کو ہم اس بے ایمان جنرل مرچنٹ سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا سوٹ پہنے اپنی عالی شان دکان پر بیٹھا ہے۔ لیکن پارچہ بافوں کو بھی یہ سوچنا چاہئے کہ ان کے اختیار کردہ دونوں ہی نام ایسے ہیں کہ بعض مسلمانوں کا ان سے متوحش اور بد مزہ ہونا قدرتی ہی ہے۔ "مومن" ہر صاحب ایمان کو کہتے ہیں۔ یہ گروہوں طبقوں اور پیشوں کی ترجمانی نہیں کرتا بلکہ ایک خاص عقیدے اور تصور حیات کا اعلامیہ ہے۔ کوئی خاص گروہ اگر اپنے پیشے کے دائرے میں اسے محدود کرنے کی کوشش کرے گا تو جذباتی قسم کے مسلمانوں کو بدمزہ ہونا ہی چاہئے۔ "انصار" ایک خاص گروہ کا لقب ہے جس نے صدر اول میں خدا کے دین اور پیغمبرؐ کی خاص الخاص مدد کی تھی۔ اس لقب کی مسلمانوں کی نگاہ میں بڑی عظمت ہے۔ یہ نہایت بیش بہا نعمتوں کا امین ہے، اس کی پیشانی پر تاریخ کا مقدس پس منظر سونے کے حرفوں میں ثبت ہے۔ کوئی ایسا گروہ جسے موجودہ معاشرے میں پس ماندہ خیال کیا جاتا ہو اگر اس مقدس لقب کو اپنا طرۂ امتیاز بنا لے تو بعض مسلمانوں کا یہ سوچنا غیر فطری نہ ہوگا کہ اس پاکیزہ لقب کی مٹی پلید کر دی گئی ہے۔

اسے بچکانے پن کے سوا کیا کہیں کہ مراسلہ نگار پارچہ بافوں کا نسلی جوڑ حضرت ابوایوب انصاری سے لگا کر اپنے "انصاری" ہونے کا جواز دکھلا رہے ہیں۔ کند ذہنوں کے سوا ہر شخص اس طفلانہ منطق پر ہنس دے گا۔ اس کا تو مطلب

یہ ہوا کہ اگر میں آج سے کپڑا بننا شروع کردوں تو اگلی ایک دو پشتوں بعد میرا بھی سلسلۂ نسب حضرت ایوب انصاری رضؓ سے جا ملیگا! یا للعجب۔ انھیں سمجھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ایوبؓ کو "سید الانصار" اس لئے نہیں کہا تھا کہ وہ کپڑا بنتے تھے۔ اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ انصاریوں میں تاجر، مزدور، پیشہ کسان اور صنعت و حرفت سے دلچسپی رکھنے والے سبھی شامل تھے۔ "انصاریت" کا شمہ برابر تعلق کسی پیشے یا روزگار سے نہیں رہا بلکہ وہ تو اُن خصوصی خدمات سے متعلق تھی جو اصحاب مدینہ نے آزمائش کے ایک نازک ترین مرحلے میں انجام دی تھیں۔

ایک ذیلی تفسیر کی مدد لیکر قرآن سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بھی محض ہوائی ہے۔ فرض کیجئے ایک نبی کسی موقعہ پر چند آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے یہ میرے دوست ہیں۔ اتفاق سے یہ آدمی کھیتی کرتے تھے۔ اب کیا آپ اس شخص کو ہوشمند کہیں گے جو دنیا کے ہر کاشتکار کو "نبی کا دوست" کہکر پکارے اور دلیل یہ دے کہ نبی نے جن آدمیوں کو اپنا دوست کہا تھا وہ کاشتکار ہی تھے! —— ٹھیک ایسا ہی استدلال مراسلہ نگار کا ہے۔ پوری تنقید تو ڈاکٹر سید حبیب احمد نے کردی ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمان بھائیوں کو قرآن و سنت کے بارے میں سطحی اور غیر ذمہ دارانہ خوش فعلیاں کرکے اپنی دنیا اور آخرت کو مزید برباد نہیں کرنا چاہیئے۔ ویسے پارچہ باف حضرات خوب جان لیں کہ سماج میں ان کی جو بھی حیثیت ہے اسے محض خوبصورت ناموں سے نہیں بدلا جاسکتا۔ معزز ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ وہ اپنی حالت میں مفید تبدیلیوں کی سعی کریں۔ اپنے کردار و افعال کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں۔ اپنی اولادوں کو تعلیم دلائیں اپنے رہن سہن کو اسلامی طہارت، صفائی اور پرکشش سادگی کی سطح پر لائیں۔ اپنی اُن خامیوں کو دور کرنے کی جدوجہد کریں جن کے ہوتے ہوئے موجودہ سماج انھیں کبھی بلند مرتبہ نہیں دے سکتا اور پھر دیکھیں کہ خوشنما ناموں کے بغیر ہی وہ کس طرح معزز اور بلند حیثیت ہو جاتے ہیں۔ پیشہ کوئی ذلیل و حقیر نہیں ہے۔ ذلیل و حقیر وہ خصوصیات ہیں جو جہالت، افلاس بری صحبت اور پست ماحول کے قدیم عوامل نے بعض پیشوں کو نسلاً بعد نسل ورثہ میں دی ہیں۔ ان لائق اعتراض خصوصیات کو دور کیجئے جب یہ پیشے بھی ناقابلِ اعتراض بنجائیں گے۔ (عامر عثمانی)

مومن انصار برادری کو جولاہہ کہنا مناسب نہیں ہے

(خط شائع شدہ روزنامہ سیاست جدید کانپور مؤرخہ ۱۹ جنوری ۱۹۵۹ء)

میری توجہ ۲۹ دسمبر کے پانیر میں شائع شدہ ایک بیان کی جانب مبذول کرائی گئی ہے جسمیں مومن انصار کی میٹنگ کی بابت تنقید کرتے ہوئے مومن اور انصار برادری کو مسلمان جولاہے اور مسلم پارچہ باف کہا گیا ہے میں ہرگز اس بات پر اعتنا نہ کرتا اگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں میں نہ کبھی کوئی جولاہا نامی قوم تھی نہ آئندہ کبھی ہوسکتی ہے۔ یہ خطاب تو بعض کرم فرماؤں کا عطا کردہ تحفہ ہے جو اپنے بھائیوں کی تحقیر کرنے کے لئے استعمال فرمایا جارہا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ لفظ جولاہا سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو ہندو جاتیوں میں اس نیچ برادری کیلئے بطور تحقیر استعمال ہوتا ہے جنکو دیوتاؤں یا رشیوں نے سراپ یعنی بددعا دی تھی کیونکہ سنسکرت میں جل بمعنی جلکر بھشم اور آہا بمعنی بولتا یا کہنا کے ہیں اور یہ لفظ دونوں سے مرکب ہے۔

ہم خود کو مومن و انصار اصطلاحًا نہیں بلکہ حقیقتًا استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ خصوصیت سے قرآن کا عطا کردہ خطاب ہے۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں آدم ثانی حضرت نوحؑ کے جواب میں کفاران کا قول یہ تھا کہ (ہم تجھپر کیسے ایمان لائیں تیرے متبع تو رذیل لوگ ہیں) حضرت مجاہد ابن جبیر مخزومی مکی محدث و مفسر فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام پر سب سے پہلے پارچہ باف ایمان لائے تھے اور ان ہی کو مشرکین نے رذیل کہا تھا جس کے جواب میں حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ (ان مومنوں یعنی پارچہ بافوں کو میں علیٰحدہ کرنے والا نہیں) اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی حضرت نوحؑ کو یہی حکم دیا کہ (مومن یعنی پارچہ بافوں کو اپنے سے علیٰحدہ مت کرنا)

چنانچہ اسی خطاب کی بنا پر ہم اپنے کو مومن کہتے ہیں ورنہ یوں تو اس لفظ میں ہر وہ شخص جو اللہ رسولوں فرشتوں آسمانی کتابوں اور حشر ونشر وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے داخل ہے۔ اسی طرح عام طور پر انصار جمیع اہل مدینہ کو کہا گیا ہے جنھوں نے اسلام کی اعانت فرمائی ہے لیکن چونکہ ہمارے مورث اعلیٰ جناب حضرت . . . ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصیت سے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الانصار کا خطاب مرحمت فرمایا ہے۔ نیز پیشہ ومذہبی شغف رکھنے کے سبب بھی اس نسلی خطاب میں ہم خود کو انصار کہتے ہیں نہ کہ اصطلاحاً۔

اس بات کو نیاز مند نے چشمۂ بصیرت نامی کتاب میں عرض کیا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو دفتر سنی مومن کانفرنس رسی بٹان لکھنؤ سے طلب فرمالیں۔ مبلغ پانچ روپے میں بیس کتابوں کے علاوہ پانچ کتابیں مزید بطور تحفہ دی جاتی ہیں (ڈاکٹر ننھے میاں ریٹائرڈ انڈر افیسر صدر سنی مومن کانفرنس دفتر ۹۷ محلہ رسی بٹان لکھنؤ۔

جواب۔

"درخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۹ء:۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم

اخبار سیاست جدید بابت ۱۹ر جنوری ۱۹۵۹ء زیر عنوان مراسلات: ڈاکٹر ننھے میاں صاحب کا مراسلہ نظر سے گذرا جس میں موصوف نے پارچہ بافوں کیلئے لفظ مومن وانصار استعمال کئے جانے کی وکالت فرمائی ہے۔ چونکہ راقم الحروف کے نزدیک مراسلہ نگار نے قرآن کریم اور حضرت نوح وعلیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استہزا کی کوشش کی ہے اس لئے یہ چند سطور اپنا ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے لکھ رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے موقر روزنامہ میں اس کے لئے بھی تھوڑی سی جگہ ضرور نکالیں گے۔ پارچہ باف حضرات اگر لفظ "جولاہہ" ناپسند کرتے ہیں تو اپنے لئے جو لفظ خوبصورت سمجھیں اختیار کریں لیکن قرآن کریم سے تمسخر کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ مقدس پر اتہام لگانے کا اختیار ہرگز انھیں حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ "مسلمانوں میں نہ کبھی جولاہہ نام قوم تھی نہ آئندہ کبھی ہو سکتی ہے" ایسا ہی ہے جیسے وہ یہ فرما دیتے کہ آفتاب نامی کوئی سیارہ آسمان پر نہ کبھی تھا نہ آئندہ کبھی ہو سکتا ہے۔ موصوف کو غالباً یہ معلوم نہیں ہے کہ زمانۂ حال کے فلسفہ کے مطابق تو خود مسلمان ہی نام کی کوئی "قوم" ہندوستان میں اپنا وجود نہیں رکھتی۔

حضرت مجاہد ابن جبیر کا یہ قول کہ حضرت نوح علیہ السلام پر سب سے پہلے پارچہ باف ایمان لائے تھے ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ حضرت نوح پر ایمان لانے والے صرف پارچہ باف ہی تھے؟ اگر ایک محدث ومفسر ہی کا قول حجت بن سکتا ہے تو میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح کی تحریر کردہ مشہور زمانہ تفسیر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ موصوف قرآن کریم کے صفحہ ۲۹۰ پر سورۂ ہود کے تفسیری نوٹ ع۶ میں لفظ "اراذلنا" بمعنی ہیچ قوم کی تشریح فرماتے ہوئے کفار کے الفاظ کا حاصل یوں تحریر فرماتے ہیں: "بھلا ان موچیوں اور حجاموں کا تابع ہو جانا آپ کے لئے کیا موجب فضل وشرف ہو سکتا ہے"۔

مراسلہ نگار کے طرز استدلال کے مطابق اس کا یہ مطلب ہوگا کہ کفار نے موچیوں اور حجاموں کو رذیل کہا تھا نہ کہ جولاہوں کو۔ اسی طرح حضرت نوح کا فرمانا کہ "میں ان مومنوں کو علیحدہ کرنے والا نہیں" اس میں بھی لفظ مومن دیگر پیشہ وروں کے ساتھ حجاموں اور موچیوں پر بھی محیط ہوگا ورنہ مراسلہ نگار صاحب یہ بتائیں کہ اگر لفظ "مومن" سے حضرت نوح کی مراد صرف پارچہ بافوں سے تھی تو آپ نے دیگر پیشہ ور لوگوں کے لئے کونسا لفظ استعمال فرمایا تھا؟ اسی سلسلہ میں مولانا علیہ الرحمہ کی تفسیر میں ص۴۸۱ پر سورۂ شعراء کا تفسیری نوٹ ع۶ ملاحظہ فرمایا جائے جہاں حضرت نوح کے جواب میں آئے ہوئے لفظ مومن کی تشریح "غریب ایماندار وں" سے کی گئی ہے۔ مراسلہ نگار نے فقرہ "ان مومنوں یعنی پارچہ بافوں کو میں علیحدہ کرنے والا نہیں" یعنی پارچہ بافوں" کے الفاظ اپنی طرف سے لگا کر حضرت نوح کے منشا ومفہوم کو نہایت شرمناک طور پر مسخ کیا ہے اور یہی دیدہ

دلیری حضرت حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ مراسلہ نگار نے فرمائی ہے جیسا کہ آگے چل کر لکھا ہے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ نے کبھی حضرت نوح ؑ کو یہ ہی حکم دیا کہ "مومن یعنی پارچہ بافوں کو اپنے سے علیحدہ مت کرنا" کیا مراسلہ نگار کا گمان یہ ہے کہ نعوذ باللہ مراد ایزدی یہ تھی کہ حضرت نوح ؑ خصوصیت سے پارچہ بافوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھیں خواہ دوسرے پیشہ وروں کو اپنے سے علیٰحدہ کردیں؟ کیا موصوف علمائے سلف میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہیں جس نے یہ انکشاف کیا ہو کہ حضرت نوح سے متعلق قرآنی بیانات میں لفظ مومن ایک خاص پیشہ رکھنے والے طبقے کے لئے آیا ہے اور بقیہ سارے قرآن میں جہاں جہاں یہ لفظ موجود ہے وہاں مراد ومنشاء اس سے مختلف ہے۔

اور آگے چلئے۔ لفظ انصار کے تحت جو کچھ سپرد قلم فرمایا گیا ہے افسوس کہ تاریخ اس کی تائید نہیں کرتی۔ اس پیچیدہ سوال سے قطع نظر کہ ہندوستان کے پارچہ بافان واقعی سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری ؓ سے نسلی قرابت رکھتے ہیں یا نہیں، یہ یقینی ہے کہ پیشے کا تعلق ہرگز نہیں ہے۔ انصار مدینہ کا پیشہ پارچہ بافی نہ تھا بلکہ کاشتکاری تھا جس کے ثبوت میں سیرت النبی ؐ جلد اول ص۲۹۹ ملاحظہ ہو جہاں زیریں نوٹ ع۱ میں علامہ شبلی ؒ رقمطراز ہیں کہ:-

"صحیح روایتوں میں مذکور ہے کہ جب ابوجہل انصار کے ہاتھ سے مارا گیا تو مرتے وقت اس نے کہا کاش مجھکو فلاحون (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا۔ انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا۔"

رہا مذہبی شغف کا تعلق (بالفاظ مراسلہ نگار) تو مذہبی شغف کوئی جائداد نہیں ہے جو باپ سے بیٹے کو منتقل ہوا کرے نہ اس کا دائرہ کسی خاص پیشے یا گروہ میں محدود ہے۔ دور کیوں جائیے خود حضرت نوح ؑ کے خاندان میں مثال موجود ہے۔

غالباً سچ بات وہی ہے جو فاضل مراسلہ نگار نے اپنے مراسلہ کے پیراگراف ۲ میں لکھی ہے یعنی لفظ جولاہا سنسکرت کا لفظ ہے جو بعض ہندو جاتیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو نیچ سمجھی جاتی تھیں۔ موصوف کو حضرت ابو ایوب ؓ کے سیدالانصار ہونے کا لاحاصل سہارا نہ لینا پڑتا اگر وہ یہیں سے اتنا اور سمجھ لیتے کہ ان جاتیوں کا پیشہ شاید پارچہ بافی رہا ہوگا اور یہی ہندو جاتیاں جب نیچ سمجھے جانے کی قباحتوں سے عاجز آگئی ہوں گی اور مسلمان سلاطین کے عہد حکومت میں اسلام قبول کرلیا ہوگا تو اس تبدیلیٔ مذہب کے باوجود دوسروں نے ان کو جولاہا کہنا نہ چھوڑا ہوگا۔ اس طبقے میں سے جو لوگ قبول اسلام کی نعمت سے محروم رہ گئے ہوں گے ان کی اولاد در اولاد آج بھی دیہاتوں میں پارچہ بافی کرتی نظر آتی ہے اور ان کا جو اسٹیٹس (   ) ہے وہ ظاہر ہے۔ زمانۂ سابق میں پارچہ بافی کے پیشے کا حقیر سمجھا جانا اس سے بھی ثابت ہے کہ حضرت نوح ؑ کے وقت میں بھی کفار نے دیگر پیشہ وروں کے ساتھ پارچہ بافوں کو بھی ذلیل کہا تھا جیسا کہ جناب مجاہد ابن جبیر کے قول سے واضح ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں مراسلہ نگار کی جدت طبع کا یہ کمال قابل داد ہے کہ انھوں نے "سیدالانصار" کے خاص ذاتی خطاب کو نسلی قرار دیکر تمام پارچہ بافوں کو اسمیں سے حصہ بانٹنے کی سخاوت فرمائی ہے۔ اب اس کے بعد صرف یہی کسر باقی ہے کہ کسی دن بہانگ دہل یہ اعلان کر دیا جائے کہ سورۂ مومن فقط پارچہ بافوں کی شان میں نازل ہوئی ہے العیاذ باللہ۔ (ڈاکٹر سید حبیب احمد۔ بسواں ضلع علی گڑھ)

کھرے کھوٹے

تبصرے کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

حیاتِ اقبال

سہارنپور کے ایک شاعر تھے منشی نیاز احمد صاحب اقبال یہ ۴۸ صفحے کی دیدہ زیب کتاب ان کے مختصر سوانح، ایک نعت اور دو مرثیوں پر مشتمل ہے۔ مرثیہ نگار ہیں ان کے شاگرد اور جانشین جناب عبد الشکور صاحب شاکر سہارنپوری۔ اچھا نہیں لگتا کہ ایک غمزدہ ماتم گسار کے اندازِ ماتم اور طرزِ شیون کا فنی تجزیہ کرکے اس کے نازک احساسات کو ٹھیس لگائی جائے۔ غالب ٹھیک ہی کہہ گئے ہیں

نالہ پابندِ نے نہیں ہے
فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

مجمل تبصرہ یہ ہے کہ شاکر صاحب کا مرثیہ ہی نہیں منثور سوانح بھی بس شاعری ہی ہے۔

استاد کی مدح کا کوئی حق نہیں ہے جسے انہوں نے پوری فراخدلی سے ادا نہ کیا ہو اور بھاری بھرکم فقروں میں "ذرہائے سمندرِ فن" جیسے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ کاش شاکر صاحب اس سادہ سی حقیقت کو محسوس کرتے کہ نوحہ اگر وقار و سنجیدگی کی حدوں سے گذر جائے تو عورتوں کا بین بن جاتا ہے۔ قافیہ پیمائی کی ایک طویل کوشش کی بجائے اگر وہ اپنے غم و اندوہ کو ایک خوبصورت سی مختصر نظم کے قالب میں ڈھالتے تو بات کچھ سنجیدہ ہو جاتی۔ انیس و دبیر جیسی بوالفضولی کی پیروی خدا جانے انھیں کیوں بھائی۔ کمال یہ ہے کہ مرثیے کا ایک بڑا حصہ ایسا فراخ دامن ہے کہ چاہے اسے کسی روایتی محبوب کی موت یا جدائی پر منطبق کر لیجئے یا کسی آسمانی آفت اور کسی بھی نوع کے حادثے پر ڈھال لیجئے۔ اس سے قطع نظر بس چند اشعار کو چھوڑ کر دونوں مرثیے آورد ہی آورد ہیں کتنے ہی الفاظ بے جگہ استعمال ہوئے ہیں مثلاً ذیل کے مصرعوں میں

آمادۂ ستم فلکِ بد شعار ہے
ملتا نہیں قرار کسی دم کے واسطے
چھائی ہوئی ہیں سر پہ گھٹائیں عذاب کی
غم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں سر پہ پے بہ پے
پژمردگی نے توڑ دیں کلیوں کی گردنیں
ہر راہ بند ہوگئی، ہے ہے فیوض کی
تھا نعت گوئی شغل ہر دم شب بیگاہ

خط کشیدہ الفاظ غلط طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

کتاب کو بڑے سلیقے سے چھاپا گیا ہے جو استاد کی قدر شناسی کا اچھا نمونہ ہے مگر اس کی افادیت ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ خود ناشر کے ذہن میں کوئی افادیت ہو تو وہ جانیں ناشر ہیں:- اراکینِ بزمِ تجلی۔ سہارنپور۔ قیمت درج نہیں ہے۔

ہماری شہنشاہی

اس کتاب میں جناب محمد عطاء اللہ خاں عطار نے تمام خلفاء اور مسلمان بادشاہوں کے جستہ جستہ تاریخی حالات جمع کئے ہیں اس کی فصل اول تو اس پہلو سے ایک خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ یہ

ایک نایاب قلمی کتاب سے ماخوذ ہے۔ مؤلف نے دیباچے میں بہت عمدہ بات کہی کہ عیاشی، غفلت، نااتفاقی، خود غرضی، لہو ولعب اور خانہ جنگی میں تو ہم خود گرفتار ہوئے اور اپنی نامرادیوں کا الزام دینے بیٹھ گئے دوسروں کو۔

کتاب کے آخر میں ہندوستان کی جنگ آزادی اور قیام پاکستان وغیرہ کے مختصر حالات کے علاوہ خاص طور سے پاکستان کے جغرافی، زراعتی، سیاسی اور سماجی حالات کا بھی کچھ تذکرہ ہے۔ کتاب تاریخی لحاظ سے کافی مفید ہے تاہم حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے باب میں ان کا مطالعہ عمومی سطح سے بلند نہیں۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ حضرت علی نے کوئی نمائندہ امیر معاویہ سے بیعت لینے نہیں بھیجا تھا بلکہ مطالبۂ بیعت سے پہلے ہی انہیں معزول کر کے ان کی جگہ سہیل بن حنیف کو گورنر بنا کر بھیج دیا تھا۔ خوارج کے ذہن اور نیت کے بارے میں یہ طرزِ اظہار بھی منصفانہ نہیں ہے کہ

"ان کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں میں تفرقہ قائم رہے" (۹۲)

خوارج کے معتقدات کتنے ہی غلط ہوں اور ان کے انداز فکر کو آپ کتنا ہی گمراہ کن قرار دیں لیکن ان کی نیت پر قطعیت سے حکم لگانا بے دلیل ہے۔ ان کا مقصد تفرقہ قائم رکھنا نہ تھا بلکہ اپنی سمجھ بوجھ کی حد تک وہ اس ہولناک تفرقہ کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے خوں آشام جبڑوں میں حضرت عثمانؓ جیسے پاکباز خلیفہ کا لہو جذب ہو چکا تھا۔ ہمیں حق ہے کہ دلائل کے ذریعہ خوارج کو احمق، جلد باز، نامعقول اور جذباتی ثابت کریں لیکن یہ حق نہیں کہ ان کی نیت اور دلی مقاصد کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں۔

حیرت ہو گئی شہنشاہ اکبر کے حالات میں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان کا تذکرہ والا وہی شخص ہے جو کتاب کے دیباچے میں ایک اسلامی انداز کا خطبہ دے گیا ہے اور اسلامی دردمندی کی تصویر بنا ہوا ہے۔

"اکبر مذہبی تعصب سے بالکل آزاد تھا" (۱۹۹)

یہ تو آج کی زبان میں شاندار تعریف ہو گئی۔ پھر آگے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی تعریف ہی کے سیاق میں ہے۔ ابوالفضل اور فیضی کی فراخدلانہ توصیف اس تعریف کو اور بھی مضبوط کر گئی ہے۔ گویا خدا کا باغی اور دنیاوی مفادات کا غلام اکبر مؤلف کے نزدیک بیزاری اور تأسف کی بجائے سراہنے کا مستحق ٹھیرا اب اس پر ہم کیا تبصرہ کریں۔

مؤلف کی تلاش و کاوش قابلِ تعریف ہے لیکن اس پر نظرِ ثانی ہونی چاہئے۔ صفحات ۲۲۴۔ قیمت مجلد دو روپے دس آنے۔

شائع کردہ: محمد سعید اینڈ سنز۔ قرآن محل۔ مقابل مولوی مسافر خانہ۔ کراچی۔

مومنات

مرتبہ: مولانا عبدالقیوم ندوی۔

ناشران: محمد سعید اینڈ سنز۔ مقابل مولوی مسافر خانہ۔ کراچی ۱۔ ● صفحات ۲۲۲۔ قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ

اس کتاب میں ویسے تو ازواج مطہرات، صحابیات اور دنیائے اسلام کی خواتین کے زہد و تقویٰ، فقر و قناعت، عبادات، علمی مشاغل، ایثار، ہمدردی اور جرأت و شجاعت کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جو ظاہر ہے ایمان افروز ہی ہونے چاہئیں لیکن "عورت" اور "نسوانیت" کے بارے میں مرتب کا طرزِ فکر نہ صرف سطحی اور غیر مربوط ہے بلکہ اسلامی طرزِ فکر سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہمارے نزدیک ان کی کتاب بحیثیتِ مجموعی نہ ایمان افروز ہے نہ سبق آموز۔ بلکہ خواتین کی ذہنی رَو کو خواب و خیال کی وادیوں میں بھٹکانے والی ہے۔

ابتدا کے ۸ صفحات خاصے اچھے ہیں جن میں عورت کے بارے میں اسلام اور دیگر مذاہب کے اندازِ فکر اور احکام وغیرہ کا تقابل کیا گیا ہے۔ پھر وہ سب صفحات بھی ایمان افروز ہی ہیں جن میں صدرِ اول کی محترم خواتین کے جستہ جستہ کوائف دیئے گئے ہیں لیکن انہیں بعض غیر مستند روایات پر بھی اعتماد کر لیا گیا ہے اور پھر جو بعد کی کچھ خواتین کے تذکرے آئے ہیں تو پچھلا سارا تاثر برباد ہو گیا ہے۔ عورتوں کے بارے میں مرتب کی مبالغہ پسندی کے دو نمونے یہ ہیں۔

"اسلام میں اگرچہ ایسی صدہا خواتین پیدا ہوئیں جنھوں نے نورِ نبوت سے منور ہو کر سارے

عالم کو اپنی علمی اور عملی کرنوں سے جگمگایا اور چمکایا ہے۔"
یہ محض شاعری ہے اور اس سے بڑھ کر شاعری آگے ہے۔

"یوں تو اس پانی اور مٹی والے جہان میں بے شمار
خواتین ایسی پیدا ہوئیں جنھوں نے اپنی شجاعت
اور بہادری سے دنیا کے قوانین بدل دیئے،
حکومتیں الٹ دیں اور ایسے ایسے کارنامے
کئے جو بڑے بڑے بہادروں اور شجاعوں سے
ناممکن تھے ....." ص ۹

یہ کہنا غیر ضروری ہی ہوگا کہ اس طرح کی بے مغز باتیں اچھی سے اچھی کتاب کو بے حیثیت بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔ تماشا ہے مرتب نے اُن شہزادی گیتی آرا بیگم کو بھی بڑے شدومد سے ایک مثالی عورت ثابت کیا ہے اور ان کے اسوے کو "اسلام کے قدم بقدم" فرمایا ہے جن کا کہنا یہ تھا کہ

"عورت کے لئے ازدواجی زندگی قہر الٰہی ہے"۔

پھر جنھوں نے مدلل طریقے پر عورتوں کو آزاد زندگی گذارنے اور کنواری رہنے کا درس دیا ہے!

آگے چلکر معلوم ہوا کہ مرتب کے فرمودات پر سنجیدہ تبصرہ بیکار ہی ہے۔ انہوں نے تو عورت اور اس کے کمال و زوال کے دائروں پر نظر ڈالنے میں علمی سنجیدگی اور فکری ثقاہت سے کام لینا ہی پسند نہیں کیا۔ صفحہ ۱۰۳ پر ہے

"عورت کی انسانیت کاملہ کا ایک اور ثبوت بھی ہے جو اخبارات کی زبان سے سنا جاتا ہے کہ امریکہ کی نمائش نسوانی مصنوعات کی وجہ سے ترقی پر ہے"!

کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ فقرے خود مصنف کے ہیں یا کسی اور کے بہرحال یہ بطور استدلال پیش ہوئے ہیں۔ اس سے کچھ قبل یہ بھی ہے۔

"سیدہ مُمزنہ جن کی نغز آواز پر عبد الرحمٰن
بن ثالث خلیفہ اموی والہ و شیدا تھے قوانین
موسیقی سے تمام و کمال واقف تھیں"۔

یہ سب مرتب کے خیال میں تاریخ کے سنہری صفحات کے زریں نقوش ہیں! اب ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ مرتب "مولانا" ہونے کے باوجود عورت کے بارے میں اسلام کے حقیقی زاویۂ نظر سے بے خبر اور رائج الوقت تصورات سے بے طرح متاثر ہیں۔ وہ ترقی، کمال اور اسی نہج کے دوسرے الفاظ کو زمانۂ حاضر ہی کی نظر فریب لیکن فاسد تعبیرات کے پیمانوں میں ڈھال کر "عورت" کے زوال و کمال کا جغرافیہ پڑھا رہے ہیں اور اسلام بیچارہ کھڑا حسرت سے تک رہا ہے۔ (عامر عثمانی)

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ

مرتبہ خلیق احمد نظامی۔ (استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

سائز ـــــ صفحات ۲۱۲۔ مجلد مع سادہ و پاکیزہ گردپوش
قیمت: چار روپے پچاس نئے پیسے۔
شائع کردہ:- ندوۃ المصنفین۔ جامع مسجد دہلی ۶

۱۸۵۷ء کے تاریخی ہنگامہ پر جو روزنامچے موجودہ نسل تک پہونچے ہیں اُن میں ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کے الفاظ میں عبد اللطیف کے اس روزنامچہ کو "خاص اہمیت حاصل ہے"۔ اصل روزنامچہ فارسی زبان میں ہے۔ اسکا اردو میں ترجمہ۔ حواشی اور ایک جامع و مانع مقدمہ کے ساتھ خلیق احمد خانصاحب نظامی نے اردو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کا پیش لفظ پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے لکھا ہے۔ انہوں نے اس پیش لفظ میں ٹھیک ہی لکھا ہے کہ خلیق احمد خانصاحب نظامی نے "ایڈیٹنگ کی ذمہ داریوں کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ پورا کیا ہے"۔

۱۸۵۷ء کا تاریخی تلاطم" تاریخ ہند کا ایک غیر معمولی نشان راہ ہے۔ سیاسی آزادی کے تمام مستقبل کے افسانے ماضی کے اسی افق سے نمودار ہوتے رہے۔ لیکن اس داستان کشمکش کی مکمل تفصیلات موجود نہیں انگریزوں کے جوابی مظالم اور ۱۸۵۷ء کے بعد "دہشت راج" مورخ کے زبان و قلم پر سنگین پہرے لگے ہوئے تھے۔ اس داستان کی بکھری ہوئی کڑیاں ضرور ادھر ادھر ملتی ہیں جن کو جوڑ کر مکمل کہانی ترتیب دینے کی ہر کوشش ایک تاریخی کوشش کا مقام رکھتی ہے۔

ندوۃ المصنفین جیسے رفیع ادارہ نے یہ کتاب پیش کرکے ملک کے ایک اہم تقاضہ کو پورا کیا ہے۔ مواد، نوعیت ترتیب و طباعت ہر لحاظ سے یہ پیش کش قابل قدر ہے۔

(شمس نوید)

ہمارے نغمے حصہ اول و دوم
صفحات ۴۸ قیمت ۸/ حصہ ۶/

ہماری نظمیں حصہ اول و دوم
صفحات ۳۲ — ۴/

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ رامپور۔ یو۔پی۔

بچوں کے لئے اچھی نظموں کے یہ دونوں انتخاب درسگاہ جماعت اسلامی رامپور کے ناظم جناب افضل حسین ایم اے ایل ٹی نے پیش کئے ہیں۔ "ہمارے نغمے" لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہیں اور "ہماری نظمیں" چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے —— دونوں میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایسی نظمیں ہی منتخب کی جائیں جن کو پڑھ کر بچوں اور لڑکوں کے معصوم دل و دماغ پر صحت مند اور صالح اثرات مرتب ہوں۔ مجموعی حیثیت سے یہ انتخاب بہت مفید اور دلچسپ ہیں نظموں کے ادبی اسلوب بچوں کے نقطۂ نظر سے محل نظر ہیں۔

اکثر نظموں میں براہ راست نصیحت کا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ بچوں کا دماغ جن چیزوں سے مانوس ہوتا ہے ان ہی چیزوں کی راہ سے جو پیغام دیا جاتا ہے وہی ان کی فطرت فطری انداز میں قبول کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ عام خیالات کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ الفاظ کا تلفظ ٹھیک ہے یا نہیں ابوالمجاہد کی نظم میں بچہ کی جگہ "بچو" بروزن "لٹو" لغوی اعتبار سے غلط ہے۔ اسی طرح کوثر اعظمی کی نظم "شرفو" میں شرفو غریب بچہ۔ اک دن چلا مدرسہ۔ یہاں مدرسہ کا تلفظ "مدرستے" ہونا چاہئے۔ مگر اس صورت میں وہ "بچہ" کا قافیہ نہ رہیگا؛ مجموعی اعتبار سے ان انتخابات میں بڑی گہری افادیت ہے جس سے مدارس اسلامیہ کو خاص طور سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

(شمس نوید)

THUS SAID OUR HOLY PROPHET (قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۴ صفحات —— بلا قیمت برائے اشاعت حدیث ——

پیش کردہ منجانب:۔ انجمن خدام النبی۔ بمبئی۔

انگریزی زبان میں احادیث کا یہ "پاکٹ سائز" انتخاب جو پاکیزہ طباعت اور چکنے کاغذ پر انجمن خدام النبی کی طرف سے مفت پیش کیا گیا ہے نہایت قابل قدر چیز ہے۔ مختصر احادیث اور موضوع کی ترتیب کے حسن نے مجموعہ کی افادیت کو آسان کر دیا ہے۔ انگریزی ترجمہ بھی بہت پاکیزہ ہے۔ عنوانات کتابچہ میں ایک عنوان حدیث کے نقطۂ نظر سے بہت "اجنبی" محسوس ہوا۔ اور وہ ہے "سروِدے" سروِدے اپنے مفہوم کے لحاظ سے کوئی بری چیز نہیں بلکہ بہترین مفہوم رکھتی ہے۔ لیکن یہ اصطلاح سیاسی دنیا میں ایک خاص بھارتی مفہوم بھی رکھتی ہے۔ حدیث کے تحت اس کو پیش کرنا ہی اپنی جگہ قابل غور ہوتا کجا یہ کہ حدیث کو "سروِدے" کے زیر عنوان اور اس کے ماتحت پیش کیا جائے؟ یہ خبر قابل اصلاح ہے۔ باقی کتابچہ بے عیب قسم کا تحفہ ہے

(شمس نوید)

ذہنی تربیت
ناول سائز۔ صفحات ۹۶۔ قیمت:۔ ۱۲/
مرتبہ سید شوکت علی بی۔ اے بی ٹی

شائع کردہ:۔ مکتبہ جماعت اسلامی۔ ہند۔ رامپور۔ یو۔پی۔

اس کتاب میں مختلف موضوعات پر مختلف سوالات "پہیلیوں" کے انداز میں قائم کئے ہیں اور ان کے جوابات کتاب کے آخر میں درج کرائے گئے ہیں۔ سوالات اسقدر متنوع اور گوناگوں ہیں کہ ان کا جواب یاد کر لینے سے ہی بچہ کی معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوگا اور اس کے شعور و کردار میں اصلاحی قوت ابھرے گی۔ ان سوالات پر بچے غور کریں گے اور اپنے جوابات سے ملاکر تصدیق کریں گے کہ انہوں نے صحیح جواب سوچا یا غلط؟ معلومات اور اصلاحی خیالات کو بچہ کے دماغ میں پہیلی کے طرز پر پہونچانے سے تیسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی قوت فکر اور قوت تخیل و تجسس جلا پائے گی۔

سوال ۲۵ میں کہا گیا ہے "وہ کونسی کھانے کی چیز ہے جو دیہات میں ملتی ہے لیکن شہروں میں نہیں ملتی" اس کا جواب "دال" نجانے کس طرح تجویز کیا گیا ہے؟ - اسی طرح بعض سوالات جواب کی سراغرسانی کے لئے ضروری نشان دہی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کی نوعیت کہیں بچہ کے دماغ سے اونچی ہے اور کہیں تشنہ ——

مجموعی طور سے کتاب بہت قابل قدر ہے۔ اور بچوں کے علمی کھلونوں میں شمار کیجا سکتی ہے۔ (شمس نوید)

ہماری سواریاں

مصنفہ سید منظور الحسن ہاشمی صاحب
ناول سائز صفحات ۳۲ قیمت ۳۱ نئے پیسے۔ ملنے کا پتہ مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ رامپور یوپی

"ہماری سواریاں" کیا کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں ریل گاڑی اور موٹر پر دو شائع شدہ حصے ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں بچوں کے لئے ریل گاڑی اور موٹر کے سلسلہ میں بہترین معلومات کا خزانہ جمع کر دیا گیا ہے۔ بچوں کو خود چلنے والی سواریوں سے جو دلچسپی ہوتی ہے اس کے لحاظ سے بھی یہ کتابیں دلچسپ ہیں، اور معلومات کے لحاظ سے نہایت مفید —— ہر بچہ کو ان کا مطالعہ کرانا چاہیئے۔ (شمس نوید)

روزنامہ تسنیم کا قرآن نمبر

صفحات ۶۶ سائز بڑا۔ قیمت ایک روپیہ۔

غیر منقسم ہندوستان کے مشہور صحافی جناب نصر اللہ خاں عزیز کی ادارت میں شائع ہونے والے روزنامہ "تسنیم" کا یہ قرآن نمبر از اول تا آخر نہایت کارآمد، ایمان افروز اور علمی و دینی مضامین پر مشتمل ہے۔ خاص نمبروں میں عموماً متعدد چیزیں بھرتی کی شامل کی جاتی ہیں لیکن ہمیں مسرت ہے کہ اس وقیع نمبر میں ایک بھی چیز ایسی نہیں۔ ہر مضمون اور ہر نظم اپنی جگہ نگینہ کی طرح آراستہ ہے۔ بہت خوشی کی بات ہے کہ مرتب نے قاضی سلیمان منصور پوری، مولانا ابوالکلام آزاد اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے شہرہ آفاق بزرگوں کے علمی موتیوں میں سے بھی چند موتی علوم قرآنی کے اس دیدہ زیب اور قیمتی ہار میں شامل کئے ہیں۔ مولانا مودودی کے تو چھوٹے چھوٹے چار مضمون ہیں جو چاہے براہ راست اس نمبر کے لئے نہ ہوں لیکن بہرحال ان کی شمولیت سے نمبر کو چار چاند لگ گئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں جو محدود مقاصد کے لئے نازل کی گئی ہو اور جسکا حق نعمت بس تلاوت یا توصیف وثناخوانی سے ادا ہو جاتا ہو۔ وہ تو ایک جامع و مانع کتاب ہے جو انسانی زندگی کے ہر ہر گوشے کو اس کی ہر چھوٹی بڑی تفصیل کے ساتھ گھیر لیتی ہے۔ جو پیغام ہی نہیں دعوت بھی ہے جو منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں سے پوری حیاتِ انسانی کا نہ صرف محاسبہ کرتی ہے بلکہ فلاح و ترقی کے روشن راستے بھی متعین کر دیتی ہے، پکارتی اور للکارتی بھی ہے، ذراتی اور اطمینان بھی دلاتی ہے، اسے بس تلاوت کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کی سربراہی میں ایک عظیم جد و جہد بھی اس پر ایمان لانے والوں کا فرض ہے، اور یہی تاثر ہے جو اس نمبر کے مطالعہ سے مجموعی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ (عامر عثمانی)

ہفت روزہ المنبر لائل پور

زیر ادارت جناب عبد الرحیم اشرف۔
سالانہ قیمت ۹ رنو روپے۔ مقام اشاعت: ماڈل ٹاؤن بی لاہور

پہلے اس پرچہ کا نام "المنیر" تھا۔ اس کے مدیر عبد الرحیم اشرف صاحب صرف صاحبِ علم اور اہلِ قلم ہی نہیں غالباً صاحبِ دل بھی ہیں۔ ان کی تحریریں پختگی اور نکھار کے علاوہ ایک لطیف قسم کا رس بھی ہوتا ہے جو غالباً "از دل خیزد" کا ثمرہ ہے۔ پچھلے دنوں آپ جماعتِ اسلامی کے بعض افراد سے اختلاف کے سلسلہ میں مسلسل جو کچھ لکھتے رہے اسکی فکری حیثیت سے اگرچہ ہمیں اختلاف رہا ہے اور ہمیں حسرت ہے کہ کاش وہ یہ سب کچھ نہ لکھتے لیکن ان کے خلوص و دردمندی پر بہرحال ہمیں پہلے بھی اعتماد تھا اور آج بھی ہے خدا کرے یہ اعتماد خلافِ حقیقت نہ ہو۔ المنیر کے جتنے شمارے اب تک نظر سے گذرے سب معیاری معلوم ہوئے اور شکر ہے کہ وہ ان افسردہ کن بحثوں سے بھی پاک رہے جن کا اشارہ ابھی ہم نے کیا ہے۔ ہمیں توقع ہے — بلکہ نہایت عجز و ادب سے درخواست کرتے ہیں کہ اس طرح

کی دوراز کار چیزوں سے فاضل مدیر دامن کشا ہی رہیں تو بہتر ہے۔

زیر تبصرہ شمارہ (بابت ۳/۱۱ اپریل ۵۹ء) اگرچہ متعدد منقولہ مضامین اپنے دامن میں رکھتا ہے اور یہ چیز ظاہر ہے لائق فخر نہیں کہی جاسکتی تاہم من حیث المجموع بہت عمدہ اور معیاری ہے۔ اداریہ سے لیکر آخری مضمون تک ثقہ چیزیں ہی ملتی ہیں۔ ہاں مولانا عطاء اللہ حنیف کے مضمون "احکام و مسائل عید الفطر" کے متعلق ہم اتنا کہیں گے کہ اس کا وہ ٹکڑا فاضل مدیر کے حاشیے کا مقتضی تھا جو عورتوں کے عیدگاہ جانے سے متعلق ہے۔ جہانتک عید کی نماز میں تکبیروں کی تعداد کا تعلق ہے مولانا حنیف کو اختیار ہے جس مسلک کو چاہے ترجیح دیں اور فاضل مدیر بھی آزاد ہیں کہ اسے بلا بحث و نظر تسلیم کرلیں لیکن کیا عورتوں کے عیدگاہ جانے کا معاملہ بھی ایسا ہی بے ضرر ہے کہ بس خالی روایت پرستانہ اندازِ فکر سے اس کا فیصلہ کردیا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حنفی فقہا کا عورتوں کو عیدگاہ جانے سے روکنا انتہائی صحیح، روشن اور صحت مند موقف ہے کہ فی زمانہ اسے غلط ٹھیرانا اور روایات کے بل پر عورتوں کا عیدگاہ جانا ضروری قرار دینا نہ صرف غلو آمیز قسم کی روایت پرستی ہے بلکہ صریح عقل دشمنی اور کج فکری بھی ہے۔ یہ اوپر سے نیچے تک بگڑا ہوا معاشرہ، یہ عفتِ قلب و نظر کا ہمہ گیر بحران، یہ فلمی ماحول میں پلے ہوئے اخلاق و کردار، یہ تزکیہ و طہارت سے محروم سینے، یہ جنسی ہیجان کے سانچے میں ڈھلے ہوئے دل و دماغ، اور آپ کہتے ہیں کہ عورتوں کا عیدگاہ جانا ضروری ہے۔ روایتوں کے ہم بھی منکر نہیں اور سنت کو ہم بھی غیر منفک جزو دین سمجھتے ہیں لیکن کیا اس اہم ترین بنیادی اصول سے آپ انکار کریں گے کہ حالات بدل جائیں تو احکام میں بھی مناسب ترمیم ضروری ہوتی ہے اور کسی بہت بڑے دینی مقصد کو نقصان پہنچتا ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے چاہے کسی مباح یا واجب فعل کا ترک لازم آئے۔ تبصرہ بحث کا محل نہیں ہے۔ ہم صرف گذارش ہی کرسکتے ہیں کہ فاضل مضمون نگار اور فاضل مدیر دونوں ہی اس مسئلہ پر حقیقت پسندانہ انداز سے غور کریں۔ ہمارا خیال ہے کہ فی زمانہ عورتوں کو عیدگاہ کی طرف ہنکانا عیدگاہ کو جذباتی آوارگی، جنسی ہیجان، گندگی اور فحاشی کی جولانگاہ بنا دینا ہے۔ وہ معاشرہ اور تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ جانے اور لے جانے کی ترغیب دی تھی۔ آج معاشرہ ہر لحاظ سے منقلب ہے اور جس فعل و عمل کے اثرات و نتائج کی ڈور معاشرے کی عام اخلاقی حالت سے بندھی ہوئی ہو اس پر موجودہ حقائق سے صرفِ نظر کرکے غور کرنا دانشمندانہ نہیں کہا جاسکتا۔ عورتوں کے عیدگاہ جانے نہ جانے کا معاملہ تو کیا چیز ہے قرآن و سنت کا متفق علیہ قانونِ تعزیر بھی معاشرے کو ایک خاص سطح پر لائے بغیر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

اس جزوی اختلاف سے قطع — جس کی حیثیت گذارش سے زیادہ نہیں ہے — "المنیر" ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے اور ہم اس کی درازیٔ عمر کی دعاء کرتے ہیں۔

باب الصحت

گھبراہٹ اور ریاح (گیس) کی کثرت

از بیگم حکیم محمد عظیم زبیری۔ امروہہ ضلع مرادآباد۔ یوپی

گھبراہٹ۔ بے چینی۔ وحشت اور ریاح کی کثرت پیدائش مالیخولیا مراقی کی علامات ہیں۔ **مراقی معدہ** جو بخرے اٹھاتا ہے وہ نیچے آنتوں کی جانب جاکر خارج ہونے کی بجائے دل اور دماغ کی جانب چڑھتے ہیں، کھانا کھانے کے بعد عموماً دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے بعض دفعہ دل اسقدر دھڑکتا ہے کہ کھڑا ہونا مریض کے لئے دشوار ہو جاتا ہے بے چینی، گھبراہٹ، وحشت۔ اور فاسد خیالات پریشان کرنے لگتے ہیں کسی کام کاج پر دل نہیں جمتا طبیعت پژمردہ اور مضمحل رہتی ہے دل ڈوبا ڈوبا محسوس ہوتا ہے بلا وجہ طبیعت پر خوف و اندیشہ غالب ہوا کرتا ہے تنہائی میں پڑے رہنے کی جانب رغبت پیدا ہوتی ہے معمولی معمولی بات پر غصہ آجاتا ہے۔ نیند پورے طور پر نہیں آتی بالعموم قبض کی شکایت رہتی ہے بعض مریضوں کو ڈکار کے ساتھ کھٹا پانی آتا ہے بعض مریضوں کا پیٹ غذا کے بعد پھول جاتا ہے گرانی شکم محسوس ہونے لگتی ہے بعض مریضوں کے سینہ میں جلن۔ سوزش۔ اور درد محسوس ہوتا ہے بعض کے جگر کی جانب درد ہوتا ہے ناف کے آس پاس بائے سے دُکھن محسوس ہوتی ہے۔ سہ پہر کے وقت ہتھیلیاں اور تلوے گرم ہو جاتے ہیں ابخرات اُوپر چڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ حلق اور تالو دونوں بخارات لگنے سے جلے جاتے ہیں آنکھوں میں سے آگ سی نکلتی محسوس ہونے لگتی ہے، سر چکراتا ہے درد کرتا ہے خاص طور پر دونوں شانوں کے بیچ کی جگہ درد کرتی ہے۔ مالیخولیا مراقی کے مریض پر خواہ کیسی ہی غذا کھائے بوٹی نہیں چڑھتی جب مرض زیادہ بڑھ جاتا ہے تو ریحی بواسیر کی تمام علامات پیدا ہو جاتی ہے اور جنسی خواہشات میں غیر معمول اضافہ ہو جاتا ہے اس مرض کا شافی علاج معدہ کی اصلاح ہے لیکن مراقی معدہ بہت دیر میں اصلاح قبول کرتا ہے۔ استقلال سے تین چار ماہ مراقی معدہ کی اصلاح کرنے والی مخصوص ادویہ استعمال کرنی چاہئیں کیونکہ معدہ کو قوت پہنچانے اور اُس کی اصلاح کرنے والا ہر مرکب **مراقی معدہ** کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ اس مرض میں وہ ادویہ کام کرتی ہیں جن سے ہضم کامل ہو۔ حرارت قومی ہو تاکہ ریاح تحلیل ہو جائیں غلیظ نہ ہوں۔ معتدل ہلکی زود ہضم اشیاء مفید ہوتی ہیں، لوبیا۔ مسور۔ امرود۔ کھیرا گوبھی۔ آلو۔ بینگن۔ ماش کی دال۔ ثابت ماش۔ دہی۔ تربوز اور دیگر اسی قبیل کی بادی اور مولد ریاح اشیاء مضر پڑتی ہیں۔

ضروری نوٹ:۔ بعض مریض دواؤں کا وی پی منگوا کر واپس کر دیتے ہیں اس طرح بلا وجہ مجھے مالی نقصان پہنچاتے ہیں اس سے بہتر یہ ہے کہ آرڈر دینے سے پہلے قیمت ادویہ معلوم کر لیا کریں۔ میرا طریقہ علاج یہ نہیں ہے کہ چند مخصوص مرکبات تیار کر کے رکھ لئے جائیں۔ اور ہر مریض پر اُن کو برتا جائے میں تو ہر مریض کے حالات۔ موسم۔ عمر۔ وغیرہ کا پورا پورا لحاظ رکھ کر عموماً مرکبات تیار کراتی ہوں اس وجہ سے مجھے نہ صرف محصول ڈاک کا ہی خسارہ ہوتا ہے مرکبات کی لاگت کا بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ دوسرے مریض کو استعمال نہیں کرائے جاسکتے۔ مردانہ و زنانہ امور کے متعلق کارآمد لٹریچر مفت منگوا کر پڑھیئے ہر قسم کے امراض میں مفت مشورہ لیجئے لیکن جواب کے لئے ٹکٹ یا لفافہ رکھنا نہ بھولئے۔ **پاکستان ادویہ کا پارسل جاسکتا ہے۔**

پاکستانی آسانی سے میرے مرکبات حاصل کرسکتے ہیں۔

پتہ یہ کافی رہے ہے۔

بیگم حکیم محمد عظیم زبیری۔ امروہہ۔ ضلع مرادآباد یوپی

● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل۔ غیر مجلد ساٹھ روپے پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ کی اس تفسیر نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ نایاب ہو گئی تھی اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک اکیس پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اول پانچ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)

تفہیم القرآن جلد اول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ اہتمام بالشان تفسیر جو غیر ضروری تفصلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہ راست مغز قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دل نشیں، مستند اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اول مجلد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلد پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ کی یہ عظیم الشان کتاب وہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہو لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات وصفات، تناسخ، ملائکہ، جزا و سزا، قبر، جنت، دوزخ، نبوت، ناسخ ومنسوخ، استعارہ وکنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں، صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ روپے (مجلد پختہ سولہ روپے)

قصص القرآن قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالا مال، عمدہ سلیس انداز بیان وقیع پُر مغز اور بے نظیر، حصہ اول سات روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم سات روپے مکمل سیٹ منگانے پر قیمت تیئیس روپے۔ (مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ بڑھ جائے گا)۔

لغات القرآن قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو با ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

علم حدیث

مؤطا امام مالکؒ مترجم عربی مع اردو احادیث وآثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا سلیس ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب بہتر۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد کرمچ تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بخاری شریف (خالص اردو) قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری کا سلیس اردو ترجمہ تین جلدوں میں مکمل ہدیہ چوبیس روپے۔ مجلد پختہ ستائیس روپے مجلد اعلیٰ تیس روپے۔ (مجلد کا مطلب تین الگ الگ جلدیں ہیں)

مشکوٰۃ شریف (خالص اردو) مشکوٰۃ شریف کا بھی سلیس اردو ترجمہ دو جلدوں میں حاضر ہے۔ یہ کتاب حدیث کی گیارہ کتابوں کا وہ انتخاب ہے جس نے تمام عالم اسلامی میں بے نظیر مقبولیت حاصل کی۔ ہدیہ سولہ روپے مجلد پختہ اٹھارہ روپے (مجلد اعلیٰ بیس روپے)

ترمذی شریف (خالص اردو) سفید عمدہ کاغذ حصہ اول مجلد نو روپے حصہ دوم مجلد نو روپے۔ دونوں حصے بیک وقت طلب کرنے پر سترہ

مشارق الانوار (مترجم) بخاری ومسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تشریح بھی ہے اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بلوغ المرام مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم (مع ترجمہ وفوائد) امام ابو حنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جسمیں مولانا

ستارے کی باتیں :- سوا روپیہ۔

عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے قیمت مجلد

ترجمان السنۃ

احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اُردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔

اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کی خریداری آپ کے روپے کا بہترین مصرف ہوگا۔ جلد اوّل دس روپے (مجلد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلد گیارہ روپے) جلد سوم دس روپے آٹھ آنے (مجلد

معارف الحدیث

از مولانا منظور نعمانی

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب۔

اُردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ، جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ جلد اوّل مجلد سوا پانچ روپے۔ جلد دوم مجلد ساڑھے پانچ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ

بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم دہ کتاب، حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے (مجلد ساڑھے چار روپے)۔

بستان المحدثین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔

بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلد پانچ روپے۔

انتخاب صحاح ستہ

حدیث کی چھ "صحیح" کتابوں کا جستہ جستہ انتخاب اُردو۔ مجلد پانچ روپے

ابن ماجہ (اردو)

صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔ صفحات ۶۶۰۔

ہدیہ مجلد بارہ ۱۲ روپے

فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر

بہت مفصل بڑی جامع اور دلچسپ ایمان افروز کتاب۔ دو حصوں میں مکمل۔ ساڑھے چھ روپے

ابن ماجہ اور علم حدیث

مولانا عبدالرشید نعمانی کی بہترین تالیف مجلد آٹھ روپے

علم الحدیث

فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق قیمت سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

حضرت صدیق اکبرؓ

از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے، یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ جس میں آپ کے ذاتی حالات و سوانح، عظیم الشان کارناموں، دینی و سیاسی خدمات جلیلہ، اخلاق و مکارم اور عہد صدیقیؓ کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کے علاوہ اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر بڑی جامعیت اور تحقیق سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ حق یہ ہے کہ خلیفۂ اوّل پر ایسی محققانہ کتاب کم سے کم اُردو میں پہلی بار آئی ہے۔ نفیس لکھائی چھپائی۔ عمدہ کاغذ ضخامت ۸۰۰ صفحے۔ قیمت سات روپے۔ مجلد کرچ آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)۔

الفاروق

امیرالمؤمنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ہر لحاظ سے نفیس، مستند، ایمان افروز اور گوناگون افادیت کی حامل۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ ساڑھے پانچسو سے زائد صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا اور متقدم ماہر قانون ابوحنیفہؒ جیسا رجل عظیم۔ سیاست جیسا پیچیدہ موضوع اور مولانا مناظر احسن جیسا عالم و دانا مصنف۔ اس کے بعد کس تعریف کی ضرورت ہے

قیمت مجلد بارہ روپے

تجلیات عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ۔ بڑے ۱۲/۷ صفحات۔ جلد پر حسین سہ رنگا گردپوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

سیرت اشرف

حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سیرت صفحات ۷/۱۵ مجلد بارہ روپے

تجلیات مدینہ:۔ مدینے کے فضائل و مناقب اور برکات۔ ڈھائی روپے ● ہزار سال پہلے:۔ (از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) چار روپے۔

حیاتِ ولی — شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ۔ مجلد چھ روپے۔

حیات امام احمد بن حنبلؒ — مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اردو ترجمہ۔ امام احمدؒ پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ قیمت دس روپے۔

محمد بن عبدالوہابؒ — از مولانا مسعود عالم ندوی بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف جس میں مشرق و مغرب کے تمام ماخذ پوری طرح کنگھالکر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ڈھائی روپے

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان — علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز قیمت تین روپے (مجلد چار روپے)

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی — بروایت ملیح آبادی مولانا ابوالکلام آزاد کی مفصل داستانِ حیات۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

ردِّ شرک و بدعت

تقویۃ الایمان (اردو) — شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہلِ بدعت میں ہلچل ڈالدی قیمت چار روپے (مجلد پانچ روپے)

الشہاب الثاقب (اردو) — بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت پونے دو روپے

کتاب التوحید — ردِ شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد [illegible]

بدعت کیا ہے؟ — مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث۔ ایک روپیہ (مجلد ڈیڑھ روپیہ)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات — حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی شافی رد۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)۔

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ — یہ ضخیم کتاب علوم و معارف کی کان ہے سلیس اردو ترجمہ مع عربی متن دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت مجلد بیس روپے۔

خیر کثیر — شاہ ولی اللہؒ کی مشہور کتاب الخیر الکثیر کا اردو ترجمہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

فیوض الحرمین — شاہ ولی اللہؒ کے مشاہدات و تاثرات قیمت مجلد دو روپے (مع اردو عربی)

سیرۃ رسولؐ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور آنکی خصوصیات، عادات، میلانات اور نسبی و حسبی رشتہ داروں کی تحقیق و تفصیل۔ ترجمہ سلیس اور عام فہم۔ بارہ آنے

تصانیف مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ

اصلاح الرسوم — مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین — مسلمانوں کی زندگی کیسی ہونی چاہئے، وہ کن چیزوں سے بچے اور کن چیزوں کو اختیار کرے۔ مجلد کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

تعلیم الدین — دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

نشر الطیب — سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بڑی بڑی مجلدات کا نچوڑ۔ قیمت تین روپے۔

دعوات عبدیت — مولانا اشرف علیؒ کے چند مواعظ کا مجموعہ، جو عرصے سے نایاب تھا اسکے اب چار حصے مکمل ہو چکے ہیں ہر حصہ مجلد اور ہر حصہ کی قیمت

تقدیر کیا ہے؟ (از مولانا اشرف علیؒ) سوا دو روپے ● فیصلہ کن مناظرہ مجلد ڈیڑھ روپیہ ● نماز کی حقیقت :- (از مولانا منظور نعمانی) بارہ آنے۔

عقائد و فقہ

بہشتی زیور

مولانا اشرف علی کی وہ شہرۂ آفاق کتاب جو روزمرّہ کے تمام دینی مسائل کے علاوہ سیکڑوں مفید مضامین پر مشتمل ہے۔ قسم اوّل مکمل مدلّل مجلّد پندرہ روپے۔ قسم دوم غیر مدلل مجلّد سات روپے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ قسم اوّل میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور قسم دوم میں حاشیہ نہیں ہے۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

دین کی باتیں

اسلام، ایمان، عمل صالح، ارکان اسلام، اخلاق، حقوق، سیاست اور خدمت دین کے طریقوں پر نہایت دل نشین اور ایمان افروز گفتگو۔ بلاک کی عمدہ چھپائی۔ قیمت پونے دو روپے۔

عقائد الاسلام قاسمی

اسلام کے جملہ اصولی عقائد کو سہل زبان میں پیش کیا گیا ہے خطاب اگرچہ بچوں سے ہے لیکن بڑوں کے لئے بھی کتاب بیحد مفید ہے کیونکہ تمام اصولی عقائد سے بڑے بھی کم ہی باخبر ہیں۔ ڈھائی روپے

ادبیات

شاہنامہ اسلام حصہ اول (جدید)

از مولانا عامر عثمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافت راشدہ کا قیام، خلیفہ اول کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا۔ جنگی اصول، معرکہ آرائیاں — تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے —

قیمت مجلّد تین روپے۔

شعلۂ طور

مجموعۂ کلام رئیس المتغزلین جناب جگر مرادآبادی قیمت پانچ روپے

آتش گل[1]

یہ بھی جگر ہی کا مجموعۂ کلام ہے جو شعلۂ طور کے بعد طبع ہوا ہے۔ قیمت مجلّد پانچ روپے۔

کلیات اقبال

ڈاکٹر اقبال کے اردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلّد پانچ روپے۔

فردوس

ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

دیوان غالب

نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس، ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔ قسم دوم مطبوعہ تاج کمپنی کراچی ۵ے

اردو کے چاند تارے

اردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصوّر تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے۔

مختلف علوم و فنون

اصح السیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، یہ نفیس، مفصل، مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلّدات کے سوا اردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلّد دس روپے

حصن حصین (مترجم)

دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ قیمت مجلّد ساڑھے آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون

یہ شہرۂ آفاق کتاب اردو ترجمہ ہوکر آگئی ہے۔ قیمت مجلّد پشتہ پرانہ ۱۶ روپے (مجلّد اعلیٰ سترہ روپے)۔

اساس عربی

عربی سیکھنے کیلئے عربی صرف و نحو کے فوائد کی عمدہ کتاب۔ پانچ روپے (مجلّد چھ روپے)

سیر الصحابہؓ

ایسے ڈیڑھ سو صحابہؓ کے حالات جن سے عام طور پر لوگ واقف نہیں۔ قیمت مجلّد پانچ روپے

فتوح الغیب (اردو)

ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے قیمت ڈھائی روپے

حکایات صحابہؓ

صحابیؓ، بچوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جنکے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قیمت اوّل مجلّد تین روپے قسم دوم سوا دو روپے

بزم پیغمبر۔ سوا دو روپے ● اسلامی نظریۂ سیاست۔ ڈیڑھ روپیہ۔

[1] اس کتاب پر حکومت نے ۵۸ء کی بہترین اردو کتاب کی حیثیت سے انعام دیا

تحریک اخوان المسلمین

مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کیلئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے جس کا سلیس اُردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ ممالک عربیہ سے قریبی واقفیت رکھنے والے مشہور عالم اور عربی ادب کے ماہر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں کہ میرے علم میں اس موضوع پر سب سے زیادہ پُر از معلومات اور خوش سلیقہ یہی کتاب ہے۔ اس کتاب سے اخوان کی قوتِ عمل، حُسنِ تنظیم اور کارکردگی کی صلاحیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے
(قیمت مجلّد تین روپے)

عہدِ نبوی کے میدان جنگ

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے ۲۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ (مجلّد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھ کر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ قیمت سوا دو روپے (مجلّد سوا...)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات

شاہانِ عالم، عرب حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور عمّالوں کے نام دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

حدیث اور قرآن

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) حدیث کا تعلق قرآن سے کیا ہے۔ دین میں حدیث کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ رسالت کسے کہتے ہیں اور اسکے تقاضے کیا ہیں؟ اس طرح کے سوالات کے دلنشین اور مدلّل جوابات، منکرینِ حدیث کا بہترین رد۔ یہ کتاب خالص تبلیغی نقطۂ نظر سے چھاپی گئی ہے چنانچہ سفید کاغذ کے ڈیڑھ سو صفحات کی قیمت صرف بارہ آنے

مکاتیب امام غزالیؒ

قیمت مجلّد تین روپے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

اُن اسلامی تعلیمات کی تفصیل جو ہماری روز مرہ کی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قیمت سوا روپیہ۔

مصباح اللغات

عربی اُردو لغت کی عظیم الشان کتاب پچاس ہزار سے زائد الفاظ کی تشریح المنجد، قاموس، تاج العروس، نہایہ، منتہی الارب اور اسی پائے کی دیگر لغات کا نچوڑ۔ قیمت مجلّد سولہ روپے۔

کریم اللغات

عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی بہترین اُردو تشریح یہ لغت عمدہ اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ قیمت دو روپے (مجلّد ڈھائی روپے)

کتاب الصلوٰۃ

"نماز" پر امام احمد ابن حنبلؒ کی مشہور کتاب ترجمے کیساتھ امام صاحب کے اثر انگیز حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

اسلام کیا ہے؟

مولانا منظور نعمانی کی وہ مقبول کتاب جسے عوام و خواص سبھی پسند کرتے ہیں۔ قیمت قسم اوّل مجلّد دو روپے آٹھ آنے۔

آپ حج کیسے کریں

از مولانا منظور نعمانی — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں حج کرنے کی تفصیلات ہیں۔ قیمت مجلّد دو روپے۔

سراپائے رسولؐ

اس مقدس کتاب میں آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی کے تمام ہی گوشوں کو معتبر روایات و دلائل سے سامنے لایا گیا ہے۔ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بولنا مسکرانا، معاملات، اخلاق، عادات، مرغوبات۔ غرض آنحضورؐ کا تمام کا تمام سراپا الفاظ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے پیش لفظ سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے۔ قیمت صرف چودہ آنے

اسبابِ زوالِ امت

علامہ امیر شکیب ارسلان کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

اشرف المواعظ

مولانا اشرف علیؒ کے وعظوں کا مجموعہ۔ مکمل چار حصّے۔ پونے دو روپے (مجلّد سوا دو روپے)

صراطِ مستقیم
از شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ - نیا ایڈیشن، عمدہ کتابت وطباعت - قیمت ڈھائی روپے (مجلد تین روپے)

تعلیم الاسلام
بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی ابتدائی دینی تعلیم پر بہترین کتاب - چھپائی عکسی قیمت مکمل ہر چہار حصہ ایک روپیہ چھ آنے (مجلد دو روپے)

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں
اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ کتاب - قیمت تین روپے -

احسن الصلوٰۃ
نماز، وضو، تیمم اور غسل کے فرائض و واجبات، سنن، مستحبات اور مفسدات و مکروہات کو نہایت وضاحت سے درج کیا گیا ہے صفحات ۴۸ صرف پانچ آنے

رحمۃ اللعالمین
غیر مسلموں کی مدلل شہادتوں سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت وسطوت کا ثبوت صفحات ۲۴

محکمات
قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیر و نیز علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ - دو روپے بارہ آنے

اُردو کا مقدمہ
اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ - جو پُر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے - ایک روپیہ -

حقیقت
جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصل تنقید قیمت دس آنے

مولانا مودودی اور تصوف
مولانا شیخ احمد کا ایک معرکۃ الآرا مبسوط مقالہ کتابی شکل میں پبلشر کے "تعارف" ماہر القادری کے "پیش لفظ" اور مولانا عامر عثمانی کے مقدمے سے مزین ہے

قیمت ڈیڑھ روپیہ

کتاب الطہارت
جس میں پاکی اور ناپاکی کے بمسلہ مسائل کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

قیمت بارہ آنے

تجلّی کا خاص نمبر
اب بھی مل سکتا ہے

ایمان وعمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث، نذر و نیاز، فاتحہ وعُرس اور سماع موتے وغیرہ کا جائزہ وغیر ذالک -

اسی میں مولانا شیخ احمد کا مشہور مقالہ "مولانا مودودی اور تصوف" بھی شامل ہے - قیمت ڈیڑھ روپیہ -

نوٹ :- تنہا یہی منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ گیارہ آنے بھیجدیجئے - وی پی طلب کریں گے تو دو روپے دو آنے خرچ ہو جائیں گے -

مبتدیوں کی تجوید
قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے بہترین ہے - تجوید کے بہترین طریقے آسان زبان میں پیش کئے گئے ہیں - قیمت صرف بارہ آنے

درسگاہِ رسول ﷺ کے دو طالبعلم
یہ دونوں کون تھے؟ جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ!

ان دونوں کے مختصر مگر مستند حالات اور سوانح - طرزِ تحریر بیحد دلکش ہے - کتابت وطباعت اچھی - ایک روپیہ

ردِّ روافض (اُردو)
ایک دلچسپ مناظرہ -

کیا رافضی کافر ہیں؟ اور رافضیوں کا کیا مذہب ہے؟ اس پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا خود نوشتہ رسالہ حرفِ آخر ثابت ہوا - جو اب اُردو میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے قیمت صرف ایک روپیہ -

تعلیمات امام اہلِ سنت
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سو مکتوبات کا اُردو ترجمہ اصل عبارت (فارسی) ساتھ ساتھ دیدی گئی ہے - یہ مکتوبات - بادشاہِ وقت - وزرائے وقت - اپنے مرشد اور خلفاء سے لیکر شاہزادوں اور دیگر ارکانِ دولت تک کے نام لکھے گئے ہیں - ان سب میں آپ کو شرعی حقائق و معارف ملیں گے اور ساتھ ہی حضرت ممدوح کی کچھ خصوصیات بھی شاملِ کتاب کی گئی ہیں - قیمت صرف بارہ آنے

احکام القمار جس میں جوئے کی تعریف، اس کے اقسام اور احکام حدیث و قرآن سے پیش کئے گئے ہیں مستند عالم مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے۔ قیمت صرف چار آنے۔

غوث الاعظم یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی سوانح اور مکمل حالاتِ زندگی قیمت صرف چار آنے

جلاء الابصار اردو ترجمہ **نور الانوار شرح المنار**

یہ ترجمہ عرصہ سے کمیاب ہے۔ اس کے چند نسخے مل گئے ہیں ضرورت مند حضرات فوری توجہ دیں۔ دو جلدوں میں مکمل ہے۔ غیر مجلّد کی قیمت بارہ روپے اور مجلّد کی سولہ روپے۔

عربوں کی گذشتہ تجارت
اور
انگلستان کی صنعت و حرفت

اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے تجارت کی بدولت کس طرح اور کتنی ترقی کی۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

اشاعت اسلام دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملے گا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ قیمت چھ روپے

اُردو ہندی لغت جس میں نئے دور کے پیش نظر سائنسی، معاشرتی، صنعتی اور تجارتی، اخباری، عدالتی اور دفتری غرضیکہ ہر قسم کے مفرد الفاظوں کے ساتھ ساتھ مرکب لفظوں کی بھی ہندی دیدی گئی ہے۔ ہندی سیکھنے والوں کے لئے ایک اچھی چیز صفحات ۲۴۶ قیمت مجلّد مع گرد پوش ساڑھے تین روپے۔

خلفائے راشدین (از مولانا عبدالشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

دین و شریعت مولانا منظور نعمانی کی تازہ تصنیف جو بہت مفید و مبسوط مباحث پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے (آپ کی تین اور کتابیں بھی ہم سے مل سکتی ہیں)

(۱) اسلام کیا ہے اضافہ شدہ ایڈیشن۔ مجلّد ڈھائی روپے۔

(۲) آپ حج کیسے کریں۔ مجلّد دو روپے (۳) معارف الحدیث حصہ اول مجلّد ساڑھے چار روپے۔ حصہ دوم مجلّد ساڑھے پانچ روپے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مشہور محقق عالم مولانا مسعود عالم ندویؒ کی شہرہ آفاق کتاب حضرت سید شہیدؒ کی چلائی ہوئی تحریک اور ان کے کارناموں پر تبصرہ و تنقید اور غیروں کی غلطیوں کی نشاندہی اور تردید وغیرہ۔ ڈھائی روپے۔

تاریخ عالم حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ ذیل کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلّد ساڑھے چار روپے۔

الغزالی شہرہ آفاق عالم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا شبلی نعمانیؒ کی محققانہ تصنیف، نایاب شے ہے۔ قیمت دو روپے۔

اسلام اور انسانی قانون از علامہ عبدالقادر عودہ شہید کی ایک نفیس کتاب ترجمہ سلیس ہے۔ قیمت صرف پندرہ آنے۔

سدِّ باب ذریعہ علامہ ابن قیم کا ایک عجیب مضمون جس میں ۹۹ مثالوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس تک پہنچانے والے تمام وسائل و ذرائع کو بھی ممنوع کر دیتا ہے۔ قیمت دس آنے۔

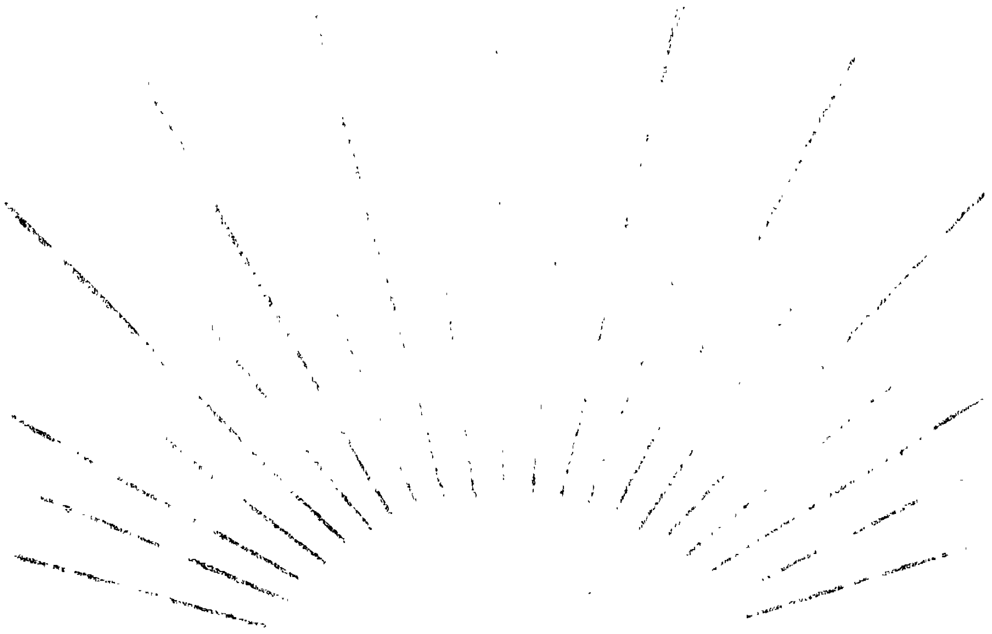
قربانی کی حقیقت اور اسکی تاریخ مولانا فراہی کی بہترین علمی تحقیقی کتاب۔ اردو لباس میں۔ قیمت مجلّد سوا دو روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔

مکتبہ تجلّی دیوبند (یو۔پی)

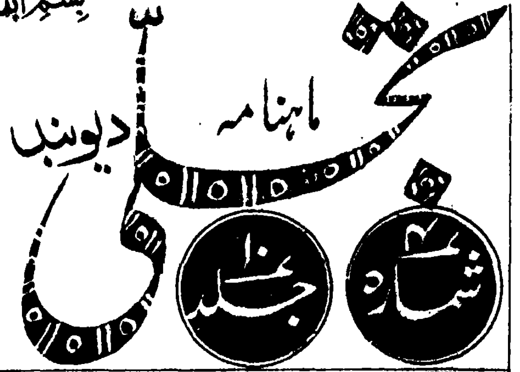
ماہنامہ تجلّی دیوبند

۱۰(۹)



ایڈیٹر عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۵ اشلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین بابت ماہ جون ۱۹۵۹ء

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات

ہمارے پاکستانی پتے پر چندہ بھیج کر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر
عامر عثمانی
فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:- جناب شیخ سلیم اللہ صاحب
۴ بی-۵/۲ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغاز سخن

جوڑے کی لعنت

اپریل کا آغاز سخن اسی موضوع پر تھا جس کے آخر میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اس بارے میں قرآن وسنت کے فرمودات پیش کئے جائیں گے۔ مئی کا آغاز سخن فسادات کی نذر ہو گیا۔ اب ایفائے وعدہ کرتے ہیں۔

ویسے اس موضوع پر طویل گفتگو کرنی نہیں چاہتا کیونکہ جوڑے کی رسم اسی طرح ایک صریح البطلان اور ناپاک چیز ہے جس طرح رشوت دغا بازی، کج خلقی اور دیگر معروف ومسلم برائیاں۔ یہ برائیاں لوگ اس لئے نہیں کرتے کہ ان کی قباحت وشناعت سے ناواقف ہیں۔ بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ نفس کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص یہ چاہے کہ ان کی قباحت وحرمت پر طویل مقالے لکھ کر عملی نتائج حاصل کر سکے تو یہ محض لاحاصل ہوگا۔ اسی طرح جہاں جوڑے کی رسم رائج ہو چکی ہے وہاں اس موضوع کی علمی بحثوں کا کوئی بھی فائدہ بمشکل ہی کسی کو پہنچ سکتا ہے جن کے منہ خون لگ چکا ہے وہ پند ونصیحت کہاں سننے والے ہیں تاہم یہ افسوس ناک صورتِ حال چونکہ سامنے آچکی ہے کہ حیدرآباد میں نام نہاد اہلِ علم اس رسم کا نہ صرف جوڑ اسلام سے ملاتے ہیں بلکہ پوری بے حیائی، خدا فراموشی اور دیدہ دلیری کے ساتھ اس کے استحباب ہی نہیں وجوب وفرضیت تک کی بولیاں بولی جا رہی ہیں جس کے نتیجے میں بعض بے علم عوام سچ مچ اس خوش فہمی میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ یہ رسم مستحسن یا کم سے کم مباح ضرور ہے ایسی حالت میں غیر ضروری نہ ہوگا اگر ہم قرآن وسنت کے کچھ حقائق ان صفحات میں پیش کر دیں۔ ظاہر ہے ان سے ان لوگوں کو تو کچھ فائدہ نہ پہنچے گا جو کسی غلط فہمی کے باعث نہیں بلکہ جانتے بوجھتے محض ہوائے نفس کے اتباع میں اس رسم خبیث سے لپٹے ہوئے ہیں۔ نہ ان لوگوں کو کوئی نفع پہنچے گا جن کے قلوب اور سمع وبصر پر گمراہی کی مہریں لگ چکی ہیں۔ نہ ان لوگوں کو کچھ حاصل ہوگا جو بس نسلاً اور روایتاً مسلمان ہیں اور قرآن وحدیث کی ان کی نظر میں کوئی حقیقی اہمیت نہیں البتہ ان معصوموں کو ضرور نفع پہنچ سکیگا جو اپنی بے علمی، کم عقلی اور علماء سوء کی موشگافیوں کے نتیجے میں واقعۃً یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ لڑکی والوں سے رقمیں وصول کرنا اور جہیز کے نام پر لڑکی والوں کے لئے مستقل عذاب بن جانا کوئی بری بات نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا فراموشی کے نتیجے میں آجکا انسان وعظ ونصیحت کی گرفت سے بہت دور جا چکا ہے۔ اوروں کا تو کیا ذکر خود مسلمان ہی کہ جن کے دین کی عمارت حساب آخرت اور جزا وسزا کے ستونوں پر کھڑی ہے جنھیں پہلے پہلے یہ سبق پڑھایا گیا ہے کہ دنیا متاعِ قلیل ہے چند روزہ ہے، اصل زندگی آخرت ہی کی ہے اور جنھیں اللہ نے ایسی امت بنا کر بھیجا تھا کہ تمام دیگر امم پر شہادتِ حق کی حجت پوری کرے قطعاً بھول چکے ہیں کہ ہم کون ہیں، کیا ہیں، وہ نفسانیت، خدا فراموشی اور دنیا پرستی میں کسی سے پیچھے نہیں، وہ قرآن وحدیث کے احکام ایک کان سے سنکر دوسرے سے اڑا دیتے ہیں بلکہ بعض حالتوں میں ان کا مذاق اڑاتے ہیں، ایسی حالت میں ہمارا ایک مقالہ تو کیا دنیا کے سارے دفتر حتیٰ کہ قرآن بھی انھیں ہوش میں نہیں لا سکتا قرآن کا نازل فرمانے والا خود کہتا ہے کہ اس قرآن سے وہی لوگ فیض اٹھا سکتے ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہوں، سعادتمند ہوں، غیب پر واقعۃً ایمان رکھتے ہوں، اللہ کے آگے جھکتے ہوں، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن ہدایت بخشے گا، رہے سرکش، نڈر اور بدنہاد لوگ تو انھیں اس قرآن سے مزید ہلاکت وپامالی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ وہ نفس کے مرکب پر سوار، گمراہی کے ہی راستہ میں آگے بڑھتے جائیں گے اور ان کا حال یہ ہوگا کہ ذرا ذرا سے دنیاوی مفادات کی خاطر خدا اور رسول کے احکامات کو نظر انداز کر دیں گے۔

اسی لئے ہم صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ذیل کی سطور صرف وہی لوگ پڑھیں جن میں قبولِ حق کا داعیہ، خدا کا خوف، قرآن وسنت کی عظمت کا احساس، دنیا کی بے حقیقتی اور حساب آخرت کا یقین باقی

* پڑھنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ "جوڑے" سے مراد وہ رسم ہے جس میں شادی سے قبل لڑکی والوں سے ایک من مانی رقم اور جہیز کا سامان طلب کیا جاتا

ہو، وہی لوگ نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہی اپنے اعمال و عقائد پر نظرِ ثانی کر سکتے ہیں، وہی عتابِ خداوندی کے ڈر سے معصیت ظلم اور بدعملی سے دستکش ہو سکتے ہیں، لیکن جن لوگوں کے قلوب قبولِ حق کے لئے مردہ ہو چکے، جو دنیا اور اس کی لذات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، جن کا ایمان شہوات و خواہشات کی آگ میں راکھ ہو چکا ہے اور جن کے نزدیک دنیا کے قریبی مفادات و تعیشات اور تکلفات ہی سب کچھ ہیں ان کے لئے ان سطروں میں کچھ بھی نہیں، وہ تو قرآن و حدیث میں بھی نئی نکالیں گے، وہ تو سیدھی باتوں کی بھی اُلٹی تعبیریں کریں گے، انھیں کوئی نصیحت مفید نہیں ہو سکتی۔

ہر شخص جانتا ہے کہ تشنگی بھوک کی طرح جنسی بھوک بھی انسان کے فطری داعیوں میں سے ایک اہم ترین، قوی ترین اور ہمہ گیر داعیہ ہے پھر یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی قابلِ لحاظ مذہب نے یہ بات جائز نہیں سمجھی کہ انسان کی جنسی خواہش کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور ہر مرد و زن مختار ہو کہ جب جس طرح چاہے اس خواہش کو پورا کریں۔ مذہب کے علاوہ خود آدمی کی سرشت ہی میں اللہ نے یہ شعور و احساس ودیعت کیا ہے کہ جنسی تعلقات کے کچھ حدود و شرائط ہونے چاہئیں۔ چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں ان حدود و شرائط کی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں اور جہاں تک مذہب کا تعلق ہے ہر محدود سے محدود مذہب نے بھی آزاد جنسی تعلقات کی روک تھام اور نکاح و شادی کی ترغیب و تشکیل کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو کھلی بات ہے کہ وہ اسلام جو خدا کا آخری مکمل ترین دین ہے اور وہ قرآن جو خدا کی آخری، غیر محرّف کتاب ہے جنسی تعلق کے موضوع سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا تھا، اس تعلق کے جواز کی معروف و معلوم شکل نکاح ہے۔ نکاح کے لئے کیا حدود و شرائط ہیں، کس پر کس کا کیا حق ہے، اس طرح کے ہر اہم سوال کا جواب لازماً قرآن کو دینا تھا اور وہ اس نے دیا۔ اشارةً نہیں بلکہ وضاحتاً، ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار قولاً ہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ مجسم بنا کر عملاً دیا۔ اس نے بتایا کہ معاملۂ نکاح کی حقیقت کیا ہے، کیا چیز اس میں ثمن (قیمت) بنتی ہے اور کیا مبیع (جو فروخت کی جائے) کیا میاں بیوی کے فرائض ہیں، اور کیا عورت کے۔ کس کے ذمہ کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا ہے کون معاش مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے اور کون جسمانی خدمت گذاری کا، کس کو کس پر کس نوع کی فضیلت اور کس قسم کا حق ہے وغیر ذلک۔

پورے قرآن کو اٹھا کر دیکھ جائیے، اگر آیاتِ الٰہی کا احترام خدا کا خوف اور یوم الحساب کا یقین آپ کے اندر ہے تو تمام ایسے ہی حقائق آپ کو ملیں گے جن کی موجودگی میں جوڑے کی رسم یعنی لڑکی والوں سے مال و متاع کے مطالبوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، نکاح کو اللہ جل شانہٗ نے ایک پہلو سے خرید و فروخت کا معاملہ قرار دیا ہے جس میں مہر بطور ثمن ہے اور عورت کی ملکِ بُضع (شرمگاہ جس سے مرد فائدہ اٹھاتا ہے) مثلِ مبیع۔ لیکن یہ بیع و شریٰ دنیا کے تمام معاملاتِ بیع و شریٰ سے الگ نوعیت کی ہے۔ اور معاملوں میں مبیع بیچنے والے کے وجود کا جزء نہیں ہوتی بلکہ اس کے وجود سے ہٹ کر کوئی خارج شے ہوتی ہے جسے فروخت کر کے وہ قیمت وصول کرتا ہے اس کے برخلاف ملکِ بضع خود عورت ہی کے جسم کا جز ہے اور وہ خود ہی اس کی قیمت کی حقدار ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جنسی تعلق کے معاملہ میں مرد فاعل ہے اور عورت منفعل۔ مرد فائدہ اٹھانے والا ہے اور عورت فائدہ پہنچانے والی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ عورت اپنی خلقی صفات اور مرد کے مقابلہ میں ضعف و کم طاقتی کے باعث مالی تحفظ کی حقدار ہے۔ اب ذرا انصاف فرمائیے کہ اگر نکاح کے سلسلہ میں مرد بھی کچھ مال و متاع عورت سے لینے کا حقدار ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ مہر ہی کی طرح اس کی بھی تصریح نہ کر دیتا؟ کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ نکاح جیسے ضروری معاملہ میں حق تعالیٰ نے اُس مالی حق کو تو کھول کھول کر بتکرار بیان کر دیا جو عورت کا مرد کے ذمہ تھا مگر اس مالی حق کو نعوذ باللہ چھپا لیا جو مرد کا عورت کے ذمہ ہونا چاہئے تھا، ہم لاکھ نعوذ باللہ کہیں مگر جوڑے کا حامی تو بلا تکلف اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں اور ان کی منطق کا حاصل بھی قدرتاً یہی ہے۔

آیئے کچھ آیات دیکھیں پورے قرآن کا احاطہ غیر ضروری کا بو

اس صورت کو لیتے ہیں جس کا نام ہی "النساء" ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم ایک سے زائد بیویوں میں عدل کر سکنے کا یقین نہ رکھتے ہو تو ایک ہی بیوی کرو۔ پھر فوراً ہی بعد فرمایا۔

وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا

اور دو عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ پس اگر وہ ان مہروں میں سے کچھ حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔

دیکھ لیا آپ نے، یہاں مردوں کو تو ادائیگی مہر کی تاکید کی لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ مرد کو بھی بوقت نکاح عورت یا اس کے سرپرستوں سے کچھ وصول کرنا ہے۔

ایک آیت بیچ میں چھوڑ کر ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓي اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۔

اور اپنے حفظ و ضبط میں رکھو یتیموں کو جب تک کہ وہ عمر نکاح کو پہنچیں۔

آپ کو معلوم ہے یتیموں کی پرورش اور ان کے مال و متاع کی حفاظت پر کتنا زور قرآن نے دیا ہے، یہ سورۂ نساء ہی شروع ہی میں یتیموں کے اموال سے متعلق ہدایات لئے ہوئے ہے۔ اب اگر لڑکا بیاہنے کی شرط پر لڑکی والوں سے رقمیں اور جہیز وصول کرنے کا کوئی جواز ہو سکتا تو کیا اللہ تعالیٰ یہاں یہ نہ فرماتے کہ جب وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں تو ان کے لئے ایسا گھرانا ڈھونڈو جہاں سے بہت سا مال و دولت ہاتھ آئے۔

کچھ آگے دیکھئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

اے ایمان والو، تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ جائز ہے کہ انھیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ خرد برد کرو جو تم دے چکے ہو۔

بتایئے مالی تحفظات عورت کو دیئے جا رہے ہیں یا مرد کو؟ کیا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا ملتا ہے جس سے مرد کو رقم وصول کرنے کا حق مل سکے؟

آگے اور زیادہ وضاحت ملاحظہ ہو۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاۗءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً

اور وہ عورتیں بھی تمہارے لئے حرام ہیں جو کسی اور کے نکاح میں ہوں البتہ وہ حرام نہیں جو جہاد میں تمھارے ہاتھ آئیں۔ یہ قانون الٰہی ہے جس کی بجا آوری تم پر لازم ہے۔ اور ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انھیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ نکاح کر لو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر ازدواجی زندگی کا جو لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کر دو۔

کیا ان آیات میں صاف نہیں کہا گیا ہے کہ مردوں کے لئے جو عورتیں بھی حلال ہیں ان کی حلت اس بات پر موقوف ہے کہ مرد بطور مہر مال خرچ کرے۔ اور کیا باموالکم کے بعد دوبارہ اس کی تاکید نہیں کی گئی ہے کہ جو بھی کوئی عورت سے لطف مباشرت اٹھائے اس پر لازم ہے کہ مقررشدہ مہر ادا کرے اور ادائیگی کچھ اختیاری نہیں کہ جی چاہے دے اور جی چاہے نہ دے بلکہ لازم و فرض ہے الّا یہ کہ عورت خود ہی پورا یا کچھ مہر معاف کر دے۔

آگے ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۔

اور تم میں سے جسے اتنا مقدور نہ ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے اسے چاہیئے کہ تمھاری ان باندیوں میں سے کسی سے نکاح کرے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور ایمان والی ہوں۔

غور کیجئے! اگر یہ بات ادنیٰ درجہ میں بھی جائز و مناسب ہوتی کہ عورت یا اس کے سرپرستوں سے مرد بطور شرط نکاح مال و دولت کا مطالبہ کر سکے تو یہاں جن مفلس و بے مایہ مسلمانوں کو ان کی بے زری اور بے مقدوری کے باعث مومنہ کنیزوں سے نکاح کی رعایت دی جا رہی ہے، کم سے کم انھیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی اجازت دیتا کہ تم عورتوں ہی سے رقم کا مطالبہ کر کے اپنے آپ کو ذی مقدرت اور صاحب استطاعت بنا لو۔ ایسے رذیل اور غیر منصفانہ تصور کی اسلام میں گنجائش ہی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ کیا ذکر فرماتا۔

پھر یہ نہیں کہ ان کنیزوں سے تم یوں ہی مفت نکاح کر لوگے نہیں فرمایا گیا۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَآتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

پس ان کے سرپرستوں کی اجازت سے انھیں نکاح میں لے آؤ اور معروف طریقہ پر ان کے مہر ادا کرو۔

دیکھ لیجئے جو مالی ادائیگی معاملۂ نکاح میں مرد کے ذمہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کس طرح بار بار زور دیتے اور یاد دہانی کراتے ہیں۔ اگر عورت کی طرف سے بھی کچھ ادائیگی کی جانی ہوتی تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ ذکر کرتے۔

عورت کے مالی حق پر اللہ نے کس کس طرح زور دیا ہے۔ اسی سورت کی ایک آیت دیکھئے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّآتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

اور اگر تم یہ ارادہ کرو کہ موجودہ بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی لاؤ تو اس مہر میں سے کچھ واپس نہ لو جو تم اس پہلی بیوی کا طے کر چکے ہو چاہے وہ کتنا ہی بہت ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی ملکِ بضع کی قیمت یعنی مہر اگر دس لاکھ بھی طے ہوا ہو اور مرد دو چار ہی دن اس سے فائدہ اٹھا کر ترکِ تعلق کرنا چاہے تو یہ دس لاکھ واجب الادا ہوں گے تمام امت کا اس پر اتفاق ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ ہی نے عورت کا یہ حق متعین فرما دیا ہے۔

عبرت کی جا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاملۂ نکاح کی تفصیلات کے متعدد گوشوں پر روشنی ڈال کر فرماتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان طریقوں کو تم پر کھولدے اور انہیں پر تمھیں چلائے جن پر تم سے پہلے کے فرمانبردار لوگ چلتے رہے ہیں وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمھاری طرف توجہ فرمانے کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ باخبر بھی ہے دانا بھی۔ ہاں اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ اپنی خواہشات کے غلام ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے ہٹ کر دور نکل جاؤ۔

مگر جوڑے کے حامی کہتے ہیں کہ نہیں معاملۂ نکاح کا ایک اور ضروری جز تھا جسے اللہ میاں بھول گئے اور وہ تھا مرد کا جوڑے کے نام سے پیسہ اور جہیز طلب کرنا۔ اللہ تو کہتا ہے کہ نکاح کی ضروری تفصیلات کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا تاکہ تم ان کی پیروی کرو۔ اور یہ بھی واضح کرتا ہے کہ گذشتہ صلحاء بھی انہی تفصیلات کے فرمانبردار رہے ہیں لیکن جوڑے کے حامی خواہشاتِ نفس کی پیروی میں مسلمانوں کو راہ راست سے دور ہٹانے کا وہی کارنامہ انجام دے رہے ہیں جس کا اس آیت کے آخری فقرے میں ذکر ہے۔ واحسرتا! واویلا!!

اور فرمایا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ۔

کہ اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے

لیکن جوڑے کے حامی بندگانِ خدا پر ایک خوفناک طبعزاد پابندی لادنے کے درپے ہیں، گویا ہر قدم پر اللہ سے ضد بندی اور مقابلہ ہے۔ اللہ نے معاملۂ نکاح میں عورت کی ملکِ بضع کو مبیع ٹھیرایا وہ کہتے ہیں نہیں اس مبیع کی قیمت تو ہم بس زبانی ہی ادا کریں گے البتہ اس سے بھی پہلے ہم مرد کی مفروضہ لیاقتوں کو مبیع قرار دیکر عورت سے اس کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں اور یہ قیمت نقد پیشگی ہونی چاہئے۔ اللہ کہتا ہے ہم نے معاملۂ نکاح کے حدود و شروط کھول کر بیان کر دیئے۔ وہ کہتے ہیں نہیں جوڑا طلب کرنے کی ضروری شرط فراموش ہو گئی۔ وہ تو بہت ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کے حکم مہر کو نعوذ باللہ خوب شکست دی جا سکتی ہے۔ اللہ کہتا ہے ہم بندوں پر پابندیوں کا بہت زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے ہلکہ انھیں ہلکا رکھنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں اللہ کچھ چاہے مگر ہم تو جوڑے کے نام پر خطیر رقموں اور بیش بہا جہیزوں کا مطالبہ کر کے لڑکی والوں کا کچومر نکال ہی دیں گے۔ اللہ تو کہتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ

اے ایمان لانے والو! باہم ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ مگر یہاں تجارت ہونی چاہئے آپس کی

بِجَهَالَةٍ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۔ رضا مندی سے ۔

اور ظاہر ہے کہ جوڑے کے نام پر جو مال عورت والوں سے وصول کیا جاتا ہے وہ صریحاً باطل ہے کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز فروخت ہو رہی ہے جسے مذہب اور قانون اور عقل لائقِ فروخت قرار دیتی ہو لہذا تجارت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے عورت والوں کے ذمہ رقم کی ادائیگی ڈالی ہے کہ فاسد رسم و رواج کا دباؤ ڈال کر اس سے من مانے مطالبات کئے جائیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی چیز لائقِ فروخت ہے تو وہ ہے قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق عورت کی ملکِ بُضع۔ اس کی قیمت میں مرد کو رقم ادا کرنی ہے، چاہے فوراً چاہے بعد میں۔ مگر جوڑے کے حامی کہتے ہیں کہ ہم تو باطل طریقے پر مال کھائیں گے اور الٹا اسے مستحسن و پسندیدہ قرار دے کر اللہ کو منہ چڑائیں گے۔ مہر کی ادائیگی بس زبانی ہی رہے گی۔ اور خود ایجاد جوڑے کی نقد وصولی کھلے بندوں قبل از نکاح ہوگی، اس سے زیادہ ڈھٹائی، سرکشی اور بدنہادی اللہ کے جناب میں اور کیا ہو سکتی ہے۔

سورۂ نساء ہی میں فرمایا گیا۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

مرد عورتوں کے سربراہ ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر برتری دی ہے اور اس لئے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں

قَوَّام عربی میں کہتے ہی اسے ہیں جو کسی نظم یا ادارے یا فرد کی نگرانی کرے اس کی ضروریات مہیا کرے اور اس کے معاملات کو درستگی کے ساتھ چلائے۔ خود آیت میں ہی صریح طور پر مردوں کی فضیلت و برتری کا ایک باعث یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اب ذرا ان غرض پرستوں کی بے حیائی کا اندازہ لگائیے جوڑے کے جواز میں یوں کہتے ہیں کہ شوہر شادی کے بعد بیوی کی جو مالی کفالت کرے گا اس کے معاوضہ میں اسے پہلے ہی بیوی کے سرپرستوں سے معقول رقم وصول کر لینی چاہئے، گویا اللہ کے عطا کردہ فضل کو وہ بلا تکلف مرد کی لوحِ فطرت سے کھرچ دینا چاہتے ہیں، سوچئے کہ مال خرچ کرنے کو اللہ نے وجہ فضیلت قرار دیا۔ اللہ فرماتا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔

اور تم میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں اللہ نے جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا مت کرو۔

اب لالچی اور زر پرست لوگ مال خرچ کرنے اور بیوی کے اخراجات اٹھانے کو فضیلت تو کیا سمجھتے مصیبت سمجھتے ہیں اور پوری بے حیائی کے ساتھ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مصیبت کے بدلے میں ہمیں بیوی کے سرپرست پہلے ہی سے معقول رقم اور جہیز دیں، خیر وہ اپنے جوشِ طمع میں جو کچھ سمجھیں اللہ تو مال خرچ کرنے کو فضل ہی قرار دے رہا ہے اور حکم دے رہا ہے کہ جس کو اس فضل سے نہیں نوازا گیا اسے اس کی تمنا کرنے کی ضرورت نہیں، اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ جہاں عورت پر کمانے کی ذمہ داری نہیں ہے وہیں یہ بھی ذمہ داری نہیں کہ لطیبہ جوڑے کے مرد کو کوئی رقم ادا کرے۔ اور جو لوگ ایسا رواج چلاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ صریحاً اللہ کے نافرمان ہیں تم اگر بیوی پر مال خرچ کرنے کو اپنی بدبختی سے فضیلت کا سبب نہیں بلکہ مستقل مصیبت سمجھتے ہو تو خوب جان لو کہ یہ مصیبت اللہ ہی کی ڈالی ہوئی ہے اور اس نے تمہیں یہ حق کہیں نہیں دیا ہے کہ عورتوں کو بھی تم اس میں گرفتار کرو۔ تماشا ہے کہ اپنی مصیبت تو تم بعد میں جھیلو گے اس سے پہلے ہی ہونے والی بیوی کے سرپرستوں سے تم رقم اینٹھ رہے ہو

سورۂ نساء ہی پر موقوف نہیں۔ قرآن میں جہاں کہیں تم نکاح سے متعلق تصریحات دیکھو گے یہی پاؤ گے کہ مالی ذمہ داری مرد ہی کے سر ہیں اور عورت سے رقمیں وصول کرنا شیطان کا چلایا ہوا طریقہ ہے۔ مثلاً سورۂ ممتحنہ میں اللہ فرماتا ہے کہ اگر مومن عورتیں مہاجرت کر کے آئیں تو

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

تمہارے لئے کوئی حرج نہیں اگر ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ ان کے مہر انہیں دو

کس قدر التزام کے ساتھ اللہ تعالیٰ بار بار یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ بغیر مہر کے نکاح مت کرو۔ سوائے گمراہوں اور نفس پرستوں کے کس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے گی کہ عقدِ نکاح میں مال خرچ کرنا مرد ہی کے ذمہ ہے اور وصول کرنا عورت کا حق۔ ہم اس موضوع

کی تمام ہی آیات جمع کرکے مضمون کو طول دینا نہیں چاہتے۔ سعادتمندوں کے لئے تو ایک ہی آیت کافی ہے۔ جتنی آیات ہم نے نقل کیں ان سے تشفی نہ ہو تو پورے قرآن کو دیکھ ڈالو کہیں بھی تمھیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملے گی جو نام نہاد جوڑے کا جواز ثابت کر سکتی ہو اور ملے کیونکر اللہ تعالیٰ جن حقوق و قیود کی بار بار تصریح فرماتے ہیں کیا وہ خود ہی ایسے فعل کی بھی اجازت دیدیں گے جو ان حقوق و قیود کو پامال کرنے والا ہو۔ یہ بات دیوانوں اور گمراہوں کے سوا کسی کے باور کرنے کی نہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیاتِ محکمات کے بعد کچھ اور کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن آخری حد تک اتمامِ حجت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اقوال وافعال بھی جستہ جستہ پیش کئے دیتے ہیں تاکہ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد۔ اور جیئے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد)

(باقی آئندہ انشاء اللہ)

پریشانیوں کا حل

حق تعالیٰ کی طرف کامل توجہ سکونِ قلب کا باعث اور پریشانیوں کا حل ہے۔

عصرِ حاضر کے انسان کی ذہنی الجھنیں طبِ روحانی کی نظر میں۔

دہلی۔ انسان نے مادی اور ذہنی ترقی کافی کرلی ہے پھر بھی اسے سکونِ قلب حاصل نہیں اور بیسویں صدی کا یہ ترقی یافتہ انسان انفرادی سطح سے لیکر بین الاقوامی اور عالمی سطح تک ذہنی عدم اطمینان انتشار اور پریشانی کا شکار ہے آخر اس کا علاج کیا ہے۔ ماہنامہ "ہمدرد صحت" دہلی (اپریل ۵۹ء) میں فاضل مضمون نگار ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ) نے غالباً اشاروں ہی اشاروں اس سوال کا جواب دینے اور اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ موصوف "صحت و شفا" کے زیرِ عنوان اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ کلی قاعدہ یہ ہے جس میں کوئی استثنا نہیں کہ اگر (مثلاً) ہمارے قلب و ذہن میں گل شاداب کا تصور قائم ہوجائے اور کوئی دوسرا خیال مخل نہ ہو تو فرح و سرور سے قلب کی فضا معمور ہوجاتی ہے اور سکینت و طمانیت ہمارا حال ہوجاتا ہے۔ باطن کی یہ کیفیت خارج یا آفاق پر بھی طاری ہوجاتی ہے"۔ موصوف اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے آگے چل کر اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ " اس قاعدہ کے تحت اگر ہم اپنی محبت کا مرکز حق تعالیٰ کی ذات کو قرار دے لیں جو تمام رحمتوں اور نعمتوں کا مبدأ ہیں اور فرح و سرور کا مرکز تو پھر قوانینِ حیات کے ساتھ کامل تطابق و توافق پیدا ہوجاتا ہے اور ہمارے تمام حالات میں کامل ترتیب اور ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے اور تمام دردوں کا درمان مل جاتا ہے"۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اس نکتہ کی مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ۔

فساد و بیماری کا اثر ان قلوب پر نہیں ہوتا جن کا قبلۂ توجہ حق تعالیٰ کی ذات کاملہ ہے۔ فساد و اختلال پیدا کرنے والی بیماریاں اس شخص کے بدن پر حملہ نہیں کرسکتیں جس کا قلب ہر آن ملازمِ حق ہوتا ہے اور حضور مع اللہ جس کو نقد دام ہے۔ افسوس تو اس کا ہے کہ ہم اس طرف بالکل توجہ نہیں کرتے ہیں ناممکنات کی توقع بھی لوگوں سے نہ کرنی چاہئے لیکن اتنا مشورہ ضرور دیا جاسکتا ہے کہ ہر روز چند لحظوں کے لئے نیاز و شکستگی کے ساتھ ذاتِ الٰہی کیطرف توجہ کریں جو ہماری زندگی کا مبداء و منتہا ہے اور ان لحظوں میں سرور سکینت اپنے قلب پر طاری کریں۔ اس عرصہ میں تمام برے خیالات سے قلب کو خالی کردیں تمام حرص و انانیت عداوت و نفرت درد و نایانت سے فارغ ہوجائیں اور قلب کو محبت و انس سے پُر کرلیں اور سکون و سرور کا اس کو مرکز بنالیں سلبی جذبات و منفی خیالات کا قلب و ذہن سے دور ہوجانا ہی سکینت و سرور کا قلب میں پیدا ہوتا ہے۔

ع: ہے از خود جو گذشتن ہمہ عیش است و خوش "

(ادارہ ہمدرد صحت کی طرف سے شائع کیا گیا)

تفہیم الحدیث

آغاز بخاری کی تفہیم (کتاب الوحی)

قسط ۱۵

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۔

آلِ عمران رکوع ۷ کی یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس گرامی نامے کا جزء ہے جو آپ نے ہرقل قیصرِ روم کو بھیجا تھا اور اس کا ترجمہ پہلے آچکا ہے۔ ایک بار پھر دیکھ لیجئے :-

"اے اہلِ کتاب ! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں ہے یہ کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھیرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا معبود بنائیں۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہدو گواہ رہنا کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں"

اس کے مطالب پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک خاص پہلو بحث طلب یہ ہے کہ اس آیت کے زمانۂ نزول کے بارے میں مفسّرین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قصّۂ وفد نجران کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ وفد نجران کا قصہ ۹ھ ہجری کا ہے لہذا سوال پیدا ہوا کہ حضورؐ کا زیرِ تذکرہ خط تو بہت پہلے ۶ھ کا تحریر فرمودہ ہے پھر کیسے ممکن ہوا کہ یہ آیت اس میں لکھی گئی ہو۔ اس کے جواب میں بجائے اس کے کہ یہ مفسّرین زمانۂ نزول کے بارے میں نظرِ ثانی کرتے اور مزید تحقیق فرماتے انھوں نے بے دلیل تاویلیں شروع کر دیں۔ بقول حافظ ابن حجر بعض نے کہا کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ ایک اس خط سے پہلے ایک بعد میں اور بعض نے کہا کہ یہ الفاظ خود رسول اللہؐ کے ہیں اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بعینہٖ نازل فرما دیا ہے۔ یہ دونوں تاویلیں چونکہ کوئی عقلی و نقلی دلیل اپنے ساتھ نہیں رکھتیں اس لئے خیال و گمان سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ شاید اسی لئے بعض مفسرین نے تاویل کے عوض زمانۂ نزول کے بارے میں مزید جستجو کی اور آخر کار یہ فیصلہ دیا کہ یہ اس خط سے قبل بدر و اُحد کے درمیان نازل ہو چکی ہے اور اس کے مخاطب یہودی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے مختلف اقوال بیان کر کے اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا ہے۔ فیصلہ کیا کوئی رجحان اور غالب گمان بھی وہ ظاہر نہیں فرماتے اس لئے فتح الباری کو چھوڑ کر بعض اور شروح کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ مگر یہاں بھی کوئی فیصلہ کن بات ہاتھ نہ آئی۔ تب براہ راست تفسیروں سے روشنی حاصل کرنے کی سعی کی۔ اس مقام پر اُن بحثوں کے ذکر کی تو گنجائش نہیں ہے جو اس پوری سورۃ (آلِ عمران) کے زمانۂ نزول کے بارے میں مختلف مفسّرین نے کی ہیں۔ البتہ وہ نتیجہ ہم عرض کئے دیتے ہیں جس پر اپنی سی تگ و دو کے بعد ہم پہنچے ہیں۔

صورت یہ ہے کہ اِس سورۃ میں چار جداگانہ تقریریں ہیں اگرچہ معنویت، مقصد اور مطلوب کے اعتبار سے ان میں ایک نفیس قسم کا ربط و تسلسل موجود ہے اور جس طرح ایک غیر منقطع دھاگہ تسبیح کے مختلف دانوں کو باہم دگر مربوط کئے رکھتا ہے اسی طرح مرکزی مضمون نے ان تقاریر کو عمدگی کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے لیکن ظاہری اجزاء کے اعتبار سے ہیں بہرحال یہاں چار مختلف تقریریں۔ اِن چاروں کا زمانۂ نزول ایک نہیں ہے۔ جس آیت کا معاملہ درپیش ہے وہ ساتویں رکوع کی پہلی ہی آیت ہے۔ اس سے قبل کی تقریباً تین رکوع کے متعلق مضبوط شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آیات وفد نجران کے موقع پر ۹ھ میں نازل ہوئی ہیں۔ اسی لئے جن مفسرین نے — اللہ ان پر رحمت فرمائے زمانۂ نزول کی کماحقہٗ تحقیق نہیں کی انھوں نے متصل بعد کی مذکورہ آیت کو بھی

انھی آیات سے جوڑ لیا اور خیال کیا کہ یہ بھی ۹ھ ہی میں نازل ہوئی ہو حالانکہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ نزول کے پہلو سے ان آیات کا سلسلہ ٹھیک وہاں ختم ہوگیا جہاں چھٹے رکوع کا نشان ہے — یعنی لفظ بالمفسدون پر اور یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ سے باعتبارِ ظاہر ایک جداگانہ تقریر شروع ہوتی ہے جو متعدد رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہے جس کا خطاب یہودیوں سے ہے اور جس کا زمانۂ نزول بہت پہلے غزوۂ بدر و اُحد کے درمیان ہے۔ اس طرح یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ کیوں کر اُس خط میں یہ آیت لکھی گئی جو حضورؐ نے ہرقل کو بھجوایا تھا۔

اب مطالب کی طرف آئیے۔ ویسے تو اس آیت سے یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ یہود و نصاریٰ میں جو شرک پایا جارہا تھا وہ ان کا اپنا من گھڑت تھا اور فی الاصل ان کی بھی آسمانی کتابوں میں ٹھیک توحید ہی کی دعوت دی گئی ہے نہ کہ اُن شرکانہ عقائد کی جنھیں وہ ان کتابوں سے منسوب کرتے ہیں۔ ہرقل کا اس خط سے متأثر ہونا اور اس کی تردید نہ کرنا بھی ظاہر کرتا ہے کہ باخبر اور غیر متعصب نصاریٰ خوب جانتے تھے کہ خود ان کی آسمانی کتاب میں بھی تنہا خدا ہی کی پرستش اور شرک سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے ورنہ حضورؐ کے خط پر ہرقل فوراً کہتا کہ واہ صاحب! یہ بات ہمارے اور مسلمانوں کے مابین مشترک اور مساوی کب ہے کہ ایک ہی اللہ کی بندگی کریں اور اس کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ خود کہتی ہے کہ اللہ نے کسی بھی زمانے میں کسی بھی قوم کے پاس جو کتاب بھیجی ہوگی اس میں لازماً یہی ہوگا کہ تنہا میری بندگی کرو میرے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ بعد میں تو اللہ نے خالص توحید کی ہدایت بھیجی اور پہلے شرک کی اجازت دیتا رہا۔

لیکن اس صاف اور سیدھی سی بات میں بھی ہنگامہ پسند طبائع نے گرما گرمی کے راستے نکالے ہیں۔ اشکال وارد کیا گیا کہ نصاریٰ تو تثلیث کے قائل تھے پھر کیا مطلب ہے سواءٍ بیننا و بینکم کا۔ بھلا تثلیث اور توحید مساوی ہوسکتے ہیں!

جواب دیا گیا کہ ظاہر میں چاہے کوئی کچھ کہتا ہے مگر فی الحقیقت خدا کو واحد ہی تسلیم کرتا ہے۔ نصاریٰ اپنے آپ کو موحد ہی کہتے ہیں یہود بھی اصلاً وحدانیت ہی کے قائل ہیں۔ مشرکین تک، جو صدہا دیوتاؤں کے قائل ہیں بڑے خدا کو ایک ہی مانتے ہیں۔

اب بحث چھڑی کہ اسلام کا اطلاق صرف دینِ محمدیؐ ہی پر ہوتا ہے یا سابقہ دینوں پر بھی ہوتا تھا۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھ ڈالا اور علامہ زرقانیؒ نے اس کا لبِ لباب یہ نقل فرمایا کہ ادیانِ سابقہ کے پیروؤں کو صرف مومن کہا جاتا تھا۔ اسلام دینِ محمدیؐ ہی کے پیروؤں کیلئے خاص ہے۔ اس دعوے پر سیوطیؒ نے آیات بھی پیش کی ہیں مگر خود ہی اس استشہاد سے غیر مطمئن بھی ہیں رسالہ ختم کردیا تو بعض آیات ایسی سامنے آئیں کہ دعویٰ باطل ہوتا نظر آیا۔ یہ تو مشکل ہی تھا کہ جس دعوے کو ثابت کرنے کیلئے رسالہ لکھنے کی مشقت گوارا کرچکے ہیں اُس سے بہ آسانی دست بردار ہوجائیں ذہنی صلاحیتوں کو جمع کرکے ان کی بھی تاویلیں کرڈالیں۔ اب کون کہے کہ یہ تاویلیں کس درجہ کی ہیں۔

ہم اس باب میں جو کچھ سمجھے ہیں وہ سیدھے سادے لفظوں میں یہ ہے کہ بلاشبہ پہلی اُمتوں پر بھی لفظِ مسلم کا اطلاق ہوا ہے اور قرآن اس پر شاہد ہے۔ مثلاً حضرت یعقوبؑ نے صاحب زادوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ[1] اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یوسف علیہ السلام کی دعا ہے توفنی مسلماً[2] والحقنی بالصالحین۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہے کان[3] حنیفاً مسلماً۔ تو لفظ مسلم کا اطلاق تو بہرحال پہلوں کے لئے ہوا۔ البتہ پہلے یہ اطلاق باعتبارِ لغت تھا۔ اسلام کے معنی خود کو مکمل طور پر سپرد کردینے کے ہیں۔ گویا مسلم وہ ہے جو خود کو اللہ کے سپرد کردے اور اسی کے احکام کی تعمیل کرے۔ تو حضرت یعقوبؑ کی وصیت ہو یا حضرت یوسفؑ کی دعا یا اللہ کا ارشاد۔ یہی لغوی معنی اس میں پیشِ نظر ہیں۔ بعد میں اُمتِ محمدیہ پر اس کا اطلاق کیا گیا تو اگرچہ بنیادی طور پر لغوی معنی مراد تھے لیکن چونکہ دینِ محمدیؐ میں انقیاد، سپردگی اور اطاعت کی شان ہر لحاظ سے مکمل کردی گئی اس لئے لفظِ مسلم کو اس کے حق میں ایک مخصوص اصطلاح اور لقب بنادیا گیا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے صدیق لغۃً ہر اُس شخص کو کہہ سکتے ہیں جو کامل طور پر سچا ہو اور فاروق ہر اُس شخص کو کہہ سکتے ہیں جو مختلف اُمور میں بہترین فیصلہ کرنے والا ہو لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ تمام دنیائے اسلام میں کن مخصوص

---

[1] تمھیں حالتِ اسلام ہی میں موت آنی چاہئے [2] اے اللہ مجھے مسلمان اٹھا اور صالحین کے ساتھ میرا حشر کر [3] ابراہیمؑ کامل طور پر مسلم تھے۔

شخصیتوں کے لئے بولے جاتے ہیں۔ ان کو سنکر جس طرح ان کے لغوی معنیٰ کا تصور نہیں آتا، بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کے مقدس وجود ذہن میں آجاتے ہیں اسی طرح لفظ "مسلم" ایک متعین اصطلاح اور نام بن چکا ہے جس سے مراد صرف وہ امت ہے جو دینِ محمدی پر ایمان لائی —— چاہے وہ عملاً خدا کی نافرمانیوں ہی میں مبتلا ہو۔ ایک مثال خود فن حدیث ہی میں یہ ہے کہ لفظِ حافظ ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوتا ہے سیکڑوں حفّاظِ حدیث گذرے ہیں، لیکن علامہ ابن حجر کو چونکہ بطور لقب بھی حافظ کہا جانے لگا ہے اس لئے فن حدیث کے ضمن میں جہاں کہیں مطلقاً حافظ بولا جاتا ہے وہاں سوائے ابن حجر کے کسی کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ ایسا ہی قصہ لفظِ مسلم کا ہے۔ علامہ سیوطیؒ اگر یوں کہتے کہ بحیثیت لقب کے لفظِ مسلم کا اطلاق پہلی کسی امّت پر نہیں ہوا تب بات بالکل صاف تھی، لیکن اس حیثیت کی قید لگائے بغیر یہ دعوےٰ کہ بس امتِ محمدی ہی کے لئے یہ لفظ خاص ہے اُلجھن کا باعث ہوتا ہے

یہ لفظ لقب کیسے بنا؟ اس کی بھی تصریح قرآن ہی میں ہے سورۃ حج کے اختتام پر فرمایا گیا:-

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا ۔	دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے سے اور اس قرآن میں۔

یہ بحث الگ ہے کہ یہاں سمّٰی کا فاعل کون ہے۔ یعنی نام رکھنے والے حضرت ابراہیمؑ ہیں یا اللہ تعالیٰ۔ بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم مراد ہیں اور اشارہ ہے اُس دعا کی طرف جو سورۃ بقرہ میں آئی ہے (وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ) اور بعض نے کہا کہ نہیں خود باری تعالیٰ ہی مراد ہیں۔ ہمیں اس محل میں اس کا تصفیہ کرنیکی ضرورت نہیں کہ کونسا قول راجح ہے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ ہی مراد لے لئے جائیں تب بھی اُن کا نام رکھنا کافی ہوگا خصوصاً جبکہ اللہ تعالےٰ زوردار طریقہ پر اس کی تصدیق و تائید فرما رہے ہوں۔

اربابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ

بدعت و شرک کے موضوع پر ہم تو لکھتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں جی چاہتا ہے کہ صاحبِ تفسیر مظہری کے کچھ فقرے نقل کردیں جو انھوں نے اس مقام پر لکھے ہیں۔ موصوف کس شان کے عالم تھے اسے اہلِ شرک بدعت تو کیا جان سکتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں کو اللہ نے خوش ذوقی، سلامتیِ طبع اور علمی مذاق سے نوازا ہے وہ ضرور جانتے ہیں کہ موصوف بہت بلند پایہ عالم تھے اور تفسیر لکھتے ہوئے علمائے سلف کی ضخیم تفسیریں ان کے سامنے رہی ہیں۔ اربابًا من دون اللہ ہی کی تفصیل و توضیح میں رقمطراز ہیں:-

لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسًا عن عائشة وابن عباس قالا لما نزل برسول الله صلى الله عليه وسلم مرض طفق يطرح خميصة له على وجهه واذا اغتم كشفها عن وجهه ويقول وهو كذالك لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد قالت فحذر عن مثل ما صنعوا متفق عليه۔ وكذا اروى احمد والطيالسى عن اُسامه بن زيد وروى الحاكم وصححه عن ابن عباس لعن الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج۔	نہیں جائز ہے وہ سب کچھ جو جہلاء شہیدوں اور ولیوں کی قبروں کیساتھ کرتے ہیں مثلاً سجدے اور ان کے گرداگرد طواف کرنا اور ان پر چراغ جلانا اور ان پر مقامِ نماز بنانا اور عیدوں کی طرح ہر سال ان پر جمع ہونا اور اس کا نام عرس رکھنا حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ کو مرضِ طفق لاحق ہوا تو (بسبب اضطراب) اپنے چہرے پر چادر کھینچ لیتے تھے اور جب سانس گھٹنے لگتا تو چادر چہرے سے ہٹا کر فرماتے:- "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادتگاہ بنالیا" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "پس بچو اس طرح کی حرکتوں سے جو یہود و نصاریٰ کرتے رہے ہیں" (بخاری و مسلم) اور اسی کے مثل روایت کیا احمد اور ابوداؤد طیالسی نے اسامہ بن زید سے اور روایت کیا حاکم نے اور ابن عباس سے اسکی سند کو "صحیح" قرار دیا کہ فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت ہو اللہ کی قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبروں کو عبادت گاہ بنانے اور ان پر چراغ جلانے والوں پر۔

〰〰〰〰〰

حضور کے اس نامۂ مبارک کے بارے میں بعض شارحین مثلاً قسطلانیؒ نے تصریح کی ہے کہ ہرقل نے اس خط کو بطور تعظیم سونے کے ڈبے میں رکھا

اور پھر یہ بادشاہوں میں بطور امانتِ موروثہ منتقل ہوتا رہا۔ فرنگ کے بادشاہ نے سیف الدین قلیج کو سونے کا ایک صندوقچہ دکھلایا اور اس میں سے ایک خط نکالا جس کے بہت سے حروف مٹے ہوئے تھے اور بعض دھندلے پڑ گئے تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ تمہارے پیغمبرؐ کا خط ہے ہمارے دادا قیصر کے نام کا اور ہمارے آباؤ اجداد وصیت کرتے رہے ہیں کہ اس خط کی نہایت حفاظت کی جائے جب تک یہ تمہارے خاندان میں محفوظ رہے گا سلطنت بھی محفوظ رہے گی۔ تو ہم اس خط کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔

یہ ملک منصور قلا دن صالحی کے زمانے کی بات بتائی جاتی ہے افسوس ہمیں اس وقت تحقیق نہ ہو سکی کہ اس کا تعلق کس صدی ہجری سے ہے۔ فرنگ کے بادشاہ نے قیصر کو "دادا" کہا ہے۔ بظاہر اس سے حساب لگا لینا آسان ہے، مگر یہ حساب اس لئے قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا کہ عربی محاورے میں اجداد میں سے ہر ایک پر "دادے" کا اطلاق کر لیا جاتا ہے جیسے کہ اب بولکر جدِ امجد مراد لے لیتے ہیں۔

بخاری کی شرح میں تو نہیں ہاں بعض بالغ نظر محدثین کی کتابوں میں ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ قاصدِ رسول حضرت دحیہؓ ہی کی زبانی ہے۔ ہوا یوں کہ جو گفتگو بادشاہ اور ابوسفیان کے درمیان ہوئی اہلِ دربار تو اسی پر برافروختہ تھے۔ مکتوب گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھے جانے پر اور بھی بھڑک گئے۔ بادشاہ نے دربار برخاست کیا اور دوسرے دن مجھے ایک شاندار محل میں بلایا۔ وہاں میں نے ایک بڑے کمرے میں دیکھا کہ ہر طرف تصویریں ہی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ کل تین سو تیرہ [۳۱۳] تھیں اتنے میں بادشاہ نے مجھے مخاطب کیا "یہ سب تصویریں نبیوں اور پیغمبروں کی ہیں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ اس میں تمہارے نبی کی کونسی تصویر ہے؟"

میں نے بغور جائزہ لیا، واقعی ایک شبیہ خود رسول اللہؐ کی موجود تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے اقرار کیا:۔

"یہ ہے۔" ......

"بے شک" بادشاہ بولا "یہی آخری نبی کی شبیہ ہے۔"

پھر ایک لحظہ خاموشی کے بعد اس نے پوچھا:۔

"وہ جو اس شبیہ کے داہنی طرف شبیہ ہے اسے بھی پہچان سکتے ہو؟"

"ہاں" میں نے بلا تامل جواب دیا "یہ پیغمبر کے ایک صحابی ابوبکر صدیق کی شبیہ ہے۔"

"اور یہ بائیں طرف والی؟" شاہ نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا:۔

"یہ دوسرے صحابی عمر فاروق ہیں" میں نے جواب دیا۔

"توریت کی پیشین گوئی کے مطابق" شاہ نے کہا "یہی دو شخص ہیں جو تمہارے دین کو بامِ عروج تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں گے۔"

حضرت دحیہ کہتے ہیں:۔

"جب میں نے بارگاہِ رسالتؐ میں واپس ہو کر یہ سب واقعہ حضورؐ کو سنایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ قیصر نے سچ کہا، حقیقتاً اسلام کی ترقی انھیں دو شخصوں کے ہاتھوں کمال کو پہنچے گی۔"

یہ قصہ بظاہر ناقابلِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور سے دیکھئے تو کم سے کم حضورؐ کی ذاتِ گرامی کی حد تک اس میں کچھ استبعاد اور استحالہ نہیں ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ آتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ۔	جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اُسے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو۔ لیکن انہیں سے بعض لوگ حق کو قصداً چھپاتے ہیں درآنحالیکہ وہ جانتے ہیں۔

کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ کتبِ آسمانی میں نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہی ہوگا، بلکہ ایسی تفصیلات بھی بتائی گئی ہوں گی جن سے حضورؐ کی ایک واضح شبیہ لوحِ قلب و دماغ پر مرتسم ہو جائے۔ بہت زیادہ واضح اور مفصّل تعارف کے بغیر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ کما یعرفون ابناءھم۔

وہ خط جو حضور نے خیبر کے یہودیوں کو لکھوایا تھا اسے بھی یہاں بطور شہادت لیا جا سکتا ہے۔ اس میں تھا کہ اے اہلِ تورات! کیا اللہ نے تورات میں یہ نہیں کہا کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور کیا اس میں محمد پر ایمان لانے کا حکم لکھا ہوا نہیں ہے؟

اور بھی متعدد روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انجیل و تورات میں حضورؐ کا مفصّل تذکرہ ایک امرِ مسلّم تھا اور وہ یہود و نصاریٰ

تک جنھیں بے حیائی اور ضد کا وافر حصّہ نہیں ملا تھا قبول کرتے تھے کہ ہاں ایک آخری نبی کا ذکر ہمارے یہاں ضرور ہے۔ تو اِس صورتِ حال میں کسی مصوّر کے قلم سے حضورؐ کی شبیہ نکل جانی محال نہیں کہی جا سکتی۔ ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ نے جملہ تصویروں کو ابتداءً انبیاء و رسل کی تصویریں بتایا تو صحابہؓ کی شبیہیں ان میں کہاں سے آگئیں۔ جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ شاہ نے اکثر پر کُل کا حکم لگا دیا ہو۔ آخر دن رات ہی ہم آپ ایسے فقرے بولتے رہتے ہیں جن میں غالب اکثریت پر کُل کا اطلاق کر لیا جاتا ہے۔ تو کیا بعید ہے کہ چند کو چھوڑ کر باقی سب تصویریں انبیاء ہی کی ہوں اور اس لحاظ سے شاہ نے مذکورۃ الصدر جملہ بولا ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انجیل میں صرف انبیاء ہی کا نہیں بعض صحابہ تک کا ذکر اتنا تفصیل سے آیا ہے کہ اسکی مدد سے کسی مصوّر کیلئے ان کی شبیہ بنانی ممکن ہو جائے۔ اس کا جواب قطعیت کے ساتھ دینا تو مشکل ہے، کیونکہ غیر محرّف انجیل دنیا میں موجود نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی ہمیں کرنا چاہئے کہ جو اناجیل دنیا میں موجود ہیں ان سے بھی ہم برائے نام ہی واقف ہیں اگر ان پر نظر ہوتی تو ممکن تھا کہ کوئی قرینِ قیاس جواب بن پڑتا۔

تاہم تاریخ کی ایک تمثیل ایسی ضرور ہے جو اس سلسلہ میں قیاس کا کام دے سکتی ہے اور وہ ہے ۱۶ھ کا وہ واقعہ جو بیت المقدس کی فتح کے سلسلہ میں ایک مسلّم تاریخی صداقت کی حیثیت میں معلومِ خاص و عام ہے۔ یہ خلیفۂ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت کا واقعہ ہے اور متعدد قدیم تاریخوں میں مذکور ہے۔ حضرت عمرؓ بن العاصؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر کے وہاں کے فوجی سربراہ ارطبون کو خط بھیجا کہ شہر ہمارے حوالے کر دو۔ خط ایک ایسے آدمی کے ہاتھ بھیجا گیا جو رومی زبان جانتا تھا، لیکن تاکید کی گئی کہ اپنی رومی زبان سے واقفیت کا اظہار رومیوں کے آگے نہ کرے تاکہ اس خط کو پڑھ کر رومی آزادی کے ساتھ آپس میں اپنے خیالات کا تبادلہ کریں اور اُس ذہنی ردِّ عمل کو چھپانے کی کوشش نہ کریں جو خط پڑھنے پر ہویدا ہوا ہے۔

خط پڑھ کر ارطبون حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہوا۔

"ناممکن ہے کہ اس خط کو بھیجنے والا عمرو یروشلم (بیت المقدس) پر قبضہ کر سکے۔ یروشلم کا فاتح بے شک ایک ایسا ہی شخص ہوگا جسکے نام میں تین حرف ہوں گے، لیکن میں محاصرہ کرنے والے عمرو کو خوب غور سے دیکھ چکا ہوں اس کا وہ حلیہ نہیں ہے جو فاتحِ یروشلم کا ہونا چاہئے۔"

یہ کہہ کر اس نے وضع قطع اور ہیئت کی تفصیل بیان کر کے قاصد کو ناکام واپس کر دیا۔ قاصد نے یہ سب کچھ حضرت عمرو بن العاص سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا:۔

"یہ تو امیر المومنین عمر فاروقؓ ہی کا حلیہ ہے۔"

فوراً ہی بارگاہِ خلافت میں مکتوب بھیجا گیا جس میں جملہ تفصیل درج تھی۔ حضرت عمرؓ ایک غلام کی معیّت میں عازم بیت المقدس ہوئے۔ ایک ہی سواری تھی۔ آپؓ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ میں سوار ہو کر چلوں اور غلام پیدل چلے۔ فیصلہ کیا کہ اتنے اتنے فاصلہ تک ہم میں سے ہر ایک سوار ہو کر چلے گا اور دوسرا پیدل چلتا جائے گا۔ اتفاق دیکھئے، بیت المقدس قریب آیا تو باری غلام کے سوار ہونے کی تھی۔ اللہ کے برگزیدہ بندے عمرؓ نے اس کی پروا نہیں کی کہ ایک عظیم القدر والی اور حکمراں کی حیثیت میں لوگ اسے کیسا حقیر خیال کریں گے جب دیکھیں گے کہ غلام تو اونٹ پر سوار ہے اور آقا —— امیر المومنین، والیِ عرب مہار پکڑے پیدل چلا آ رہا ہے۔

اسی ہیئت میں بیت المقدس تشریف لائے وہاں کے ارطبون جیسے باخبر لوگوں نے آپ کو دیکھا تو فوراً شہر حوالے کر دیا کیونکہ جو حلیہ اور وضع قطع ان کے ذہنوں میں تھی حضرت عمرؓ اسکے مطابق تھے۔

اس تاریخی واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ کتبِ قدیمہ میں بعض مخصوص صحابہ کا ذکر بھی اس تفصیل سے آیا ہے کہ اس کی روشنی میں انھیں غیر مشتبہ طور پر پہچانا جا سکتا ہے۔ کون جانے رمل اور نجوم جیسے علوم کو بھی اس تعارف میں دخل ہو۔ بہرحال یہ واقعہ اگر صحیح ہے تو ہرقل والا قصہ بھی —— کم سے کم صحابہ کی شبیہوں کے پہلو سے ممکن الوقوع ہو سکتا ہے۔

ہاں یہ خرخشہ بہرحال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ مصوّر نے یہ صدہا انبیاء و رسل کی شبیہیں آخر کن معلومات کی بناء پر تیار کر دیں۔ یہ بات قابلِ فہم نہیں ہے کہ آسمانی کتب میں حضورؐ ہی کا نہیں

سیکڑوں دوسرے نبیوں کا بھی اتنا مفصّل تذکرہ موجود ہو کہ اس کے ذریعہ ان کی حقیقی شبیہیں بنائی جا سکیں۔ سیرت و کردار کے اعتبار سے تو بے شک انبیاء کے بارے میں کچھ متعین اوصاف سمجھے اور بیان کئے جا سکتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ مرئی تصویروں کا تعلق سیرت و کردار سے نہیں، بلکہ جسموں کے ظاہری خد و خال اور انداز و ہیئت سے ہے یہ کیسے ممکن ہوا کہ مصوّر نے سیکڑوں ہی انبیاء کی ایسی شبیہیں بنا کر رکھ دیں کہ وہ حقیقت سے قریب تر تھیں۔ مذکورہ واقعہ اگرچہ براہ راست تو اتنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شبیہیں مطابقِ واقعہ تھیں، لیکن بالواسطہ اور التزاماً اس سے یہی تأثر ملتا ہے کہ باقی تمام شبیہیں بھی مطابقِ واقعہ ہی ہوں گی۔ یہ تأثر اگر قابلِ لحاظ ہے — اور ضرور ہے تو استدلال کی وہ عمارت گر جاتی ہے جو آیۂ قرآنی کما یعرفون ابناءھم کے سہارے اُٹھائی گئی تھی۔

صحیح علم اللہ کے سوا کسے ہوگا۔ واقعہ بیان کرنے والے تو ابن جوزیؒ جیسے ناقدِ فن اور صاحب درایت بزرگ ہیں اگر نرمی سے کام نہ لیا جائے تو یہ آسانی یہ کہہ کر روایت کو رد کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اسناد باعتبار اصطلاح صحیح تو کیا حسن بھی نہیں ہیں، لیکن رد کرنے سے قبل یہ خاص نکتہ نظر میں ضرور رکھنا چاہیئے کہ اگر تمام تاریخ کو حدیث ہی کے فولادی فن نقد کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری قرار دیا گیا تو بات بہت دُور تک پہنچے گی اور تاریخ کے کم سے کم نوے فی صدی حصّے سے دستکش ہو جانا پڑے گا۔

پھر بات کیا بنی؟ کیا اس روایت کو درایت کے معیار پر کسے بغیر قبول کر لیا جائے؟ کیا رسالتِ محمدیؐ کی جو توثیق اور عظمتِ شیخین کی جو تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے اس کی سرور انگیز کیفیت میں دوسرے قابلِ نظر گوشوں سے آنکھیں بند کر لی جائیں؟

ہمارے پاس کوئی اطمینان بخش جواب نہیں۔ قیاس اور تاریخ کسی ایسے عجیب و غریب مصوّر کے وجود کا جواز پیش کرنے سے قاصر ہیں جو صدہا انبیاء کی حقیقی شبیہیں تیار کر کے رکھ سکتا ہو۔ ویسے اپنے علمی و عقلی ضعف کے تحت یہ تسلیم کرنے کو ہم ہر وقت تیار ہیں کہ جو چیز ہمارے دائرۂ فہم سے باہر ہو اس کے ناممکن ہونے کا قطعی فیصلہ ضروری نہیں، لیکن یہاں ایک اور سوال اُبھرتا ہے کہ اگر واقعتہً قیصر کے کسی محل میں صدہا انبیاء اور بعض صحابہ کی حقیقی تصویریں موجود تھیں تو ظاہر ہے یہ رومیوں کے لئے معلوم و معروف بات ہوگی۔ تمام عوام نہ سہی خواص تو بہر حال جانتے ہی ہونگے کہ ہمارا ملک ایک عجیب و غریب شاہکارِ فن کا امانت دار ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ شاہکار کسی رومی ہی فنکار کے موئے قلم کا ثمرہ ہوگا۔ یا رومی نہ سہی مگر کوئی ایسا ہی شخص ہوگا جس کے متعلق یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے مسلمانوں سے سازش کر رکھی ہے۔

پھر زیر بحث روایت کے مطابق جب ہرقل پہچانتا تھا کہ یہ آخری نبی کی تصویر ہے اور یہ ان کے فلاں فلاں صحابی کی تو ضرور ہے کہ روم کے کچھ اور اہلِ نظر بھی اس علم و تعارف میں شریک ہوں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ تنہا ہرقل ہی واقف ہو اور باقی سب لوگ بے خبر ہوں۔ اس صورت میں آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جو ہرقل دل سے رسالتِ محمدیؐ کا قائل ہوا تھا وہ ممتاز ارکینِ دولت اور سربرآوردہ اشخاص کو اسی تصویروں والے کمرے میں بلا کر کہتا کہ تم لوگ جانتے ہو، یہ انبیاء کی تصویریں ہیں۔ یہ بھی جانتے ہو کہ فلاں تصویر آخری پیغمبر کی ہے اور فلاں فلاں اس کے دو ساتھیوں کی۔ تو جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ لیکر اُٹھا ہے تو کیوں نہ تصدیق یا تکذیب سے قبل اسے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔ اگر وہ تصویر کے مطابق ہوا اور اس کے اور ساتھی بھی تصویروں کے مطابق ہی نکلے تو انکار و تکذیب کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اس کے برعکس نکلا تو ہم اسے قتل کر دیں گے یا کم سے کم اس کے دروغ پر متفق ہو جائیں گے۔

تاریخ نہیں بتاتی کہ ہرقل نے ایسا کوئی اقدام کیا ہو۔ اگر زیرِ بحث روایت کی صحت پر اصرار کیا جائے تو اس الجھن کا حل ناگزیر ہے۔ آیئے ہم بھی سوچیں اور آپ بھی۔ ممکن ہے کوئی راہ نکلے۔

(باقی آئندہ انشاء اللہ)

چند عمدہ کتابیں

کتاب الوسیلہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی ایک زبردست عربی تصنیف اُردو لباس میں۔
قربت الٰہی کے لئے جس وسیلہ کی تلاش کا حکم قرآن نے دیا ہے وہ کیا ہے؟ اس کا شافی وکافی جواب بہترین دلائل کے ساتھ اس گرانمایہ کتاب میں دیا گیا ہے۔ شرک وبدعت کی بیخ کنی اور سنت کی تائید۔ قیمت مجلد نو روپے۔

ابن ماجہ اور علم حدیث

"ابن ماجہ" صحاح ستہ کی دقیع کتاب ہے۔ اس کے جامع ابن ماجہؒ بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں۔ ان کی تفصیلی سوانح کے ساتھ اس کتاب میں تدوین حدیث کی مفصل تاریخ اور اُن جاں فشانیوں کی روداد پیش کی گئی ہے جو محدثین نے جمع حدیث کے سلسلہ میں کیں۔ کثیر معلومات کا خزانہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے متعلق بہترین محققانہ اور سیر حاصل مقالات کا بیش بہا مجموعہ۔ اس کتاب کا نہ پڑھنا اپنی زرین تاریخ کے ایک اہم ترین باب سے ناواقف رہنا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

سید احمد شہیدؒ

مولانا غلام رسول مہر کی مشہور زمانہ کتاب مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات اور ان کی عظیم تحریک جہاد پر اس سے بہتر مفصل اور مستند کوئی کتاب نہیں۔ جلد اول ودوم یکجا مجلد بارہ روپے۔
صفحات تقریباً ساڑھے نو سو

جماعت مجاہدین

"سید احمد شہیدؒ" ہی کے سلسلہ کی تیسری جلد ہے۔ اس میں آپ کی جماعت کے تنظیمی حالات اور ان کے رفقاء کے سوانح بیان ہوئے ہیں۔
قیمت مجلد سات روپے۔

اسلامی فقہ

زمانہ حاضر کی سلیس وشگفتہ زبان میں لکھی گئی مفید ترین کتاب۔ حصہ اول طہارت، نماز، روزہ اور صدقۂ فطر وغیرہ کے جملہ ضروری مسائل پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے سات آنے۔ حصہ دوم زکوٰۃ اور حج کے مسائل کو حاوی ہے۔ ایک روپیہ پانچ آنے۔ حصہ سوم چار روپے۔ حصہ چہارم ساڑھے تین روپے۔
مکمل سیٹ گیارہ روپے تین آنے

سفینۃ الاولیاء

شہزادہ داراشکوہ کی کتاب کا بامحاورہ اُردو ترجمہ۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر صحابہ کرام، ائمہ ومجتہدین، ازواج مطہرات اور اولیاء کرام کے جستہ جستہ حالات بیان ہوئے ہیں۔
قیمت مجلد چھ روپے بارہ آنے

بیان غالب شرح دیوان غالب

نہایت عمدگی سے چھاپا ہے
صفحات ۶۴۸ قیمت مجلد چھ روپے

نو ایمان افروز کتابیں

نماز کے فضائل ۱۵ / سچے رسول کی سچی تعلیم ۱۲ / معلم نماز ۸ / خاصانِ خدا کی نمازیں ۱۲ / حضرت بلالؓ ۱۲ / حضرت فاطمہؓ ۱۰ / رسول مقبولؐ کی دعائیں ۱۲ / حضرت ابوبکر صدیقؓ ۱۲ / حضرت خدیجہؓ سوا روپیہ
ان کتابوں کی مجموعی قیمت سات روپے ایک آنہ ہوتی ہے۔ لیکن ایک ساتھ منگانے والوں سے سوا چھ روپے

جماعت اسلامی کیخلاف لکھی گئی چار کتابوں کے مدلل جوابات

فتویٰ دیوبند کا جائزہ سوا روپیہ۔ رحمانی تبصرہ کا جائزہ چھ آنے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

تجلّی کی ڈاک

سوال ۱:۔ از اشتیاق احمد۔ متعلم مدرسۃ الاصلاح

تفہیم الحدیث کی چند لغزشیں

کل اتفاقاً "تجلّی" بابت ماہ فروری و مارچ کا مطالعہ کیا تفہیم الحدیث کے باب میں چند چیزیں کھٹکتی ہیں جو پیشِ خدمت ہیں۔ امیدکہ آنجناب آئندہ شمارہ میں ان اغلاط کی اصلاح فرما دیں گے۔ میرا مقصود اس سے محض توجہ دلانا ہے۔ ویسے شمارہ مجموعی لحاظ سے کامیاب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) آپ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "جنگِ بدر کے محرک و قائد یہی تھے" حالانکہ تاریخی جہت سے یہ بات درست نہیں اس لیئے کہ تاریخ تو یہ بتلاتی ہے کہ قیادت کا کام ابوجہل نے انجام دیا ابوسفیان بن حرب تو جنگ بدر میں شریک بھی نہیں ہوے پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو کہ وہ محرک و قائد تھے۔ میرے خیال میں یہاں اگر یوں کہا جائے تو بات درست ہوگی نیز تاریخی تضاد بھی ختم ہوجائے گا کہ "جنگ بدر کے باعث یہی تھے"۔ چنانچہ یہی صحیح ہے۔

(۲) آگے چل کر آپ لکھتے ہیں "ارسل الیہ فی رکب من قریش" یعنی "جب ہرقل نے ابوسفیان کو بلایا تو حال یہ تھا کہ وہ قریشی سواروں کے قافلہ کے ساتھ تھا"۔

ہمارے خیال میں یہ ترجمہ درست نہیں اس لیئے کہ اس حدیث میں ابوسفیان کا یہ بیان کہ اگر اور لوگ میرے ساتھ نہ ہوتے تو ضرور میں اس موقع پر دروغ بیانی سے کام لے سکتا تھا۔ اور غلط ترجمانی کرکے نکل سکتا تھا۔ لیکن ایسا میں اس لیئے نہیں کرسکا کہ میرے احباب میرے پاس موجود تھے۔ اگر ان کی موجودگی میں یہ کام کرتا تو ہمیشہ کے لیئے جھوٹا قرار پاتا۔ محض اس خوف کے باعث میں اس سے باز رہا۔ آپ کے ترجمہ کے مطابق آگے کا جملہ بے معنی ہوکر رہجاتا ہے۔ حدیث کا سیاق تو یہ بتاتا ہے کہ یہاں ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ "ہرقل نے ابوسفیان کو قافلہ سمیت بلا بھیجا" اس لیئے کہ مقصود یہی ہے۔ ہرقل نے محض ابوسفیان کو نہیں بلایا تھا بلکہ تمام لوگوں کو بھی بلایا تھا کہ اگر کہیں ابوسفیان غلط بیانی سے کام لے تو یہ لوگ اس کو ٹوک سکیں"۔

دوسری بات آپ اس ضمن میں یہ فرماتے ہیں "رَکب اونٹ یا گھوڑے کے سوار کو کہتے ہیں" حالانکہ رکب کا اطلاق حقیقتاً شتر سوار ہی پر ہوتا ہے۔ اسپ سواروں کے لیئے مجازاً استعمال ہوگا۔ یہاں یقیناً اس کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں یعنی شتر سواروں کا قافلہ۔

(۳) صلح حدیبیہ کے ضمن میں آپ تحریر فرماتے ہیں "پہلا قانونی نکتہ تو یہ ہے کہ اس سے قبل کفار مسلمانوں کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ آج انھوں نے باقاعدہ ایک فریق سمجھ کر ان سے معاہدہ کیا تو ثابت ہوگیا کہ ڈاکو اور لٹیرے نہیں بلکہ ایک ذی وقار گروہ ہیں"۔

میرے خیال میں یہ سطور حد درجہ گمراہ کن ہیں مسلمان تو مکہ پر کبھی چڑھ کر نہیں آئے تھے۔ کفار قریش ہی مسلمانوں کی فکر میں لگے رہتے تھے مکہ مکرمہ میں برابر پریشان کرتے رہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور برابر ان کے خلاف اقدامات کرتے رہے۔ قریش مسلمانوں کو جو کچھ کہتے اور سمجھتے تھے ان کی بکواس تاریخ میں محفوظ ہے۔ مگر ہمارے علم میں یہ کہیں نہیں کہ وہ انھیں ڈاکو اور لٹیرا سمجھتے ہوں۔ بلکہ تاریخی بیانات سے تو یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ وہ اگرچہ ان کو بے دین سمجھتے تھے لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ انکی امانت و دیانت کے بھی معترف نہ ہوں

تاریخی بیانات سے آپ کا یہ پہلو قطعی ثابت نہیں ہوتا۔ امید کہ آنجناب اس قسم کے جملوں سے احتراز کریں گے۔ قلم پر بریک لگانا بہت ضروری ہے۔

(۴) آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں "اور مخلوق میں کون ہے جس کے لئے کہا گیا" ویتم نعمتہ علیک۔ جس پر اللہ تعالیٰ اتمام نعمت فرمائے اس کی بلندیوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔"

یہ بات بھی ہمارے نزدیک درست نہیں اس لئے کہ اتمام نعمت دوسرے انبیاء پر بھی ہوئی ہے جیسا کہ قرآنی نظائر دلالت کرتے ہیں فی الحال ایک آیت کافی ہے۔ اگر آپ تفصیل چاہیں گے تو انشاء اللہ مزید دوسری آیات پیش کریں گے۔

سورہ یوسف میں ہے۔ (وکذٰلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمتہ علیک وعلیٰ اٰل یعقوب کما اتمھا علیٰ ابویک من قبل ابراھیم واسحاق ان ربک حکیم علیم) یہ آیت حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے آباء واجداد سب پر اتمام نعمت کی صراحت کرتی ہے۔ پھر یہ کیونکر درست ہے کہ اس کو محض آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت مانا جائے یہ الگ بات ہے کہ آنحضورؐ کی نبوت دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس طرح آپ پر جو اتمام نعمت ہوا وہ بھی سب سے ارفع و برتر ہو۔

یہ چند کھلی کھلی باتیں تھیں ان کو بے تکلف جناب کی خدمت میں پیش کردیا ہے محض اس توقع پر کہ جناب ان پر ضرور غور فرمائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن وحدیث کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے آدمی کو بہت سوچ سوچ اور تول تول کر لکھنا چاہیئے یہ نہیں کہ قلم کی نوک پر جو کچھ آجائے اسے ثبت ہی کرکے چھوڑا جائے۔ افسانوی ادب اور علمی ادب میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

جواب :-

شکر ہے کہ اہل علم حلقوں میں "تفہیم الحدیث" کو خاصی توجہ کا مستحق سمجھا جارہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آئے دن اس کے متعلق مختصر وطویل خطوط آتے رہتے ہیں جن میں اعتراض، اشتباہ، تعریف اور تحقیر سبھی کچھ ہوتا ہے۔ میں ڈاک سے ان کے جوابات دیتا رہتا ہوں اور اپنے بس بھر یہ کوشش کرتا ہوں کہ لوگوں کی تشفی ہوتی رہے

لیکن اب دو ایک ایسے بھی خطوط آئے ہوئے ہیں جن کی اشاعت دو وجہ سے ضروری ہے۔ ایک تو یوں کہ یہ خاصے طویل ہیں اور طویل ہی جواب کے متقضی ہیں۔ دوسرے یوں کہ ان میں میری دو ایک ایسی لغزشیں واضح کی گئی ہیں جن پر انھی صفحات میں گفتگو موزوں رہے گی تاکہ جس لغزش کا اعتراف ضروری ہو اس کا اعتراف کرلیا جائے اور جس کی توجیہ ممکن ہو اس کی توجیہ پیش کردی جائے۔

مجھے پہلے بھی اقرار تھا اور آج بھی ہے کہ جو کام میں کررہا ہوں وہ اس سے کہیں زیادہ صلاحیت، فرصت اور علم وفہم کا متقضی ہے۔ جتنی مجھے میسر ہے۔ اور اسی لئے اسمیں کوتاہیوں کا پایا جانا نہ صرف قرین قیاس ہے بلکہ شاید ناگزیر بھی ہے۔ تاہم ناظرین کو یاد ہوگا کہ بخاری کی تفہیم کا سلسلہ محض یہ بتانے کے لئے شروع کیا گیا تھا کہ احادیث کے لطائف وغوامض کو تنہا ان اردو ترجموں کے ذریعہ سمجھ لینا جو موجودہ چند سالوں میں بہت رائج ہوگئے ہیں کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اور جو لوگ اردو ترجمے دیکھ کر بعض احادیث کے بارے میں شک اور تحیر کا شکار ہوجاتے ہیں انھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ شک اور تحیر خود ان کی کم علمی کا ثمرہ ہے نہ کہ نعوذ باللہ احادیث کی ناکملی اور ضعف کا۔ اس طرح بخاری جیسی رفیع الشان کتاب کی تفہیم اس ہیچ مداں کے قلم سے شروع ہوگئی جس کی کم علمی ونااہلی کو اس اہم بالشان کام سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ سخن گستری کی بات نہیں بلا ادنیٰ تصنع کے عاجز عرض کرتا ہے کہ میں نے نہ کبھی پہلے خود کو اس کام کا اہل سمجھا نہ آج سمجھتا ہوں۔ اور یہ نااہلی ان اوقات میں تو خاص طور پر رنگ لاتی ہے جب کاموں کے ہجوم میں بہت ہی کم وقت میں ماہ رواں کی قسط پوری کرنی ہوتی ہے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھکر ذیل کے جوابات ملاحظہ فرمائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے سابقہ لغزشوں کیلئے معاف فرمائے اور آئندہ غلطیوں سے بچنے کی توفیق دے۔

(۱) آپ نے بجا فرمایا۔ یہ جملہ غلط طور پر سپرد قلم ہوگیا ہے۔ لفظ "محرک" کی تاویل ممکن بھی ہے لیکن "قاعد" عسکری مفہوم میں یقیناً غلط ہے۔ اور ابوسفیان واقعی غزوۂ بدر میں کفار کے سپہ سالار نہیں تھے۔ ایسی غلطی ہمارے قلم سے کیوں ہوئی اسے اپنی غفلت اور خفتہ ذہنی کے سوا کیا کہیں۔ کہنے کو کئی مستند تاریخیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ پھر صدر اول کی تاریخ خصوصاً فیصلہ کن غزوات کی تاریخ تو کبھی پڑھے لکھے مسلمانوں کے حافظوں میں کم وبیش محفوظ ہے۔ بدر میں ابوجہل کی قیادت اور اس کا

دلچسپ نقل۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ھٰذا فرعون ھٰذہ الامۃ۔ بچے بچے کو معلوم ہے۔ خود ہم سے اگر پوچھا جائے تو شاید سوتے میں بھی یہ نہ کہہ سکیں کہ بدر میں لشکر کفار کے قائد ابوسفیان تھے۔ اس کے باوجود اگر وہ جملہ ہمارے قلم سے ٹپک پڑا ہے تو اقرارِ خطا کے سوا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ ویسے عسکری مفہوم سے ہٹ کر سیاسی زبان میں ہمارے الفاظ کی کچھ نہ کچھ تاویل ممکن بھی ہے کیونکہ ابوسفیان ہی نے مخبر بھیجکر قریش کو ہجوم و اقدام پر اکسایا تھا۔ لیکن یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہوگا۔ لہٰذا جملہ قارئین نوٹ کر لیں کہ فروری و مارچ ۵۹ء کے تجلی میں صفحہ ۲۷ پر "محرک و قائد" کے الفاظ غلط استعمال ہوئے ہیں اور ابوسفیان غزوۂ بدر کا ایک ظاہری سبب ضرور تھے، قائد و سالار نہ تھے۔

(۲) یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ مفہوم کے طور پر آپ جو چاہیں الفاظ استعمال فرمالیں مگر ترجمہ وہی ٹھیک ہے جو ہم نے کیا۔ نحو کے معروف قواعد کی روشنی میں فی رکب من قریش کو جملہ حالیہ بنائے بغیر چارہ نہیں "قافلہ سمیت" تو اس وقت ترجمہ ہوتا جب مع رکب من قریش ہوتا یا مع کی جگہ بائے معیت استعمال کی جاتی۔ بخاری کے سب سے بڑے شارح حافظ ابن حجر فی رکب کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

والمعنی ارسل الی ابی سفیان حال کونہ فی جملۃ الراکب وذالک لانہ کبیرھم فلھذا خصہ	اور ارسل الی ابوسفیان کے معنی یہ ہیں کہ حال یہ تھا کہ وہ ابوسفیان سواروں کے ایک قافلہ میں تھا اور ابوسفیان چونکہ انہیں بڑا تھا اس لیئے اسے خاص کیا۔

ابن حجر کی اس تصریح کے بعد کم سے کم میرے لیئے کسی نحوی جانچ پرکھ کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی کہ عربی زبان و ادب میں اپنی حیثیت ذرۂ بے مقدار سے زیادہ کیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے استاد محترم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر بطور ترجمہ یہ الفاظ فرمائے تھے:۔

ای حال کون ابی سفیان فی رکب من قریش۔	یعنی حال یہ تھا کہ ابوسفیان قریشی سواروں کے درمیان تھا۔

رہا آپ کا یہ فرمانا کہ ترجمے کے بعد آگے کا جملہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے محض غلط فہمی ہے۔ اس سے کیسے انکا ہو سکتا ہے کہ ابوسفیان قافلہ سمیت ہی ہرقل کی بارگاہ میں گئے اور اسی لیئے دروغ گوئی سے بچنا پڑا نہ کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ ہرقل نے محض ابوسفیان کو بلایا تھا ساتھیوں کو نہیں۔ لیکن ارسل الیہ میں چونکہ ضمیر واحد استعمال ہوئی ہے اس لیئے ترجمہ بہرحال وہی کرنا ہوگا جو کیا گیا اور اس چیز کو مفہوم و مطلب کہیں گے جسے آپ ترجمہ قرار دے رہے ہیں۔

لفظِ رکب کی تشریح پر بھی آپ کا اعتراض قابل نظر ہے۔ اگر ہم "تفہیم الحدیث" میں تشریح لغات کا تفصیلی اہتمام کر رہے ہوتے تب تو آپ کی گرفت ایک حد تک بجا ہوتی لیکن جس صورت میں کہ ہم بہت ہی اختصار کے ساتھ کہیں کہیں حسب ضرورت یہ کام انجام دے رہے ہیں آپ کا اعتراض بیجا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بخاری پر کچھ لکھتے ہوئے سب سے اہم اور مقدم اگر کوئی کتاب ہو سکتی ہے تو وہ حافظ ابن حجر کی فتح الباری ہے۔ کچھ اور دیکھیے نہ دیکھیے اسے بہرحال سامنے رکھنا ہوگا چنانچہ ہم بھی اکثر اسے پیش نظر رکھتے ہیں۔ رکب کی شرح میں حافظ صاحب نے بھی اونٹوں ہی کو خاص کیا ہے۔ اس صورت میں ہمیں رکب کی تشریح میں یہی بات لکھنی چاہیئے تھی لیکن فوری طور پر دو یادداشتوں نے اس سے روکا اور مزید تحقیق پر ابھارا۔ پہلی یہ کہ ہمیں ایک عربی شعر ایسا یاد آگیا تھا جس میں "رکب" کا اطلاق گھوڑے سوار پر کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ یاد نہیں ہم نے کہاں پڑھا تھا کہ ابوسفیان کے اس تجارتی قافلے میں جو غزوۂ بدر کا پیش خیمہ بنا کچھ گھوڑے سوار بھی تھے، قرآن میں اس قافلہ کے لیئے رکب کا لفظ نازل ہوا ہے (سورۃ انفال رکوع ۵) اس طرح مزید تحقیق کے لیئے تحریک پیدا ہوگئی۔ پہلے ہم نے علامہ عینی کی عمدۃ القاری دیکھی۔ اس میں خود علامہ نے تو اصل لغت ہی کا لحاظ کیا ہے۔ لیکن ابن سیدہ کی یہ تشریح بھی دی ہے کہ:۔

ان الرکب یکون للخیل والابل وفی التنزیل (والرکب اسفل منکم) فقد یجوز ان یکون منھما جمیعا	یہ کہ رکب گھوڑے اور اونٹ دونوں کے سواروں پر صادق آتا ہے۔ اور قرآن میں ہے والرکب اسفل منکم پس کبھی جائز ہوتی ہے یہ بات کہ اونٹ اور گھوڑوں دونوں کیلیئے رکب بولا جائے

اس کے بعد عربی کی مشہور لغت المنجد دیکھی اسمیں یہ الفاظ پائے۔

الرکب:۔ رکبان الابل والخیل وھو اسم جمع۔	رکب اونٹ اور گھوڑوں دونوں کے سواروں کو کہتے ہیں اور وہ اسم جمع ہے

گویا صاحب المنجد نے یہ تفصیل نہیں دی کہ مرکب اصلاً تو شتر سوار ہی کے لیئے بولا جاتا ہے بس مجازاً گھوڑے سوار کو کہہ سکتے ہیں بلکہ جو کچھ کہا آپ کے سامنے ہے (آپ چاہیں تو یہی بات مصباح اللغات میں بھی دیکھ سکتے ہیں)۔

پھر ہم نے قاموس دیکھی۔ اس میں بھی ملا کہ قد یکون للخیل قاموس کی شرح تاج العروس میں اس قول کے قائل کا نام بھی دیا گیا ہے (جو ابن بری ہے)

اس کنج کاوی کے بعد ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ تفصیلی بحث اور حوالوں میں جائے بغیر اسی اختصار پر اکتفا کریں جس پر المنجد اور مصباح اللغات کے جامعین نے کیا ہے۔ اس کا ہمیں یقیناً اعتراف ہے کہ الرکب میں اصل اونٹ ہی ہیں۔ مگر چونکہ لغوی بحثوں کو ہم نے تفہیم میں نہیں لیا اس لیئے وہی مختصر تشریح کر دی جو اس مقام میں کافی تھی۔ اب اگر اختصار ہی جرم ہے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ صاحب المنجد اور صاحب مصباح اللغات بھی میرے شریکِ جرم رہے ہیں۔

(۳) معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی میں "محرک وقائد" والی غلطی دیکھ کر آپ فدوی سے اس قدر بدظن ہو گئے ہیں کہ آگے کچھ زیادہ غور و فکر کی ضرورت محسوس نہیں کی اور غضب ناک ہو کر اعتراض کرتے چلے گئے۔ غضبناک یوں کہ آپ میری بعض تشریحات کو "صد درجہ گمراہ کن" قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ گمراہی کا کوئی عنصر ان میں موجود نہیں ہے۔

ڈاکوؤں اور لٹیروں سے زیادہ وقعت نہ دینے کا مطلب اگر آپ نے یہ سمجھا ہے کہ کفار سچ مچ حقیقی معنوں میں مسلمانوں کو ڈاکو اور لٹیرا سمجھا کرتے تھے تو ہم آپ کی فہم و فراست اور زباندانی پر حیرت کریں گے آگے جو کمیونسٹ چین اور اسرائیل کی مثالیں دی گئی ہیں ان کی موجودگی میں یہ حیرت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ہمارا منشا تو یہ تھا ــــ اور یہی ہمارے معترض فیہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمانوں نے سیاسی و حربی میدانوں میں چاہے کیسی ہی کامیابیاں حاصل کی ہوں اور قبل ہجرت کے مقابلہ میں انکی قوت و شوکت چاہے کتنی ہی بڑھ گئی ہو لیکن کفار کی نظر میں ان کی پوزیشن کچھ زیادہ اونچی نہیں ہوئی تھی۔ انھیں بس ایسے لوگوں کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور خانہ بدوشوں کی سی ادنیٰ حیثیت کی زندگی گزار رہے ہوں۔ وہ اگر موقع بہ موقع کفار کے قافلوں پر تاخت کرتے، خون بہاتے، مال غنیمت حاصل کرتے اور عسکری اقدامات اٹھاتے تو اس کی حیثیت کافروں کی نظر میں وہ نہیں ہوتی تھی جو کسی مقتدر گروہ کی فوجی نقل و حرکت اور حربی و سیاسی اقدامات کی ہوا کرتی ہے بلکہ بس یہ سمجھا جاتا تھا کہ باپ دادا کے دین سے پھرنے والوں کا ایک سر پھرا گروہ ہے جو اس تاک میں لگا رہتا ہے کہ کب موقع ہاتھ آئے اور کب راہ گیروں کو لوٹ لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیئے کہ جو حقارت آمیز تصورات ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سرگرمیوں کے بارے میں ہوا کرتے ہیں ویسے ہی تصورات مسلمانوں کی اس وقت تک کی سرگرمیوں کے بارے میں تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی کارروائیوں کو مسلمان کی نظر سے نہ دیکھیئے بلکہ ان کافروں کی نظر سے دیکھیئے جو ان کارروائیوں کا ہدف تھے ــ تب انشاء اللہ ہماری بات صاف سمجھ میں آجائے گی۔ حضورؐ اور اصحابِ رسول کی امانت و دیانت کا اعتراف اور بات ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اہل کفر مسلسل آویزش کے باوجود ہر معاملہ میں ان کے متعلق اونچا ہی تصور رکھتے اور ویسے ہی انداز سے سوچتے جیسے ہم سوچتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ

"مسلمان تو مکہ پر کبھی چڑھ کر نہیں آئے تھے۔ کفار قریش ہی مسلمانوں کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں برابر پریشان کرتے رہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور برابر ان کے خلاف اقدامات کرتے رہے۔"

ہم نہیں سمجھے کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زیر تذکرہ زمانے صلح حدیبیہ تک سارے اقدامات بس کافروں نے ہی کیئے اور حضورؐ اسی طرح صبر کیئے بیٹھے رہے جس طرح قبل ہجرت مکہ میں صبر کیا کرتے تھے۔ اگر یہی مقصود ہے تو ہم کہیں گے کہ اس سے زیادہ غلط بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ حضورؐ نے ہدایت الٰہی کے تحت مکہ میں بے شک اس خاص اور محدود مفہوم میں صبر کی زندگی گزاری ہے جس کی طرف آپ کا اشارہ ہے یعنی سب کچھ سننا، سب کچھ سہنا اور جواباً کوئی کارروائی نہ کرنا۔ ظاہری حالات کا بھی یہی تقاضا تھا کہ ابتدائً صبر کا یہی رنگ اختیار کیا جاتا۔ کچھ بھی مادی اور عددی قوت

اور ظاہری وسیلہ و ذریعہ نہ ہو تو سہنے اور صابر و شاکر رہنے کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اسلام کا مسلک ایک چپت کھا کر دوسرا گال پیش کردینا نہیں رہا۔ چنانچہ ہجرت کے بہت ہی قلیل عرصہ بعد جب عددی اعتبار سے مسلمانوں کی ظاہری قوت کسی نہ کسی حد تک وقیع ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ہی کی ہدایت کے ماتحت مثبت اقدامات اور جوابی سرگرمیوں میں دیر نہیں لگائی۔ ابھی ہجرت کا صرف ساتواں ہی مہینہ تھا کہ آپ نے قریش کی ایک جماعت کے مقابلہ میں جو شام سے واپس ہو رہی تھی اور ابوجہل کی قیادت میں تین سو افراد پر مشتمل تھی۔ تیس صحابہؓ کو حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا تھا۔ قتال کی صفیں تک جم گئی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی نے بیچ بچاؤ کرا کے لڑائی رد کردی ہو۔

اس کے بعد دو سو قریش کے مقابلہ میں سریہ عبیدہؓ بن الحارث روانہ کیا گیا تھا جس میں سعد ابن ابی وقاص نے پہلا تیر پھینکا تھا اس کے بعد قریش کی ایک جماعت کی راہ روکنے کے لئے سعد ابن ابی وقاص کو بیس سواروں کے ہمراہ بھیجا گیا تھا۔ پھر متعدد سیاسی و حربی اقدامات کیئے گئے تھے۔ حتیٰ کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جس کی شام سے واپسی کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی ہے۔ شام کی طرف مال تجارت لیکر روانہ ہو چکا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ دو سو صحابیوں کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلے تھے۔ اسے اتفاق کہیئے کہ ذوالعشیرہ پہنچکر پتہ چلا کہ قافلہ آگے جا چکا ہے اور آویزش کی نوبت نہیں آئی۔ مگر اس کے بعد مقام نخلہ میں تو قریش کے ایک قافلہ کو جو اونٹوں پر کھجوریں اور مال تجارت لا رہا تھا صحابہ نے زک دے ہی دی تھی۔ ایک آدھ کو مار ڈالا تھا۔ کچھ کو گرفتار کیا تھا۔ اور اونٹ اور اسباب قبضے میں کر کے حضورؐ کو خمس پیش کیا تھا۔

ان حکیمانہ سرگرمیوں کو اُن معنوں میں تو صبر و شکر کے خلاف ہرگز نہیں کہا جا سکتا جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مفہوم بے شک ان میں نہیں پایا جاتا جو آنجناب کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ غزوۂ بدر سے قبل ہوا ہے۔ بعد میں صلح حدیبیہ تک تو نہ جانے کیا کچھ سرگرمیاں مسلمانوں کی طرف سے ظہور میں آئیں تاریخ نے ان سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اقدام، آویزش، تاخت اور حملہ و ہجوم کے ان کثیر واقعات کو ہم مسلمان کی حیثیت سے جس رنگ میں چاہیں لکھیں اور جو عمدہ سے عمدہ تعبیر کرسکتے ہوں کریں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کفار ان سے کیا تأثر لیتے رہے ہوں گے جنھیں ان سے واسطہ پیش آرہا تھا اور جو مسلمانوں سے بری طرح خار کھائے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اس وقت تک کوئی باقاعدہ سلطنت نہیں تھی۔ سلطنت تو کجا انھیں وہ معمولی قبائلی استحکام بھی حاصل نہیں رہا تھا جو عرب میں زندہ رہنے کے لیئے واحد سہارا تھا۔ مکہ سے وہ نکال دیئے گئے تھے اور مکہ ہی وہ مقام تھا کہ جس گروہ کو اس پر اقتدار حاصل ہو وہی ذہنی طور پر حجاز کا سربراہ اور والی خیال کیا جاتا تھا۔ آپ جانتے ہیں ایک باقاعدہ فوج جتنی چاہے لوٹ مار مچائے۔ دشمن کے میگزین رسد اور خزانے پر قبضہ کرلے مگر اس کی حرکتوں کو ڈکیتی کا نام نہیں دیا جاتا۔ لیکن یہی حرکات اگر کسی ایسے گروہ سے سرزد ہوں جس کی کوئی باضابطہ حیثیت نہ ہو تو پھر ڈکیتی کی صف کے جتنے حقارت آمیز اور تذلیل آمیز الفاظ ہیں سب استعمال کرلیئے جاتے ہیں۔ صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں نے اپنی قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود جو سیاسی و حربی فتوحات حاصل کیں وہ اگرچہ بے حد شاندار، بہت حیرتناک اور بڑی بیش قیمت تھیں لیکن ایک واجب التسلیم اور ناقابل تردید پوزیشن انھیں بہرحال حاصل نہ ہوسکی تھی۔ مکہ پر ابھی تک کفار ہی کا پرچم لہرا رہا تھا۔ معاشی دروازوں کی چابیاں انھی کے قبضے میں تھیں اور یہ ممکن نہ ہوسکا تھا کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں اونچے انداز سے سوچیں۔ انھیں بے گھر افراد کی ایک نامحکم ٹولی سمجھنے کے عوض ایسے افراد کا گروہ خیال کریں جو تحقیر و تذلیل سے کہیں بالاتر ہے۔ ایسی حالت میں ان کی ذہنی کیفیت کو اگر ہم نے ان لفظوں میں بیان کردیا ہے جن پر آپ کو سخت اعتراض ہے تو انصاف فرمایا جائے کہ کیا گمراہی پھیلائی ہے۔ خدا وہ دن کبھی نہ لائے جب ہمارا قلم خدمتِ حق کی بجائے گمراہی پھیلانے کا گندہ کام انجام دے۔ آپ اگر اب بھی ہماری تشریح سے مطمئن نہیں ہوسکے تو سکوت کے سوا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔

(۴) قرآن ایک بحر بے پایاں ہے اور ہم جیسے نااہلوں سے اگر قلتِ فہم یا عدم استحضار کے باعث کوئی بھول چوک ہوجائے تو بعید از قیاس نہیں ہے نہ اس کے اعتراف میں ہمیں تأمل ہوسکتا ہے۔ لیکن زیر بحث مقام میں ہم آپ کے اعتراض سے متفق نہیں ہیں۔ ہم نے کہا تھا

اور اب پھر کہتے ہیں کہ مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جسے خطاب کرکے خالق نے کہا ہو کہ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ۔ آپ نے سورۂ یوسف کی جو آیت نقل فرمائی ہے اس سے ہمارے دعوے کی تردید نہیں ہوتی بے شک الفاظ بعینہ وہی ہیں جو سورۂ فتح میں حضورؐ کے لیئے آئے ہیں اور چونکہ خدا نے نازل فرمائے ہیں اس لیئے جزوِ قرآن ہی ہیں۔ لیکن قرآن اٹھاکر دیکھیے ان کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو خطاب کرکے اتمام نعمت کی بشارت دی ہو بلکہ حضرت یوسفؑ کو مخاطب کرکے ان کے والد یعقوب علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا یہ الفاظ ان کا جز ہیں۔ گویا جس طرح دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء اور ملائکہ وغیرہ کے اقوال اپنی زبان میں نقل فرمائے ہیں اور جزوِ قرآن ہونے کے باوجود ان کی حیثیت فرمودۂ خداوندی کی نہیں اسی طرح سورۂ یوسف کے یہ الفاظ بھی حضرت یعقوب کا فرمودہ ہیں نہ کہ خود باری تعالیٰ کا۔ باری تعالیٰ قصہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب یوسفؑ نے اپنے والد سے خواب کا حال بیان کیا تو والد نے جواب دیا کہ بیٹا! یہ خواب اپنے بھائیوں سے مت کہنا ورنہ وہ تیرے لیئے دام فریب بچھائیں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے اسی طرح برگزیدہ کرے گا اور بات کی تہہ تک پہونچنے کی سوجھ بوجھ دے گا اور اپنا انعام تجھ پر اور آلِ یعقوب پر پورا کرے گا جیسا کہ اس نے تیرے دو باپ دادوں ابراہیم اور اسحاق پر پورا کیا۔

یہ ہے حضرت یعقوب کا وہ خواب جسے اللہ جل شانہٗ نے بیان فرمایا۔ اس میں اتمام نعمت کی بشارت اللہ تعالیٰ نے نہیں حضرت یعقوب نے دی ہے اور غالباً اسی لیئے خود اپنا ذکر نہیں فرمایا بلکہ آلِ یعقوب کہا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ یہاں اتمام نعمت کا ذکر فرما رہے ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ حضرت یعقوب نظر انداز کر دیئے جاتے، وہ جلیل القدر نبی تھے اور بالیقین ان پر بھی وہ اتمام نعمت ہوا تھا جس سے حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم و اسحاق علیہم الصلوٰۃ والسلام سرفراز ہوئے۔

سورۂ فتح کی زیر بحث آیت کے علاوہ بس یہ واحد آیت ہے جس میں ضمیر واحد کے ساتھ خطاب کرکے کسی فرد واحد کو اتمام نعمت کی بشارت دی گئی ہے۔ مگر واضح ہوا کہ یہ خالق کی طرف سے نہیں بلکہ مخلوق ہی کے ایک فرد کی طرف سے دی گئی ہے اور اس طرح فی الحقیقت اس کی حیثیت ربانی بشارت کی نہیں بلکہ حسن توقع اور دعا کی ہے۔ آپ دیگر آیات بھی پیش کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے آپ اور ایک بھی آیت ایسی نہ پیش کر سکیں گے جس میں اللہ نے کسی شخص معین کو مخاطب بنا کر اتمام نعمت کی خصوصی بشارت دی ہو۔ بے شک اتمام نعمت کی بشارتیں قرآن میں چند اور جگہ بھی ہیں۔ مثلاً سورۂ نحل میں۔ سورۂ بقرہ میں اور سورۂ مائدہ میں دو جگہ۔ لیکن یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ان آیات کی نوعیت بالکل اور ہے ان میں نہ تو کسی معین فرد سے خطاب ہے نہ کوئی ایسی تخصیص ہے کہ اسکے ذریعہ کسی ایک یا چند افراد کو مخصوص بلندی اور رفعت کا حامل قرار دیدیا جائے ——— مثلاً سورۂ بقرہ میں ان تمام لوگوں کو جو خدا پر ایمان لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے مسجد حرام کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ جو لوگ تم سے اس بارے میں جھگڑتے ہیں ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے یعنی اللہ سے ڈرو تاکہ میں تم پر اتمام نعمت کر دوں۔

اب ظاہر ہے یہاں "اتمام نعمت" کے شرف و اعزاز سے کوئی ایک شخص مشرف نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان تمام مومنین کو بشارت دی گئی ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ خواہ وہ دورِ سابق کے ہوں یا آنیوالے زمانوں کے۔

اسی طرح سورۂ مائدہ میں دو جگہ "اتمام نعمت" کا اطلاق دین اسلام پر کیا گیا ہے بس فرق یہ ہے کہ اولاً تو صراحت سے کام لیا۔ بعدہٗ معناً اشارہ فرمایا۔ ظاہر ہے دین تو تمام بنی نوع انسان کے لیئے ہے اور نعمت کاملہ ہونے کے باوجود کسی ایک فرد یا چند افراد کو ان آیات سے کوئی ایسا اعزاز و خصوصیت حاصل نہیں ہوتی جس میں کسی اور کی شرکت ناممکن ہو۔

اسی طرح سورۂ نحل میں "اتمام نعمت" کی تصریح کسی خاص فرد یا جماعت کا رتبہ بڑھانے کے لیئے نہیں ہے بلکہ اس کا اطلاق ان نعمتوں پر کیا گیا ہے جو بلا فرق مذہب و ملت جملہ انسانوں کے لیئے عام ہیں۔ رہنے کے گھر، کھالوں کے آرام دہ ڈیرے، بھیڑوں کی اون اور اونٹوں کے پشم اور بکریوں کے بالوں سے بنے ہوئے سامان۔ پہاڑوں کی پناہ گاہیں اور لباس وغیرہ۔ ان سب چیزوں پر

اتمام نعمت کا اطلاق کیا گیا ہے اور بالکل صحیح کیا گیا ہے۔ مگر کھلی بات ہے کہ اس اتمام نعمت سے فائدہ اٹھانے میں پورا عالم انسانی شریک ہے

اب اس سورۂ فتح کو دیکھیئے جس کے سلسلہ میں آپ کو اعتراض ہوا ہے۔ شروع ہی میں باری تعالیٰ حضورؐ سے مخصوص طور پر خطاب فرماتے ہیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ اس کے بعد ایسی بات فرماتے ہیں جو دوسرے کسی بھی انسان حتیٰ کہ کسی نبی تک سے نہیں فرمائی گئی لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (تاکہ اللہ تیرے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے)

پھر اسی بے مثال اور فرید و حید مژدۂ جانفزا کے متصل بعد عطف کے ساتھ فرماتے ہیں وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (اور پورا کردے تجھ پر اپنے انعام کو) اس سیاق میں ہم نے پہلے بھی یہی سمجھا اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ اتمام نعمت اس مفہوم و مصداق کا "اتمام نعمت" نہیں جس کا تذکرہ دیگر مقامات پر ہوا ہے بلکہ اسمیں بڑی خصوصیت بڑی رفعت اور بڑی مرکزیت و جامعیت ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ اتمام نعمت کا جو آخری سے آخری درجہ کسی مخلوق کے لئے ہو سکتا ہے تجھے (صلی اللہ علیہ وسلم) دیدیا گیا ہے۔ ہر وہ نعمت جو کسی انسان کو بخشی جا سکتی ہے تجھے بخشدی گئی اور جس بے کنار فیض و رحمت سے تجھے اللہ نے نوازا ہے، جو مقام تجھے عطا کیا ہے۔ جس قدر بلندی تیرے حصے میں آئی ہے وہ نہ کبھی کسی انسان کے حصے میں آئی نہ کبھی آئیگی اس کی کوئی نظیر کوئی مثیل نہیں۔ ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ ظاہراً تو ہر شخص کے سامنے ہے۔ جو کامیابیاں محسوس میدانوں میں حضورؐ کے حصے میں آئیں۔ جس قدر تیز رفتار ترقی آپ کے غلاموں نے کی، جس قدر کثرت و وسعت آپ کی امت کو حاصل ہوئی اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام آپ سے پیچھے ہی ہیں۔ اور باطناً کا اندازہ کس کے بس میں ہے۔ بس ایک اشارہ سا امت کے اس متفقہ عقیدے سے ملتا ہے کہ آپؐ تمام انبیاءؑ سے افضل و برتر ہیں، سب کے سردار ہیں۔ کوئی من حیث المجموع آپ کے برابر نہیں۔ نہ ہوا۔ نہ ہوگا نہ ہو سکتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرۃ۔

ان تصریحات کو ممکن ہے آپ اس جذباتی عقیدت پر محمول کریں جو ہر مسلمان کی طرح ہمیں بھی سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ——— ہمیں اعتراف بھی ہے کہ اس خیر الخلائق محبوب ربانی فداہ امی وابی کا ذکر چھڑ جانیکے بعد واقعتاً ہم جذباتی سپردگی اور خیالی گم گشتگی سے اپنا دامن نہیں بچا پاتے لیکن اوپر جو معروضات ہم نے پیش کی ہیں ان میں غالباً اتنی معقولیت ضرور ہے کہ اس کی رعایت سے آپ اپنا غصہ کم کر دیں "افسانوی ادب" کے الفاظ سے جو طنز آپ نے کیا ہے اگرچہ اس کا موقع نہیں تھا جو شخص ہر وقت نصیحت قبول کرنے پر بشوق آمادہ ہو اس پر طنز کا نشتر چلانا نشتر کا صحیح مصرف نہیں ہے۔ تاہم اس سے اگر آپ کو کچھ لذت ملی ہے تو بندے کو کوئی شکوہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بے بضاعت کو اچھا لکھنے کی توفیق دے اور ان لغزشوں سے بچائے جن کا مآل آخرت کا خسارہ ہو۔ وانا العبد الفقیر الراجو برحمۃ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ۔

نقشہ نعل شریف

اپریل ۵۹ء کے تجلی میں "تجلی کی ڈاک" کے تحت صفحہ (۳۳) پر ایک سوال و جواب شائع ہوا تھا۔ سائل نے حضرت مولانا اشرف علی کی کتاب "نیل الشفا" کے کچھ اقتباس دیکر سوال قائم کیا تھا اور ہم نے اس بے انتہا عقیدت و محبت کے باوجود جو ہمیں ماضی قریب کے اس عظیم المرتبت عالم اور مصلح سے ہے وہی جواب دیا تھا جو اپنے علم و فہم اور ضمیر کی آواز کے مطابق نظر آیا تھا۔ دینے کو تو ہم جواب دے گئے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ دل میں ایک خلش سی باقی رہ گئی تھی اسی خلش کے تحت ہم نے تگ و دو کی اور خدا کا شکر ہے کہ یہ بیکار نہیں گئی۔ ہماری ہی طرح شاید ناظرین کو بھی یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ مولانا اشرف علیؒ "نیل الشفا" سے رجوع فرما چکے ہیں۔

ادارۂ اشرف العلوم کراچی کے شائع کردہ امداد الفتاویٰ جلد چہارم میں صفحہ (۳۲۸) سے لیکر صفحہ (۳۳۲) تک وہ خط و کتابت شائع کی گئی ہے جو اسی نعل شریف کے مسئلہ پر حضرت مولنا اشرف علی اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ "نیل الشفا" کے مضامین لکھتے وقت مولنا اشرف علیؒ کا ذہن اُن بُرے اثرات و نتائج کے تصور سے خالی تھا جو نیل الشفا کے فرمودات سے عوام میں پھیل سکتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی توجہ دہانی سے وہ اس پر متنبہ ہوئے اور اپنی معروف عادت کے مطابق نہ صرف رجوع فرما لیا بلکہ حضرت مفتی صاحب کے

یہ بھی فرمائش کی کہ:-

"اگر ممکن ہو کم از کم اس مضمون کو مکملاً یا ملخصاً جلد ہی شائع فرمادیں پھر خواہ مستقلاً۔ وھوا دلی۔ یا اخبار میں۔
۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ"

پہلے خط میں رجوع کے الفاظ یہ ہیں:-

"نیل الشفا کے متعلق النور ع۹ جلد ع۳ میں ایک تنبیہ شائع ہوئی ہے اس کے خلاف نہ کریں۔ اھ۔

اب بحمداللہ دوسرے علماء کی تحریر سے بھی میرے مقصود کی تائید ہوگئی۔ پس کسی کو غلو کی گنجائش نہ رہی اور اس مفصل اور مکمل تحقیق کے بعد احقر کی تحریرات میں باہم بھی اور دوسرے حضرات اہل تحقیق کی تحریر سے بھی تعارض کا احتمال نہیں رہ سکتا۔ لیکن اب بھی کسی کے خیال میں تعارض کا شبہ ہو تو اس کے لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جاوے اور میری تحریر کو مرجوح بلکہ مجبور ورع ممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ سمجھا جاوے"۔ فقط
۲۷ر ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔

دوسرے خط کے آخری فقرے یہ ہیں:-

"...... اب مجھکو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہوگیا ہے پھر اس کے ساتھ عوام کا اختلاف اہواء سے جس سے میرا ذہن خالی تھا۔ مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک الحدیث۔ اپنے رسالہ "نیل الشفا" سے رجوع کرتا ہوں اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہوگیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں:-

علیٰ امتی راضٍ بان احمل الھویٰ
واخلص منہ لا علیَّ ولا لیا

اللہ تعالیٰ مولانا اشرف علیؒ کو آخرت کے بے پایاں انعامات سے نوازے اور ان کی نیکیوں کا کوئی پرتو ہم سیاہ کاروں پر بھی ڈالدے۔ واقعہ یہ ہے کہ بتقاضائے بشریت جب بھی ان سے تحریر و تقریر میں کوئی سہو ہوگیا ہے اور اس پر وہ از خود یا کسی کے توجہ دلانے سے مطلع ہوگئے ہیں تو کوئی مصلحت اعتراف سہو میں آڑے نہیں آئی ہے اور بلا تامل آپ نے رجوع کا اعلان فرمایا ہے۔ حق پسندوں اور خدا پرستوں کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے قصور کا علم ہو جائے تو پل بھر کیلئے بھی اس کے اعتراف اور سعی تلافی سے جان نہ چرائیں۔ یہی "نیل الشفا" کا معاملہ دیکھ لیجئے اگرچہ مولانا موصوف ان دلائل سے لاجواب نہیں ہوئے تھے جو مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے خطوں میں درج فرمائے تھے۔ اور آخری خط تک میں دلائل کا توڑ اور علمی توجیہات پیش کرتے رہے۔ لیکن یہ احساس ہوجانے کے بعد کہ نیل الشفا کے مندرجات منطقی تاویلات سے درست و جائز بھی ثابت کر دیئے جائیں تب بھی مضرت سے خالی نہیں ہیں فوراً رجوع فرمالیا اور تارجوع اگر کسی درجہ کی مضرت ظہور میں آچکی ہو تو استغفار کا بھی اعلان کیا۔ یہی ہے اخلاص، تقویٰ، دینداری، اور عدل و شرافت کا تقاضا اور یہی ہے وہ چیز جس کے تعلق سے ہم جیسے نہ جانے کتنے نیازمند چودھویں صدی کے اس جلیل و رفیع مرد مومن کی کفش برداری کو اپنے لئے باعث سعادت اور اس کی محبت و عقیدت کو آرام جاں تصور کرتے ہیں۔

طاب اللہ سراہٗ وزاد اللہ لہٗ شیئاً و بعداً فی الاخرۃ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے صفات و کمالات

از جناب استاد محمد ابوزہرہ (ترجمہ) سید رئیس احمد جعفری ندوی

زیرِ اشاعت کتاب "حیات امام ابن تیمیہ رح" کا ایک باب

غیر معمولی قوتِ حافظہ

اگر امام ابن تیمیہ کے صفات و کمالات کا جائزہ لیا جائے تو سرِ فہرست جو چیز نظر آئے گی وہ ان کی حیرت انگیز قوتِ حافظہ ہے۔ غور کرو تو علم کی بنیاد اساس حافظہ ہی پر ہے، تاریخ کے صفحات پر اُن لوگوں کی فہرست بہت مختصر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام صاحب سا حافظہ عطا کیا گیا ہو۔ ان کی یہ صلاحیت عہدِ طفولیت ہی سے نمایاں تھی یہ بچپن ہی کا تو واقعہ ہے کہ چند حدیثیں لکھیں۔ ان پر ایک نظر ڈالی اور منہ زبانی فرفر سنا دیا۔ پھر جب جوانی کی سرحد میں قدم رکھا تو ہم عصر علماء سے بحث و مباحثہ، مناظرہ اور مجادلہ کی نوبت آئی تو وہ حافظہ ہی کی خداداد صلاحیت تھی جس نے ہر ایک میں انھیں غالب اور نمایاں رکھا، اوپر حافظ ذہبی کے کلام میں ایک واقعہ کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ کواکب دریہ میں ہے:—

"عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام صاحب نے جیل میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کتابوں میں احادیثِ نبویہ سے استشہاد کیا، آثار درج کیے، علماء کے اقوال پیش کیے، محدثین و مؤلفین کے نام زیرِ بحث لائے، انکی تصنیفات و تالیفات کا حوالہ دیا، اور یہ سب کچھ محض حاضر دماغی کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ مطالعہ اور مراجعت کے لیے کوئی کتاب تو پاس تھی نہیں۔ امتحاناً کافی تجسس کیا گیا کہ شاید کوئی غلطی نکل آئے، لیکن الحمد للہ امام صاحب کے دیے ہوئے حوالوں میں کہیں کوئی خلل یا تغیر نظر نہ آیا[1]۔"

اس بیان میں کچھ مبالغہ ہو سکتا ہے کیونکہ امام صاحب کے مطالعہ اور تحریر پر پابندی آخری اسیری کے دور میں عائد کی گئی تھی۔ لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب کے غیر معمولی حافظہ نے کس طرح ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ جس سے دوست خوش ہوتے اور دشمن جلتے تھے۔

عمق و تأمل

صفات ابن تیمیہ میں دوسری اہم چیز عمق و تأمل ہے۔ آپ مسائل پر بحث و درس کے سلسلہ میں بڑی گہری نظر ڈالتے تھے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا رہا کبھی کبھی ایک مسئلہ کی گتھی حل کرنے میں کئی کئی راتیں آنکھوں ہی کٹ جاتیں۔ یہاں تک کہ اغلاق کو دور کر دیتے اور امرِ جازم تک پہنچ جاتے، وہ آیات و احادیث قضایائے عقلی، میزانِ قیاس ہر طرح سے کام لیتے، فکرِ مستقیم برابر رفیق و دمساز رہتی۔ یہاں تک کہ حق واضح ہو جاتا، اس عمق و تأمل۔ غور و فکر میں تحلیق و تدقیق نے امام صاحب کو ایسا عالم بنا دیا جو غواصِ حقیقت تھا احادیثِ نبویہ اور آیاتِ قرآنیہ سے استنباطِ معانی میں وہ دوسرے علماء پر غیر معمولی امتیاز کے حامل تھے۔ چنانچہ الکواکب الدریہ میں ہم دیکھتے ہیں:۔

"امام صاحب ابن تیمیہ کو خدائے بزرگ و برتر نے جو صفات و کمالات عطا فرمائے تھے ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ الفاظ نبویہ اور اخبار مرویہ سے استنباطِ معانی میں انھیں غیر معمولی درک حاصل تھا۔ چنانچہ مسائل پر وہ ان صفات کے باعث واضح دلائل قائم کرتے تھے۔ لفظ کے مفہوم و منطوق کو بڑی خوبی سے بیان کرتے تھے۔ خاص اور عام، مقید اور مطلق

---

[1] الکواکب الدریۃ ص۱۵۱۔

نیز ناسخ اور منسوخ کی وضاحت خوب کرتے تھے۔ پھر ان سب کی تبیین ضوابط و لوازم اور ملزومات و ما یحتاج اور ما تیرتب کی تشریح و توصیف ایسی کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی لہ۔

خلاصہ یہ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ غیر معمولی حافظہ کی دولت ہی سے مالا مال نہیں تھے بلکہ فکر عمیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپکو مرحمت ہوا تھا۔ سرسری نظر مسائل پر نہیں ڈالتے تھے، بلکہ بار بار غور و فکر کے بعد ایسے موتی نکالتے کہ عقلیں حیران ہو جاتیں اور مخالف ششدر رہجاتے

حاضر دماغی

امام صاحب کی تیسری صفت حاضر دماغی ہے! اپنی غیر معمولی قوت حافظہ اور فکر و تعمق کے علاوہ حاضر دماغی کے اعتبار سے بھی دو یکتا تھے۔ حاضر دماغی کا یہ عالم تھا کہ جیسے کوئی مستعد سپاہی پہلی آواز پر لبیک لبیک کہتا بڑھتا ہے اسی طرح بغیر کسی جد و جہد اور سعی و کوشش کے ان کا دماغ ذرا سے اشارے پر تہ تک پہونچتا اور کام کی بات نکال لاتا تھا۔ مناظرے کے موقع پر وہ اپنے حریف مقابل کو اپنی یادداشت اور حاضر دماغی سے عاجز اور درماندہ کر دیتے تھے۔ وہ حیرت اور بے بسی سے ان کا منہ تکتا رہ جاتا تھا۔ کوئی جواب نہیں بن آتا تھا۔ حریف کے لئے ممکن نہ تھا کہ امام صاحب کے افکار و خیالات اور دلائل و براہین کا دلیغیر طویل مطالعہ امعان نظر، اور مراجعت کتب کے فی الفور طور پر کر سکے۔ یہی اس کی ہار تھی اور امام صاحب کی جیت۔

امام صاحب کے ایک شاگرد رشید ابوحفص البزار فرماتے ہیں:-

"ابن تیمیہ جب درس شروع کرتے تو اللہ تعالیٰ انپر علوم کے اسرار و غوامض اور لطائف و دقائق اور منقولات معقولات علماء۔ نیز اشعار عرب سے استشہاد اور استدلال کھول دیتے کھول دیتا، اور اس طرح رواں دواں چلتے جیسے دریائے ذخار موّاج ۲۔"

آگے چل کر "الکواکب الدریہ" میں بتایا گیا ہے۔

"کہ جب امام صاحب سے سوال اور مناقشہ کیا جاتا تو وہ اسی سرعت اور برجستگی سے جواب دیتے جس نے انھیں شہرۂ انام کر رکھا تھا۔ پھر جواب بھی ایسا کہ دوسرا کوئی عالم مدت کی محنت و مطالعہ کے بعد اگر مستقل تصنیف بھی کرتا تو شائد اسکی رسائی وہاں تک نہ ہو سکتی!" ۳

امام صاحب کی یہ وہ صفت تھی جس نے مخالفوں اور حریفوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ امام صاحب سے مقابلہ کرتے جھجکتے تھے۔ جو حریف امام صاحب کی اس صفت کو خاطر میں نہ لاتا اور میدان میں اپنی قوت علم و استدلال کے گھمنڈ پر کود پڑتا۔ اس کی عبرت انگیز حالت قابل دید ہوتی امام صاحب اسے زچ کر کے رکھدیتے، واقعہ یہ ہے کہ بحث و گفتگو کے میدان میں ان پر کبھی کوئی غالب نہیں آسکا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے مخالف چند فقہا و قضات نے تنگ آکر پہلے مصر اور بالآخر دمشق میں رات دن کوششیں کر کے آپ کو قید کرا دیا، تاکہ ان کی باتیں سننے میں آئیں نہ جواب دینے کی ضرورت پڑے!

استقلال فکری

چوتھی صفت جو امام صاحب میں بہت نمایاں نظر آتی ہے وہ ہے استقلال فکری یہ صفت دوسرے تمام صفات پر بھاری ہے، ان کی علمی شخصیت کے بنانے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے اس صفت نے ان میں وہ فضائل اور مزایا پیدا کر دئیے جو دوسرے معاصر علماء میں نظر نہیں آتے۔

امام صاحب کے معاصرین میں متعدد ایسے بزرگ تھے جو اپنی سرعت فہم و ادراک اور ذکاوت و ذہانت، نیز قوت حافظہ کے اعتبار سے ممتاز تھے ——— لیکن استقلال فکری سے محروم تھے۔

کوئی مسئلہ بھی امام صاحب کے سامنے پیش کیا جاتے وہ اسے کتاب و سنت اور آثار سلف صالح کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اس روشنی میں جس نتیجہ تک پہنچتے تھے اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اس کی ذرا پرواہ نہ کرتے تھے کہ لوگ تائید کرینگے یا مخالفت؟ علماء عصر کی زبان پر جو کچھ جاری ہوتا وہ اس کے تابع نہ تھے۔ عام لوگوں میں مروجہ

لہ الکواکب الدریہ ص۱۵ ۲ ابوحفص عمر بن علی البغدادی المتوفی ۷۴۹ھ الاعلام العلیہ فی مناقب الامام ابن تیمیہ کے مصنف (مجموعہ الرد الوافر ص۱۲۱-ع-ج)

۳ الکواکب الدریہ ص۵۳-۵۴ ۴ ایضاً۔ حاضر دماغی کا حیرت انگیز ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسئلہ تقدیر کے انکار میں کسی شخص نے کچھ اشعار کہے۔ امام صاحب نے کھڑے کھڑے اس کے رد میں ۱۵۶ سو سے اوپر ابیات کہہ ڈالے (درر کامنہ ص۱۵۶) یہ پوری نظم مع اشعار مردودہ کے العقود الدریہ ص۲۸۳-۲۹۳ میں مذکور ہے۔ (ع-ج) ۲۹

عقائد کے پیرو نہ تھے۔ وہ تو صرف دلیل کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ اس کی پیروی کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنے کے خوگر نہیں تھے۔ صرف دلیل ہی کا جادہ تھا جس میں وہ پیروی کرتے تھے۔

اپنے علم و مطالعہ کی بنیاد پر انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ (استمداد و استعانت) کی کوئی دلیل شرع میں نہیں ملتی۔ بغیر کسی جھجک اور تأمّل اور قوت کے انھوں نے یہ بات برسرعام کہہ دی۔ بہت سے لوگ اس بات پر خفا ہو گئے، دشمن بن گئے مخالفت پر اتر آئے۔ وہ لوگ جن سے دوستی اور حمایت کی امید تھی وہ سب مخالف، اور دشمن بن گئے۔ لیکن ان کی رائے کوئی نہ بدل سکا ان کا ہادی اور رہنما کوئی نہ تھا۔ مگر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کبار تابعین کے آثار!۔

امام صاحب کے استقلال فکری کے بارے میں ان کے شاگرد رشید ابو حفص جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے مزید فرماتے ہیں:۔

"جب امام صاحب پر حق واضح ہو جاتا تو اسے دانتوں سے پکڑ لیتے تھے۔ خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سخت اور بے لچک نہیں پایا، اس طرح اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ سب سے زیادہ حریص اور اس کی تائید و نصرت میں پیش پیش رہتے تھے یہاں تک کہ اگر کسی مسئلہ میں از روئے حدیث وہ کوئی فتویٰ دیتے تھے اور یہ اطمینان ہو جاتا تھا کہ کسی دوسری حدیث سے اسکی تنسیخ ثابت نہیں تو پھر وہ اس پر عمل کرتے تھے۔ اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اس کے مطابق فیصلہ صادر کرتے تھے۔ اور فقیہوں میں سے کسی کے قول کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ خواہ وہ کیسی ہی بلند پایہ شخصیت کیوں نہ ہو اگر نگاہِ عدل سے امام صاحب کے اسلوب اور روش کو دیکھا جائے تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ کتاب و سنت کی رہنمائی میں قدم بڑھاتے ہیں۔ اس راستے سے انھیں کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی عظیم و جلیل کیوں نہ ہو منحرف نہیں کر سکتا کتاب و سنت کے بارے میں اپنے قول و عمل پر وہ کسی سے خائف اور مرعوب نہیں ہوتے تھے، نہ کسی امیر سے نہ بادشاہ سے نہ تلوار سے۔ کتاب و سنت کے راستے سے انھیں کسی کا قول بھی نہیں ہٹا سکتا تھا۔ وہ سختی کے ساتھ کتاب و سنت کی مضبوط رسی پکڑے ہوئے تھے"۔ [1]

یہی وہ صفت تھی جس نے امام صاحب کو مجدد اسلام بنا دیا اس لئے کہ وقت کے دوسرے علماء فہم امور میں دوسروں کی عقل پر تکیہ کرتے تھے۔ دوسروں کی عقل سے اخذ کرتے تھے۔ لیکن یہ مجدد عظیم کسی دوسرے کی فکر سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر صرف دین کی طرف دیکھتا تھا وہ رہنمائی قبول کرتا تھا۔ لیکن کس کی۔ صرف قرآن کریم کی، سنت نبوی کی، آثار صحابہ و تابعین کرام کی۔ چنانچہ اسلام کی تجدید میں وہ کامیاب ہوا، وہ غبار جو اسلام کے روئے زیبا پر مرورِ ایام سے چھا گیا تھا اس نے صاف کر دیا اور اسے اس کی اصلِ اوّل پر از سر نو واپس لے آیا۔

طلب حق میں اخلاص کامل

امام صاحب کی پانچویں صفت، طلب حق اور تبلیغ دین میں اخلاص کامل ہے!۔

امام صاحب کا اخلاص بالکل بے لوث اور پاک صاف تھا وہ ہر آلائش اور غرض سے منزہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اخلاص مخلص کے قلب کو نور حقیقت سے معمور کر دیتا ہے اور اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا ادراک امور، ادراک مستقیم ہو جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہ ہو۔ نہ کوئی ایسی بات جو عقل و خرد کی گمراہی کی موجب اور راہ ہدایت سے دور کر دینے والی ہو۔ کیونکہ وہ اخلاص ہی ہے جو فکر مستقیم، عمل مستقیم، اور قول مستقیم کی تشکیل کرتا ہے۔

خدائے تعالیٰ نے امام ابن تیمیہ کو اخلاص کامل کی نسبت سے مالا مال کیا تھا۔ طلب حقیقت کے راستے میں خدا نے ان کے دل میں خلوص پیدا کیا۔ انھوں نے یہ حقیقت پا لی۔ وہ اس دنیا سے جب رخصت ہوئے تو ان کا اخلاص ان کے عہد کے لئے ایک نمونہ اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک پیام بن گیا۔ جو کوئی بھی ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا وہ حقیقت کے نور کو برافگندہ نقاب اور ساطع ولامع دیکھ لیتا ہے وہ امام صاحب کی تحریروں سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ان تحریروں میں ایمان کی حرارت محسوس ہوتی ہے۔

---

[1] الکواکب الدریہ ص ۱۶۹۔

امام صاحب کی ساری زندگی اسی اخلاص کامل کا پرتو ہے یہ چیز آپ کی زندگی کے ہر دور میں کارفرما نظر آتی ہے۔ تلاش و تجسس سے کام لیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ذیل کے چار امور میں یہ اخلاص بہت نمایاں اور ممتاز ہے جس نے ان کی زندگی کے ہر گوشہ کو روشن اور تابناک بنا دیا۔

ان امور اربعہ میں ہم الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۱۔ اعتماد فکر

وہی بات امام صاحب کے منہ سے نکلتی تھی جس طرف ان کی فکر راہنمائی کرتی تھی فکر و تأمل کے بعد جس نتیجہ پر پہنچتے تھے اس کا اعلان بغیر کسی اندیشے اور تامل کے کر دیتے تھے خصوصاً اگر وہ امور ایسے ہوں جو لوگوں کے مالوف و مانوس عقائد و اعمال کے خلاف ہوں اور جن کی مخالفت از روئے علم و تحقیق امام صاحب کے لئے ناگزیر تھی۔ اس اعلان حق میں وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے کہ لوگ خوش ہوں گے یا ناخوش؛ جو بات انھیں حق نظر آتی اس کا بالاعلان اظہار کر دیا، نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ بندوں سے اجر کے طالب نہ تھے۔ انھیں جو کچھ لینا تھا اللہ تعالیٰ سے لینا تھا۔ جب کبھی انھیں مناظرہ کے میدان میں گھسیٹا جاتا تو بغیر کسی تامل اور کمزوری کے وہ اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے۔ نہ کسی بات پر مداہنت برتتے تھے نہ کسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے تھے

۲۔ جہاد قلم سے بھی اور تلوار سے بھی!

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد امام صاحب کا محبوب مشغلہ تھا۔ حریف اگر شمشیر بکف نظر آتا تو وہ بھی تلوار سونت کر میدان میں کود پڑتے جیسا تاتاریوں کے مقابلہ میں انھوں نے کیا۔ یا اگر اس کا قلع قمع بغیر تلوار کے نہ ہو سکتا تو بھی وہ تلوار لیکر میدان میں اتر آتے۔ جس طرح شام کے نصیریہ یعنی اہل جبل کے خلاف تلوار اٹھائی اس کے علاوہ حریت رائے کی امام صاحب کی نظر میں بڑی قدر و قیمت تھی اور اس راہ میں وہ مصیبت اور اذیت کا خندہ جبینی سے ساتھ مقابلہ کرتے تھے جیسا کہ ہم حلف یا طلاق کے مسئلہ میں دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانے کی غرض سے ایک صاحب کا یہ مشورہ قبول کر لیا کہ وہ اس مسئلہ میں عام رائے کے خلاف سکوت اختیار کرلیں گے۔ لیکن جوں ہی کہ حکومت نے اس میں دخل دینا شروع کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس عہد و میثاق کو کہ "علماء کو کتمان حق سے احتراز کرنا چاہئیے" شاہی حکم کی اطاعت پر مقدم رکھا ——— انتہا یہ کہ اس اعلان حق کے "مجرم" کی حیثیت سے قید کی حالت میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی!۔

۳۔ جذبہ عفو و کرم

امام صاحب کے اخلاص کامل کا تیسرا مظہر ان کا وہ جذبہ عفو ہے جس کا اظہار وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں کرتے رہے جنھوں نے اذیت اور تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اغراض و ہوا، حسد اور بغض سے ان کا دامن بالکل صاف تھا۔ حد یہ ہے کہ امام صاحب نے ان فقہاء کو معاف کر دیا جنھوں نے قلعہ میں ان کو قید کرایا تھا۔ ان علماء سے بھی درگذر کیا جنھوں نے اسکندریہ میں انھیں اسیر زنداں کر دیا تھا ——— سلطان ناصر جب ذاتی اور سیاسی مقاصد کے ماتحت ان فقہاء سے انتقام لینے پر تل گیا تو وہ امام ابن تیمیہ ہی تھے جنھوں نے اس حرکت سے اسے باز رکھا اور برابر اس کے سامنے ان کے لئے کلمۂ خیر کہتے رہے۔ اسے بالکل فراموش کر دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کوئی موقع انھیں تکلیف پہنچانے، رسوا کرنے اور زک دینے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ حتیٰ کہ افکار کو قلم بند کرنے، کتابیں پڑھنے تک سے روک دیا تھا۔ مگر اس مخلص مرد عظیم نے کھلے دل سے کہدیا:۔

"میں نے ہر مسلمان کو جس نے مجھے ایذا پہنچائی ہے معاف کر دیا"۔

بلکہ سلطان ناصر کی طرف سے خود ہی معذرت کر دی کہ:۔

"وہ اپنی جگہ پر مخلص ہے جو اس نے مجھے قید کیا ہے"۔[1]

یہ اس ہستی کا اخلاص ہی تھا جو ہر حادثے پر غالب آیا۔ اور یہ تھا عظیم نفس جس نے ہر ایذا رسانی سے درگذر کیا۔

۴۔ جاہ و منصب سے تنفر

امام صاحب کے خلوص بے پایاں کا چوتھا ثبوت یہ ہے کہ وہ مناصب سے متنفر تھے۔ دنیا کی آرائش و زیبائش، جاہ و جلال اور رعنائی و دلفریبی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی کوئی منصب اور عہدہ نہیں چاہا۔ نہ ہی کوئی منصب اور عہدہ قبول کیا اور نہ کبھی کسی سے جاہ و منصب کے لئے کشمکش کی۔ نہ ہی اس کے لئے کسی سے جنگ لڑی۔ وہ صرف اس پر قانع رہے کہ مسند درس پر بیٹھ کر درس دیتے رہیں۔

[1] الکواکب ص ۱۹۹

ممبر پر بیٹھ کر وعظ کہتے رہیں۔ وہ جاہ و منصب کی طرف کبھی نہیں[1] دوڑے جس کے حصول کیلئے لوگ جان کی بازی لگا دیا کرتے ہیں۔ انھوں نے فقیرانہ اور قلندرانہ زندگی بسر کی۔ اتنے کھانے پر اکتفا کیا جس سے زندگی قائم رہے۔ اتنے لباس سے کفایت کی جس سے ستر پوشی ہوجائے۔ نہ انھیں لذیذ کھانا درکار تھا۔ نہ قیمتی پارچہ جات۔ فقیر ہونیکے باوجود دلکھ لٹ تھے۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز ہوتی تو اپنے پاس نہ رکھتے۔ دوسرے ضرورت مندوں کو عطا فرما دیتے[2]۔

یہ تھا امام صاحب کا وہ اخلاص۔ حق تعالیٰ کے ساتھ اتصال اور اسی پر اعتماد کامل جس نے انھیں دشمن کے کید اور تدبیروں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں :۔

"کتنی ہی مصیبتوں کے تیر تھے جو امام ابن تیمیہ پر ایک ہی چلّے سے پھینکے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ہمیشہ محفوظ رکھا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ بارگاہِ الٰہی میں تضرع و زاری کیا کرتے تھے۔ خدا ہی سے مدد کے جویا رہتے تھے۔ خدا ہی پر توکل کرتے تھے۔ عزم و حوصلہ ان کی سرشت میں داخل تھا۔ ہمیشہ اوراد و اذکار میں مشغول رہتے تھے[3]۔"

ایک عجیب و غریب الزام

امام صاحب کے اس اخلاص و فدویت کے باوجود جہاں انکی مخالفت میں اور بہت سی بے سر و پا اور لاطائل باتیں کہی گئیں، نویں صدی ہجری میں آکر یہ بھی کہدیا گیا کہ امام صاحب میں عجب و غرور بھی تھا

یہ الزام القول الجلی کے حاشیہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کی طرف منسوب ہے۔ لیکن قطعاً ناقابلِ قبول۔

امام ابن تیمیہ کا انتقال آٹھویں صدی ہجری کے ربع ثانی کے پہلے سالوں میں ہوا۔ سیوطی نے دسویں صدی ہجری کی پہلی چوتھائی (۹۱۱ھ) میں انتقال کیا۔ گویا دونوں میں دو صدیوں کا فرق ہے لیکن اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ سیوطی نے ابن تیمیہ اور ان سے متعلق ہنگامے خود اپنی آنکھوں دیکھے ہیں۔ حالانکہ یہ کسی صورت درست نہیں۔

کیونکہ علامہ سیوطی سے منسوب عبارت کی دو ہی توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو سرے سے یہ کلام سیوطی کا ہے ہی نہیں یا سیوطی نے یہ الزام امام صاحب کے کسی ہم عصر سے نقل کیا ہے۔ لیکن وہ ہم عصر کون ہے؟ اس کا ذکر نہیں کیا۔ بنابریں دونوں صورتوں میں یہ الزام کوئی بھی تاریخی بنیاد نہیں رکھتا، لہٰذا قطعاً غلط اور غیر صحیح ہے۔ امام صاحب میں عجب و کبر تو کیا اس نوعیت کی کوئی شے بھی موجود نہیں تھی۔ اور نہ ہی آپ کے واقعاتِ زندگی سے یہ بات میل کھاتی ہے۔ آپ بے حد متواضع اور لوگوں میں گھل مِل کر رہنا پسند کرتے تھے۔ ساتھیوں میں فروتنی و بے نفسی سے رہا کرتے تھے۔ آپ کے بعض ساتھیوں کی شہادت یہ ہے کہ عزتِ نفس تک کا اظہار ضیافت کے وقت ہی ہوتا تھا[4]۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ کو تقریر و تحریر پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ اپنے مدعا کو اس زور کے بیان سے ظاہر کرتے کہ دیکھنے والا حیرت میں رہ جاتا۔ مخالف فقہاء سے گفتگو کرتے وقت آپ ان کو لاجواب کر دیتے۔ ان بے چارے فقہاء نے اپنے عجز بیان پر "تواضع" کا پردہ ڈالا اور امام صاحب کے غلبۂ حجت و برہان کو "عجب و کبر" کا نام دیدیا تاکہ خود شکست کھا کر اور سکوت فرما کر بھی ممدوح بنے رہیں اور امام صاحب فائز و کامران ہونیکے باوجود "مذموم" ٹھیریں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ امام صاحب اگر چاہتے تو وہ بھی ساکت و خاموش رہکر عوام میں اپنے وقار کا اضافہ کرسکتے تھے۔ مگر آپ کا اصل جوہر ہی یہی تھا کہ آپ نے رضائے خالق کی پسندیدگی کو عوام پر مقدم رکھا اور اس راہ میں فتویٰ تبدیع و تکفیر کے علاوہ بھی جو تکلیف آئی ہنسی خوشی برداشت کی۔

فصاحت اور قدرتِ بیان

امام صاحب کی چھٹی صفت فصاحت اور قدرت بیان ہے۔

امام صاحب بہت بڑے خطیب تھے۔ ان کے زور کلام اور جوش بیان سے چوب ممبر پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا، خدلئے بزرگ و برتر نے

---

[1] حافظ ابن رجبؒ نے نقل کیا ہے کہ ۷۰۹ھ سے قبل ہی قاضی القضاۃ اور مشیخۃ شیوخ کے عہدوں کی حکومت کی طرف سے پیشکش کی گئی۔ مگر امام صاحب نے انکار کر دیا۔ قد عرض علیہ قضاء القضاۃ ومشیخۃ الشیوخ فلم یقبل شیئاً (ذیل طبقات الحنابلہ ج۲ ص۳۹۵) ان باتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے (ع۔ج) [2] العقود ص۱۱۷ وغیرہ [3] الکواکب ص۱۵۹ و ص۲۰۲ وغیرہ میں امام صاحب کے اوصاف حسنہ میں "تواضع و فروتنی" کو خاص طور پر شمار کیا گیا ہے جس کی تفصیل مستقل عنوان کے تحت گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

ان میں زبان و قلم کی فصاحت یکجا کردی تھی۔ جس پایہ کے خطیب آتش بیاں تھے اسی پایہ کے شعلہ نگار اہل قلم اور انشاپرداز بھی تھے۔

فصاحت کا یہ جوہر موروثی تھا۔ امام صاحب کے والد کے حسن کلام کی دھوم تھی۔ ان کے اجداد میں بھی خطابت کا کمال موجود تھا۔ ان میں سے ایک صاحب تو اتنے بڑے خطیب تھے کہ مدتوں جامع بغداد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

علاوہ ازیں اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید کی کثرت تلاوت احادیث نبویہ کے حفظ اور دوام نے آپ کے خزینۂ دماغ میں جیّد الفاظ کا بڑا ذخیرہ جمع کردیا تھا۔ پھر مناظرات و تبادل افکار کے میدانوں نے اس کو اور جلادی۔ ان سب عوامل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بداہت گوئی و ارتجال گویا عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ کیونکہ گفتگو اور ہر مناظرہ سے پہلے حافظہ علمی ذخائر سے مالا مال تھا۔

شجاعت

ساتویں صفت شجاعت تھی —— یہی امام صاحب کی ایک بہت بڑی صفت تھی اور اس صفت کے لازمی اجزا یعنی صبر و برداشت کا مادہ بھی بدرجۂ اتم ان میں پایا جاتا تھا۔ استقلال فکر کے بعد سب سے نمایاں اور ممتاز خصوصیت جس نے انھیں وقت کے دوسرے علماء پر فوقیت دے رکھی تھی یہی تھی۔

امام صاحب کے زمانہ میں علماء کا کام ایک جگہ جم کر پڑھنا پڑھانا تھا۔ جس سے ان کے جوڑ اور پٹھے ڈھیلے پڑ جاتے تھے۔ ان علماء کا خیال تھا کہ عالم کی قوت و طاقت کا مرکز و مصدر یا اس کی فکر ہے یا دماغ۔ قوم کے اعضاء و جوارح دوسرے عناصر ہوتے ہیں، دماغ صرف عالم ہوتا ہے۔ قوتِ بدن کے لیئے سپاہی کافی ہیں، عالم کو اس سے کیا سروکار؟ غالباً ہندو فلسفۂ ویدانت کا اثر تھا۔ اس فلسفہ کی رو سے قوم کی طاقت سپاہی اور فوج ہے، کیونکہ یہ لوگ سپاہی ابرہما کے بازو سے پیدا ہوتے ہیں۔ رہے برہمن، تو یہ ابرہما کے سر سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا قوم کا دست و بازو سپاہی ہوتے اور فکر و دماغ برہمن (علماء)۔

یہ تھا امام صاحب کے زمانہ میں علماءِ عصر کا حال۔ یہی وجہ تھی کہ جب تاتاری لشکر تاخت و تاراج کرتا ہوا بڑھا تو یہ علماء بھاگ کھڑے ہوئے اور مصر میں جاکر پناہ گزیں ہو گئے۔

امام ابن تیمیہ کا حضرت علیؓ سے تشابہ

لیکن اس کے برعکس امام صاحب کی شان ہی کچھ اور تھی۔ ان کی یہ رائے تھی کہ علم اور سپہ گری میں کوئی تباین اور تناقض نہیں ہے۔ عالم کا فرض ہے کہ جب حالات کا تقاضا ہو تو بے تأمّل سپاہی بن جائے اور جب امن و امان استوار ہو جائے تو سپہ گری کا جامہ اتار کر پھر علم کے عمامے اور عبا قبا میں ملبوس ہو جائے۔

امام صاحب کی یہ رائے اقتداءِ سلف صالح اور آثار سلف کی پیروی کے جذبہ پر مبنی تھی۔ وہ جانتے تھے حضرت علیؓ ایک طرف تو علم کے شہر کا دروازہ اور بہت بڑے قاضی تھے۔ دوسری طرف بہت بڑے سپاہی بھی، وہ عالم، زاہد، عابد اور درویش بھی تھے۔ سپاہی سالار لشکر، امیر جیش اور امام عادل بھی تھے۔ وہ جب میدان جنگ سے پلٹتے تھے تو ان کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوتے تھے۔

بالکل یہی کیفیت امام ابن تیمیہ کی بھی تھی۔ میدان جنگ میں ان سے بڑھ کر دلیر اور سورما کوئی نہ تھا۔ ان کی شجاعت اور دلیری ان لوگوں سے بازی لیجاتی تھی۔ ساری عمر جنگ کے میدان میں تلوار چلاتے گزری تھی۔ اس لیئے کہ ان کی شجاعت نصرت و قتال کا نتیجہ تھی اور امام صاحب کی شجاعت قلبِ دین کا نتیجہ۔

امام صاحب شجاعت کی ایک اور قسم کے بھی مالک تھے، وہ شجاعت تھی علم و ادب کی۔ اس کے سبب وہ بارہا مصائب اور نوائب میں مبتلا ہوئے۔ جو بات حق سمجھی اسے فاش و برملا کہہ گزرے، نہ کسی کمزوری کا اظہار کیا نہ مروت کا۔ فقہاء اور اکابر کا مقابلہ کرنے میں بھی تأمّل نہ کیا۔ اور اس جنگ میں نہ قدم پیچھے ہٹے نہ زبان لڑکھڑائی

غور کیجئے تو امام صاحب کی ساری زندگی جہاد ہی جہاد ہے۔ وہ حق کی راہ میں جہاد ہی کرتے رہے۔ جب امراءِ حکومت اور سلطان وقت نے مخالفوں کا ساتھ دیا تو اس تکلیف اور اذیت کا استقلال اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ امام صاحب کی کتابِ حیات کا ہر صفحہ اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ آپ کو اپنے معاصر فقہاء پر فکر و حجت کے اعتبار سے ہی غلبہ حاصل نہیں تھا بلکہ ارادہ، عزم و ہمت میں بھی ان سے فائق تھے۔

شجاعت اور دلیری کے ساتھ ساتھ امام صاحب حد درجے کے

صابر بھی تھے۔ جسم، عقل اور قلب ہر اعتبار سے غیر معمولی صبر و برداشت کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کا جسم مضبوط اور توانا تھا۔ ان کا دل بڑا اور وسیع تھا۔ ہر ناگوار بات کو وسعت قلب کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے ان کی عقل بھی بڑی اور گرہ کشا تھی۔ وہ دلیل کو دلیل سے کاٹتے تھے۔ اپنی زندگی کے ہر دور میں وہ صبر اور قوت برداشت کا ثبوت دیتے رہے ان کی زندگی عمل سے عبارت تھی۔ وہ خاموش ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ ہی نہیں سکتے تھے۔ جیل میں بند کر دیئے گئے تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ گویا وہ اسے گوارہ ہی نہیں کر سکتے تھے کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی رائگاں جائے۔ پھر سختی کا دوسرا دور آیا۔ کتابیں چھین لی گئیں قلم دوات اور کاغذ کی سہولتیں واپس لے لی گئیں۔ لیکن ہوا کیا؟ پھٹے پرانے کاغذ کے ٹکڑے موجود تھے اور کوئلہ موجود تھا۔ فکر کا بہاؤ روکا جا سکا نہ طبیعت کی روانی۔ پھر جب کوئلہ بھی دسترس سے باہر ہو گیا تو کتاب الٰہی کی خشوع اور فہم و استغراق کے ساتھ تلاوت شروع کر دی۔ غرض عمل سے فارغ ہو کر وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بیٹھے یہاں تک کہ جیل کے اندر مرض الموت میں بھی قرآن پاک کی تلاوت باقاعدہ فرما رہے تھے۔ زبان پر جو آخری الفاظ تھے وہ بھی قرآن ہی کے تھے۔ چنانچہ انتقال کے وقت روزانہ کی منزل اس آیت کریمہ تک پہونچی تھی[1]۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر پ۲۷)

فراست آٹھویں صفت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام صاحب کو عطا ہوئی تھی وہ قوتِ فراست تھی۔ انکی تیز ذہانت اور حدتِ عقل بعض دفعہ انسان کے چہرے سے دل کی بات کا اندازہ کر لیتی تھی۔ ان کی فراست ڈھکی چھپی چیزوں کو پہچان لیتی اور بر انگندہ نقاب کر دیتی تھی۔ ان کا ظن اور گمان حقیقت اور مشاہدہ بن جاتا تھا۔ انھوں نے تاتاریوں کی کمزوری بھانپ لی تھی اور قسم کھا کر اعلان کر دیا کہ مصر و شام کا لشکر غالب رہے گا۔ لوگ تلوار یونکی قوت سے نہیں ہارتے تھے، دہشت اور رعب کے باعث شکست کھاتے تھے۔ امام صاحب کے اس رویہ نے لوگوں کا حوصلہ بلند کر دیا۔ دہشت دور ہو گئی۔ رعب کافور ہو گیا۔ کیا یہ امام صاحب کی فراست اور نفاذ بصیرت کا ثبوت کامل نہیں ہے؟

ایک مرتبہ امام صاحب نے دمشق کے بازار میں ایک شخص کو دیکھا جو طالب علمی کے لباس میں حیران و پریشان گھوم رہا تھا اس لئے کہ اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہ تھا۔ امام صاحب نے اسے آواز دی اور جب وہ قریب آیا تو اس کے ہاتھ میں چند درہم رکھدیئے اور فرمایا:-

"انھیں خرچ کرو۔ بے فکر ہو جاؤ۔ کھاؤ پیو[2]"

حالانکہ اس شخص نے اپنی کوئی حاجت امام صاحب سے نہیں بیان کی تھی! ــــ لیکن یہ فراست مومن تھی جس نے امام صاحب پر حقیقت حال منکشف کر دی۔

جو لوگ جمہور (پبلک) کی اصلاح کا کام کر رہے ہوں ضروری ہے کہ قوت فراست اور نفاذ بصیرت سے بہرہ ور ہوں۔ ان میں اتنی فراست اور قیافہ شناسی ہونی ہی چاہیئے کہ آنکھیں دیکھ کر دل کی واردات پڑھ لیں۔ رنگ رُخ دیکھ کر کسی کا عزم و ارادہ بھانپ لیں[3] ان میں یہ ملکہ ہونا چاہیئے کہ لوگوں کے وجدان کا اندازہ کر لیں۔ اور ان کے شعور اور ادراک کو تول لیں

خدائے بزرگ و برتر نے امام صاحب کو ادراک روحی اور احساس نفسی کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ وہ جب بھی کسی جماعت یا شخص کو مخاطب کرتے براہِ راست اس کے شعور اور وجدان اور خطرات قلب کو محسوس کر لیتے تھے۔ البتہ جنکے دماغ میں دشمنی بھری تھی اور جو مخالفت پر اترے ہوئے تھے ان کے ادراک کے منافذ بے شک بند رہتے تھے۔ وہ اگر امام صاحب کے قول حق سے متاثر نہیں ہوتے تھے تو یہ خود ان کا نقص تھا۔ نہ کہ قائل (امام صاحب) کا[3] .... (بشکریہ "رحیق")

---

[1] البدایہ صفحہ ۱۳۶/۱۴ و ذیل طبقات الحنابلہ صفحہ ۴۰۶/۲ (ع۔ح) [2] الکواکب ص ۱۵۹ (ع۔ح) [3] امام صاحب کی فراست کے متعدد واقعات حافظ ابن القیمؒ نے مدارج السالکین صفحہ ۲۷۱-۲۷۰/۲ میں اور صاحب الکواکب الدریہ ص ۱۶۰-۱۵۹ نے ذکر کیے ہیں۔ ابن القیم لکھتے ہیں ولقد شاهدت فراسة شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ امورا عجیبۃ وما لم اشاهدہ منها اعظم واعظم ووقائع فراسته تستدعی سفرا ضخما (صفحہ ۲/۲۷۰) میں نے امام ابن تیمیہ کی ایسی عجیب اور اتنی فراستوں کا مشاہدہ کیا ہے کہ اس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔

مسجد سے میخانے تک

از:- مُلّا ابن العرب مکّی

تاریخ نوشت ۱۲ مئی ۵۹ء:-

ایک زبردست صوفی شاعر نے کہا تھا:-

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

کون ہے جو آچاریہ ونوبا بھاوے کے نام نامی سے واقف نہیں۔ ان کے ہم مذہبوں میں تو نہ جانے کتنے لوگ انھیں اوتار اور دیوتا مانتے ہی ہوں گے۔ خود ہمارے صوفی گلزار میاں ایک دن بڑی حسرت سے فرما رہے تھے:-

"افسوس ہمارے یہاں نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا مگر اوروں کے یہاں برابر جاری ہے"

میں سمجھا تھا شاید روئے سخن قادیانیوں کی طرف ہو۔ عرض کیا تھا:-

"شاید آپ بھی مرزا غلام احمد پر ایمان لے آئے ہیں"۔

"اماں لاحول ولا قوۃ کفریہ کلمات نکالتے ہو"۔ وہ چمک گئے تھے۔

"پھر کیا مطلب ہے؟"

"اپنے ہندو بھائیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ دیکھ لو ابھی باپو کو شہید ہوئے کے دن ہوئے نوبا بھاوے جی نے ان کی جگہ سنبھال لی"۔

میں اسے طنز ہی سمجھتا مگر جانتا تھا کہ صوفی صاحب میں اس کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ جب سے شاہ ڈنڈی والے کے مُرید ہوئے تھے ہر طرح کی لطیف صلاحیتوں کو قوالی اور وجد و حال میں کھپا دیا تھا۔

"میں اس وقت فضول باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔۔ دیکھ رہے ہو مضمون لکھ رہا ہوں"۔

"ارے فضول۔۔۔" وہ بُرا مان کے بولے تھے۔ "اچھے لوگوں کا ذکر آپ فضول کہتے ہیں۔۔۔ مضمون بھی کوئی کام ہے"،

میں نے قلم رکھ کر بیزاری سے کہا تھا:-

"چلئے آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں کہہ لیجئے۔۔۔"

"کہنا کیا تھا۔ وہ شاہ صاحب کے گھوڑے کا عُرس ہے چندہ دیدو"

"گھوڑے کا عرس۔۔۔ کھوپڑی تو سر ہی پہ ہے؟"

"اماں بھول گئے۔ وہ پار سال جو شاہ صاحب کی گھوڑی بیاہی تھی!"

"پھر؟"

"بچہ لقوے میں مر گیا تھا اسی کا عرس ہے"۔

"ہوں۔۔۔ تو ایسا کرو مجھے لے چل کے گھوڑے کی دُم میں باندھ دو۔ وہ دولتی مار کے میرا سر پھاڑ دے گا' میری روح مرحوم بچے کا مرثیہ گاؤں گا"

"گانے کو تو پھیندو قوال کی ٹکڑی آرہی ہے۔۔۔ ہاں ہاں" انھیں جیسے کچھ یاد آگیا تھا "اب کی غفورن پونا والی نے بھی تو شاہ صاحب سے وعدہ کیا ہے بڑے عرس میں آئے گی"۔

"میں آج ہی خودکشی کر رہا ہوں۔ غفورن آئے تو میری طرف سے دعا پیار کہہ دینا۔۔۔ آپ کو اور کچھ کہنا ہے؟"

"تا بس۔ چندہ دیدو"۔

"چندہ ضرور لو۔۔۔ مگر تمھیں بھی دینا ہوگا۔۔۔"

"کس بات کا؟"

"پارسال میری بلی نے تین بچے دیئے تھے۔ ایک کو چوہا کتر گیا دو ملیریا میں مر گئے۔ تینوں کا نمبر وار عرس کروں گا۔"

اُن کے چہرے پر ہوائیاں سی چھوٹ گئی تھیں کھسیانی سی ہنسی ہنسکر بولے تھے:۔

"خیر جب کروگے دیکھا جائے گا۔ درگاہ میں تو آج ہی عرس ہے"

"میں بھی آج ہی شروع ہو رہا ہوں۔ ابھی تین والی سے نرگس بانو کی ٹولی آرہی ہے۔"

"نہیں.... کھاؤ قسم...."

"کیوں کھاؤں۔ یقین نہیں آتا تو جہنم میں جاؤ۔"

"خفا کیوں ہوتے ہو... سچ بتاؤ کیا واقعی آرہی ہے۔"

"ہاں بادا۔ سٹو تو سائی میں دے رکھے ہیں۔"

"واللہ مزا آجائے گا — یہ وہی ہے نا جس نے کلیر میں زرینہ کی ہوا بگاڑی تھی۔"

اس کی بھی خالہ.... لاؤ چندہ دو...."

"یار مشکل سے ۲۶ جمع کئے ہیں۔ دو تم لے لو...."

"بس دو" میں نے حقارت سے کہا تھا "کیا مچھر کا عرس ہے۔"

"ارے یار درگاہ میں بھی تو دینے ہیں... چلو ایک اور لیلو۔"

"یوں نہیں.... کم سے کم دس دو۔ اگلے حلقے میں بٹھاؤں گا۔"

"شاہ صاحب کو کیا جواب دوں گا" انھوں نے خود فہرست بنا کے دی تھی جس جس نے دینے ہیں دستخط کر دیئے ہیں۔"

میں نے فہرست دیکھ کر ایک خاص ترکیب بتائی جس سے ۲۶ کے ۱۶ رہ گئے۔ صوفی صاحب برابر زور دیتے رہے "اگلے حلقے میں بیٹھوں گا...."

آپ بھی کہیں گے کہ بات تو ونوبا بھاوے کی شروع ہوئی تھی اور خرافات کیا چالو ہو گئی تو اطمینان رکھئے خطا میری نہیں ہے۔ قبوری تصوف کا کوئی بھی مردِ میدان چاہے کسی بھی موضوع پر گفتگو کرے بات عرس و قوالی اور زنانِ عاشقانِ اولیا ہی پر پہنچ کے دم لیتی ہے پھر یہ حضرات بائیوں اور بیگموں کے اذکارِ جمیل میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں رہتی بات کہاں سے شروع ہوئی تھی۔

کہنا یہ تھا کہ ونوبا بھاوے کی شہرت آپ نے بھی سنی ہوگی۔ کہتے ہیں گاندھی جی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ بڑے دیالو بڑے دھرماتما۔ انسانیت کا درد تو بس کوٹ کوٹ کے بھرا ہے۔ فدوی حیران تھا کہ قوم پروری اور وطن پرستی کی آب و ہوا نے یہ انسانیت دوستی کا پودا کہاں سے پیدا کر دیا۔ خواجہ مسیح الزماں کو اس حیرت پر غصہ تھا۔ دانت پیس کے کہا کرتے تھے۔ "تم لیگی ہو جہنم میں جاؤ گے۔"

"جہنم بھی آپ کی جنت سے بہتر ہوگا۔ وہاں منافقت نہیں چلتی۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں وہاں نفاق ہی نفاق ہے۔ سائن بورڈوں پر حسین الفاظ لکھے ہیں۔ اندر غلاظتیں بِک رہی ہیں —"

"پھر وہی اینچ پینچ۔ اماں سیدھی بات کیا کرو۔"

"نفاق جانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں جانتے۔ بیوی کے کھانے کپڑے کو کہتے ہیں۔"

"وہ نفقہ ہے۔"

"ہوا کرے۔ نفاق بھی بولدیتے ہیں — مگر اس کا ذکر کیا لے بیٹھے۔ ہم تو یہ کہہ رہے تھے کہ تم کسی بھی بڑے آدمی کی بڑائی تسلیم نہیں کرتے۔ ونوبا بھاوے کو دنیا کیا سے کیا مان رہی ہے تم شک ہی کئے جاتے ہو۔"

"شک کس مردود کو ہے۔ وہ یقیناً ایک بڑے آدمی ہیں۔ ہاں شک اس بات میں ہے کہ اُن کی بڑائی قوم اور وطن پرستی کی محدود بلندیوں سے بھی اُوپر جا سکتی ہے۔ آپ کی کھوپڑی میں یہ باریک نکتے نہیں آئیں گے۔"

"تمہاری کھوپڑی ہوگی باریک" وہ تلملا گئے تھے۔ "بڑے عقلمند بنتے ہو۔ قوم و وطن میں کیا بُرائی ہے۔"

"برائی تو میرے بھیجے میں ہے جو تم سے سر مارتا ہوں۔ اے بندۂ رب! مطلب یہ ہے کہ انسانیت دوستی اور انصاف پسندی کا فیصلہ اُس وقت ہوا کرتا ہے جب آزمائش کا بھی کوئی موقعہ آجائے۔ بلا آزمائش کے محض نمائشی باتوں سے کوئی شخص "انسانیت دوست" نہیں ہو سکتا۔ ونوبا بھاوے ایک شریف النفس آدمی ہیں۔ بےغرض خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق قوم و وطن کی

خدمت بھی کرتے ہیں۔ جفاکوش ہیں۔ دردمند ہیں۔ یہ سب کچھ طے شدہ ہے' مگر انسانیت دوستی اور انصاف پسندی اس سے بھی بلند و بالا شے ہے۔ اس تک پہنچنے کیلئے گز بھر کا کلیجہ چاہئے۔"

"بس رہنے دو" وہ اینٹھ کے بولے تھے "کلیجے بھی گز بھر کے ہوا کریں گے۔"

اس طرح کی گفتگوئیں بار بار ہوتی رہی ہیں۔ آخرکار فردوسی کے خیال کی صداقت کا ایک روشن ثبوت مل ہی گیا۔ خبر آئی ہے کہ آچاریہ ونوبا بھاوے نے چنڈی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وہ سارے ملک میں ۷۵ ہزار کی تعداد میں شانتی سینا قائم کریں گے جو ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے کام کرے گی۔

"دیکھ لیا آپ نے؟" میں نے خواجہ سبیح الزماں سے کہا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے یہ کوئی بُری بات ہے۔" وہ بھویں سکیڑ کے بولے:۔

"بُری نہیں محدود کہو۔ اس سال ملک کے مختلف مقامات میں مسلمانوں کے ساتھ اکثریتی فرقے نے جو سلوک کیا ہے اور عوام ہی کے نہیں پولیس تک کے ہاتھوں مظلوموں کو بے آبروئی، ہلاکت اور بربادی کے جو تحفے ملے ہیں اس پر مُردے تک قبروں میں پچھاڑیں کھائے ہیں۔ مگر ونوبا بھاوے جی کی رگِ انسانیت دوستی ذرا نہیں پھڑکی۔ مرنے اور برباد ہونے والے مسلمان آخر انسان ہی تھے، مچھر اور مکھی نہیں تھے۔ اگر بھاوے جی کی انسانیت دوستی خاص مفہوم کے قومی دائرے میں سمٹی ہوئی نہ ہوتی تو وہ ضرور کچھ سرگرمی دکھاتے۔۔۔۔

۔۔۔۔ مگر سرگرمی تو گئی بھاڑ میں انھوں نے ظلم صریح کی زبانی مذمت تک نہیں فرمائی۔ اسی کا نام انصاف پسندی ہے تو انصاف دشمنی کیا ہوگی؟"

"یہ شانتی سینا تو وہ غالباً مسلمانوں ہی کی مدد کیلئے بنا رہے ہیں۔" انھوں نے فرمایا:۔

"غالباً تو غالب کی بیوی کا نام تھا۔ شانتی سینا اگر مسلمانوں کے لئے بن رہی ہے تو سمجھ لیجئے مسلمانوں کی ہڈیوں کا فاسفورس دو پیسے سیر بکا کرے گا۔"

"کیوں بکے گا۔۔۔ کیا چیز بکے گی فاسفورس؟" وہ گڑبڑا کر بولے:۔

"میرا سر۔۔۔ میں کہتا ہوں آپ قوالی میں تشریف لیجائیں یہ باتیں آپ کے بس سے باہر ہیں۔"

"نہیں پھر بھی۔۔۔۔؟"

"خدا کے بندے مسلمانوں کے اتنے بڑے قتلِ عام پر جن بھاوے جی کے کانوں پر جوں نہیں رینگی ان سے آگے کو کیا توقع ہو سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں شانتی سینا کیوں بنائی جا رہی ہے۔"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"یہ منطق آپ نہیں سمجھیں گے۔ چلئے اسے چھوڑیئے میں پوچھتا ہوں یہ ملکی پولیس بھی تو اسی لئے بنائی گئی ہے کہ دیس میں امن قائم رکھے اور کسی کو کسی پر زیادتی نہ کرنے دے۔ یہی پولیس اگر کانگریسی حکومت کے زیرِ سایہ مسلمانوں ہی پر جبر و تشدد کے سارے حربے آزما سکتی ہے تو کس سے کوئی کیا امید رکھے۔ ختم کیجئے۔"

خواجہ سبیح الزماں منھ چڑھائے چلے گئے۔ ایک بھاوے جی ہی کی بات نہیں ہے۔ جے پرکاش نرائن کو دیکھئے۔ بڑے دیش بھگت، بڑے دیالو۔ مگر مسلمانوں کی مظلومیت پر اگر انھیں کوئی بھولا ہوا سبق یاد آیا ہے تو عدمِ تشدد کا۔ فرماتے ہیں کہ فسادیوں کے خلاف پولیس اور فوج کی طاقت استعمال کرنے کی بجائے شانتی سینا سے مدد لینی چاہئے۔ پوری بات مع حاشیہ و تفسیر سُننی ہو تو جناب محمد عثمان فارقلیط کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیے۔

"ہمارے بعض لیڈر فسادات پر اس وقت بولے ہیں جب کہ مسلمان پورے طور پر کچلے جا چکے اور فسادات پر تقریباً ایک مہینہ گذر گیا۔ احتیاط کی حد ہے کہ فسادات کو روکنے کی مذمت میں فوری طور پر دو بول بھی نہیں بولے جا سکتے۔ اگر تباہ ہونے والوں میں مسلمان نہ ہوتے تو پھر ان لیڈروں کی چابکدستی دیکھنے کے قابل ہوتی۔ مسٹر جے پرکاش نرائن نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ فسادات کو روکنے کیلئے (۱) عوام کو تشدد سے باز رکھا جائے اور اقتصادی، سیاسی اور سماجی زندگی سے تشدد کو بالکل خارج کر دیا جائے (۲) ملک میں شانتی سینا (امن فوج) قائم کی جائے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ آج کل جہاں بھی تشدد کا مظاہرہ ہوتا ہے تو اسے دبانے کیلئے زیادہ تشدد کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور اس کیلئے

فوج اور پولیس کے ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کا بدل بھی کوئی موجود نہیں ہے۔ تاہم یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہلکے تشدد کو بھاری تشدد سے دبانا امن کی فتح نہیں، بلکہ تشدد کی فتح ہے۔ ہمیں سیکھنا چاہئے کہ امن کو امن کے ذریعہ کس طرح بحال کیا جاسکتا ہے! غور فرمائیے عدم تشدد کا فلسفہ کس محل پر بگھارا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی جان پر بن رہی ہے اور جے پرکاش جی چبا چبا کر تلقین فرمارہے ہیں کہ تشدد کا مقابلہ تشدد سے نہ ہونا چاہئے' یہ تو ظاہر ہے کہ کمزور مسلمان کسی تشدد کے مرتکب نہیں ہوسکتے۔ یہ تشدد اکثریت ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے اس لئے جے پرکاش نرائن کا ارشاد ہے کہ تشدد کرنے والوں پر کوئی تشدد نہ ہو ورنہ یہ تشدد کی فتح ہوگی! اگر مسلمانوں کی جگہ اکثریتی طبقہ کے لوگ مظلوم ہوتے تو شاید مسٹر نرائن کو عدم تشدد کا خیال تک نہ آتا۔ ذرا باتیں بنانی دیکھئے مظلوموں کیساتھ اظہار ہمدردی کے بجائے تشدد کرنے والوں سے اظہار ہمدردی کیا جارہا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ سیاسی' اقتصادی اور سماجی زندگی سے تشدد کو خارج کردینا چاہئے اوّل تو یہ فسادات کی شدت کو کم کرنے کی ایک خاص تدبیر ہے۔ دوم یہ ممکن ہی نہیں کہ اکثریت کے فساد پسند طبقے تشدد سے باز آجائیں۔ سوم اگر اس کا امکان ہو بھی تو کیا ضمانت ہے کہ تشدد کے خاتمے تک خود مسلمانوں کو ختم نہ کردیا جائے گا؟ موصوف کا یہ فقرہ تو کسی گہرے راز کی غمازی کرتا ہے کہ "میں مانتا ہوں کہ لا اینڈ آرڈر کے تقاضے پورے ہونے چاہئیں۔ لیکن اس بات کو نہ بھولنا چاہئے کہ اصلی مجرم وہم پرستی اور فرقہ واریت کے وہ برے ارادے ہیں جو دونوں طرف پائے جاتے ہیں" کس خوبصورتی سے فسادات کی ذمہ داری دونوں طرف ڈالی گئی ہے۔ مگر حالیہ فسادات تو فرقہ وارانہ نہیں تھے۔ سیتامڑھی میں ایک لاکھ ہندوؤں نے منظم طریقہ پر مسلمانوں پر حملے کئے اور بھوپال اور مبارکپور میں پولیس ایکشن ہوا۔ مگر مسٹر جے پرکاش یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حملے دونوں طرف سے ہوتے اور دونوں ہی فرقہ واریت میں مبتلا ہیں۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ خاموش ہی رہتے اور مظلوموں کے دلوں پر نمک پاشی

نہ فرماتے!"

بفضلہ تعالیٰ فرقہ پرستی کے حمام میں سب ننگے ہیں۔ انگریزی اور ہندی اخباروں کو دیکھئے۔ کیا مجال ہے کسی نے "فساد" کی خبر تک شائع کی ہو اور چھوڑ کی ہے تو وہ ایسی کہ اُلٹے مسلمان ہی مجرم نظر آتے ہیں۔ ہندوستان ٹائمز نے ہاتھ کی یہ صفائی دکھائی کہ پنڈت نہرو کی تقریر تو شائع کی، مگر اس میں سے فرقہ وارانہ فسادات کی مذمت کا حصہ خارج کردیا۔

کس کس کا شکوہ کیا جاوے۔ اصل شکوہ اپنے آپ ہی سے ہے۔ دنیا پرستی اور ذہنی پستی نے انسانوں کو بھیڑیوں میں تبدیل کردیا ہے۔ اب جو بھی بھیڑ بکریوں کا پوستین پہنے گا اُدھیڑ دیا جائے گا۔ ناچیز کا خیال ہے کہ حالیہ "فسادات" میں جو مسلمان ہلاک ہوئے ہیں' ان کی کھالیں کھنچوا کر دو دو بانسوں سے باندھ دی جائیں اور اُن پر موٹے حرفوں میں لکھوا دیا جائے :-

کانگریس زندہ باد

پھر سارے مسلمان جلوس کی شکل میں یہ نعرہ لگاتے چلیں :-

لے کے رہیں گے گورستان

اور تین مورتی کے سات طواف کرکے چھ ماشے افیم کھا کر سب کو کھڑی جنت ملے گی۔

---

۱۳ رمئی ۵۹ء:- عجیب تماشا ہے۔ ہمارے اکثر قوم پرست محمڈن حضرات فسادات کے تقریباً ہر نوحے میں ٹیپ کا یہ مصرعہ ضرور رکھتے ہیں کہ :-

"فسادات چند فرقہ پرست لوگ کرتے ہیں جنکا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کانگریسی حکومت سے بدگمان کریں تاکہ الیکشن میں کانگرس کو ووٹ نہ دیں۔۔۔۔"

اس منطقی قسم کے استدلال کو میں نے "مصرعہ" اس لئے کہا ہے کہ واقعی یہ شاعری سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ پیر کانگریس کے مرید جب دیکھتے ہیں کہ داغ بدنامی سے ان کے پیر و مرشد کا منہ کالا ہوا جارہا ہے تو کانوں کو دو تین اینٹھے دیکر بیچ کے تار کستے ہیں' اور وہ وہ شعر کہتے ہیں کہ بقراط تک کو قبر میں قوالی گانی پڑتی ہے۔ خیر مان لیا فسادات کی تمام تر وجہ الیکشن ہی ہے۔ تو اس کا

توسیدھا سادا علاج یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اعلانیہ اپنے ووٹوں سے دستبردار ہوجائیں اور اعلان کردیں کہ الیکشن کی بھٹی کا ایندھن بننے کے لئے وہ تیار نہیں ہیں۔

مگر تو یہ ایسی بات آپ ان شتینی فلسفیوں سے کہہ دیں گے تو ایسی لال پیلی آنکھیں نکالیں گے کہ آپ کی مٹی پلید ہوجائے گی۔ فوراً مونچھوں پر تاؤ دے کر ـــ اور مونچھیں نہیں ہوں گی تو داڑھی پھر کا کر ـــ اور داڑھی بھی نہیں ہوگی تو پیٹ پر ہاتھ پھیر کر وہ وہ فوائد الیکشن کے بیان کریں گے کہ آپ کے باپ دادا تک کی روحیں ملہار گانے لگیں گی اور وہ وہ نقصانات ووٹ نہ دینے کے منکشف فرمائیں گے کہ آپ کو یقین ہوجائے گا۔ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُوْعَدُوْنَ (یہی ہے وہ دوزخ جس کی تمھیں وعید دی گئی) فرمایا جائے گا کہ ووٹ نہیں دوگے تو اچھوت بن جاؤگے، سیاسی موت مرجاؤگے، قبر میں کیڑے پڑیں گے۔ کفن نصیب نہیں ہوگا۔ گویا اب تو ووٹ کی بدولت جنت میں بیٹھے ہو، عیش کر رہے ہو۔

اور سُنئے۔ مسلمانوں کے ایک چارہ گر فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کو اشتعال دلانے پر اشتعال میں نہ آنا چاہئے کیونکہ اس طرح فرقہ پرستوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے البتہ یہ صورت مفید ہوگی کہ اگر انھیں اشتعال دلایا جائے تو وہ مشتعل نہ ہوں اور سب کچھ تبسم کے ساتھ برداشت کرلیں اگر مسلمان یہ صورت اختیار کریں گے تو فرقہ وارانہ جماعتوں کی شرارتیں دنیا پر آشکارا ہوجائیں گی اور دھیرے دھیرے سب دیکھ لیں گے کہ شر کی ابتداء کون کرتا ہے اور غم کون کھارہا ہے۔"

ہائے رے سادگی۔ چاہے نمک پاشی کہہ لیجئے۔ گویا ایک بات تو فاضل چارہ گر نے یہ فرض کی کہ فساد مسلمانوں کے اشتعال کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں ـــ حالانکہ حالیہ فسادات کی جو تفاصیل سامنے آئی ہیں اس میں اس تصور کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے کسی اشتعال کا مظاہرہ ہوا تھا۔ مُردے مشتعل نہیں ہوا کرتے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دوسرے موقعوں پر موصوف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فسادات سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہیں ان کی تیاری پہلے سے کی گئی تھی۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں مسلمانوں کے ضبط وصبر یا جوش واشتعال کا حالات پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، لیکن جب موصوف ناصح مشفق کا لباس پہنتے ہیں تو منطق فلسفہ سب بھول جاتے ہیں۔

دوسری بات انھوں نے یہ فرض کی کہ فرقہ وارانہ جماعتوں کی شرارتیں دنیا پر آشکارا نہیں ہیں۔ دنیا سے مراد اگر عالم بالا ہے تو خیر فدوی کا دماغ اتنی لمبی چھلانگ نہیں لگا سکتا، لیکن اگر ہماری دنیا مراد ہے تو خدا جانے وہ کونسے اندھے بہرے لوگ ہوں گے جن پر حالیہ فسادات کے بعد بھی فرقہ پرستوں کی شرارت اور مسلمانوں کی مظلومیت آشکارا نہیں ہوئی ہے۔ جن پر اب بھی حقیقت آشکارا نہیں ہوئی انھیں قیامت تک حقیقت کا احساس نہیں ہوگا الّا یہ کہ ان پر بھی کبھی ایسی ہی حقیقتوں کا پہاڑ ٹوٹے۔

دراصل ہمارے چارہ گروں کی مشکل یہ ہے کہ وہ منافقوں کو مخلص اور سراب کو پانی سمجھے ہوئے ہیں اور اسی لئے ان کے اکثر دلائل اور فرمودات میں احمقوں کی جنت کا مزا آجاتا ہے۔ کہنے کو جو چاہو کہہ لو، باتیں بنانے سے تمھیں کون روک سکتا ہے۔ لیکن سچ کی بات بس ایک ہی ہے:۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

اپنے کو سنوارنے، اپنے دین پر چلنے، اپنی داعیانہ حیثیت پر پہاڑ کی طرح جمنے کی بجائے جب تک دوسروں کی خیمہ برداری، دریوزہ گری اور ذہنی غلامی کے اسیر رہوگے یہی بلکہ اس سے بھی بدتر حشر ہوتا رہے گا۔

بعض احمق مسلمانوں کو صبر وضبط کی تلقین کرتے ہوئے رسول اللہؐ کی زندگی بھی مثال میں پیش کرتے ہیں۔ خدا ایسے بے سوادوں سے دین اور پیغمبر کی آبرو بچائے۔ یہ خود تو بھینگے ہیں ہی دوسروں کو بھی بھینگا ہی تصور کرتے ہیں۔ انھیں رسول اللہؐ کا صبر وضبط تو نظر آیا مگر یہ نظر نہیں آیا کہ آلام ومصائب کے ہولناک اژدہام میں اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ دعوت کس چیز کی دیتا رہا؟ ـــ اللہ نے اسے اسلام کو برپا کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ وہ کمزور سے کمزور حالت میں بھی کفر وشرک سے شمّہ برابر مفاہمت کئے بغیر اپنے مشن میں لگا رہا۔

تم مُلکی زندگی کا حوالہ دینے میں منافق نہیں ہو تو آؤ آج ہی ہم سب عہد کریں کہ چھوٹے چھوٹے دنیاوی مفادات اور تحریصات پر لات مارکر، باطل سے کٹ کر، واشگاف طور پر دعوتِ حق کا کام شروع کریں گے۔ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر جئیں اور مریں گے وہی راہ آخری سانس تک اختیار کئے رہیں گے جس پر رسول اللہ چلے تھے یہ راہ سیکولرازم کی نہیں تھی، جھانپل ازم کی نہیں تھی۔ اپنی دعوت سے دستکشی کی نہیں تھی۔ آؤ ہم سب سے رشتہ کاٹ کر اللہ سے تعلق جوڑلیں۔ پھر بے شک ہمارا صبر وضبط رسول اللہؐ کے صبر وضبط کی پیروی کہلائے گا۔ اگر یہ نہیں ہے اور ہم نے وہ حقیقی کام چھوڑ رکھا ہے جس کیلئے حضورؐ نے ستم جھیلے تھے تو پھر تمہاری یہ جرأت کہ مکی زندگی کے حوالے لاؤ یہ معنی رکھتی ہے کہ تم مجاہد کی شہادت اور جوہے کی موت مارے جانے میں فرق نہیں سمجھتے۔ تم نہیں جانتے کہ صبر اور بے غیرتی دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

سیاسی بقراطوں کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کے گذارش ہے کہ وہ سیاست، ادب، نفسیات ومعاشیات وغیرہ کی دُم میں چاہے کتنے ہی تمدے باندھیں مگر خدا کے لئے دین کی خطا معاف کردیں۔ وہ ویسے ہی بے حد مظلوم ہے۔

---

۱۴ مئی ۵۹ء:۔ حالیہ فسادات کی تفصیلات ہی کچھ ایسی تھیں کہ مولوی ربیع الاول جیسے فنا فی الکانگریس سے بھی بات بنائے نہیں بن رہی تھی بہتیری تاویلیں کیں۔ گُردوں سے پھیپھڑوں تک کا زور لگایا، جتنی منطق دارالعلوم میں پڑھی تھی سب کی جگالی کرڈالی، مگر اسکا کیا علاج کرتے کہ جس بیان کے آئینے میں کانگریس اور اس کی حکومت کے خدوخال صاف عیاں تھے وہ خود مولانا حفظ الرحمٰن مدظلہ، کا تھا۔ وہ مولانا حفظ الرحمٰن جن کے بارے میں وہ شاید ایک سو ایک مرتبہ فرما چکے تھے کہ ان سے بڑا دیش بھگت، قوم پرور، کانگریس نواز، وطن دوست، اور نیشنلسٹ مسلمان کبھی پیدا ہی نہیں ہوا، نہ ہوگا، نہ ہو سکتا ہے " سکتا ہے" پر میں نے ٹوکا کہ حضرتِ والا آپ خدا کی قدرت پر بند باندھ رہے ہیں۔ آنکھیں نکال کے بولے امکانِ کذب کا مسئلہ پڑھا ہے؟ عرض کیا۔ پڑھا تھا مگر اس طرح کہ کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔

"کیوں؟" وہ غرائے۔

"معدے کی کمزوری۔ جب کانوں میں یہ سوال پڑا تھا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں تو پیٹ میں ایسا قراقر ہوا کہ بھیجا بھک سے اُڑ گیا تھا۔"

"لاحول ولا قوۃ..... اے یہ تو منطق ہے۔ اچھا اب بتاؤ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟"

"میرے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے۔ ذہنی اوباشی کے لئے اور بھی موضوع ہو سکتے ہیں!"

"معاذ اللہ۔ علماء کی بحثوں کو ذہنی اوباشی کہتے ہو" وہ بلبلائے پھر ہلکا سا تبسم فرماتے ہوئے استادانہ لہجے میں بولے۔ "ارے برخوردار خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ بولنے پر قادر ہے۔ یہ نہیں مانو گے تو اس کی قدرتِ کاملہ پر حرف آئے گا ہم علمائے محققین کا مسلک یہی ہے اور یہی حق ہے کہ وہ جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولے گا نہیں...."

"یہ تو آپ اپنے ہی خلاف مسلک لے آئے..... ابھی آپ فرما رہے تھے نہ پیدا ہوگا نہ ہو سکتا ہے...."

"اور.... وہ.... ٹھیک ہے وہ اور بات تھی۔ ذرا باریک ہے تم نہیں سمجھو گے...."

اور واقعی ان کی باریک باتیں مجھ جیسی موٹی عقل والوں کے دماغ میں نہیں سما سکتی تھیں۔ ایک اور موقع پر فرمانے لگے۔

"کچھ بھی ہو کانگریس بہرحال کانگریس ہے۔"

"کس مردود نے کہا ہے کہ کانگریس کانگریس نہیں ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"یہ مطلب نہیں" وہ جھنجلائے "کانگریس کسی صورت میں فساد پسند نہیں کر سکتی۔ یہ تو خبیث فرقہ پرستوں کی حرکتیں ہیں"۔

"اور فرقہ پرست آسمان سے ٹپکتے ہیں.... مولانا حکومت کانگریس ہی کی ہے، وہ ڈاکٹر کاٹجو بھی کانگریسی ہی ہیں جو مدھیہ پردیش کی وزارتِ اعلیٰ کے منصب پر بیٹھ کر پولیس کو داد دے رہے ہیں...."

"ڈاکٹر کاٹجو خود تھوڑی فساد کے موقعہ پر موجود ہوں گے
انھیں پنچلوں نے جیسی اطلاعات دیں ویسا ہی انھوں نے باور کیا۔"
"تو تحقیقات کا مطالبہ کیوں مسترد کر دیا ـــ اگر کسی شخص کو یقین
ہو کہ اس کا ادعا سچائی پر مبنی ہے تو وہ تحقیق سے آنکھ کیوں چرائیگا؟"
"تم تو یار ہر بات کا بتنگڑ بنائے پڑے ہو" وہ اکتا کر بولے
"ارے کروڑوں کے ہندوستان میں سو دو سو کی ہلاکت اور ہزار
پانسو کی بربادی سے قیامت تو نہیں آگئی۔ بہت سے برتن ہوتے
ہیں تو کھڑکتے ہی ہیں!"
"بجا فرمایا ۔۔۔۔ اگر میں حضور کے حلقوم میں دو انچ استرا
اتار کر چلو بھر خون پی لوں تو اعتراض تو نہ ہوگا ـــ اتنے بڑے
ہندوستان میں تنہا آپ کی شہادت قیامت نہیں لا سکتی!"
"استغفراللہ" وہ چھٹانک بھر بلغم تھوک کر منمنائے "تمھیں
تو بڑوں کا بھی لحاظ نہیں۔"
غرض اپنی چرب زبانی کے باوجود وہ اس مرتبہ بُری طرح
ذہنی قبض میں گرفتار تھے۔ لیکن اللہ بڑا کارساز ہے "تین مورتی"
کے روحانی تصرف سے دل کی گرہ کھل ہی گئی۔ دیکھتا کیا ہوں اخبار
لئے سرپٹ چلے آرہے ہیں۔ چہرے پر وہ تمام نورانی علامات ہیں جو قبض
کے بعد بسط اور پھر اسہال میں ضروری ہوا کرتی ہیں۔
"لو ہم نہ کہتے تھے دیر آید درست آید ۔۔۔" انھوں نے دعا
سلام سے قبل ہی فرمایا۔ میں سمجھا حکومت نے تحقیقات کی فرمائش
منظور کر لی ہے۔
"خیریت تو ہے؟"
"وہ تو ہونی ہی تھی" وہ چہکے "ہم تم سے کہہ ہی رہے تھے کہ
کانگریس چین سے بیٹھنے والی نہیں۔ لو پڑھ لو۔"
"آپ ہی سنا دیجئے ۔۔۔"
انھوں نے گلا صاف کر کے نہایت فخریہ انداز میں سُنایا:۔
"کانگریس ورکنگ کمیٹی نے فسادات کے متعلق خوب غور و
خوض کر کے مذمت کی قرارداد پاس کر دی ہے۔"
"آگے ۔۔۔۔ چپ کیوں ہوگئے۔" میں نے انھیں خاموش
پا کر کہا۔
"کیا اتنا کافی نہیں ۔۔۔۔"

"یعنی کہ یہی سنانے آئے تھے؟"
"اور کیا ۔۔۔"
میرا کلیجہ شق ہوگیا۔
"تو مولانا ایسا کیجئے۔ جہاں جہاں فساد ہوا ہے اس قرارداد
کی دو چار ہزار نقلیں کرا کے بھجوا دیجئے اور لکھ بھیجئے کہ شہد لگا کے
چاٹیں ۔۔۔۔ جلدی مغفرت ہوگی۔"
ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
"تو آپ کیا چاہتے ہیں ۔۔۔۔ کانگریس ترقیاتی پروگراموں
کے اہم ترین قومی کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر بس فساد ہی کی بحث میں
کھپ جائے ۔۔۔۔ ذرا اندازہ کیجئے کانگریس کی طرف سے فسادات
کی مذمت ہونا مسلمانوں کی پوزیشن کتنی اٹھا دیتا ہے ۔۔۔"
"بہت اٹھا دیتا ہے۔" میں نے اعتراف کیا اور آسمان
کی طرف حسرت سے دیکھتا ہوا بولا "وہ دیکھئے مسلمانوں کی پوزیشن
کا مدار ستارہ دن میں بھی چمک رہا ہے ۔۔۔۔ انشاءاللہ اولاد
کو وصیت کر کے مروں گا کہ بیٹو جب بھی کوئی اندازہ کرنا ہو مولانا
ربیع الاول سے مشورہ لینا ۔۔۔۔ پوزیشن آسمان میں پہنچ جائیگی۔"
"بدتمیز ۔۔۔ گدھے۔" وہ ہتھے سے اکھڑ گئے "تم جیسے گندہ
ذہنوں کو تو پاکستان جانا چاہئے۔"
"کرایہ آپ دیں تو آج ہی چلا جاؤں ۔۔۔۔ ارے ہاں
یار مولانا آپ نے بھینس کے انڈے کھائے ہیں؟"
"تم نے کھائے ہوں گے۔ خبیث کہیں کے۔"
"میں تو روز کھاتا ہوں۔ اگر املی کے پتے پہ رکھ کے تین
انڈے روز نوش کر لئے جائیں تو بالکل گوبر کا مزا آتا ہے۔ خواب بھی
کھل کر آتے ہیں ۔۔۔"
"تمہارا دماغ خراب ہے۔ تمھیں جیسوں نے پاکستان بنوایا ہے۔"
"اور آپ نے کیا بنوایا ہے" گورستان! ـــ ارے ہاں
مولانا! رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بیل کی دُم میں درجنوں
اونٹ لٹک رہے ہیں جانے کیا تعبیر ہوگی ۔۔۔"
"تمھیں اونٹ کی گردن سے لٹکا کر پھانسی دی جائے گی۔
ہاں ۔۔۔ مردود ۔۔۔"
وہ پیر پٹختے ہوئے چل دیئے۔

"ٹھہریئے ....." میں نے روکنے کی کوشش کی "ہاتھی کے انڈوں کی بات تو رہ ہی گئی۔ ارر ..... وہ ..... سُنئے نا بیوی نے کل پھر شاہی ٹکڑے بنائے ہیں ..... چائے بھی تیار ہی ہے ....."

وہ جھجکے پھر رُک گئے۔ پھر گردن موڑ کے بے اختیار تبسم کے ساتھ بولے:۔

"کھاؤ قسم ....."

"قسم کی بجائے شاہی ٹکڑے ہی جو کھائیں گے ..... آیئے بھی۔"

وہ عروسِ نو کی طرح شرماتے لجاتے لوٹ ہی آئے۔

"یار کبھی کبھی تمہارا مذاق بہت کھل جاتا ہے۔" انھوں نے خودداری سنبھالنے کی کوشش کی اور کرسی پر جم گئے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ارے اسمبلی میں دیکھئے۔ ممبر لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر ٹینی مرغوں کی طرح لڑتے ہیں مگر باہر آتے ہی یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی ڈرامے کی ریہرسل کر کے آئے ہوں۔ کیا ہم اسمبلی ممبروں سے کم ہیں؟"

"خیر ہوگا۔ تم چائے لاؤ ..... شاہی ٹکڑوں پہ ذرا ملائی بھی لگوا لینا ..... اور ہاں خربوزے بھی تو چل گئے ہیں منگواؤ نا کسی کو بھیج کر ....."

"کسے بھیجوں۔ نوکر کل سے غائب ہے خود ہی جاتا ہوں۔"

"نہ نہ تم دیر کر دو گے ..... اچھا چائے منگوا لو پھر بڑھ کے لے آنا ....."

میں گھر میں پہنچا۔ بیوی چولھا دھونک رہی تھی۔ یاد آگیا کہ کل سے گھر میں ایندھن نہیں ہے اور رات بھی تازہ نیم کی ٹہنیوں سے آلو اُبلے تھے۔ ظاہر ہے اس وقت بھی نیم ہی کی گیلی ٹہنیاں چولھے میں ہو سکتی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا کہوں کس طرح کہوں۔ بس بے ارادہ مُنھ سے نکلا۔

"بھاگوان سر میں درد ہو جائے گا ....."

اس نے گردن موڑی، ہتھیلیوں سے آنکھیں ملیں اور دھوئیں کا سینہ چیرتے ہوئے دو ایسی نظریں مجھ پر ڈالیں جن میں بے بسی تھی، قناعت تھی، کچھ بیزاری اور جھلاہٹ بھی تھی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے ہندوستان کی گیارہ سالہ تاریخ آزادی اس کی ویران آنکھوں میں سمٹ آئی ہو۔ گھٹی ہوئی آواز میں بولی:۔

"اسی لئے سوچ رہی تھی کہ سر ہی جلا دوں ..... مگر نیم اتنا گیلا ہے کہ بال بھی آگ نہیں پکڑتے ....."

"آہستہ ..... بیگم آہستہ" میں گھبرا کے بولا "باہر مولوی ربیع الاوّل ہیں اگر تھانے میں اطلاع کر دی تو اقدامِ خودکشی میں دھر لی جاؤ گی۔"

"آپ ان مولوی صاحب سے کچھ سبق نہیں لیتے ..... کل ہی ان کے یہاں سو من لکڑی آئی ہے۔ دس بوری برادہ الگ رہا۔"

"کیا کروں بیگم۔ سی آئی ڈی کے یہاں میرا نام بلیک لسٹ میں ہے سو من لکڑی خریدنے کے لئے کانگریسی ہونا بہت ضروری ہے۔"

"یہ مولوی صاحب کب کانگریسی ہیں یہ تو جمعیتی ہیں۔"

"جمعیۃ اور کانگریس میں عاشق معشوق کا رشتہ ہے عشق کی باریکیاں تم کیا سمجھو گی۔"

"ہٹئے بے حیائی کی باتیں کیوں کرتے ہیں ....."

"بے حیائی نہیں بیگم، خوش مذاقی کہو۔ خوش مذاق لوگ آقا اور غلام کو بھی عاشق معشوق بنا سکتے ہیں ....."

"بناتے ہوں گے ..... وہ ہاں دیکھئے، بکس میں اُوپر ہی میرا شادی کا جوڑا رکھا ہے وہ مولوی بدیع الزماں کے گھر دے آیئے۔"

"کیوں دے آؤں؟" میں چونکا۔

"آپ دے آیئے ..... میں بات کر چکی ہوں۔" اسکی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"کیا بات کر چکی ہو ..... شاید یہ آخری جوڑا بھی بیچ رہی ہو۔"

وہ چپ رہی ..... میرے خدا وہ تو رو رہی تھی۔

"بیگم ....." میں نے قریب ہوتے ہوئے کہا "تم نے سارا زیور بیچا جب نہیں روئیں جہیز کے برتن بھانڈے بیچے جب نہیں روئیں۔ سات قیمتی جوڑے بیچے جب نہیں روئیں — آج کیا ہو گیا ہے ..... خدارا چُپ رہو میں زکوٰۃ فنڈ کھولوں گا۔ بیواؤں کے نام پر چندہ لاؤں گا، کچھ بھی کروں گا مگر آخری جوڑا نہیں بکنے دوں گا۔"

"حرام کی روزی سے تو موت بہتر ہے" وہ خود پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

"ہائیں ..... تم جماعت اسلامی میں ہو گئی ہو کیا؟"

"سنئیے ..... مجھ بُڑھیا کو اب بھڑکدار جوڑے کی کون سی ضرورت پڑ رہی ہے بِک جانے دیجئے۔"

"ماشاء اللہ ..... تیس سال کی بُڑھیا فلکِ ناہنجار نے پہلی بار دیکھی ہوگی ..... نہیں بیگم جوڑا نہیں بکے گا۔ اور ہاں دیکھو، باہر ملک الموت بیٹھا ہے۔ چائے کے بغیر زندہ نہیں چھوڑے گا ..... کیا کروں ..."

اس کے چہرے پر سوچ کی علامات ظاہر ہوئیں۔ پھر اچانک مسکرا کر بولی۔ وہ شاید نزع کے وقت بھی مسکرا سکتی ہے۔

"آپ چلئے میں چائے بھیجتی ہوں ....."

"بھیجتی ہو ..... واللہ کہاں سے ..... آئیں یعنی ایندھن تو ہے ہی نہیں ....."

"اللہ مالک ہے آپ چلئے ....."

اور میں بے حیا واقعی، راضی برضا ہو کر باہر چلا آیا۔

مولانا غرّائے :-

"اماں نیند آگئی تھی کیا؟"

"کیا بتاؤں نعمت خانے کی کنجی کھو گئی ہے شاہی ٹکڑے اسی میں تھے۔"

"کیا ہوا۔ چلو تالا میں کھولدوں ....."

"آپ کھولیں گے۔ کاہیں سے؟" میں حیران ہو کر بولا۔

"ایک انگلی سے اور کاہیں سے۔" انھوں نے شہادت کی انگلی نچائی اور ذومعنی انداز میں مسکرائے۔ "تالا بھی کوئی چیز ہے۔ ہم نے تجوریاں کھولڈالیں ..... لاحول ولا ..... ارے مطلب یہ ہے کہ تالا ہم تار وار سے کھولدیں گے ....."

ذرا سوچئے پھر کیا ہوا ہوگا؟ اتنا میں ضرور بتا سکتا ہوں کہ بیوی نے اپنی وہ موٹی سی کاپی جلا کر چائے پکائی تھی جس میں وہ سالوں سے شعر نقل کیا کرتی تھی۔ لیکن کیا یہ چائے میں نے مولانا کے حلق تک پہنچنے دی اسے آپ سوچئے دیکھوں آپ میں بھی کچھ دماغ ہے یا سب آزادی کی نذر ہوگیا۔

(ملازندہ صحبت باقی)

گاندھی جی کے دیس میں!

زیادہ دن نہیں ہوئے ایک انتہائی دل آزار کتاب "ریلیجس لیڈرس" پر مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا۔ یہ کہنا غیر ضروری ہی ہوگا کہ یہ احتجاج اتنا ہی پُر امن تھا جتنا کسی دبی سہمی اقلیت سے متوقع ہو سکتا ہے۔ لیکن اس مُلک میں تو مسلمانوں کے فریاد و ماتم تک کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جانے لگا ہے اور یہاں کے کتنے ہی اخبارات اتنے بے لگام اور بلید الذہن ہیں کہ مسلمان زخم کھا کر آہیں بھریں تو اِن آہوں پر بھی پوری خباثتِ نفس کے ساتھ حاشیے چڑھاتے ہیں۔ خیر اس احتجاج کے سلسلہ میں اوری میں ایک ہندو مسلم فساد بھی ہو گیا جس میں سات مسلمان مرے اور ایک ہندو۔ مسلمان مچھر اور مکھی تھے اس لئے ان کے قاتلین کی گرفتاری کا تو سوال ہی کیا تھا، ہاں ایک ہندو کے قتل میں پولیس نے درجنوں مسلمان ضرور ماخوذ کر لئے اور انھیں سشن جج کی عدالت سے طویل قید کی سزا دلائی۔ شاباش رستمی اسی کا نام ہے۔ ان مسلمانوں کی سزا کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل کی گئی تھی۔ اب اس کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ پانچ مسلمان بالکل بَری کر دیئے گئے ہیں اور فیصلہ دیتے ہوئے جسٹس بردم اور جسٹس مکرجی نے پولیس اور حکام کے خلاف جو اظہار رائے کیا ہے اس کا ملاحظہ آپ بھی فرمالیجئے۔ ہم اسے مدیر الجمعیۃ جناب محمد عثمان فارقلیط کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

پولیس۔ ہائی کورٹ کی نظر میں

فاضل ججوں نے لکھا ہے کہ اوری کے ہندو مسلم تصادم میں ایک ہندو ہلاک ہوا لیکن اسی دن اوری کے مسلمان بھی ہلاک اور مجروح ہوئے، کیونکہ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ اس دن کم سے کم سات مسلمان ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کی بہت سی دو کانوں کو لوٹا گیا اور ان میں آگ لگائی گئی۔ فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ استغاثہ یہ بتانے میں بالکل ناکام رہا ہے کہ اس فساد میں مسلمانوں کو کس قدر جان و مال کا نقصان پہنچا! گویا فاضل ججوں کو اعتراف ہے کہ اوری کے فساد میں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا مگر استغاثہ نے پوری کوشش کی کہ عدالت کے سامنے مسلمانوں کے نقصانات کا کوئی ذکر نہ آئے اور صرف ہندوؤں کو مظلوم ثابت کیا جائے!

سوچئے! یہ ہائی کورٹ کا ریمارکس ہے جو اس نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے۔ ہائیکورٹ کو حیرت ہے کہ اوری کے فساد میں سات مسلمان مارے گئے اور ہندو صرف ایک، اور پھر ہندوؤں کا کوئی مالی نقصان بھی نہیں ہوا، لیکن مسلمانوں کی دو کانوں کو لوٹا بھی گیا اور انھیں جلایا بھی گیا۔ مگر ایڈمنسٹریشن کی رگ پھڑکی صرف اس بات سے کہ ایک ہندو مارا گیا اور وہ جو سات مسلمان مارے گئے تو ان کی فکر نہ پولیس کو ہوئی اور نہ حکومت کو۔ کیا ہائیکورٹ کے اس فیصلہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ پولیس اور حکام نے فرقہ پرستی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے میں کوتاہی کی بلکہ اُلٹا ان ہی کو ماخوذ کیا انہی کو سزا دلائی اور جو سات مسلمان مارے گئے ان کے قاتلوں کی حوصلہ افزائی کی اور پولیس ان پر ہاتھ تک نہ ڈال سکی۔

سنو، ہائی کورٹ نے کیا کہا!

فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں صفائی سے لکھا ہے کہ بدقسمتی سے ان فسادات میں حکام نے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار نہیں کیا اور ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی ان تمام کوششوں کو جو انھوں نے اپنی شکایتوں کے ازالہ کے لئے کیں، دبا دیا گیا ہے۔ فیصلہ کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں کہ

"اس بات کا زبردست امکان ہے کہ حملہ کی ابتدا ابھی ہندؤں کے جلوس نے کی تھی۔"

ہائی کورٹ کے فیصلہ سے جو حقائق سامنے آئے ہیں ان کے بعد اگر نہرو گورنمنٹ نے اتر پردیش گورنمنٹ کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا اور پولیس کو فرقہ پرست اور جانبدار تسلیم کرتے ہوئے اس کے خلاف کوئی محکمانہ کارروائی نہیں کی تو یہ نہ صرف ہائی کورٹ کی توہین ہوگی، بلکہ حکومتی انصاف کا جنازہ ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔ ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ صرف ہمارے لئے نہیں ہے بلکہ ساری دنیا کیلئے ہے۔ ساری دنیا کو بتانا چاہیئے کہ یہاں کا ایڈمنسٹریشن مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے اور اس کی اینٹی مسلم پالیسی کیا گل کھلا رہی ہے اور جب ہائیکورٹ کے فیصلہ کے مطابق اوردئی میں پولیس نے مسلمانوں پر بے پناہ ستم توڑے اور ظالموں کو سینے سے لگایا تو اس پر آپ مبارک پور، بھوپال، سیتا مڑھی، آختہ، دت نگر اور دوسرے مقامات کی پولیس کا بھی اندازہ لگا لیجئے' سوال یہ ہے کہ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد حکومت پولیس افسروں کے ساتھ کیا کارروائی کرے گی؟ نہیں کرے گی تو قدرت کو کسی نہ کسی وقت خود یہ کام انجام دینا ہوگا۔ (الجمعیۃ، ۱۰رمئی ۵۹ء)

اب معاصر قومی آواز لکھنؤ کا بھی اداریہ مطالعہ فرمالیجئے۔

"ہائی کورٹ کے فیصلے سے ثابت ہوا کہ اوردئی کے فساد میں پولیس اور سرکاری افسروں نے ظالموں کا ساتھ دیا تھا اور صرف مظلوموں کو گرفتار کیا تھا اور صرف ان ہی پر مقدمہ چلایا تھا۔ نیچے کی عدالتوں نے اس نکتے کو نظرانداز کر دیا کہ پولیس نے نہ یہ دکھلایا کہ مسلمانوں کا بھی کچھ نقصان ہوا تھا اور نہ یہ کہ مسلمان بھی کچھ مارے گئے تھے۔ حالانکہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کے مطابق ایک ہندو مارا گیا تھا تو سات مسلمان مارے گئے تھے۔ اور جانے کتنے مسلمان زخمی ہوئے تھے اور کتنا جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔ ان باتوں کی بناء پر عدالت نے اپنا قیاس یہ ظاہر کیا ہے کہ فساد کے لئے شہ زنی ہندوؤں کی طرف سے ہوئی تھی نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے۔

جب اوردئی میں فساد ہوا ہے تو یہ معاملہ آئینہ کی طرح صاف تھا کہ اس معاملے میں مسلمان مظلوم ہیں، اگر اتنا نہیں تو اتنا تو یقین تھا کہ وہ زیادہ مظلوم ہیں۔ کیونکہ ایک ہندو کا اور سات مسلمانوں کا مارا جانا سب کو معلوم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ دکانیں صرف مسلمانوں ہی کی لوٹی گئی ہیں اور ایسی لوٹی گئی ہیں کہ انکو محتاج کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود نہ تو سات مقتول مسلمانوں کے قاتلوں کی تلاش کی گئی اور نہ دوکانوں کے لوٹنے والوں کو ڈھونڈا گیا اس سلسلہ میں پولیس اور سرکاری افسروں کی طرف سے کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اگر مستعدی دکھلائی گئی تو مسلمانوں کو گرفتار کرنے میں اور مسلمانوں کو تنگ کرنے میں اور مسلمانوں پر مقدمہ چلانے میں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جب فساد ہو گیا تو کانگریس نے یا حکومت نے معاملات کی چھان بین کی بھی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ گویا کہ سات جانوں کا چلا جانا اور اتنی دوکانوں کا لوٹ لیا جانا کوئی خاص چیز ہی نہیں تھا۔ حال میں کچھ وزیروں نے اصول کی خاطر استعفے دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فلاں جگہ دفتری بے انصافی ہو رہی ہے یا ہوئی تھی اور فلاں جگہ جمہوریت شکنی ہو رہی ہے یا ہوئی تھی، چونکہ یہ سب باتیں ناقابل برداشت تھیں اسلئے انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ ہم ان اصول پرستعدی سے کہنا چاہئے[۱] تھے کہ ہاں دفتری بے ضابطگی بہت بری چیز ہے اور جمہوریت کے اصولوں کو برقرار رکھنا چاہئے۔ یہ سب درست ہے' لیکن ذرا یہ تو بتلائیے کہ اوردئی کے فساد کے موقع پر آپ کیوں خاموش رہے تھے اور اس وقت استعفیٰ کیوں نہیں دے دیا تھا؟ کیا حکومت کا ایک کروڑ کا نقصان ہو جائے تو وہ بہت ہے اور اقلیت کا ایک کروڑ کا مال لٹ جائے تو وہ کچھ بھی نہیں؟ کیا آپ کے نزدیک ان سات انسانوں کی جانوں کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ اور اس کو ہنسی کھیل کر نظرانداز کیا جا سکتا ہے؟ اور اس حد تک نظرانداز کیا جا سکتا ہے کہ نہ قاتلوں کی کھوج کی جائے اور نہ اس سلسلہ میں کسی پر مقدمہ چلایا جائے؟ وہ کونسا ضمیر ہے جو دفتری بے ضابطگیوں پر تو جوش میں آتا ہے۔ لیکن انسانی خون کے معاملے میں ٹھنڈا پڑا رہتا ہے۔

۱؎ عبارت یونہی چھپی ہے۔ ۱۲

جو وزیر استعفٰے دے چکے ہیں اُن سے تو ہمیں صرف اتنا ہی کہنا تھا، لیکن جو اس وقت برسرِ اقتدار ہیں ان سے یہ پوچھنا ہے کہ ذرا یہ تو بتلائیے کہ ہائیکورٹ کے اس فیصلے کے بعد بھی کیا آپ مبارکپور، بھوپال اور سیتامڑھی کے معاملات کو ایک رخی عینک سے دیکھیں گے؟ کیا اب بھی ان موٹی موٹی باتوں کا جائزہ نہیں لیں گے کہ فساد کی پہل کن لوگوں نے کی تھی؟ اشتعال انگیزی کن لوگوں نے کی تھی؟ دوکانیں کن لوگوں کی لوٹی گئی تھیں اور پولیس کے ڈنڈوں سے بدن کن لوگوں کا چھلنی ہوا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے بعد ان سرکاری افسروں اور پولیس کے جوانوں کے ساتھ کیا کارروائی کی جائے گی، جنھوں نے فساد کی اس طرح روک تھام کی کہ جو لوگ مظلوم تھے ان کو مارا پیٹا، انہی کو گرفتار کیا، ان ہی کو خوف زدہ کیا اور انہی پر مقدمہ چلایا اور ظالموں کو بالکل چھوڑ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اوری اور مودھے کی نشست میں کانگریس کو جو ہار ہوئی اس کی بنیاد یہی دھاندھلی تھی جو کانگریس نے اور کانگریسی حکومت نے اوری کے معاملے میں کی تھی۔ اس دھاندھلی سے مسلمان تو خیر ناراض ہی ہوگئے اور ان کو اس بات کا حق بھی تھا، کیوں کہ انھوں نے کانگریس اور حکومت کے عہدے داروں سے ہر قسم کی اپیل کی تھی اور دادرسی چاہی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ ہندوؤں پر بھی اس بات کا کوئی اچھا اثر نہیں پڑا، کیونکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کانگریس اور کانگریسی حکومت کی انصاف پسندی کی حد کیا ہے اور ان کے قول پر کہاں تک بھروسا کیا جا سکتا ہے۔

مبارک پور، سیتامڑھی اور بھوپال کے فسادوں پر رائے زنی کرتے ہوئے جواہر لال جی نے بہت پتہ کی بات کہی کہ یہ قصور ہم سب لوگوں کا ہے۔ ہمارے نزدیک ان سب لوگوں میں کانگریس ہی شامل نہیں ہے، بلکہ سب ہی سیاسی پارٹیاں شامل ہیں، کیونکہ اگر کوئی ایک پارٹی بھی ایسی ہوتی جو فرقہ واریت سے بالکل بالاتر ہو کر فسادوں کا مقابلہ کرتی تو فساد کا وجود باقی ہی نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر اوری کے معاملے کو کسی بھی سیاسی پارٹی نے اس طرح اُٹھایا ہوتا کہ اس پارٹی کے ہندو ممبر اور لیڈر کہتے اور مسلسل کہتے کہ غلطی اکثریت کی ہے اور پولیس اور سرکاری افسر اس کی طرفداری کر رہے ہیں تو حالات کا نقشہ پلٹ گیا ہوتا اور آج فسادوں کا وجود نہ ہوتا۔ لیکن اس معاملہ میں ہماری سب ہی سیاسی پارٹیاں ایک سی ہیں حالانکہ یہ ہے کہ کوئی تو نافرقہ واریت کے دعووں کے ساتھ جن سنگھ سے سمجھوتہ کر رہی ہے اور کوئی اکالی دل سے یہ سمجھوتے کر رہی ہے۔ یہ سب باتیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ ہاتھی کے دانت دکھلانے کے اور ہیں اور کھانے کے اور۔ بس لے دے کے ہندوستان بھر میں ایک ہیں جواہر لال جو فرقہ واریت کے مقابلے میں شمشیر برہنہ ہیں لیکن ایک چنا کہیں بھاڑ پھوڑ سکتا ہے۔

تجلّی

طنز و تضحیک کی بات نہیں، بلکہ امرِ واقعہ کا اظہار ہے کہ "قوم پرست" مسلمانوں کی حیثیت کانگریس کے اہلِ بیت کی سی ہے۔ وہ کانگریس کے پُرانے ساتھی ہیں۔ اتنے کہ "لنگوٹیا یار" کی اصطلاح بول دی جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اسکے باوجود اگر کانگریس اور اس کی حکومت کے پے بہ پے چرکوں اور جاں ستانیوں سے تنگ آکر وہ نالہ وشیون، احتجاج اور شوخ کلامی کے موجودہ مرحلے تک آپہنچے ہیں تو ہم جیسے بیگانوں کا کچھ کہنا لاحاصل ہی ہوگا۔ تبصرہ ان چیزوں پر ہوتا ہے جو کسی بھی درجہ میں تعارف کی محتاج ہوں لیکن کانگریسی گورنمنٹ کا گیارہ سالہ کردار تو ایک کھلی کتاب ہے جسے زیرِ تبصرہ لانا تحصیل حاصل کے سوا کچھ نہیں —— ہاں چند معروضات قوم پرست مسلمانوں ہی کے اندازِ فکر و نظر کی ایک بنیادی کجی کے بارے میں ضرور پیش کرنا چاہتے ہیں جس پر پہلے غور نہیں کیا گیا تو اب غور کرنے کی ضرورت ہے۔

دونوں ہی اداریہ نگار جس دردمندی و خوش سلیقگی کے ساتھ لفظ و بیان کے موتی پرو گئے ہیں وہ بلاشبہ لائق داد ہے اور ان کا اخلاص، جذبہ اور نیت بھی یقیناً شبہ سے بالاتر ہے، لیکن حیرت ناک المیہ یہ ہے کہ اُس خوش فہمی کے جال سے وہ اب بھی باہر نہیں نکلے جس سے نکلے بغیر حقائق کو ان کی صحیح حیثیت میں دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ دونوں ہی کسی نہ کسی رنگ میں اس حسنِ ظن میں مبتلا ہیں کہ ہائیکورٹ کے اس فیصلے سے قبل موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ اس سے بے خبر تھا کہ نام نہاد فسادات میں مسلمان مظلوم ہوتے ہیں اور حریف ظالم۔ اب ہائی کورٹ نے حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا ہے تو اہلِ اقتدار ضرور منصفانہ اقدام اُٹھائیں گے اور عدالتِ عالیہ کے

فیصلے کی لاج رکھنے میں کوشاں ہوں گے۔ یہ حسن ظن اگرچہ دونوں ہی کے یہاں نزع کے عالم میں گرفتار نظر آتا ہے، لیکن موجود ضرور ہے اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہی حسن ظن ہے جس کی زمین میں بوئی ہوئی سیاست کی کھیتی مسلمان آج کاٹ رہے ہیں اور آگے کو کاٹیں گے۔ ہمارے عالی مقام قوم پرست رہنماؤں نے اربابِ کانگریس سے اندھادھند توقعات باندھ کر مسلمانوں کی سیاست کو جس راہ پر چلایا تھا اس کا انجام جو کچھ سامنے ہے اگر اس سے بھی بدتر ہوتا تو حیرت کی بات نہیں تھی۔ آپ بھی منافق کو مخلص اور صاحبِ کردار تصور کر کے کچھ اُمیدیں باندھئے پھر دیکھئے ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ یہ بات چاہے کتنی ہی المناک ہو کہ آزادی کے بعد کانگریس کے متعدد اُصول و نظریات کی مٹی خود کانگریسی حضرات ہی پلید کرتے رہے ہیں اور کاغذی قانون کے آئینے میں دیکھے ہوئے جمہوریت کے خواب خود کانگریسیوں ہی کے پائے عمل کی ٹھوکروں میں چور چور ہوتے گئے ہیں، لیکن بہرحال یہ تلخ حقیقت موجود تھی تو اسکو ملحوظ رکھ کر ہی عمل کا خاکہ بنانا چاہئے تھا، لیکن ہم سے کہا گیا کہ کانگریس کو ووٹ دو، جواہرلال کے ہاتھ مضبوط کرو، جواب میں شہد ملے یا زہر، عزت ملے یا ذلت، ہر حال میں کانگریس ہی تمھاری قاضی الحاجات ہے، وہی ایک در ہے جس پر سرِ نیاز جھکا کر تم کچھ پا سکتے ہو، وہی تمہاری ناؤ کو پار لگائیگی، اسے چھوڑو گے تو مٹ جاؤ گے برباد ہو جاؤ گے۔

سراب کو پانی، ابرق کو چاندی اور سیاہ کو سفید سمجھ کر کب کس نے فلاح پائی ہے جو ہم پالیتے۔ لازم ہے کہ اب بھی سنبھلیں اور ہوائی خوش فہمیوں کے ایوان سے باہر نکل کر اپنی سیاست کی عمارت ٹھوس حقائق کی بنیاد پر اٹھائیں۔ بے شک جواہرلال اور چند اور آدمی معروف معنوں میں فرقہ پرستی سے بلند ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کی ہولی نہ کھیلی جائے، لیکن باقی آوا کا آوا "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق ہے۔ خدا ہی جانے وہ کس دنیا کے لوگ ہوں گے جو یہ باور کرلیں گے کہ سیاسی، لسانی، معاشی اور تعلیمی ہر میدان میں مسلمانوں کو تسلسل اور استقلال کے ساتھ پیچھے دھکیلنے والی قومی حکومت کی عزت مآب اہلِ بیت ایسے معصوم اور بے خبر ہو سکتے ہیں کہ ہائیکورٹ کے مذکورہ فیصلے سے قبل بے چاروں کو اندازہ ہی نہ ہو گا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون، پٹ کون رہا ہے اور مارنے والا کون ہے۔ زندگی کس کی حرام ہو رہی ہے اور سینے پہ مونگ کون دَل رہا ہے وہ پہلے بھی جانتے تھے اور آج بھی جانتے ہیں کہ کئی کروڑ بھیڑیں پالتو کتے کی طرح دُم ہلاتی ان کے پیچھے چل رہی ہیں، وہ جب جس طرح چاہیں گے ان سے کام لے لیں گے۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ ان کی پولیس اور ان کا ایڈمنسٹریشن کتنے پانی میں ہے۔ اسی لئے ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہائی کورٹ کے فیصلے سے ان کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگے گی۔ وہ نشے میں ہیں 'اقتدار' دولت اور پندار کا نشہ — اناولا غیری کا نشہ — احیائی ذہنیت کا نشہ — اس نشہ کو عدالتی فیصلوں کی ترشی نہیں اُتار سکتی، اس کا توڑ طنز یا التجا اور خوشامد سے ممکن نہیں۔ جواہرلال اور اُن جیسے معدودے چند حضرات فرقہ پرستی کے استیصال میں جس طرح ناکام ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وجہ چاہے کچھ ہو صورتِ واقعہ بہرحال اس کی متقاضی ہے کہ کانگریس اور جواہرلال کے ہاتھ مضبوط کرنے کا جو غیر مشروط نعرہ نیازمندی کے ساتھ اب تک لگایا جاتا رہا ہے اور کانگریس ہی کو سیاسی ربّ الارباب باور کرانے کی جو مہم اب تک چلائی جاتی رہی ہے اس پر نظرِ ثانی کی جائے اور یتیموں کی طرح دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے خود اپنی طرف دیکھا جائے۔

یہ جو کچھ آج ہو رہا ہے کچھ نیا نہیں ہے۔ ہم نے زمانے کے بڑے بڑے طوفان جھیلے ہیں، ہم نہ جانے کتنے خون کے دریاؤں سے گذرے ہیں ہمارے پاس ایک لازوال نظامِ زندگی ہے، نظریہ ہے، عقیدہ ہے، ہمارا خدا جتنا طاقت ور پہلے تھا اتنا ہی آج بھی ہے۔ ہم نے اسی ہندوستان میں اکبر جیسے جبّار فتنہ گروں کا سامنا کیا ہے، ہم انگریز جیسی طاقت سے ٹکر لینے میں ابنائے وطن سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ ہم آج بھی اُن شرپسندوں سے آنکھ ملانے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو ہمارے جائز حقوق کو پامال کرنے اور ہمیں جینے کے حق سے محروم کر دینے کے درپے ہیں، لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ ہم دوسروں کے سہارے جینے

اور دوسروں کے فضل و عنایت پر بھروسہ کرنے کی بربادکن روش ترک کرکے اپنا مقام پہچانیں، اپنی فکری و عملی خامیوں کا جائزہ لیں اور جن باہمی اختلافات کو ہم پرورش کئے جارہے ہیں انھیں پس پشت ڈال کر اتحاد و اخوت کی راہ ہموار کریں۔ آخر کیوں تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو رشتے میں پرونے کی کوشش نہیں کی جاتی، کیوں ہم ایسے نازک وقت میں بھی انانیت، خود غرضی اور غفلت کا شکار ہیں جبکہ اللہ کا عذاب فرقہ پرستی کی شکل میں ہمیں جھنجوڑ رہا ہے۔ کیوں ہم اتنے بودے اور حقیر ہوگئے کہ جب جس کا جی چاہے ہمارے جان و مال اور آبرو کو ایڑیوں میں رگڑ کے رکھدے۔ ٹھیک کہا ماہنامہ "برہان" کے محترم اداریہ نگار نے:-

"اصل یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں صحیح اسلامی سیرت و کردار اور خدا شناسی کے اوصاف و کمالات پیدا نہیں ہوتے ان کی مشکلات کا کوئی حل پیدا نہیں ہوسکتا اور دنیا بھر کے سارے کام ہورہے ہیں اور نہیں ہورہا ہے تو ایک یہی۔" (برہان مئی ۱۹۵۹ء)

لیکن الجمعیۃ کے فاضل مدیر نے بھی اس پر بجا ارشاد فرمایا:-

"یہ بات بھی توضیح طلب ہے کہ اسلامی سیرت و کردار کے لئے جس پرسکون ماحول کی ضرورت ہے پہلے اسے حاصل کیا جائے یا اسے حاصل کرنے کیلئے اسلامی سیرت کی تشکیل پہلے کی جائے۔ اگر پہلی صورت ہے تو فسادات کے انسداد کیلئے جس سے جو بھی ہوسکتا ہو وہ ضرور کرے، اگر صورت دوسری ہے تو مسلمانوں کا اہل فکر طبقہ کوئی ایسا پروگرام بنائے جس کے تحت مسلمانوں میں اسلامی سیرت پیدا کرنے کی کوئی مؤثر تحریک چلائی جاسکے۔" (الجمعیۃ ۲۰ مئی ۱۹۵۹ء)

ہماری بھی یہی تمنا ہے کہ مسلمانوں کے اہل فکر حضرات اسلامی سیرت و اخلاق پیدا کرنے کے لئے باہمی مشورت سے کوئی تحریک چلائیں، لیکن ظاہر ہے یہ تحریک جماعت تبلیغی جیسی محدود تحریکات سے وسیع تر ہونی چاہئے۔ اتنی وسیع کہ الف سے لیکر یا تک مسلمانوں کی ساری زندگی اور اس کے جملہ شعبوں پر حاوی ہو۔ اسلامی سیرت و اخلاق یورپ کے سیرت و اخلاق جیسے نہیں ہیں کہ چند خاص شعبوں میں تو انھیں بطور پالیسی اختیار کرلیا جائے، اور بعض اور شعبوں میں ان سے کوئی واسطہ نہ ہو، بلکہ وہ کلی اور ہمہ گیر ہیں، وہ عبادت سے لیکر سیاست و معیشت تک کے ہر گوشے میں اپنی کارفرمائی چاہتے ہیں اور ان کا بارِ امانت وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو تہیہ کرلیں کہ ہم زندگی کے ہر شعبے اور ہر مرحلے میں بس انھی کے تابعدار رہیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ ملک ایسے لوگوں سے بالکل ہی خالی نہیں جو اس صبر آزما راہ پر چلنے کا عزم رکھتے ہیں، بلکہ اپنی بساط بھر چل بھی رہے ہیں۔ بس ضرورت اس کی ہے کہ لایعنی غلط فہمیوں کی خلیج پاٹ کر اشتراک و اتحاد کو دعوت دی جائے۔

آج وقت کی ایک زبردست ٹھوکر نے یہاں کی امت مسلمہ کے جذبات کو اس حد تک پگھلا دیا ہے کہ اہل فکر و نظر بہ آسانی انھیں کسی بھی سانچے میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کرسکتے ہیں۔ باہمی اختلاف و نزاع بہت ہوچکا، بے خدا سیاست کا کھیل بھی کافی کھیلا جاچکا۔ اب وقت آیا ہے کہ ارباب حل و عقد خلوص و دردمندی کے ساتھ سر جوڑ کے بیٹھیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے فلاح و عزت کا کوئی نقشہ بنائیں۔

لکھ لو ——— لوہے کے قلم سے پتھر پر لکھ لو کہ مسلمانوں کی سرفرازی و عزت کا اصل سرچشمہ پہلے بھی اسلام ہی تھا، آج بھی اور آئندہ بھی اسلام ہی ہوگا۔ بے خدا سیاست اور اور اخلاق و کردار سے عاری فکر و عمل کبھی اس قوم کے حق میں رحمت نہیں ہوسکتے۔ جو یہ دعویٰ کرتی ہو کہ ہمارا مذہب دنیا کی ہر الجھن کا حل اور ہر قفل کی کنجی ہے۔ آؤ ہم ایک بار پھر یہ عہد کریں کہ خدا کے وفادار بنیں گے۔ یہ وہ عہد ہے کہ اگر اس پر عمل ہو تو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے فرشتے اتارتا ہے۔ کمزوروں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ خدا کی رحمت و قدرت کا خزانہ خالی نہیں ہوا، بس ہماری ہی وفاداری و نیازمندی کا خزانہ خالی پڑا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا - ۱۲

موجودہ فسادات اور ان کا حل

از مولانا ابواللیث صاحب

امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث صاحب نے جو کچھ عرصے علیل تھے اپنے وطن اعظم گڈھ سے رامپور ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے تو ملک کے موجودہ حالات کے سلسلے میں موصوف نے ایک اخباری ملاقات میں جو کچھ اظہار خیال فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل کیا جا رہا ہے

مولانا نے ملک میں ہونے والے حالیہ فسادات پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا کہ ہندو عوام کا ان فسادات سے تعلق کم ہے بلکہ پولیس اور انتظامیہ کی کوتاہی، غفلت اور فرض ناشناسی ان ہنگاموں کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ اور یہ بات اس پہلو ہی سے افسوسناک نہیں ہے کہ فساد زدہ علاقوں میں خواہ مخواہ مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس پہلو سے بھی یہ حادثات افسوسناک ہیں کہ ملک کی تعمیر و ترقی کی راہ میں یہ بہت بڑی رکاوٹ بنتے جا رہے ہیں۔ مولانا نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ جن لوگوں پر غلطیوں کی اصلاح و تدارک کی اوّلین ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اپنے ماتحتوں کی غفلت و کوتاہی پر پردہ پوشی بلکہ پشت پناہی کرتے نظر آرہے ہیں۔ اس سلسلے میں یو۔پی اور مدھیہ پردیش کی حکومتوں کے سربراہ کاروں کا رویہ بہت زیادہ افسوسناک ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر نظم و نسق کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کی گئی تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسکا انجام کیا ہوگا۔ جن لوگوں کو عدل و انصاف کا ذرا بھی پاس و لحاظ ہے۔ یا جو لوگ ملک کی بہتری کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں ان سب کا فرض ہے کہ اس سنگین صورت حال کی طرف بروقت توجہ کریں۔ محترم امیر جماعت نے کہا کہ اس سلسلے میں کانگریس پر جو ملک کے بیشتر صوبوں میں برسراقتدار ہے خاص ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ کانگریس جو ملک کی تقسیم سے پہلے فرقہ وارانہ امن و اتحاد کو بہت زیادہ اہمیت دیتی تھی وہ بڑے سے بڑے ظلم و ستم کے واقعات کی مذمت بھی کھل کر نہیں کر سکتی۔ بہرحال اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی قوم و فرقہ پر ظلم و زیادتی خود اس ملک کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے اور تاریخ کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔ ملک کی دوسری سیاسی جماعتیں جو مظلومین کے ساتھ اظہار ہمدردی کر رہی ہیں ان کی کوششوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مولانا ابواللیث صاحب نے ان کو اس ضرورت کی طرف بھی متوجہ کیا کہ ہمدردی کے اس کام کو سیاسی اقتدار کے حصول اور استحصال و انتفاع کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور یہ کام خالصۃً انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت کیا جانا چاہیئے۔

ہندو فرقہ پرست جماعتوں کو تنبیہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ جو جماعتیں کسی مذہب کے مقدس نام سے وابستہ ہیں وہ اگر کسی وقت عدل کی بجائے ظلم کی پرورش پر عمل کرنے لگیں یا اس کی تائید پر آمادہ ہوجائیں تو اس سے نہ صرف یہ کہ مذہب کا نام بدنام ہوتا ہے بلکہ آہستہ آہستہ ماحول میں مذہب سے بغاوت ابھرتی چلی جاتی ہے اور مذہب دشمن عناصر کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مولانا نے مذہب پرست ہندوؤں سے اپیل کی کہ وہ مذہب کے نام پر کام کرنے والی جماعتوں کو غلط عناصر کا آلۂ کار بننے سے روکیں اور جہاں جہاں جس جس پر بھی کسی طرح کا ظلم ہو رہا ہو اس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب بھی ظالم کو ظالم اور مظلوم کو مظلوم کہنے سے نہیں روکتا۔

مسلمان کیا کریں؟

اس سوال کے جواب میں کہ اس موقع پر مسلمان کیا کریں ؟ امیر جماعت اسلامی نے فرمایا کہ میرے خیال میں یہ ہنگامے قدرت کی طرف سے ایک تنبیہ ہیں اور اگر اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اسی غفلت میں پڑے رہے جس میں اب تک مبتلا ہیں تو ان کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا جائے گا۔ مسلمانوں کو ان حادثوں سے سبق حاصل کرنا چاہیئے آپ نے فرمایا کہ اس بات سے کام نہیں چل سکتا کہ وقتی طور پر فسادات دب جائیں تو یہ فسادات اپنے وقت پر دب ہی جائیں گے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ایک تو ان فسادات کا مستقل سدِ باب ہوسکے اور دوسرے خطرات جن میں مسلمان اپنے کو محصور پا رہے ہیں ان کی بدلیاں بھی چھٹیں۔ اس کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ارباب فکر حالات کا دقتِ نظر سے جائزہ لیکر کوئی ایسا لائحۂ عمل تیار کریں جس سے ان کا مستقبل اس ملک میں ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن اس لائحۂ عمل کو عملی جامہ پہنانے .... اور نتیجہ خیز بنانے کے لیئے ازبس ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی جماعتیں اس وقت جو کچھ کر رہی ہیں ان پر کھلے دل سے نظرِ ثانی کریں اور اس میں جس ردّ و بدل اور حذف و اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس کے لیئے کھلے دل کے ساتھ آمادہ ہوں۔ اس ضمن میں عام مسلمانوں کو بھی اپنے شعور بیداری کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رائے عامہ کے دباؤ کے بغیر ہمارے ارباب فکر بآسانی اپنے موقف کا جائزہ لینے اور اس میں ضروری ترمیم و تبدیلی پر آمادہ نہیں ہوسکیں گے۔

مسلم کنونشن کی ضرورت!

مولانا ابواللیث صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مشورے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان جماعتوں کا ایک کنونشن منعقد ہونا چاہیئے۔ کنونشن کے خطوطِ کار کیا ہوں ؟ مولانا نے فرمایا اس کی ضرورت ان فسادات کے بعد ہی نہیں بلکہ بہت پہلے سے ہے اور تنہا فسادات کا مسئلہ اس کا داعی بھی نہیں ہے بلکہ ان کے ماسوا ملی مسائل کے اور بہت سے پہلو ہیں جو ان فسادات سے بڑھ چڑھ کر ملت پر اثر انداز ہو رہے ہیں، مولانا نے یاد دلایا کہ کنونشن کے موضوع پر وہ اپنے خیالات ان لوگوں کے جواب میں بہت تفصیل سے پیش کر چکے ہیں۔ جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے مخصوص نظریات یا مصالح کی خاطر مسلمانوں کے کنونشن یا صحیح خطوط پر ان کی تنظیم کے مخالف ہیں (مولانا ابواللیث صاحب کا یہ مضمون زندگی رامپور کے دسمبر ۱۹۵۷ء اور جنوری ۵۸ء کے پرچوں میں شائع ہو چکا ہے) آپ نے فرمایا کہ کنونشن کے مفید ہونے کے لیئے کیا باتیں ضروری ہیں۔ ان کی اس مضمون میں نشاندہی کرائی جاچکی ہے۔ نیز اس پہلو سے بھی روشنی ڈالی جاچکی ہے کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد مولانا آزاد مرحوم کی زیرِ صدارت جو کنونشن منعقد ہوا تھا وہ کن پہلوؤں سے ناکافی تھا اور بعض پہلوؤں سے اس کے مفید ہونیکے باوجود بدلے ہوئے حالات میں کن خطوط پر نئے کنونشن کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا بہرحال کنونشن کی ضرورت میرے نزدیک مسلّم ہے بشرطیکہ وہ واقعی مسلمانوں کا آزاد کنونشن ہو۔ اور اس میں شریک ہونیوالے حضرات اس عزم و ارادہ کے ساتھ اس میں شریک ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت ہی ان کی اصل رہنما ہے۔

آئندہ لائحہ عمل کیا ہو؟

آئندہ لائحہ عمل کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ یہ مسئلہ درحقیقت کنونشن ہی کے طے کرنے کا ہے کہ آئندہ مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ لیکن اتنی بات واضح ہے جس سے کوئی مسلمان بھی اختلاف نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کا اصل فریضہ اقامت دین ہی ہے جس کا اختیار کرنا نہ صرف اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اس کے اختیار کیئے بغیر مسلمان دینی پہلو سے ایک بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بلکہ ان کی دنیا بھی اس کے بغیر درست نہیں ہو سکتی اور نہ وہ خطرات کے چنگل سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اس فرض کو ادا کر کے ہی وہ رحمت خداوندی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اور اسی سے ان کا وجود باوزن ہو سکتا ہے اور مشکلات و مصائب ختم ہو سکتے ہیں دوسری بات جو مولانا کے نزدیک آئندہ لائحہ عمل کی خصوصی بنیاد ہونی چاہیئے یہ ہے کہ مسلمان دوسروں کا سہارا چھوڑ کر خود اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور اس پوزیشن سے نکلیں جس میں پھنس کر وہ مختلف جماعتوں کا شکار بن گئے ہیں۔

متحدہ محاذ!

اس ملک کی مختلف اقلیتوں کے سربرآوردہ حضرات اقلیتوں کے متحدہ محاذ پر زور دے

رہے ہیں۔ جب اس بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ایسے مسائل پر غور کرنا کنونشن ہی کا کام ہو سکتا ہے اس سے ہٹ کر جماعتی طور پر ہم الگ سے کوئی اقدام کرنا کسی جماعت کے لیے بھی صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے مسلمانوں میں خوامخواہ انتشار فکر و خیال پیدا ہو سکتا ہے اور جماعتِ اسلامی بحیثیتِ جماعت صرف ایسے ہی اتحاد کی تائید کر سکتی ہے جو اسلام و مسلمانوں کی ترقی و بہبود کے پیشِ نظر اسلام کے اصولوں کے تحت ہو۔ نیز یہ کہ اس میں حقیقۃً اسلام اور تبعاً مسلمانوں کے صرف ان مفادات کا تحفظ پیشِ نظر ہو جو اسلامی نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

جماعتِ اسلامی نے کیا کیا؟

مولانا سے جب یہ سوال کیا گیا کہ جماعت اسلامی نے فسادات کی روک تھام کے سلسلے میں کیا کام انجام دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جماعت کی روزِ اوّل سے یہ پالیسی رہی ہے کہ ملک میں امن و امان قائم کرنیکے لیئے خاص جدوجہد کی جائے اور اگر کہیں فساد رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو بروقت اس کے سدِباب کی کوشش کی جائے اور اگر ہماری کوششوں کے باوجود کوئی واقعہ رونما ہو جائے تو حالات کو درست کرانے کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت مظلومین کی حمایت و ہمدردی کی جائے۔ اور یہ سب چیزیں ہمارے پروگرام کا ایک اہم جزو ہیں۔ چنانچہ اس کے تحت ان فسادات کی ابتدا ہی میں متاثرہ علاقوں کی جماعتوں اور کارکنوں کو ان کے فرض کی یاددہانی کرادی گئی تھی۔ امید ہے کہ ہمارے رفقاء نے حتی المقدور اس میں کوتاہی نہ کی ہوگی۔ لیکن اس سلسلے میں تاحال ہمیں متاثرہ علاقوں سے مفصّل رپورٹیں موصول نہیں ہوئیں۔ بہرحال میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر پوری اہمیت کے ساتھ رفقاء کو ان کا فریضہ یاد دلاؤں۔ مظلومین کے ساتھ ہمدردی خواہ وہ کسی نسل و فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں ایک زبردست انسانی فریضہ ہے اور جہاں کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو ان کے ساتھ ہمدردی کرنا تو اس بنا پر مزید اہمیت رکھتا ہے کہ ہم اور وہ ایک ہی جسدِ ملت کے اجزا ہیں اور میں اپنے رفقا کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے ایک انسانی اور مذہبی فریضے کی ادائگی میں خدانخواستہ اس بنا پر کوتاہ ثابت ہوں گے کہ کچھ بدطینت اور شرپسند عناصر اس انسانی فریضے کی ادائگی کے بھی روادار نہ ہوں اور اسے بہ نظرِ کراہت دیکھیں یہ اور اس طرح کے کسی اندیشے کا پاس و لحاظ انتہائی بزدلی اور نکما پن ہے جس میں مبتلا ہونے کے بعد کوئی فرد اور گروہ کوئی بھی اعلیٰ و بہتر کام نہیں کر سکتا۔

مایوس اور بددل نہ ہوں!

امیر جماعت نے آخر میں اپنے اس تاثر کا بھی اظہار کیا کہ مسلمانوں کو حالات سے بددل اور مایوس ہونیکی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام ایک عظیم طاقت ہے اور مسلمان ہندوستان میں اپنی اس گئی گزری حالت میں بھی نہ صرف اپنے کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کر سکتے ہیں بلکہ ملک کی تعمیرِ نو کا نقشہ بنانے میں بھی اہم حصہ لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اسلام کے ساتھ اپنا رشتہ پھر سے تازہ و استوار کرلیں۔ اس سے خود ان میں بھی قوت پیدا ہو گی اور اس کے نتیجے میں عام اہلِ ملک کے فکر و خیال و رویہ میں بھی آناً فاناً خوشگوار تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کوئی بھی انسانی گروہ وقتی طور سے خواہ وہ کتنا ہی بگاڑ کا شکار کیوں نہ ہو جائے اپنے بگاڑ پر ہمیشہ مطمئن نہیں رہ سکتا اور سعی و جہد سے اس کی اصلاح ممکن ہے۔ انسانی فطرت بہرحال خیر پسند واقع ہوتی ہے اور اس وقت بھی یہ بات کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی کہ حالیہ فسادات میں بھی عام پبلک کا کچھ گہرا ہاتھ نہیں ہے — !!!

نقد و تبصرہ

کھرے کھوٹے

مستقل عنوان

تبصرے کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

سورۂ کوثر و سورۂ اخلاص

ماضی قریب کے بہت بڑے عالم اور امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر قرآن کے بعض اجزا پر انہی صفحات میں (اپریل ۵۸ء میں) تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ دائرۂ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح اعظم گڈھ۔ نے تفسیر جزءً جزءً چھاپی ہے۔ قیمتیں بھی باکفایت ہیں اور کتابت و طباعت بھی خوشگوار ہے۔ ترجمہ مولانا امین احسن کا ہے۔ جو بہت عمدہ اور دلکش ہے۔ خود تفسیر کس پائے کی ہے اس کے بارے میں ہم سابقہ تبصرے میں کھل کر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ مفسر پہلے بھی بہت اچھے اچھے گذر چکے ہیں۔ آج بھی مولانا مودودی جیسا صاحبِ فکر مفسر موجود ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است

اللہ کی صناعی کے قربان جائیے کہ بے شمار پھول چمن کے لیے تخلیق فرمائے۔ وہ سب ایک دوسرے سے جدا ہیں مگر اپنی اپنی جگہ کامل و اکمل اور ناقابل مقابلہ۔ مقابلے اور تفضیل کا بھی ایک موقع آتا ہے لیکن اس محل میں تو ہم یہی کہیں گے کہ مولانا آزادؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مودودی اور مولانا فراہیؒ کم سے کم تفسیر قرآن کے پہلو سے ایک ہی کیاری کے ایسے خوش رنگ اور عطر بیز پھول ہیں کہ انمیں سے کسی کو بڑھانے اور کسی کو گھٹانے کے عوض اگر ہر ایک کے منفرد حسن و جمال اور خالق کی صناعیوں کا نظارہ کرنے پر اکتفا کیا جائے تو قلب و روح کو بڑا پاکیزہ سکون حاصل ہوتا ہے۔

سورۂ کوثر کی تفسیر ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ تبصرہ کیا کریں ہر صفحے پر علم و فضل کے موتی ہی موتی بکھرے ہیں۔ دلائل مضبوط، اسلوب رس میں ڈوبا ہوا۔ تفہیم دل میں اتر جانے والی، تقلید جامد کی کثافت سے پاک ایسا اجتہادی انداز نظر جو دو ٹوک ہونیکے باوجود اسلاف کے احترام اور تنقید کے آداب سے خالی نہیں، عربی ادب اور صرف و نحو میں تو شاید اتنا درک اور عبور رکھنے والے فی زمانہ شاذ ہی ملیں گے جتنا مولانا فراہی کو بفضلہ تعالیٰ حاصل ہوا۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

صفحہ ۵۴ پر سورۂ علق کے آخری الفاظ دیئے گئے ہیں لیکن ان پر نشان سجدہ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ ضرور دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہر پڑھنے والا یہ نہیں جان سکتا کہ اس پر سجدہ واجب ہو گیا ہے۔

آیۂ قرآنی وقد خاب من دسّٰها کا ترجمہ عموماً مترجمین یہ کرتے ہیں اور یہی مولانا امین احسن نے کیا ہے کہ جس نے نفس کو خاک میں ملایا وہ نامراد ہوا۔ کوئی شک نہیں کہ لفظاً یہی ترجمہ درست ہے۔ لیکن ہمیں ہمیشہ اس سے اس لیئے الجھن ہوتی رہی ہے کہ اتفاق سے اردو محاورہ اس کے بالکل برعکس مفہوم میں رائج ہو گیا ہے۔ خاک میں ملنا ملانا اردو اصطلاح میں دسّٰ یدسّ کے معنی نہیں دیتا بلکہ نفس کو خاک میں ملا دینے کا مطلب ہوتا ہے۔ تقویٰ، ترکِ لذّات، خواہشاتِ نفس کی سرکوبی وغیرہ۔ ظاہر ہے یہ بات اس مفہوم کے بالکل الٹ ہے جو قرآن میں کہی گئی ہے۔ قرآن تو پیر دیِ نفس کو اس لیئے دسِّ نفس سے تعبیر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک تمام تر اعتبار مآل اُخروی ہی کا ہے جس طرح وہ دنیا دی خرافات میں پھنس کر خدا سے غافل ہونے والوں کے بارے میں کہتا ہے کہ انھوں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا اپنے ہی نفس پر ظلم کیا۔ حالانکہ فوری طور پر تو یہ لوگ لذات و تعیشات سے ہم آغوش ہوتے ہیں مگر وہ ان حباب آسا لمحوں کو ناقابل لحاظ شمار کر کے اس ہولناک انجام کے اعتبار سے کلام کرتا ہے جو ان عیاشوں کے نفوس کو پیش آنا ہے۔ اسی طرح وہ نفس کی فوری آسودگی کو انجامِ

اُخروی کے لحاظ سے خاک میں ملاتا کہتا ہے۔ مگر اردو محاورہ اتنا
دور رس کہاں۔ خدا کرے کوئی اللہ کا بندہ اس آیت کا ایسا بھی ترجمہ
کردے جو اردو محاورے کی رعایت کو شامل ہو۔

سورۂ اخلاص کی تفسیر ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ عربی سے ترجمہ
نہیں ہے بلکہ مفسر نے اردو ہی میں لکھوائی تھی۔ اسے تفسیر کہنا بھی مشکل ہے
بلکہ یہ تو ایک یادداشت ہے جو مجمل بحثوں اور اشاروں پر مشتمل ہے
گویا مولانا نے تفسیر سورۂ اخلاص کے ایوان بلند کی جو بنیاد رکھی تھی وہ
بمنشائے ایزدی دیواروں کی شکل اختیار نہ کرسکی اور وہ اللہ کے
یہاں سدھار گئے۔ اب ظاہر ہے کہ اسے ضائع ہونے سے بچانے
کیلئے چھاپ ہی دینا ضروری تھا۔ کوئی شک نہیں محض اشارہ یا تمہید
ہونیکے باوجود اس میں بہت کچھ قیمتی مواد ہے اور اس کے مطالعہ سے
اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی تکمیل ہوجاتی تو بڑی شاندار چیز
سامنے آتی۔

تفسیر سورۂ کوثر ۹۴ نئے پیسے کی ہے اور تفسیر سورۂ اخلاص
۳۸ نئے پیسے کی۔ ناشر ہیں:- دائرۂ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح
اعظم گڑھ۔ یو۔ پی۔

تلاشِ راہِ حق

چودھری علی احمد خاں۔ اللہ تعالیٰ
ان پر رحمت کرے۔ جماعتِ اسلامی
پاکستان کے ایک بڑے جامع الصفات رکن گزرے ہیں۔ انھوں نے
اپنی خدمات کو یونہی جماعت اسلامی کے حوالے نہیں کردیا تھا۔ بلکہ
پہلے بہت کچھ تحقیق کی تھی۔ خاص طور پر انھوں نے اقامت دین کے
فریضے کی اہمیت و نوعیت اور اللہ کی ہمہ گیر حاکمیت پر مبنی نظام کی
حقیقت سمجھنے کیلئے وقت کے مختلف اہل فکر مشاہیر سے خط و کتابت
کی تھی۔ یہی خط و کتابت مشہور اسلام پسند ادیب اسعد گیلانی کے ہاتھ
آگئی ہے اور انھوں نے اسے شائع فرمادیا ہے (۱۱۸) صفحات پر چھپی
ہوئی یہ خط و کتابت بلاشبہ ایک دلچسپ اور مفید علمی چیز ہے جس کے
مطالعہ سے بعض دینی امور کے گوناگوں لطیف گوشے سامنے آتے ہیں
کل مکاتیب بہ تفصیل ذیل ۵۶ ہیں:-

چودھری علی احمد خاں کے ۲۱
مولانا اشرف علی تھانوی ۱
مولانا مناظر احسن گیلانی ۱
مولانا سید سلیمان ندوی ۵
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ۲۱
مولانا محمد منظور نعمانی ۲
میاں طفیل محمد ۵

امید ہے کہ گلہائے رنگا رنگ کا یہ گلدستہ اہل ذوق کے
مشام جاں کو معطر کرے گا۔ قیمت ضخامت کے اعتبار سے کچھ زیادہ ہے
یعنی پونے دو روپے۔ لیکن پاکستان میں طباعت کے اخراجات کیا ہیں
اس سے ناواقفیت کے باعث کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ناشر ہیں مکتبہ
رحمانیہ اردو بازار سرگودھا۔ منیجر مکتبہ تجلی نے بھی اس کی فرمائش بھیجی
ہے۔ انشاء اللہ ہندوستانی شائقین کو یہاں سے مل سکیگی۔

تاریخ قرآن

یہ کتاب اس لحاظ سے کافی مفید اور
لائق مطالعہ ہے کہ اس کے مؤلف
مولانا عبدالقیوم ندوی نے خاصی عرق ریزی اور تلاش کے بعد ایسی
قرآن سے متعلق گوناگوں معلومات جمع فرما دیئے ہیں۔ قرآن کیا ہے؟
وہ کیونکر نازل ہوا، وحی کیسے آتی تھی، اس کا موضوع کیا ہے، اس نے
کتنے علوم سے بحث کی ہے، وغیر ذلک۔ اس طرح کے بہت سارے سوالوں کے
جوابات مہیا کیئے گئے ہیں۔ لیکن ایک طرف تو اپنے نام کے اعتبار سے
یہ جامع ہے نہ مانع۔ یعنی کتنی ہی ایسی باتیں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں
جنھیں تاریخ قرآن کے ذیل میں یقیناً شامل ہونا چاہیئے تھا اور کتنی
ہی ایسی باتیں کتاب کے زیادہ حصے کو گھیرے ہوئے ہیں جن کا کوئی بھی
ربط تاریخ قرآن سے نہیں ہے۔ علاوہ ازیں فاضل مؤلف نے
مطالب کی تفہیم، استدلال کی گیرائی اور مضامین کے حسن ترتیب پر
خاص توجہ نہیں کی بلکہ ان کا نقطۂ نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم صفحات میں
جتنی زیادہ معلومات جمع کردی جائیں بہتر ہے۔ تو واقعی اس اعتبار سے
یہ (۱۷۶) صفحے کی مختصر کتاب معلومات کی زنبیل بنکر رہ گئی ہے۔ اسکے
دو حصے ہیں۔ پہلے میں یہی نوع بہ نوع معلومات ہیں جن کا ذکر ہوا اور
دوسرے میں احکام سے تعلق رکھنے والی بعض آیات کا ترجمہ ہے۔
کاش مؤلف چند خاص مقامات پر مزید تفصیل و توضیح سے کام لیتے۔
مثلاً انھوں نے قرآن کی قسموں پر ایک صفحے سے بھی کم میں اظہار
خیال کیا ہے۔ عنوان تو یہ ہے
"قرآن میں خدا نے کیوں قسمیں کھائی ہیں؟"

اس کا تقاضا تھا کہ جواب کم سے کم اتنی تفصیل سے ضرور دیا جاتا کہ عام قاری کسی نتیجہ پر پہونچ سکتا۔ لیکن مؤلف نے محض اجمالاً بلکہ اشارۃً علمائے سلف کے بعض قیاسات نقل کر دیئے ہیں جو تشنہ اور غیر تشفی بخش ہیں۔

کتاب بحیثیت مجموعی قیمتی اور لائق مطالعہ ہے۔ قیمت مجلد دو روپے لکھائی چھپائی غنیمت۔ ناشر:۔ محمد سعید اینڈ سنز۔ ناشران و تاجران مقابل مولوی مسافر خانہ۔ کراچی۔

امامت عظمیٰ

یہ بھی محمد سعید اینڈ سنز ہی کی شائع کردہ ہے صفحات (۲۰۸) قیمت مجلد دو روپے دس آنے

یہ مصری جریدے المنار کے مرحوم ایڈیٹر سید محمد رشید رضا کی کتاب "الخلافۃ والامامۃ العظمیٰ" کا ترجمہ ہے۔ مترجم ہیں جناب مولانا ابوالفتح عزیزی۔ ترجمہ غنیمت ہے۔ گو کہیں کہیں خاصا الجھ گیا ہے

کتاب اس لحاظ سے تو عمدہ اور مفید ہے کہ اس کا مقصد تالیف نظام خلافت قائم کرنے کی دعوت دینا ہے۔ چنانچہ ابتدائی نصف حصہ میں صحیح نظام اسلامی کی صورت گری کی گئی ہے جس سے نظام اسلامی کے تمام نظری گوشے سامنے آجاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بتلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نظام خلافت کیوں زوال پذیر ہوا۔ پھر ان غلط فہمیوں وسوسوں اور بدگمانیوں کو رفع کیا گیا ہے جن کی نشر و اشاعت کا سہرا مغربی فکر و تہذیب کے مارے ہوئے مسلمانوں یا متعصب اور غیر محقق غیر مسلموں کے سر ہے۔ آخر میں خلافت اور اسلامی حکومتوں کی مختصر تاریخ دی گئی ہے۔

لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود اس کتاب میں ایک زہر ہلاہل ایسا بھی ہے جس نے ہمارے خیال میں پوری کتاب کو مسموم کر کے رکھ دیا ہے۔ اور وہ ہے حضرت معاویہؓ کی برملا تحقیر و تقلیل۔ لوٹ مار، رشوت خوری، نفسانیت اور اسلام دشمنی کا کوئی الزام ایسا نہیں جس سے اس کتاب نے حضرت معاویہؓ کو نہ نوازا ہو۔ وہی یزید کے فسق و فجور کا افسانہ، وہی حضرت معاویہؓ کی دیدہ و دانستہ ناحق کوشی اور معصیت کاری، افسوس مصر کے اچھے اچھے اہل قلم فضلاء کو ہم دیکھتے ہیں کہ نہایت عمدہ تنقیدی صلاحیتوں کے باوجود روایات کی جانچ پرکھ میں عموماً انتہائی تساہل، سطحیت، اور قلت تحقیق کا ثبوت دیتے نہیں بلکہ محکم حقائق تک کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

جب اصل بنیاد ہی کمزور ہو تو ایوان تقلید کی ظاہر فریب بلندی پر کون ہوشمند مطمئن ہو سکتا ہے۔ عجیب نقطۂ نظر ہے کہ معاویہ وہ کچھ نہ کرتے جو انھوں نے کیا تو خلافت اسلامیہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتی اور اسلامی فتوحات کہیں سے کہیں پہنچتیں۔ اس طفلانہ حد تک بے حقیقت ادعا پر ہم یہاں یا للعجب سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ محسوس کرنے کی توفیق دے کہ کسی صحابی رسولؐ کے منہ پر کالک ملنے کی کوشش بڑا ہی خطرناک کام ہے۔ ممکن ہے کچھ کج فکر اس پر داد دیں لیکن اللہ اور رسول تو کبھی خوش نہ ہوں گے۔ یا حسرتا۔

(۱) چہل حدیث زوجین
(۲) چہل حدیث سلوک

مرتبہ:۔ جناب درویش میر شبیر علی چشتی۔ بی۔ اے بی۔ ٹی۔ (علیگ)
مطبوعہ:۔ رحیم پریس چھتہ بازار۔ حیدرآباد دکن۔

(۱) چہل حدیث زوجین میں چالیس ایسی حدیثیں جمع کی گئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا حق عورتوں پر۔ اللہ کا حق عورتوں مردوں پر عورتوں کا حق ایک دوسرے پر۔ میاں کا حق بیوی پر۔ بیوی کا حق میاں پر۔ اور والدین کا حق اولاد پر کیا ہے۔ ظاہر ہے ان سب باتوں کا جاننا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ فاضل مرتب کی کوشش قابل تحسین ہے۔

یہ بات نہیں سمجھ میں آئی کہ صحیحین کی اس روایت کے سلسلہ میں جو بظاہر عورت کے مرد کی پسلی سے پیدا ہونے کی خبر دیتی ہے۔ جب مرتب خود ہی تسلیم کر لیتے ہیں کہ "اس حدیث میں کمال بلاغت اور اختصار کے ساتھ پسلی سے تشبیہہ دی گئی ہے" پھر یہ فقرے کیوں سپرد قلم فرماتے ہیں۔

> "حضرت حوا علیہ السلام (علیہا السلام ہونا چاہیئے۔ غالباً کتابت کا سہو ہے۔ تجلی) آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔ ہر عورت کی اصل اپنے مرد کی پسلی ٹھیری"

صفحات ۶۷۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

(۲) چہل حدیث سلوک میں چالیس ایسی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ جو سعید روحوں کے لیئے پیغام نشاط اور مومنین کے لیئے نغمۂ جانفزا ہیں ویسے تو "سالک" کا مجمل سا مفہوم سبھی جانتے ہیں لیکن اچھا ہوتا اگر مرتب شروع میں "سلوک" کی ایک عام فہم جامع تعریف کر دیتے۔ بدقسمتی سے بعض حلقوں میں یہ اصطلاح ایک خاص طبعزاد مفہوم میں بولی جاتی ہے۔

شروع میں چند صفحات کا مقدمہ ہے جس میں چہل حدیث کی فضیلت والی شہرہ آفاق حدیث کے ذکر کے بعد مرتب نے صفائی سے تحریر فرما دیا ہے کہ حدیثیں براہِ راست عربی سے نہیں بلکہ "مشارق الانوار" کے اردو ترجمے سے لی گئی ہیں۔ نہ جانے کس طرح ذیل کا فقرہ سہو قلم ہو گیا

"یہ کتاب صحاح کی کتاب مسلم شریف کے بارہ ہزار احادیث کا زبدہ اور خلاصہ سوا دو ہزار احادیث کا مجموعہ ہے"۔

حالانکہ "مشارق الانوار" مسلم اور بخاری دونوں کی روایات پر مشتمل ہے۔ مرتب کی زبان سلیس اور شگفتہ ہے۔ مگر حیدرآباد بیت کے پرتو سے خالی نہیں۔ مثلاً :-

"وہ برائے تصدیق مجھکو بتلائے"۔

کہیں کہیں پرانے قسم کا تصنع بھی ہے۔ مثلاً :-

"میرے رب کی ربوبیت متوجہ ہوئی اور مربوب کی مراد برآئی"۔

احادیث کی تشریح میں بعض جگہ ابہام بھی رہ گیا ہے۔ مثلاً الفاظ حدیث شماتۃ الاعداء کے ذیل میں صوفیائے کرام کا یہ فرمانا

"اور دشمنوں کی خوشنودی یہ ہے کہ ریاضتوں پر حوصلہ افزائی کرنے والے کم ہوں اور مذاق اڑانے والے زیادہ"۔

اوّل تو ہم شماتۃ کا ترجمہ خوشنودی درست نہیں سمجھتے شماتاً اور شماتۃً کسی کے رنج و تعب پر خوش ہونے کو کہتے ہیں۔ اس میں اور خوشنودی میں جو فرق ہے وہ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں۔ خیر یہ قصور تو فاضل مرتب کا نہیں کہ انھوں نے ترجمہ نقل ہی کیا ہوگا۔ لیکن جن قلیل علم و فہم کے عوام کی رفاہ کے لیے "چہل حدیث" پیش کی گئی ہے وہ صوفیاء کی مذکورہ تعبیر و تشریح کو کیا خاک سمجھیں گے جبکہ خواص کے لیے بھی یہ تشریح نظر سے خالی نہیں ہے۔ ایسے مقامات پر عام فہم توضیحات سے کام لیا جاتا تو بہتر تھا۔

ہم ان دونوں "چہل حدیثوں" کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ آخر الذکر کے صفحات (۴۱) ہیں اور قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات

چھپنے کو تو آئے دن نہ جانے کتنی ہی کتابیں چھپتی رہتی ہیں لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ تحقیق، تنقید اور حقیقی ثقافت کے اونچے نمونے فی زمانہ کس قدر کمیاب ہو چکے ہیں، جدھر دیکھیے سستا ادب، سستا فن اور بے مغز کاوشیں عام ہیں۔ ناقدری اور کس مپرسی نے ان لوگوں کو بھی جو خون جگر کی آمیزش کے بغیر ایک سطر لکھنا بھی لوح و قلم کی توہین سمجھتے تھے یا تو اپنی سطح سے نیچے اتر کر قلم چلانے پر مجبور کر دیا ہے یا پھر فرطِ یاس میں انھوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لی ہیں۔ ایسے ناگفتہ حالات میں اگر ایسی کوئی کتاب سامنے آجاتی ہے جو واقعی محققانہ اور پرمغز ہو تو دل فرطِ مسرت سے جھوم اٹھتا ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ کہنا غیر ضروری ہی ہوگا کہ زیر تبصرہ کتاب ان خال خال کتابوں میں سے ایک ہے جو آج کی کتابی مارکیٹ میں بس تبرک ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس کے مؤلف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے ریڈر جناب خلیق احمد صاحب نظامی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مصنفین کے ناموں کے ساتھ ڈگریاں یا عہدے دیکھ کر ہم مرعوب ہونے کی بجائے ہمیشہ بدظن ہی سے ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ خلیق احمد صاحب نے پیشِ نظر کتاب میں شعبۂ تاریخ کی ریڈری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک طرف روایات میں ان کا معیار انتخاب کافی بلند ہے۔ دوسری طرف اس میں اجتہاد و استخراج کی صلاحیتیں فراواں ہیں اس کے علاوہ ان کا اسلوب تحریر ایسا شگفتہ اور دلنشیں ہے کہ نہ صرف ایک خشک موضوع دلآویز ہو گیا ہے بلکہ استنباطِ نتائج کا منطقی عمل بھی ذہن پر بار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس عمل کو دلچسپ بنا دینا کم ہی لوگوں کے بس کا ہوتا ہے۔

سلطان قطب الدین ایبک سے سلطان ابراہیم لودی تک دہلی کے جتنے بادشاہ گزرے ہیں مؤلف نے ان کے عقائد و افکار کی محققانہ تفصیل دیکر یہ واضح کیا ہے کہ نظام مملکت پر انھوں نے کیا اور کیسا اثر ڈالا۔ نیز تاریخ اسلام میں سلطنت دہلی کی کیا حیثیت ہے۔ اس پر بھی عمدہ کلام کیا ہے۔

ہر شخص اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اس کتاب کو دیکھے گا۔ اور جس پہلو کو چاہے گا اہمیت دے گا۔ ہمیں تو اس کے ہر ہر باب میں عبرت ہی عبرت بکھری نظر آئی۔ ہائے وہ دین جو اپنے ہی پیرووں کے ہاتھوں مسخ ہوا اور بہزار حیف وہ اسلام جو اقتدار کی فتنہ کاریوں، تدبر سے محروم اخلاص کی بدانجامیوں، توہم کیشیوں اور دنیاداریوں کے تیروں سے چھلنی ہو کر مغلوبیت، رسوائی اور زیردستی کا عنوان بن گیا، کچھ بادشاہ ایسے بھی گزرے ہیں جو دین کے بارے میں پورے طور پر مخلص تھے

اور دین سے اچھا خاصا ذہنی تعلق تو باستثنائے چند سبھی مسلم سلاطین کو رہا ہے لیکن بایں ہمہ حقیقی نظام اسلام اپنی تمام جزئیات سمیت کبھوں نہ منہ برآرائے سلطنت ہو سکا اسے سمجھنے کے لیئے یہ کتاب بڑی کارآمد ہے بشرطیکہ قاری اسبابِ علل کی منطق سے بہرہ یاب ہو۔ اپنے متعدد مقامات پر یہ کتاب ایک ایسا اسکرین بن گئی ہے جس پر ماضی کے بے شمار کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ شاید سرعنوان یہ آیت ہو تلک الایام نداولہا بین الناس وہ دیکھو شان وشکوہ والے بادشاہوں کے دربار جن میں اونچی کلغی والے علماء سستے داموں دین ومذہب بیچ رہے ہیں اور وہ دیکھو فولادی عزم والے خاکسار علماء ومشائخ جو دین ومذہب کی آبرو کے لیئے بے جھجک تلوار کی دھار پر گلا رکھ رہے ہیں۔ تصویر کے دونوں ہی رخ سراسر سبق ہیں پھر دیکھو کتنے امیروں، شہزادوں اور کجکلاہوں کا سرخ لہو گلی گلی بہ رہا ہے اور یہ بھی سنو کہ کتنے مظلوموں اور کمزوروں کی چیخیں دب دب کر ابھر رہی ہیں۔ ہاں ان نیک نفس صوفیوں کو تو دیکھو جو سر سے پا تک زہد وتقوی کی تصویر ہیں۔ جن کی روحانیت مینارۂ نور کی طرح بلند وروشن ہے۔ جن کے آگے مطلق العنان سلاطین بھی سر جھکائے ہوئے ہیں۔ جن کے رشد وہدایت کی طلائی زنجیر نے پورے معاشرے کو گھیر لیا ہے۔ پھر ذرا ان متصوفین پر بھی نظر ڈالو جو تصوف کی میخوں سے روحانیت کے مینارۂ نور میں جگہ جگہ سوراخ کر کے بدعت کی نالیاں نکال رہے ہیں۔ غور سے دیکھو ان نالیوں میں سے بہنے والے سیاہ جوہڑ کا تعفن کہاں کہاں پہنچا۔ اس کیچڑ کی سیاہی اڑ اڑ کر روشنی میں جذب ہو رہی ہے۔ اب جب تک روشنی غالب رہے گی سب ہی کہا کریں گے کہ مینارۂ نور میں کوئی شگاف نہیں۔ ابھی گندے پانی کے چند ہی قطرے تصوف کے ماء صافی میں گرے ہیں، ذائقے اور رنگ میں تبدیلی نہیں آئی۔ پس کون مانے کہ یہ پانی پورے طور پر طاہر نہیں رہا ہے۔ مگر کب تک۔ وہ دیکھو سیاہی غالب آگئی۔ شام کے دھندلکے میں تم صوفیوں اور متصوفوں میں کیا فرق کر سکو گے۔ تیز نظر والے بے شک جان رہے ہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ لیکن تیز نگاہ کتنوں کے پاس ہے۔ آؤ۔ گانے بجانے سے لیکر سجدۂ لغیر اللہ تک ہر طرح کا خبث وشرک اسلام ہی کے نام پہ دیکھو۔ اور یہ بھی دیکھو صوفی صوفی سے۔ عالم عالم سے۔ شیخ شیخ سے کس طرح دست وگریباں ہے بہتان، سازش، استہزاء ـــــ قرآن وحدیث تک سے استہزاء عناد، نفس پرستی۔ آخر کونسی چیز ہے جو سامنے کے بازار میں بافراط نہیں ہے۔ پھر شرافت، زہد وتقوی، خداپرستی اور حقیقی تصوف بھی اسی بازار میں مل سکتا ہے۔ مگر کم اور ایسا کم کہ تم نہیں کہہ سکتے کہ وہ خالص ہے یا ملاوٹ والا۔ جب ملاوٹ عام ہو جائے تو خالص بھی مشتبہ ہی ہوتا ہے

تو عرض یہ کر رہے تھے کہ خلیق احمد صاحب کی یہ کتاب بلاشبہ بڑی دلچسپ، بڑی عبرت آموز۔ بڑی فکر انگیز اور حقیقی معنوں میں بڑی کام کی چیز ہے۔ مؤلف تصوف سے کم سے کم نظری حد تک خوب بہرہ ور معلوم ہوتے ہیں۔ مگر لائق تعریف بات ہے کہ اس بہرہ وری نے نشہ آمیز عقیدت کا جامہ نہیں پہنا۔ ورنہ اس کتاب کے بعض مقامات میں اس کی خاصی گنجائش تھی۔ وہ "ملفوظات قطب عالم" کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

"چودھویں صدی کے نصف آخر میں تصوف نے ہندوستان میں نہایت ہی بری شکل اختیار کر لی تھی۔ اور صدہا مخرب اخلاق رسمیں اور گمراہ کن بدعات عام ہو گئی تھیں۔"

لیکن آج انیسویں صدی میں کیا حال ہے؟ اس کا مختصر جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ بدعتوں کے اژدہے سنتوں ہی کو نہیں متعدد فرائض وواجبات تک کو چٹ کر گئے۔ تصوف نام ہی بدعت ومعصیت اور بیہودہ اجتہادکاریوں کا رہ گیا۔ اسلام اضحوکہ بن گیا اصلاحات کے چھلکوں پر چھلکے اتارتے چلے جایئے مغز کہیں ہاتھ نہیں آئیگا اور اگر آ گیا تو بدعت ومعصیت کی آنچ میں جل کر کوئلہ بن چکا ہوگا۔

فاضل مرتب نے بعض مؤرخین کے تعصبات کا بھی پردہ چاک کیا ہے۔ نقد میں بڑی جان ہے۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد حبیب صاحب کا دس صفحات کا تعارف بھی محض رسمی چیز نہیں ہے بلکہ کتاب کے شایان شان ہے۔ ان کی نظر تاریخ عالم میں کافی گہری معلوم ہوتی ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ کتب تاریخ کی صفوں میں اس کتاب کو صفِ اولیٰ ملنی چاہیئے۔ اور اسی نسبت سے اس کے مصنف کو ایک اچھے ہوئے بالغ نظر مؤرخ کی حیثیت دی جانی چاہیئے۔

ناشر ہیں :۔ ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی۔ یہ نام ہی اس بات کی معروف علامت ہے کہ ظاہری حسن وجمال کی بھی کمی نہ ہوگی

کتابت روشن، کاغذ نفیس، چھپائی عمدہ۔ آخر میں اردو فارسی اور انگریزی مآخذ کی فہرست دیدی گئی ہے۔ صفحات (۴۸۵)۔ قیمت مجلد نو روپے۔

تقویۃ الایمان مجاہدِ حق شاہ اسماعیل شہید قدس اللہ سرہٗ کی یہ کتاب اتنی معروف و مشہور ہے کہ اس پر تبصرہ لکھنا تحصیل حاصل ہی ہوگا۔ اس کتاب نے بدعت و شرک کی صفوں میں جو تہلکہ ڈالا ہے اس کی بازگشت گذشتہ سوا سو سالوں میں پیہم گونجتی رہی ہے۔ یہ نہ جانے کتنی بار کہاں کہاں سے چھپی، فی الوقت جو ایڈیشن ہمارے سامنے ہے وہ صوری حسن و جمال کے اعتبار سے ایسا صاف ستھرا ہے کہ اس جیسا کوئی ایڈیشن کم سے کم ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ لکھائی چھپائی روشن، عربی عبارات خوشخط اور معرّب معنوی افادیت کے لحاظ سے بھی یہ ایڈیشن ممتاز ہے۔ اصل کتاب کے ساتھ بعض اور مفید رسائل اور متعلقہ خطوط اور فتاوی وغیرہ منسلک کر دیئے گئے ہیں۔ شروع میں حضرت شاہ شہیدؒ کا مختصر تعارف ہے۔ اس کے بعد اصل رسالہ ہے۔ پھر دوسرا رسالہ "تذکیر الاخوان" ہے جو تقویۃ الایمان ہی کا بقیہ ہے۔ اسکے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک عربی خط (مع ترجمہ) ہے جو آپ نے ملا بغدادی صاحب کو تحریر فرمایا تھا۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ اسکے بعد وہ سوال و جواب اور فتاوی ہیں جو اصل کتاب ہی سے تعلق رکھتے ہیں یہ بھی نہایت ہدایت آموز ہیں۔ پھر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا منظوم (اردو) عقائد نامہ ہے۔ پھر مسئلہ علم غیب کے بارے میں فتاوی ہیں پھر شیخ فتح اللہ مرحوم کا منظوم اردو رسالہ حادق الاشرار ہے پھر مولانا محمد سعید الدین عثمانی بدایونی کا رسالہ سعادت دارین ہے جو ردِ شرک و بدعت میں عمدہ ہے۔ پھر منظوم رسالہ "گناہِ کبیرہ" ہے پھر مولانا خرم علی کا رسالہ نصیحۃ المسلمین ہے جو خاصے کی چیز ہے۔ اس طرح یہ کتاب متوسط (۵۲۰) صفحات تک پہنچتی ہے اور قیمت ہے مجلد کی آٹھ روپے۔ ناشر ہیں نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسماعیل شہیدؒ اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود انسان ہی تھے۔ انسان جو سہو و نسیان کا پتلا اور لغزشوں کا مجسمہ ہے۔ وحی کے دائرے سے باہر اسکے قدم کہیں نہ کہیں ضرور لڑکھڑاتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ اگر شاہ شہیدؒ کے تمام ہی فرمودات پر بیلاگ تنقید کا عمل جراحی کیا جائے تو ضرور ان میں قابل نظر اجزا بھی نکلیں گے۔ ہو سکتا ہے ـــــ اور شاید ہوا بھی ہے کہ حمایت حق کے جذبہ و جوش میں وہ کہیں کہیں نقطۂ اعتدال سے کچھ آگے نکل گئے ہوں۔ یا الفاظ کے انتخاب میں بہت زیادہ حزم و احتیاط ملحوظ نہ رکھ سکے ہوں۔ لیکن اس سے ان کے اصل کام کی اہمیت مجروح نہیں ہوتی اور جب اس پس منظر کو بھی سامنے رکھ لیا جائے جس میں موصوف نے کام کیا ہے تو بات اور بھی نکھر جاتی ہے۔ ردِ عمل کی منطق ایک فطری قانون کی حیثیت سے ہمیشہ کارفرما رہی ہے اور رہیگی۔ جب توحید کا دعویٰ کرنیوالے ہی پوری بیحیائی اور جسارت کے ساتھ ایوان توحید کی ایک ایک دیوار گرانے لگ جائیں اور بنیادیں تک کھود ڈال رہے ہوں تو ایک سچے موحد اور خدا پرست کا آتش زیر پا ہو جانا عین مطابق فطرت ہے۔ کہیں کہیں جو شاہ صاحبؒ کی تقریر میں تشدد اور جذباتی بہاؤ کا رنگ جھلکتا ہے تو یہ فی الحقیقت ردِ عمل ہے اہل بدعت کی ان سیاہ کاریوں کا جو ضبط و حلم کو ڈائنامیٹ کرنے کا پورا سامان اپنے اندر رکھتی تھیں۔ آدمی پتھر نہیں بن سکتا نہ جذبات کی آمیزش کے بغیر کبھی کوئی بڑا کام ہو سکا ہے۔ شاہ صاحب کے بعض معتقدین ان کے ہر ہر لفظ کو عینِ حق، برمحل اور مناسب ترین ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں اور یہ بھی سعادت مندی ہی ہے، لیکن ہمارے نزدیک تو ان کی تحریر میں جذبات کی آمیزش ہی ان کی رفیع الشان للّٰہیت کا نشان ہے اور جہاں جہاں ان کا قلم ضبط و احتیاط کی حدیں توڑ کر جوش و خروش کی وادی میں قدم رکھتا ہے وہیں ہمارا دل چاہتا ہے کہ اسے چوم لیں۔ کہنے دیجئے کہ ان کی بعض اضطراری لغزشیں ہی ان کی رفعت و عظمت کا اعلامیہ ہیں اور دل و جگر کا جو گرم لہو ان کے لفظ لفظ میں جھلک رہا ہے وہ اس سے بالا ہے کہ ان کی تقریر کو زبان و ادب کے اعتباری پیمانوں سے ناپ کر صحیح و غلط کا حکم لگایا جائے الفاظ تو محض لباس ہیں۔ یہ دیکھو اس لباس میں کس عروسِ معانی کا تن سیمیں دمک رہا ہے۔ خدائے عزّ و جل کی جلالت شان کا احساس رسول اللہ کی حقیقی محبت اور حمایت حق کا ولولہ ان اجزا کے مجموعے کا نام تھا۔ شاہ محمد اسماعیلؒ۔ ایک شعلۂ جوالہ سینے میں چھپائے۔ خیال محبوب میں غرق۔ سوز محبت کی آنچ میں تپتا ہوا، سر بکف، تیغ بکف وہ شرف و عزت کی اس وادی تک پہنچ ہی گیا جس کے آگے کوئی وادی نہیں۔

جہاں تک قسمت والے ہی پہونچ سکتے ہیں۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس کی پاکیزہ روح پر۔ جس وادی میں اس نے اور اس کے جلیل القدر مرشد سیدنا احمد شہید طاب اللہ سراہ نے اپنا لہو بہایا تھا۔ وہ آج بھی صدا دے رہی ہے :-

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

اگر خدا کی جناب میں شاعرانہ گستاخیاں قابلِ معافی ہوتیں تو ہم شہیدینؒ کی زبان سے کہتے :-

اُن کے ناخن ہوئے محرم حنا میرے بعد

نہیں کہہ سکتے تو بہرحال غالب کے اس نوحے میں ضرور شریک ہوں گے :-

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

کون جانے غالب کا یہ "استفہامیہ" "کب تک تشنۂ جواب رہے ! ....

(عامر عثمانی)

اوپری دودھ کا صحیح طریقۂ استعمال

از بیگم حکیم عظیم زبیری۔

بچہ کی بہترین غذا اس کی ماں کا دودھ ہے۔ لیکن اگر ماں کسی متعدی مرض میں مبتلا ہو یا غیر معمولی کمزور و ناتواں ہو یا حاملہ ہو تو ان حالات میں اوپری دودھ دینا ہی مناسب ہے۔ بچہ کو کچا دودھ ہرگز نہ دیجئے۔ فربہ اور تندرست گائے یا بکری کا دودھ لیکر ایک جوش دے لیں۔ پھر آگ سے اتار کر ٹھنڈا ہونے دیں تاکہ بالائی دودھ کی سطح پر جم جائے۔ جب دودھ بالکل ٹھنڈا ہو جائے تب اس کو کپڑے میں چھان لیں کیونکہ بالائی اور چکنائی شیرخوار بچے کیلئے مضر ہے۔ یہ چھنا ہوا دودھ قلعی دار تانبے کے برتن یا صاف بوتل میں رکھیئے۔ صبح کا دودھ شام تک اور شام کا دودھ صبح تک بچے کو پلانا چاہیئے۔ جب بچے کو دودھ پلانے کی ضرورت ہو تو پہلے پانی کو خوب گرم کریں، پھر جتنی مقدار میں دودھ میں پانی ملانا ہو یہ گرم پانی ملائیں۔ بچہ کو جب بھی دودھ پلائیں ہر مرتبہ گرم پانی دودھ میں شامل کردیں، دودھ کو بار بار گرم کرکے اور اس میں ٹھنڈا پانی ملاکر بچہ کو پلانا مناسب نہیں ہے۔

پندرہ دن تک کے بچے کیلئے ایک حصہ دودھ تین حصے پانی ملاکر پلائیں پھر پندرہ دن کے بعد ایک حصہ دودھ دو حصے پانی دو ماہ تک دیں، دو ماہ بعد پانی اور دودھ برابر کا ملا کردیں، چار ماہ بعد تھوڑا تھوڑا پانی کم کرتی جائیں اور دودھ کی مقدار بڑھاتی جائیں، چھ ماہ بعد دو حصے دودھ میں ایک حصہ پانی ملاکر دیں۔ جب تک بچے کے معدے میں خالص دودھ ہضم کرنے کی صلاحیت نہ پیدا ہو تین حصے دودھ اور ایک حصہ پانی ملاکر دیتی رہیں۔ دودھ کی مقدار کے متعلق سب سے بہتر اصول یہ ہے کہ بچہ کو صرف اتنا ہی دودھ پلایئے جتنا کہ وہ خوشی سے پیئے جب وہ بار بار اپنا منھ ہٹانے لگے تو زبردستی اسے ہرگز دودھ نہ پلانا چاہیئے اگر بچہ لاغر، کمزور اور ناتواں ہو، ہرے پیلے دست آتے ہوں، دودھ الٹتا ہو تو دودھ میں "**زندگی**" ملاکر پلایئے "زندگی" خوش ذائقہ شربت ہے، بچوں کیلئے آبِ حیات سے کم نہیں، اسکے استعمال سے سوکھا ہوا بچہ یا سوکھے (مسان) کی بیماری میں مبتلا بچہ ہٹا کٹا ہو جاتا ہے۔ گرمیوں میں بچے کو ضرور زندگی استعمال کرائیے، اسکے استعمال سے نہ تو بچے کو تونس (پیاس) ہوتی ہے اور نہ لُو ستاتی ہے، دستوں کی بیماری نہیں ہوتی اور دانت آسانی سے نکل آتے ہیں، کم سے کم ایک شیشی شربت بچے کو پلایئے تو سہی۔ خدا کے بھروسے پر کہتی ہوں کہ آپ میرے لکھے ہوئے سے زیادہ مفید پائیں گے ایک شیشی کی قیمت مع محصول تین روپے آٹھ آنے ہے۔ پاکستانی تین شیشیاں منگوائیں ماں کا دودھ پینے والے بچوں کو بھی "زندگی" پلایئے۔

ضروری نوٹ مردانہ و زنانہ مخصوص امراض کے متعلق کارآمد لٹریچر مفت منگواکر پڑھیئے۔ ہر قسم کے امراض میں مفت مشورہ لیجئے۔ لیکن جواب کے لیے ٹکٹ یا لفافہ رکھنا نہ بھولیئے۔ پاکستان دواؤں کا پارسل جاتا ہے۔ پاکستانی بھائی دوا کی قیمت سلامت حسین صاحب زبیری نمبر ۵ لالو کھیت کراچی کے پتے پر روانہ کرکے رسیدی آرڈر مجھے بھیجدیں۔ میرا پتہ یہ ہے :-

بیگم حکیم محمد عظیم زبیری امروہہ (بھارت)

● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل۔ غیر مجلد ساٹھ روپے پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی | مولانا عبد الحق محدث دہلوی کی اس تفسیر نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ نایاب ہو گئی تھی اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک بیس پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارۂ اوّل چھ روپے جو تین حصّوں پر مشتمل ہے)

تفہیم القرآن اوّل دوم | مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی وہ ہتم بالشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغزِ قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دل نشیں، مستند اور ذہن میں اُتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ جلد اوّل مجلد ساڑھے بارہ روپے جلد دوم مجلد پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن | مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبد الحق محدث دہلوی کی یہ عظیم الشان کتاب وہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحب جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات وصفات تناسخ ملائکہ جزاء وسزا، قبر، جنت، دوزخ، نبوّت، ناسخ ومنسوخ، استعارہ وکنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں، صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ روپے (مجلد پختہ سولہ روپے)

قصص القرآن | قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالا مال، عمدہ سلیس اندازِ بیان دقیق پر مغز اور بے نظیر، حصہ اوّل سات روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم سات روپے مکمل سیٹ منگانے پر قیمت تیئیس روپے۔ (مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ بڑھ جائے گا)۔

لغات القرآن | قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔

جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

علم حدیث

مؤطا امام مالک (مترجم عربی مع اردو) | احادیث وآثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا، سلیس ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب بہتر۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد کریج تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بخاری شریف (خالص اردو) | قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری کا سلیس اُردو ترجمہ تین جلدوں میں مکمل ہدیہ چوبیس روپے۔ مجلد پختہ ستائیس روپے مجلد اعلےٰ تیس روپے۔ (مجلد کا مطلب تین الگ الگ جلدیں ہیں)

مشکوٰۃ شریف (خالص اردو) | مشکوٰۃ شریف کا بھی سلیس اُردو ترجمہ دو جلدوں میں حاضر ہے۔ یہ کتاب حدیث کی گیارہ کتابوں کا وہ انتخاب ہے جس نے تمام عالم اسلامی میں بے نظیر مقبولیت حاصل کی۔ ہدیہ سولہ روپے مجلد پختہ اٹھارہ روپے (مجلد اعلیٰ بیس روپے)

ترمذی شریف (خالص اردو) | سفید عمدہ کاغذ حصہ اول مجلد نو روپے حصہ دوم مجلد نو روپے۔ (دونوں حصے بیک وقت طلب کرنے پر سترہ

مشارق الانوار (مترجم) | بخاری ومسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تشریح بھی ہے اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ

بلوغ المرام | مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم مع ترجمہ وفوائد | امام ابو حنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جسمیں مولانا

نماز کی باتیں :- سوا روپیہ۔

عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے قیمت مجلد

ترجمان السنّۃ

احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اُردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔

اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کی خریداری آپ کے روپے کا بہترین مصرف ہوگا۔ جلد اوّل دس روپے (مجلّد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم دس روپے آٹھ آنے (مجلّد

معارف الحدیث

از مولانا منظور نعمانی

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب۔

اُردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ، جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتّب کیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ جلد اوّل مجلّد سوا پانچ روپے۔ جلد دوم مجلّد ساڑھے پانچ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبّہ

بخاری و موطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابن منبّہ کے لئے مرتّب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے (مجلّد ساڑھے چار روپے)۔

بستان المحدثین

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔

بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلّد پانچ روپے۔

انتخاب صحاح ستّہ

حدیث کی چھ "صحیح" کتابوں کا جستہ جستہ انتخاب اُردو۔ مجلّد پانچ روپے

ابن ماجہ (اُردو)

صحاح ستّہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقینِ حدیث کے لئے نادر تحفہ۔ صفحات ۶۶۰۔

ہدیہ مجلّد بارہ روپے

فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر

بہت مفصّل بڑی جامع اور دلچسپ ایمان افروز کتاب۔ دو حصّوں میں مکمل۔ ساڑھے چھ روپے

ابن ماجہ اور علم حدیث

مولانا عبدالرشید نعمانی کی بہترین تالیف مجلّد آٹھ روپے

علم الحدیث

فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق قیمت سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

حضرت صدیق اکبرؓ

از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نہایت مفصّل و مبسوط تذکرہ جس میں آپ کے ذاتی حالات و سوانح۔ عظیم الشان کارناموں، دینی و سیاسی خدمات جلیلہ، اخلاق و مکارم اور عہد صدیقؓ کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کے علاوہ اِس دَور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر بڑی جامعیت اور تحقیق سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ حق یہ ہے کہ خلیفۂ اوّل پر ایسی محققانہ کتاب کم سے کم اُردو میں پہلی بار آئی ہے۔ نفیس لکھائی چھپائی۔ عمدہ کاغذ ۴۸۰ صفحے۔ قیمت سات روپے۔ مجلّد کرمچ آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)۔

الفاروق

امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ہر لحاظ سے نفیس، مستند، ایمان افروز اور گوناگوں افادیت کی حامل۔ قیمت مجلّد چھ روپے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ ساڑھے پانچسو سے زائد صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا اور متقدم ماہرِ قانون ابوحنیفہؒ جیسا رجُلِ عظیم۔ سیاست جیسا پیچیدہ موضوع اور مولانا مناظر احسنؒ جیسا عالم و دانا مصنف۔ اس کے بعد کس تعریف کی ضرورت ہے

قیمت مجلّد بارہ روپے

تجلّیات عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر اُردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۶۱۲ صفحات جلد پر حسین سہ رنگا گردپوش۔ قیمت مجلّد ساڑھے دس روپے۔

سیرتِ اشرف

حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصل سیرت صفحات ۶۱۵ مجلّد بارہ روپے

تجلیاتِ مدینہ:۔ مدینے کے فضائل و مناقب اور برکات۔ ڈھائی روپے ● ہزار سال پہلے:۔ (از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) چار روپے۔

حیاتِ ولیؒ
شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد و اساتذہ کا تذکرہ۔ مجلد چھ روپے۔

حیاتِ امام احمد بن حنبلؒ
مصر کے نابغۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآرا کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ۔ امام احمد پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ قیمت دس روپے۔

محمد بن عبدالوہابؒ
از مولانا مسعود عالم ندوی
بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف جس میں مشرق و مغرب کے تمام ماخذ پوری طرح کنگھا لکر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ڈھائی روپے

حیاتِ امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان
علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز قیمت تین روپے (مجلد چار روپے)

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی
بروایت ملیح آبادی مولانا ابوالکلام آزاد کی مفصل داستانِ حیات۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

ردِ شرک و بدعت

تقویۃ الایمان (اُردو)
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہلِ بدعت میں ہلچل ڈالدی
قیمت چار روپے (مجلد پانچ روپے)

الشہاب الثاقب (اردو)
بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب
قیمت پونے دو روپے

کتاب التوحید
ردِ شرکت و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد ...

بدعت کیا ہے؟
مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائدِ بدعیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث۔ ایک روپیہ (مجلد ڈیڑھ روپیہ)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہلِ بدعت کے الزامات
حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہلِ بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی شافی رد۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)۔

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ
یہ ضخیم کتاب علوم و معارف کی کان ہے سلیس اُردو ترجمہ مع عربی متن دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت مجلد بیس روپے۔

خیر کثیر
شاہ ولی اللہؒ کی مشہور کتاب الخیر الکثیر کا اُردو ترجمہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

فیوض الحرمین
شاہ ولی اللہؒ کے مشاہدات و تاثرات قیمت مجلد دو روپے (مع اُردو عربی)

سیرۃ رسولؐ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور انکی خصوصیات، عادات، میلانات اور نسبی و حسبی رشتہ داروں کی تحقیق و تفصیل۔ ترجمہ سلیس اور عام فہم۔ بارہ آنے

تصانیف مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ

اصلاحُ الرسوم
مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب
قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین
مسلمانوں کی زندگی کیسی ہونی چاہئے، وہ کن چیزوں سے بچے اور کن چیزوں کو اختیار کرے۔ مجلد کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

تعلیم الدین
دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

نشر الطیب
سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بڑی بڑی مجلدات کا نچوڑ۔ قیمت تین روپے۔

دعوات عبدیت
مولانا اشرف علیؒ کے چند مواعظ کا مجموعہ، جو عرصے سے نایاب تھا اسکے اب چار حصے مکمل ہوچکے ہیں ہر حصہ مجلد اور ہر حصہ کی قیمت

تقدیر کیا ہے؟ (از مولانا اشرف علیؒ) سوا دو روپے ● فیصلہ کن مناظرہ مجلد ڈیڑھ روپیہ ● نماز کی حقیقت۔ (از مولانا منظور نعمانی) بارہ آنے

عقائد و فقہ

بہشتی زیور مولانا اشرف علی کی وہ شہرہ آفاق کتاب جو روزمرہ کے تمام دینی مسائل کے علاوہ سیکڑوں مفید مضامین پر مشتمل ہے۔ قسم اوّل مکمل مدلل مجلد بارہ روپے۔ قسم دوم غیر مدلل مجلد سات روپے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ قسم اوّل میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور قسم دوم میں حاشیہ نہیں ہے۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

دین کی باتیں اسلام، ایمان، عمل صالح، ارکان اسلام، اخلاق، حقوق، سیاست اور خدمت دین کے طریقوں پر نہایت دل نشین اور ایمان افروز گفتگو۔ بلاک کی عمدہ چھپائی۔ قیمت پونے دو روپے۔

عقائد الاسلام قاسمی اسلام کے جملہ اصولی عقائد کو سہل زبان میں پیش کیا گیا ہے خطاب اگرچہ بچوں سے ہے لیکن بڑوں کے لئے بھی کتاب بڑی مفید ہے کیونکہ تمام اصولی عقائد سے بڑے بھی کم ہی باخبر ہیں۔ ڈھائی روپے

ادبیات

شاہنامہ اسلام (جدید) حصہ اول (از مولانا عامر عثمانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفہ اول کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا۔ جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

شعلۂ طور مجموعۂ کلام رئیس المتغزلین جناب جگر مرادآبادی قیمت پانچ روپے

آتشِ گل یہ بھی جگر ہی کا مجموعۂ کلام ہے جو شعلۂ طور کے بعد طبع ہوا ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کے اردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

دیوان غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس، ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔ قسم دوم مطبوعہ تاج کمپنی کراچی ۔۔۔

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

مختلف علوم و فنون

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بڑی نفیس، مفصل، مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتابِ سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلد دس روپے

حصن حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ قیمت مجلد ساڑھے آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون یہ شہرہ آفاق کتاب اُردو ترجمہ ہو کر آگئی ہے۔ قیمت مجلد پشتہ پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سترہ روپے)۔

اساس عربی عربی سیکھنے کیلئے عربی صرف و نحو کے فوائد کی عمدہ کتاب۔ پانچ روپے (مجلد چھ روپے)

سیر الصحابہ رض ایسے ڈیڑھ سو صحابہ رض کے حالات جن سے عام طور پر لوگ واقف نہیں۔ قیمت مجلد پانچ روپے

فتوح الغیب (اُردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے قیمت ڈھائی روپے

حکایات صحابہ رض صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جنکے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قسم اوّل مجلد تین روپے قسم دوم سوا دو روپے

لمہ سوا دو روپے ● اسلامی نظریۂ سیاست۔ ڈیڑھ روپے۔

تحریک اخوان المسلمین

مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کیلئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے جس کا سلیس اردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ ممالک عربیہ سے قریبی واقفیت رکھنے والے مشہور عالم اور عربی ادب کے ماہر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں کہ میرے علم میں اس موضوع پر سب سے زیادہ پُر از معلومات اور خوش سلیقہ یہی کتاب ہے۔ اس کتاب سے اخوان کی قوتِ عمل، حسنِ تنظیم اور کارکردگی کی صلاحیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے

(قیمت مجلد تین روپے)

عہدِ نبوی کے میدان جنگ

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلق نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے ۲۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ (مجلد دو روپے)

اُسوہ حسنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھ کر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ قیمت سوا دو روپے (مجلد سوا ...)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات

شاہانِ عالم عرب حکمرانوں قبائلی سرداروں اور عمالوں کے نام دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

حدیث اور قرآن

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)، حدیث کا تعلق قرآن سے کیا ہے۔ دین میں حدیث کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ رسالت کسے کہتے ہیں اور اسکے تقاضے کیا ہیں؟ اس طرح کے سوالات کے دل نشیں اور مدلل جوابات، منکرین حدیث کا بہترین رد۔ یہ کتاب خالص تبلیغی نقطۂ نظر سے چھاپی گئی ہے۔ چنانچہ سفید کاغذ کے ڈیڑھ سو صفحات کی قیمت صرف بارہ آنے

مکاتیب سید سلیمان ندوی

قیمت مجلد سوا تین روپے

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

اُن اسلامی تعلیمات کی تفصیل جو ہماری روز مرہ کی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قیمت سوا روپیہ۔

مصباح اللغات

عربی اُردو لغت کی عظیم الشان کتاب پچاس ہزار سے زائد الفاظ کی تشریح المنجد، قاموس، تاج العروس، نہایہ، منتہی الارب اور اسی پایہ کی دیگر لغات کا نچوڑ۔ قیمت مجلد سولہ روپے۔

کریم اللغات

عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی بہترین اُردو تشریح یہ لغت عمدہ اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ قیمت دو روپے (مجلد ڈھائی روپے)

کتاب الصلوٰۃ

"نماز" پر امام احمد ابن حنبل رح کی مشہور کتاب ترجمے کیساتھ امام صاحب کے اثر انگیز حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

اسلام کیا ہے؟

مولانا منظور نعمانی کی وہ مقبول کتاب جسے عوام و خواص سبھی پسند کرتے ہیں۔ قیمت قسم اوّل مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

آپ حج کیسے کریں

از مولانا منظور نعمانی — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں حج کرنے کی تفصیلات ہیں۔ قیمت مجلد دو روپے۔

سراپائے رسول

اس مقدس کتاب میں آنحضور کی ذاتِ گرامی کے تمام ہی گوشوں کو معتبر روایات و دلائل سے سامنے لایا گیا ہے۔ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بولنا مسکرانا، معاملات، اخلاق، عادات، مرغوبات۔ غرض آنحضور کا تمام کا تمام سراپا الفاظ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے پیش لفظ سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے۔ قیمت صرف چودہ آنے

اسبابِ زوالِ امت

علامہ امیر شکیب ارسلان کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

اشرف المواعظ

مولانا اشرف علی رح کے وعظوں کا مجموعہ۔ مکمل چار حصے۔ پونے دو روپے (مجلد سوا دو روپے)

صراطِ مستقیم
از شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ نیا ایڈیشن، عمدہ کتابت و طباعت۔ قیمت ڈھائی روپے (مجلّد تین روپے)

تعلیم الاسلام
بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی ابتدائی دینی تعلیم پر بہترین کتاب۔ چھپائی عکسی قیمت مکمل ہر چہار حصّہ ایک روپیہ چھ آنے (مجلّد دو روپے)

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں
اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ کتاب۔ قیمت تین روپے۔

احسن الصلوٰۃ
نماز، وضو، تیمم اور غسل کے فرائض و واجبات، سنن، مستحبات اور مفسدات و مکروہات کو نہایت وضاحت سے درج کیا گیا ہے صفحات ۴۸ صرف پانچ آنے

رحمۃ اللعالمین
غیر مسلموں کی مدلل شہادتوں سے رسول اللہ صلعم کی عظمت و سطوت کا ثبوت صفحات ۳۲ (؟)

محکمات
قرآن کی بعض آیات اور ان کی تفسیر پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اُردو کا مقدمہ
اردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ۔ جو پُر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک روپیہ۔

حقیقت
جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصّل تنقید قیمت دس آنے

مولانا مودودی اور تصوف
مولانا شیخ احمد کا ایک معرکۃ الآراء مبسوط مقالہ کتابی شکل میں پبلشر کے "تعارف" ماہر القادری کے "پیش لفظ" اور مولانا عامر عثمانی کے مقدمے سے مزین ہے قیمت ڈیڑھ روپیہ

کتاب الطہارت
جس میں پاکی اور ناپاکی کے جملہ مسائل کو یکجا کر دیا گیا ہے۔
قیمت بارہ آنے

تجلی کا خاص نمبر ۵۸ء
اب بھی مل سکتا ہے
ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث، نذر و نیاز، فاتحہ و عُرس اور سماع موتے وغیرہ کا جائزہ وغیر ذلک۔

اسی میں مولانا شیخ احمد کا مشہور مقالہ "مولانا مودودی اور تصوف" بھی شامل ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

نوٹ:۔ تنہا یہی منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ گیارہ آنے بھیج دیجئے۔ وی پی طلب کریں گے تو دو روپے دو آنے خرچ ہو جائیں گے۔

مبتدیوں کی تجوید
قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے بہترین ہے۔ تجوید کے بہترین طریقے آسان زبان میں پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت صرف بارہ آنے

درسگاہِ رسول صلعم کے دو طالب علم
یہ دونوں کون تھے؟ جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ!
ان دونوں کے مختصر مگر مستند حالات اور سوانح۔ طرز تحریر بیحد دلکش ہے۔ کتابت و طباعت اچھی۔ ایک روپیہ

ردِّ روافض (اُردو)
ایک دلچسپ مناظرہ۔

کیا رافضی کافر ہیں؟ اور رافضیوں کا کیا مذہب ہے؟ اس پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا خود نوشتہ رسالہ حرفِ آخر ثابت ہوا۔ جو اب اُردو میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے قیمت فی ایک روپیہ۔

تعلیمات امام اہلِ سنت
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سو مکتوبات کا اُردو ترجمہ اصل عبارت (فارسی) ساتھ ساتھ دیدی گئی ہے۔ یہ مکتوبات۔ بادشاہِ وقت۔ وزرائے وقت۔ اپنے مرشد اور خلفاء سے لیکر صاحبزادوں اور دیگر ارکانِ دولت تک کے نام لکھے گئے ہیں۔ ان سب میں آپ کو شرعی حقائق و معارف ملیں گے اور ساتھ ہی حضرت ممدوح کی کچھ خصوصیات بھی شاملِ کتاب کی گئی ہیں۔ قیمت صرف بارہ آنے

احکام القمار جس میں جوے کی تعریف، اس کے اقسام اور احکام حدیث و قرآن سے پیش کئے گئے ہیں مستند عالم مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے۔ قیمت صرف چار آنے۔

غوث الاعظم یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کی سوانح اور مکمل حالاتِ زندگی قیمت صرف چار آنے

جلاء الابصار اردو ترجمہ **نور الانوار شرح المنار**

یہ ترجمہ عرصہ سے کمیاب ہے۔ اس کے چند نسخے مل گئے ہیں ضرورت مند حضرات فوری توجہ دیں۔ دو جلدوں میں مکمل ہے۔ غیر مجلّد کی قیمت بارہ روپے اور مجلّد کی سولہ روپے۔

عربوں کی گذشتہ تجارت
اور
انگلستان کی صنعت و حرفت

اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے تجارت کی بدولت کس طرح اور کتنی ترقی کی۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

اشاعت اسلام دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفینِ اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملے گا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ قیمت چھ روپے

اردو ہندی لغت جس میں نئے دور کے پیش نظر سائنسی، معاشرتی، صنعتی، تجارتی، اخباری، عدالتی اور دفتری غرضیکہ ہر قسم کے مفرد الفاظوں کے ساتھ ساتھ مرکب لفظوں کی بھی ہندی دیدی گئی ہے۔ ہندی سیکھنے والوں کے لئے ایک اچھی چیز صفحات ۳۲۰ قیمت مجلّد مع گرد پوش ساڑھے تین روپے۔

خلفائے راشدین از مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

دین و شریعت مولانا منظور نعمانی کی تازہ تصنیف جو بہت مفید و مبسوط مباحث پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے (آپ کی تین اور کتابیں بھی ہم سے مل سکتی ہیں)

(۱) اسلام کیا ہے اضافہ شدہ ایڈیشن۔ مجلّد ڈھائی روپے۔
(۲) آپ حج کیسے کریں۔ مجلّد دو روپے (۳) معارف الحدیث حصہ اول مجلّد سوا پانچ روپے۔ حصہ دوم مجلّد ساڑھے پانچ روپے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مشہور محقق عالم مولانا مسعود عالم ندوی رحؒ کی شہرہ آفاق کتاب حضرت سید شہیدؒ کی چلائی ہوئی تحریک اور ان کے کارناموں پر تبصرہ و تنقید اور غیروں کی غلطیوں کی نشاندہی اور تردید وغیرہ۔ ڈھائی روپے۔

تاریخ عالم حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلّد ساڑھے چار روپے۔

الغزالی شہرہ آفاق عالم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا شبلی نعمانی رحؒ کی محققانہ تصنیف، نایاب شے ہے۔ قیمت دو روپے۔

اسلام اور انسانی قانون از علامہ عبدالقادر عودہ شہید کی ایک نفیس کتاب ترجمہ سلیس ہے۔ قیمت صرف پندرہ آنے۔

سدِّ باب ذریعہ علامہ ابن قیم کا ایک عجیب مضمون جس میں ۹۹ مثالوں سے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس تک پہنچانے والے تمام وسائل و ذرائع کو بھی ممنوع کر دیتا ہے۔ قیمت دس آنے۔

قربانی کی حقیقت اور اسکی تاریخ مولانا فراہی کی بہترین علمی و تحقیقی کتاب۔ اردو لباس میں۔ قیمت مجلّد سوا دو روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔

مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔